

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نَوَارِدَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَكُمْ أَتَاذُنُ
 چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اسے پورا کرے گا اگر چہ منکر لڑ کر کہتے ہیں کہ

مَنْظُورِ آہی

سیدنا و مرشدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
 مسیح موعود و مہدی مجدد و صدی چہار دہم علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کے ملفوظات پر ترتیب تاریخ
 مرتبہ و شائع کردہ

خاکسار محمد منظور آہی میرا حمد یہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس لاہور
 ۱۳۴۲ھ
 تھانہ جلالپور

مطبوعہ مفید عام پریس لاہور پتہ تمام اللہ موتی رام بلیجیر جی

قابل توجہ

جملہ فرقہ ہائے اسلام کا اس امر میں اتفاق ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود و مہدیؑ آئے پرہلاد کا ویکارا دیان باطلہ بر غلبہ ہو جائیگا۔ اور غیر مذہب کے اکثر لوگ دین اسلام قبول کر لینگے۔ دو کفر معنوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا ربانی حقیقہ ہوگا اور ایسا ربانی نسخہ قود کی امراض کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا گیا۔ کہ جو ہر عمل کر نیسے مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی امراض کا کلیتہً ازالہ ہو جائیگا۔ موجودہ زمانہ میں اسلام کی دینی اور دنیاوی شکست اس وجہ تک زوال پر پہنچ گئی تھی۔ کہ اس سے زیادہ زوال و اوار مار ہم میں بھی نہ آسکتا تھا۔ یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے جملہ ممالک اغیار کے قبضہ میں چلے گئے۔ جو چند برائے نام رہ گئے۔ وہ فرائد اسی بات میں ٹھیکر کے دست نگر تھے۔ اور جو اخلاط کئے ستائز دینی کہ نہ سی کا یہ حال ہو گیا۔ کہ لکھو کہا مسلمان عیسویت کی گود میں چلے گئے۔ اور جن ممالک میں سوائے نعرہ توحید کے اور کوئی آواز نہ آتی تھی۔ وہیں تثلیث کی منادی زور و شور سے جاری ہے۔ ہندوستان سے باہر تثلیث کا آواز اسلام کو نکل جانے پر زور لگا رہا ہے۔ اور خود ہندوستان میں بت پرست و عناص پرست اقوام فرزند ان توحید کو مٹانے پر تلی ہوئی ہیں۔ بیرونی دشمنوں کی اتنی جدوجہد کے علاوہ خود مسلمانوں کی باہمی نا اتفاقی اسلام کے لئے سب سے بڑھ کر کمزوری کا باعث ثابت ہو رہی ہے۔ ان حالات میں اگر اللہ تعالیٰ کسی ربانی حکیم کو نہ بھیجتا۔ تو اس حکیم مطلق کی حکمت پر حیرت آتا۔ اللہ تعالیٰ نے بحال فضل و کرم سے ہمارے زمانہ میں ایک مرد و مخور کو مسلمانوں کی جملہ اندونی و بیرونی امراض کے علاج کے لئے بھیجا۔ جس کا نام خود اسی نے مسیح موعود و مہدیؑ رکھا۔ اب ان امراض سے شفا پا جانا خود مرعینوں پر منحصر ہے۔ اگر وہ اس نسخہ کو تجویز کردہ پرہیزوں کے ساتھ استعمال کریں۔ تو ان کی شفا یقینی ہے۔ ورنہ سے بڑے ہیز و بچار سے نہ بیندروئے نعت را۔ اگر مسلمان اسلام کا غلبہ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ تو وہ اس ربانی حکیم کے نسخہ حیات پر عمل کریں۔ نہ یہ کہ خود تو اس سے نفرت کریں۔ اور ہاتھ پر ہاتھ دھکر آسمان کی طرف مکتے ہیں۔ کہ کوئی دوسرا شخص ان کے لئے آکر سارا کام کر دے۔ حالانکہ قدیم سے سنت اللہ ہی ملی آئی ہے۔ کہ جو لوگ ماموران الہی کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں۔ وہی اس نیک تعلیم کے ثمرات سے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ مامور کی تو تکذیب کی جائے۔ اور پھر نیک نتائج کی توقع کی جائے۔ ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔

ان اوراق میں حضرت مسیح موعودؑ اور مہدیؑ کے پاک ملفوظات کو برادران اسلام کی ہدایت کے لئے جمع کر دیا گیا ہے۔ اور توفیق کی جاتی ہے۔ کہ مسلمان بھائی اعتراضات و مکتے مبینی کے خیالات کو فور کر کے ان کلمات کی اصل مع کو زیر نظر رکھ کر اس پر عمل پیرا ہونگے تاکہ وہ اسلام کے غلبہ میں حامی و مدد ثابت ہوں۔

احمدیہ پبلشرز لاہور
خاکسار محمد منظور الہی
ریلوے ٹیلیگراف انسپکٹر انچارج و لیٹرن ریلوے
موجودہ یکم اکتوبر ۱۹۲۳ء

ضرری

حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات کو جمع کرنے کا کام سب سے پہلے اڈیٹر ان اخبارات الحکم۔ البدن۔ بدی و غیرہ نے شروع کیا۔ اسکے بعد جوں جوں جماعت احمدیہ ترقی کرتی گئی مختلف احباب نے اپنے دلی شوق و ذوق سے اس مبارک کام کو کیا۔ ان ملفوظات کا جو حصہ اخبارات و کتب مختلفہ میں چھپکر شائع ہو چکا ہے۔ اُسے میں تاریخی ترتیب کے لحاظ سے جمع کر کے ان اوراق کے ذریعہ شائع کر رہے ہیں مختلف اخبارات و غیرہ سے تاریخوار جمع کرنا بھی آسان کام نہ تھا نہ نام و سال کی متواتر دعاؤں اور محنت مشاقہ کے لئے اس کا انتظام کرنے کے لئے توفیق دی ہے کہ مسلمانوں کی روحانی پیاس بجھانے کے لئے میں ان پاک کلمات کو شائع کر سکا ہوں۔

ایک بات خاص توجہ کے لائق یہ ہے کہ اس بات کا ہرگز ہرگز دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ان ملفوظات کا لفظ لفظ حضرت مسیح موعودؑ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے۔ کیونکہ بعض وقت تو لکھنے والے نے حضرت صاحب کے محض چند اہم الفاظ بطور یادداشت لکھ لئے یا آپ کی گفتگو کا صرف مطلب ہی یاد رکھا اور بعد ازاں اپنے الفاظ میں اُسے لکھ لیا۔ اور بعض وقت ممکن ہے کہ حضرت صاحب کی زبان مبارک کے بہت سے الفاظ ہی لکھ لئے گئے ہوں۔ اس لئے بعض اہم امور کی تفصیل اور تفسیر کے لئے حضرت صاحب کی خود نوشت کتب کی طرف رجوع کرنا محفوظ اور مامون طریق ہے۔ اخبارات و شائع شدہ ملفوظات کا اکثر حصہ خصوصاً ابتدائی زمانہ کا نہایت ناموزون اور نامکمل فقرات سے پر ہے جسے حضرت سلطان القلم کی طرف نسبت دینا نامناسب معلوم دیتا تھا۔ اس لئے بنیہ اس حصہ کو موزون اور مکمل کر دیا ہے تاکہ عبارت کا ربط قائم رہے۔ امدتِ اُمم امیری اس ناچیز محنت کو قبول فرمائے۔ اور مسلمانوں میں اسلام کی وہ روح پیدا کرے جس کا پیدا کرنا حضرت مسیح موعودؑ کا اصل مقصد و منشاء تھا۔ والسلام

خاکسار محمد منظور الہی

ریلوے ٹیلیگراف انسپکٹر تھروڈ ویسٹرن ریلوے۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نوحی محمدؐ و نعلی علیؑ رسول اللہ کریم

مَلْفُوظَاتِ أَحْمَدِیَّ

۳۷۳ء سے قبل :-

سوال و ہر یہ :- خدا کا اگر جسم نہیں ہے۔ تو کیا چیز ہے؟
جواب :- جسم اُسے کہتے ہیں کہ وزن ہو سکے کہ اتنے سیر ہے یا اتنے من ہے اور مساحت ہو سکے کہ اتنا لمبا ہے یا اتنا چوڑا ہے۔ خدا ایک نور ہے جو سب لقصا نول سے پاک ہے اللہ نور السموت والارض جب ہم روح کی طرت دیکھتے ہیں۔ تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ دنیا میں ایسی بھی چیزیں ہوتی ہیں کہ جسم نہیں ہیں اور پھر موجود ہیں۔ وفی انفسکم افلا تبصرون *

ایک میل وجود خدا تعالیٰ پر یہ ہے کہ زمانہ کا ابتدا اور ایک ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر زمانہ کا ابتدا نہیں تو چاہیے کہ بنی آدم تمام زمین کو روک لیں اور ایک ذرہ جگہ خالی نہ ہو۔ حالانکہ ملکیموں نے سچوہ کر کے تخمینہ لگا دیا ہے۔ کہ ایک مرد اور ایک عورت سے سات ہزار برس تک تمام ریل مسکون بھر سکتا ہے۔ اگر سات ہزار برس سے زیادہ مدت گذرے تو اُسکے واسطے کوئی اور زمین چاہیے۔ ہر ایک آدمی سوچ سکتا ہے۔ کہ اُسکی قوم کے کس قدر آدمی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مثلاً آج سے آٹھ سو برس سے پہلے مغول نام ایک شخص تھا جس کی اولاد قوم مغل ہے۔ اب شمار کرو کہ اب کتنے مغل ہیں۔ اسی طرح کل عرصہ تین سو برس کا گذر رہا ہے کہ باوانا صاحب ایک شخص ہوا ہے۔ اب اُسکی اولاد ہزار ہا ہوئی ہیں اس میل سے معلوم ہوا۔ کہ دنیا کا ایک ابتدا ہے۔ اور ایک انتہا ہے۔ ابتدا اس سے ثابت ہوا کہ جیسا اوپر کی طرف نظر کرتے جاؤ۔ تو دنیا کا کتنا ثابت ہوتا ہے۔ اور انتہا اس سے ثابت ہوا کہ زمین ایک میدان محدود ہے۔ غیر محدود پیدایش کی گنجائش نہیں رکھتا۔ تو ناچار کسی دن اس دنیا کا خاتمہ ہے۔ پس جس چیز کا ابتدا اور انتہا ہے۔ وہ چیز مصنوعی ہے قدیمی نہیں رہ سکتی اور جب مصنوعی ہوئی تو اسکا ایک صلح ماننا پڑا اور وہ خدا ہے۔ اگر یہ کہو کہ بعض خاندانوں میں کثرت اولاد نہیں اُننے کے اتنے رہتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ایک عارضہ ہے ورنہ تجربہ سے ثابت ہے۔ کہ ایک بکری آدمی خریدتا ہے تو اس کا ربوڑ بن جاتا ہے اور

یہ ایک قاعدہ ہے کہ دنیا میں طبعی موت ساٹھ ستر برس کے بعد آتی ہے اور پرورش پندرہ برس کے بعد شروع ہو جاتی ہے۔ اور اسپر صاف دلیل یہ ہے کہ جو خیر سے پہلے آباد نہ تھے وہ اب آباد ہیں +

دوسری دلیل وجود واجب الوجود پر یہ ہے کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نظر نہیں آتا۔ اور ایک چھوٹا سا کوٹھا (مکان) بغیر بنانے والے کے بن نہیں سکتا۔ پھر اتنا بڑا کوٹھا (مکان) کہ جس کے فرش کا محیط چوبیس ہزار میل سے زیادہ ہے۔ جس کی سقف کمال صفائی سے حکم طور پر بنائی گئی ہے۔ اور جس کے اوپر چراغ رکھے ہیں کہ تاریکی بخشنیں۔ اور ایسی ترتیب ہے کہ ایک کو سب سے اگلی بنایا ہے۔ اور باقی کو روشن تاج مقرر کیا ہے کس طرح بغیر بنانے والے کے خود بخود بن گیا +

اس جگہ میرے یہ سوال کرتے ہیں کہ دنیا کے کوٹھوں (مکانوں) کو بنانے والوں کو کچھ شہم خود دیکھ تو ہیں لیکن آسمان اور زمین کے بنانے والا کچھ نظر نہیں آتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی بنانے والا نظر آتا ہو تو دلیل پکڑنے کی کیا حاجت تھی دلیل تو اسی جگہ پکڑی جاتی ہے کہ جب ایک شے کا وجود بغیر اُس کے نظر آنے کے ثابت کرنا پڑتا ہے۔ دیکھو مصر میں ایسی ایسی قدیم عمارات موجود ہیں کہ اب اس زمانہ کو لوگ اُن کو بنا نہیں سکتے۔ لیکن یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ بھی مہارت سے جنہوں نے اُن کو بنایا مصنوع کے صانع پر فاقی ولالت ہو۔ خواہ صانع نظر آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ اگر ایک آدمی ایک نئی کل پیدا کرے جو ایک آدمی نے پہلے نہیں کی۔ اور اس جنس کی صنعت پہلے کسی نے نہیں بنائی۔ اور وہ آدمی ہم نے دیکھا بھی نہ ہو تو کیا ہم ایسا خیال کریں گے کہ وہ صنعت خود بخود بن گئی۔ ہر ایک عقلمندی کا کام ایک عاقل کی دستکاری پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مثال تعصب اور تباہی نفس ہے کہ باوجود اقرار اس بات کے کہ ایک صنعت کو دیکھ کر یہ کہہ دینے کی حقیقت یہ عاقلانہ کام ہیں۔ پھر انکار کریں کہ کسی عاقل کی بنائی ہوئی نہیں تو شیعوں اور غیر شیعوں کے فعل میں ہمیشہ ایک فرق ہوتا ہے جس صنعت میں یہ علامت پائی جائے کہ اُسے صانع نے اپنے مطالب کو بالا راہ ملاحظہ رکھا ہے۔ اور فعل عبث نہیں تو اس صنعت پر عقل سلیم حکم کریگی کہ یہ کسی صانع ذی شعور کا فعل ہے جیسے اگر کسی کا غر پر سیاہی گر جائے تو ممکن ہے کہ انسان نے گرائی ہو یا کسی چوہے نے گرائی ہو یا بونہی اتفاقاً گر پڑی ہو۔ لیکن اگر کسی کا غر پر ایک صفحہ کسی کتاب لکھا جائے جو کوئی ضروری مطلب اس سے معلوم ہوتا ہو۔ تو کوئی دانا نہیں کہے گا کہ خود بخود بغیر کاتب کے لکھا گیا۔ پھر اگر یہ ایسے وضع کے حرف ہوں کہ پہلے اس وضع کے حرف سمجھے نہیں دیکھے۔ لیکن جب ہم غور سے دریافت کر لیا کہ یہ بھی حرف ہیں اور اسکی عبارت میں صمد صفا برابر بنتے چلے گئے تو پھر اگرچہ ہم نے اُس کے کاتب کو نہیں دیکھا اور نہ اس نئی طرز کے کبھی حرف دیکھے لیکن اس میں کیا شک رہیگا کہ ضرور یہ کاتب کی ایجاد ہے +

دیکھو اگر یہ کوٹھا (مکان) زمین آسمان ایک چھوٹا کوٹھا (مکان) ہوتا۔ تو تم اسکی کمال خوبصورتی دیکھ کر ضرور کہتے کہ کسی دانا انسان کا بننا یا بنوایا ہے۔ پس اب سوچنا چاہیے کہ جس حالت میں اگر یہ چھوٹا کوٹھا (مکان) بھی بغیر بنانے والے کے بن نہیں سکتا تھا تو اب کہ یہ بڑا بھاری کوٹھا (مکان) ہے بغیر بنانے والے کے کس طرح بن گیا ہے۔

تیسری دلیل۔ وجود باری تعالیٰ پر یہ ہے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چیز دوسری چیز کی مدد سے تیار ہوتی ہے۔ جیسے درخت پانی کی مدد سے۔ اور بارش ہوتی ہے آفتاب کی مدد سے اور وجود حیوانات کا ہوتا ہے دوسرے حیوانات کی مدد سے۔ اور زمین پر کوئی چیز نظر نہیں آتی کہ بغیر دوسرے کسی کا بچاؤ ہو سکے یا پیدا ہو سکے۔ پس ایک وجود ایسا ماننا پڑا جو سب کا مددگار ہو۔ وہی واجب الوجود ہے۔

اومی بنا نطفہ سے۔ اور نطفہ بنا اندج سے۔ اور اندج بنا مٹی سے اور مٹی کہاں سے بنی؟ اگر کہو کہ مٹی خود بخود چلی آتی ہے۔ تو یہ بات ناقص ہے۔ کیونکہ خود بخود وجود اس چیز کا ہوتا ہے۔ جو دوسرے کی کسی حالت میں محتاج نہ ہو۔ لیکن مٹی اکٹھا رہنے میں پانی کی محتاج ہے۔ اگر مٹی میں پانی نہ ملا ہو۔ تو مٹی کو ہوا اڑا کر لیجائے۔ اور نیز مٹی بناات کے اگانے میں پانی کی محتاج ہے۔ اور کوئی محتاج چیز قیچی نہیں ہو سکتی۔ اور محتاج کو نہیں کہہ سکتے کہ اس کا وجود واجب ہے۔ علاوہ اسکے مٹی سے درخت پیدا ہونے ہیں اور وہ اس سے بہتر ہیں اور ناقص واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔

دلیل چہارم یہ ہے کہ فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے تبارک اللہ احسن الخالقین۔ اور نیز فرمایا ہے اِنِّی اللّٰهُ شَآءُ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ ان مولو آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ ملاحظہ عالم شہادت ہوتا ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کی خالق اور فاطر ہے۔ جیسے سوچ کی گرمی سے بخارات پیدا ہوتے ہیں اور بخارات سے بادل پیدا ہوتا ہے اور بادل سے پانی پیدا ہوتا ہے۔ اور پانی سے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن خدا احسن الخالقین ہے۔ اور اسی طرح خدا فاطر السموات والارض ہے۔ جو ان کو عدم سے وجود بخشتا ہے پھر اگر وجود خدا تعالیٰ کا نہ ہو تو روازہ تمام خیرات کا بندہ ہو جاتا ہی۔ کیونکہ تمام لوگ اس لئے خیرات کرتے ہیں کہ اس خیرات دینے سے انکا فائدہ ہے۔ اور کوئی شخص بلا لحاظ فائدہ کے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایسا کام اسکی نظر میں محض عبث ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح وجود خدا نہ ماننے والا ہدی سے ڈر نہیں سکتا۔ کیونکہ ہدی اسی لحاظ سے ہدی ہوتی ہے کہ اسکا نتیجہ بد ہے۔ اگر اسکا نتیجہ بد نہ کہا جائے تو پھر مرکز دل اسکو بد نہیں خیال کر سکتا۔ پھر اگر ہدی کرنے میں کسی کا خوف نہ ہو تو پھر ہدی کرنے سے کون مانع ہے۔ اور اگر کہو کہ بادشاہ اور حاکم مانع ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ بادشاہ بھل اور حاکموں کو کون مانع ہے۔ جو شخص صاحب

شہادت سے قائم ہیں۔ پس اُن پر یہ سوال ہوتا ہے کہ سبحاؤ باپ کا بیٹے سے پہچانا جاتا ہے۔ جو کچھ زمین و آسمان میں پیدا ہوتا ہے وہ ان دونوں کا بیٹا ہے وہ بغیر اُس کے شہر نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہی سبحاؤ زمین و آسمان ہے۔ کیونکہ مولود کا والد سے مختلف سبحاؤ نہیں ہو سکتا۔ جو کام عقل مند ہی کا ہے جب ہم پر ثابت ہو جائیگا۔ کہ عقل مند ہی کا ہے تو پھر اس بات کی حاجت نہ رہیگی۔ کہ پھر ہم اُس کے صلح کو دیکھیں۔ دلیل اُس پر یہ ہے کہ جس فعل میں صرح معلوم ہو کہ اُس کے فاعل نے ویدہ و دانستہ اُس کے بنانے سے ایک بات کا قصد کیا ہے۔ تو اُس فعل کو کوئی بھی اتفاقی طور پر نہیں ملنے کا بلکہ یہی سمجھے گا کہ ضرور اُس کا ایک فاعل ہے مثلاً اگر سیاہی کا غریب پر دہنی پڑ جائے۔ تو اس میں شک ہوگا۔ کہ کس طرح پڑ گئی۔ لیکن اگر ورق دو ورق حروف لکھے جائیں اور حرف بھی وہ حرف جنہیں کوئی مقصد کا تب کا معلوم ہوتا ہو تو اُس کو کوئی عقل مند نہیں کہے گا کہ خود بخود لکھے گئے۔

پھر دہرہ سے یہ سوال ہے کہ تم کو جو ان اور بوڑھا کون کرتا ہے۔ یہ کس چیز کی تاثیر ہے؟ پھر دہرہ سے یہ سوال ہے کہ سوچ اور چاند اور زمین اور ہوا جو تمہاری خدمت میں مشغول ہیں اور ایک دم بھی تمہاری خدمت سے الگ نہیں ہوتے۔ تم اُن کا احسان ملتے ہو یا نہیں اگر تم کہو کہ بغیر شعور کے یہ کام میں لگے ہوئے ہیں تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ جو فعل بغیر شعور کے اور بغیر نگرانی دوسرے کے ہوتا ہے وہ بگڑ جاتا ہے اور اگر شعور سے ہو تو تم کو اُن کا ممنون ہونا چاہیے۔

پھر دہرہ سے ہمارا یہ سوال ہے۔ کہ آفتاب کا نکلنا اور بارشوں کا ہونا اتفاقی ہے یا کسکی تصرف سے۔ اگر اتفاقی ہے تو چاہیے کہ دنیا نہ رہے۔ اور بہت بارشوں سے یا بہت دھوپ سے فصل برباد ہو جائے کیونکہ اتفاقی امر میں خطا بھی ہو جاتا ہے اور اگر یہ کسی تصرف سے ہے تو وجود خدا کا ثابت ہوا۔ کیونکہ خدا وہی ہے۔ جو دنیا میں تصرف ہے۔

پھر دہرہ کہتے ہیں کہ کسی نے خدا کو دیکھا نہیں۔ اگر خدا کا وجود ہوتا تو اُس کو کوئی دیکھتا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو خدا تعالیٰ دل کی آنکھ سے اپنا دیدار دکھاتا ہے۔ اور پھر جو لوگ اُن کو تاج ہوئے اور اُن کی پیروی کی۔ وہ اس درجہ تک پہنچ گئے جو اُن کو خدا نے اپنی پہچان بخشی۔ اس صورت میں یہ دعویٰ جو کسی نے خدا کو دیکھا نہیں۔ باطل ہوا۔ اسکی مثال یہ ہے۔ کہ ایک اندھا وجود آفتاب سے منکر ہو اور کہے کہ جتنا کہ خود نہ دیکھ لے آفتاب پر یقین نہ کریگا۔ اسکا جواب یہی ہے۔ کہ تو اندھا ہے اور اندھی آنکھ سے آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا۔ تیرے واسطے طریق حصول تحقیق یہ ہے کہ جنہوں نے دیکھا ہے اُن کے بیان پر اعتماد کرنا یا پہلے اپنی آنکھوں کا علاج کرا۔ پھر اُس کو دیکھ لیگا۔

ہم چہرہ سے پوچھتے ہیں کہ کسکھ دکھ دینے والا کوئی دوسرا ہی یا اپنی تدبیر سے مل سکتا ہے۔ اگر اپنی تدبیر سے مل سکتا ہے تو کیوں تمام لوگ اپنی عمر زیادہ نہیں کر سکتے۔ آرام زیادہ نہیں کر سکتے۔ ایک بوڑھا ہو کر تڑپتا ہے۔ ایک جوان ہی مر جاتا ہے حالانکہ سب کوئی عمر زیادہ چاہتا ہے بعض وقت آدمی کسکھ چاہتا ہے۔ اور غیب اُس پر دکھ اُڑتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ کسکھ دکھ دینے والا کوئی اور ہے۔ اور وہی خدا تعالیٰ ہے (الحکم جلد ۱۳ ص ۱۹۷)۔

۱۸۷۹ء کے قریب :-

سوال لاجواب کہ جس کے جواب دینے سے اگر نیند کھڑک سکے خاموشی اختیار کر لے گا تو اسکا جھوٹا ہونا ثابت ہوگا :-

قرآن مجید کے کلام الہی بڑی بھاری نشانی یہ ہے کہ اسکی ہدایت سب ہدایتوں سے کامل تر ہے۔ اور اس دنیا کی حالت موجودہ میں جو جو خرابیاں پڑی ہوئی ہیں قرآن مجید سب کی اصلاح کر دیا ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ قرآن مجید اور کتاب دینی طرح مثل کتھا کے نہیں ہے۔ بلکہ مثل طور پر ہر ایک امر پر دلیل قائم کر لے ہے۔ اس دوسری نشانی پر ہم نے بنام کھڑک سکھ وغیرہ پانسو روپیہ کا اشتہار بھی دیا تا کوئی نیند یہ صفت وید میں ثابت کر کے دکھائے کہ وید نے کن دلائل سے اپنے عقائد کو ثابت کیا ہے۔ مگر آج تک کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ بھی مار سکے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وید میں نہ انجیل میں نہ تورات میں ہرگز نیت نہیں کہ کسی فرقہ مخالف کا رد مثلاً دہریہ کا رد یا طبعیہ کا رد یا لحدوں کا رد یا منکر الہام کا رد یا منکر نبوت کا رد یا بت پرست کا رد یا منکر نجات کا رد یا منکر مذاہب کا رد یا منکر وحدانیت باری کا رد یا کسی اور منکر کا رد دلائل قطعیہ سے کر کے دکھائے۔ یہ سب کتابیں تو مثل مڑوہ کے پڑی ہیں کہ جس میں جان نہ ہو۔ کھڑک سکھ جو لڑکوں کو بہکا رہا ہے۔ کہ وید میں سب کچھ لکھا ہے۔ تو اگر وہ سچا ہے۔ تو ہم اُسکو پانسو روپیہ دینا کہتے ہیں۔ ہم سے ڈوبو دوستا ویز لکھالے کسی فرقہ کے رو میں دلائل عقلیہ سے جو وید میں موج ہو دو تین جزو بمقابلہ فرقان مجید لکھ کر دکھائے یا خدا کی خالقیت سے عاجز ہونے پر یا نجات ابدی دینے سے عاجز ہونے پر بمقابلہ ہمارے دلائل کے وید سے دلائل نکال کر لکھے اور پانسو روپیہ فی الفور ہم سے لے لے۔ اور وہ جو کہتا ہے کہ فرقان مجید تورات انجیل سے نکالا گیا ہے۔ تو اُسکو چاہیے کہ اگر وید سے کام نہیں جتنا تورات یا انجیل سے مڑوے اور اگر تورت یا انجیل وہ دلائل جو فرقان مجید پیش کرتا ہے پیش کر دینگے تو ہم تب بھی کھڑک سکھ کہ پانسو روپیہ نقد دینگے ہم ایک ڈوبو (دستا ویز) تعدادی پانسو روپیہ بھی لکھ کر بھیج دینگے ہیں۔ لیکن اگر ایسے جواب میں خاموش رہے۔ اور کچھ غیرت اور شرم اُسکو نہ آوے

تو معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ ٹرے حیا اور بے شرم ہے کلابسی پاک اور مقدس کتاب کی تہک کر تہے کہ جس کی
ثانی حکمت اوفلہ میں اور کوئی کتاب نہیں۔ تین ماہ سے بنام اسکے بوعده النعام پانسو روپیہ ہمارا
مضمون چھپ رہا ہو۔ اُسے آج تک کون سے دلائل وید کے پیش کئے سہ شرم چہ کئی است کہ پیش
حوالہ بیاید۔

اور پہلی نشانی جو مجھے عنوان اس مضمون میں لکھی ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ فرقان مجید اپنے احکام میں
سب کتابوں کے مقابلے میں اور ہماری موجودہ حالت کے عین مطابق ہے اور جس قدر فرقان مجید میں احکام
ہدایت حسب حالت موجودہ دنیا کی مندرج ہیں کسی اور کتاب میں مرکز نہیں اگر کھرک گئے وید میں یا
توریت انجیل میں یہ سب احکام نکال دیں تو اس پر بھی ہم پانسو روپیہ دینے کی شرط کرتے ہیں۔ اگر کچھ شرم
ہوگی تو ضرور بقابلہ اسکے وید سے سوا الہ نہ و نشان لکھیں گا ورنہ خود یہ لکے بھی جنکو بیکار رہا ہے سمجھ جائیگے
کہ جھوٹا ہے۔ کون منصف اس قدر کوسن سکتا ہے۔ کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ تمہارا وید محض نقص ہے تم یہ
احکام وید سے نکال دو۔ اگر ناقص نہیں تم یہ جواب دیتی ہو ہیں فرصت نہیں وید یہاں موجود ہیں بھلا یہ
کیا جواب ہے اس جواب سے تم جھوٹے ٹھہرتے ہو جس حالت میں ہم پانسو روپیہ نقد دینا کرتے ہیں۔ ٹو بنو
(دستاویز) لکھ دیتی ہیں کہ سب سے ہم تو پھر اگر تمہارا وید بھی کچھ چیز ہے تو کس دن کے واسطے
رکھا ہوا ہے دس ہیں روز کی ہے مہلت لے لو۔ دینا نہ کو اپنا مدد کا رہنا لو۔ یہ کہو وہ احکام نکال دو جو ہم
نیچے فرقان مجید سے نکال کر لکھیں گے یا یہ اقرار کرو کہ یہ احکام ہمارے نزدیک ناجائز ہیں۔ تب پھر انکے ناجائز
ہونے کا غور و وید سے حوالہ دو و غرض تم ہمارے ہاتھ سے کہاں بھاگ سکتے ہو۔ اور یہ جو تم محض شرارت سے
باراد تو ہیں حضرت خاتم الانبیاء صلعم کی نسبت پدربانی کرتے ہو یہ محض تمہاری بددلی ہے۔ اپنے پرہیز میں
بھی تھے ایسی ایسی اہانت سب پیغمبروں کی نسبت لکھی ہے۔ کہو خدا نے یہ شرف بخشا ہے۔ کہ ہم سب
پیغمبروں کی تعلیم کرتے ہیں اور جب کہ خدا نے کہو فرمایا ہے۔ سچات سب مخلوقات کی سلام میں سمجھتے ہیں۔ لکھ
اگر حضرت خاتم الانبیاء پر کچھ اعتراض ہے۔ تو زبان تہذیب سے وہ اعتراض جو سب بھارا ہو تو پھر کر کے
پیش کرو۔ ہم شک لکھتے ہیں۔ کہ اگر وہ اعتراض منہ لا صح تھا تو ہر آدمی یہ ہم کہو دیدینگے۔ اور نہ ایک
ٹو بنو (دستاویز) لکھ دے گا اگر وہ اعتراض جھوٹا نکلا۔ تو سو روپیہ بطور جرمانہ تم کہو دو گے۔ ادا لگے ہماری
یہ تحریر نہ کر چپ ہو جاؤ۔ اور اس شرط پر بحث شروع نہ کرو تو ہر یک منصف سمجھ جائیگا۔ کہ وہ سب تو ہیں تنہ
بے ایمانی سے کی ہے اکثر لوگوں کا عموماً قاعدہ ہے کہ آفتاب پر بخوکتے ہیں اور سجدا ہوتا چرخ ٹپے بیٹھے ہیں۔ دینا کو
بڑی چیز سمجھ رکھا ہے۔ کہ موت سے ڈرتے نہیں۔ منہ ایسے آفتاب کی توہین کرنا جو نور دنیا کا ہے۔ نری

بے ایمانی ہے۔ جھوٹے آدمی کی یہ نشانی ہے۔ کہ جالوں کے روبرو تو بہت لاف گزاف مارتے ہیں۔ مگر جب کوئی دامن پکڑ کر پوچھے کہ ڈالہ بت دیکر جاؤ تو حیران ہو جاتے ہیں۔
اب ہم نیچے وہ احکام فرقان مجید کے لکھتے ہیں کہ جنہیں ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ یہ میں یہ تمام احکام ضروری ہرگز موجود نہیں اسلئے وید کی ناقص تعلیم ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں۔ اور لعنت ہے اس شخص پر کہ جھوٹا ہے :-

(۱) اول خدا کی نسبت جو احکام فرقان مجید کے ہیں

خلاصہ آیات کا نیچے لکھتا ہوں

(۱) تم خدا کو اپنے جسموں اور روحوں کا رب سمجھو جس نے تمہارے جسموں کو بنایا اُس نے تمہاری روحوں کو بنایا وہی تم سب کا خالق ہے۔ اُس میں کوئی چیز موجود نہیں ہوتی۔

(۲) آسمان اور زمین اور سورج اور چاند اور جتنی نعمتیں زمین آسمان میں نظر آتی ہیں کسی عمل کنندہ کے عمل کی پاداش نہیں محض خدا کی نعمت ہے۔ کسی کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا کہ وہ کہو کہ میری نیکیوں کے عوض میں خدا نے سورج بنایا۔ یا زمین بچائی یا پانی پیدا کیا۔

(۳) تو سورج کی پرستش نہ کر۔ تو چاند کی پرستش نہ کر۔ تو آگ کی پرستش مت کر۔ تو پتھر کی پرستش مت کر۔ تو مشتری ستارے کی مت پوجا کر تو کسی آدم زاد یا اور کسی جسمانی چیز کو خدا مت سمجھ کہ یہ سب چیزیں تیرے ہی نفع کے واسطے بنے پیدا کی ہیں۔

(۴) بخود خدا کے کسی چیز کی بطور حقیقی تعریف مت کر کہ سب تعریفیں اُسی کی طرف راجع ہیں۔ بخود خدا کے کسی کو اُس کا وسیلہ مت سمجھ کہ وہ تجھ سے تیری رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک تر ہے۔

(۵) تو اُس کو ایک سمجھ کہ جس کا کوئی ثانی نہیں تو اُس کو قادر سمجھ جو کسی فعل قابل تعریف سے عاجز نہیں۔ تو اُس کو رحیم اور فیاض سمجھ کہ جس کے رحم اور فیض پر کسی عامل کے عمل کو سبقت نہیں۔

(۶) دوم حالت موجودہ دنیا کے مطابق

گناہوں کی نسبت (احکام قرآن مجید)

(۱) توبہ بول اور سچ بولا ہی دے اگرچہ اپنے حقیقی بھائی پر ہو یا باپ پر ہو۔ یا ماں پر یا کسی اور پیاری پر ہو۔ اور صفائی طرط سے الگ مت ہو۔

(۲) تو خون مت کر کیونکہ جس نے ایک بیگناہ کو مار ڈالا وہ ایسا ہے کہ جیسے اُس نے سارے جہان کو قتل کر دیا ۔

(۳) تو اولاد کشی اور فتر کشی مت کر تو اپنے نفس کو آپ قتل مت کر تو کسی قاتل یا ظالم کا مددگار مت ہو۔ تو زنا مت کر۔

(۴) تو کوئی ایسا فعل نہ کر جو دوسرے کا ناحق باعث آزار ہو۔

(۵) تو قمار بازی نہ کر۔ تو شراب مت پی۔ تو سو و مت لے۔ اور جو اپنے لئے اچھا سمجھتا ہو۔ وہی دوسرے کے لئے کر۔

(۶) تو ناحرم پر ہرگز آنکھ مت ڈال۔ نہ شہوت سے نہ خالی نظر سے کہ یہ تیرے لئے ٹھوکر کھانے کی جگہ ہے۔

(۷) تم اپنی عورتوں کو میلوں اور محفلوں میں مت بھیجو اور ان کو ایسے کاموں سے بچاؤ۔ کہ جہاں وہ ننگی نظر آویں۔ تم اپنی عورتوں کو زیور چھپکاتی ہوئی خوش اور پسند لباس کو چوں اور بازاروں اور میلوں کی سیر کر نیسے منع کرو۔ اور ان کو ناحرموں کی نظر بازی سے بچلتے رہو۔

تم اپنی عورتوں کو تعلیم دو۔ اور دین اور عقل اور خدا ترسی میں ان کو بچتہ کرو۔ اور اپنے لڑکوں کو علم پڑھاؤ۔
(۸) تو جب حاکم ہو کر کوئی مقدمہ کرے تو عدالت سے کر۔ اور رشوت مت لے۔ اور جب تو گواہ ہو کر پیش ہو۔ تو سچی سچی گواہی دے۔ اور جب تیرے نام حاکم کی طرف سے بغرض اور کسی گواہی کے حکم طلبی کا صادر ہو۔ تو خود را حاضر ہونے سے انکار مت کیجیو۔ اور عدول کی حکمت کریو۔

(۹) تو خیانت مت کر تو کم وزنی مت کر۔ اور پورا تول۔ تو جنس ناقص کو عمدہ کی جگہ مت بیچ۔ تو جلی دستاویز مت بنا۔ اور اپنی تحریر میں جھلسا زنی نہ کر تو کسی پر تہمت مت لگا۔ اور کسی کو الزام نہ دے کہ جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں۔

(۱۰) تو چغلی نہ کر تو نگلہ نہ کر تو نامی مت کر۔ اور جو تیرے دل میں نہیں وہ زبان پر مت لا۔

(۱۱) تیرے پتیرے مال باپ کا حق ہے۔ جنہوں نے تجھے پرورش کیا۔ بھائی کا حق ہے۔ محسن کا حق ہے۔ دوست کا حق ہے۔ ہمسایہ کا حق ہے۔ ہم وطنوں کا حق ہے۔ تمام دنیا کا حق ہے۔ سب سے بڑا تیرے ہی سے پیش آ۔

(۱۲) شرکاء کے ساتھ ہم معاملگی مت کر یتیموں اور ناقابلوں کے مال کو خور و برد مت کر۔

(۱۳) اسقاط حمل مت کر۔ تمام قہموں زنا سے پرہیز کر۔ کسی عورت کی عزت میں خلل ڈالنے کے لئے اسپر کوئی بہتان مت لگا۔

(۱۴) رُوح خدا ہو۔ اور رُوح دنیانہ ہو۔ کہ دنیا ایک گند جانہ والی چیز ہے۔ اور وہ جہان ابدی جہان ہے۔ بغیر ثبوت کامل کے کسی رُوح لائق تہمت مت لگا کہ دلوں اور کانوں اور آنکھوں سے قیامت کے دن مواخذہ ہوگا۔

(۱۵) کسی سے جبراً کوئی چیز مت چھین۔ اور تو من کو عین وقت پر اوکر۔ اور اگر تیرا قرضدار نادار ہے۔ تو

اُسکو قرض بخش دے اور اگر اتنی طاقت نہیں تو قسطوں سے وصول کر لیکن تب بھی اُسکی وسعت وقت دیکھ لے *

(۱۶) کسی کے مال میں لاپرواہی سے نقصان مت پہنچا۔ اور نیک کاموں میں لوگوں کو مدد دے *
(۱۷) اپنے ہم سفر کی خدمت کر اور اپنے بہان کو تواضع سے پیش آ۔ سوال کرنے والے کو خالی مت پھیر اور ہر ایک جاندار بھوکے پیاسے پر رحم کر *

(۱۸) لوگوں کی راز جوئی مت کر۔ اور کسی کے گھر میں بغیر اُسکی اجازت کے اندر مت جا۔ اور کسی شخص کو دھوکا دینے کی نیت سے کوئی کام مت کر۔ دغا اور فریب اور لفاق سے دور رہ۔ اور ہر ایک شخص سے سفا دل سے معاملہ کر۔ اور یتیموں اور یتیمسایوں اور غریبوں خواہ شہتہ دار ہوں خواہ غیر تعلق والے ہوں۔ اور ساتھ والے مسافروں اور راہ گیروں اور غلاموں پر مہربانی کرو۔ (الحکم جلد ۳ ص ۳۷۷) *

۸۷۴۔ اے کے قریب کا زمانہ :-

مسیحؑ کی نبوت اور معجزات ثابت نہیں ہیں۔ کیونکہ غایت معجزات جو انجیل میں ذکر کئے ہیں یہ ہیں۔ کہ اندھوں کو اچھا کرنا۔ لنگڑوں کا چڑکا کرنا۔ لیکن اُسی انجیل میں لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک حوض تھا اُس میں بھی یہ خاصیت تھی۔ کہ غسل کرنا اُس میں ایسے امراض سے شفا بخشتا تھا۔ پس قریب قیاس ہے کہ اُسکے استعمال سے مسیحؑ ایسے کام کرنا ہو۔ اور قطع نظر اس سے بالکل ثبوت نہیں ہے۔ اور ملاحظہ انجیل سے معلوم نہیں ہوتا۔ کہ یہ معجزے کس دیکھے اور اُن کا کیا نام تھا۔ اور شواہد شہادت قوم کے ہم اعتبار نہیں کر سکتے *

اب جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کا مسیحؑ پر بڑا احسان ہے۔ جس نے اُسکو صاحب معجزات کہا۔ رہی پیشگوئی۔ تو وہ بھی قوی نہیں بلکہ قیافہ اور نفس معلوم ہوتا ہے۔ جیسے انجیل میں لکھا ہے۔ کہ زلزلے آویں گے۔ بھلا آپ انصاف کریں کہ یہ کیا پیشگوئی ہے۔ ایسا تو ہر لوگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسری پیشگوئی کہ لڑائی ہوگی۔ اب فرمائیے کہ کونسی نئی بات ہے *

طالب را باید کہ اہتمام در نفی آئہ باطلہ آفاقی و انفسی نماید۔ و در جنب اثبات معبود بحق ہر چہ در حوصلہ و ہم او را سید نیز در تحت نفی داخل سازد *

و صحت کتابہا کہ ہزار بار بعجت ترجمہ از قابلے بہ قابلے منتقل شدہ ہم اشیاء غفقا ست۔ زیر آنکہ در این صد سال با وصف چنین تصرفات بیجا بقا کتب ہر حالت ملی خود از محالات عاویہ ست من بعد بریں تقایم پارینہ ناز و اد اکرون از محال و اشمندی این فقرہ است۔ غور باید کرد کہ ایں معاملہ چہ قدر دور

از عقل و نزدیک سمجھل است *

و چونکہ هنوز صحت انجیل بر بال کبریا ترست نوشته آن چه قسم محل اعتماد - شعرے

ہمیں دانش نشان کہ این خوش بنا * پس ازو سے چنیں کبر و ناز و ادا
در بعض اوقات از بعض قسم معجزہ کہ از انبیا و بر وقت سوال کفار ظاہر نشدہ است و حکمت عدم ظہور آن
این است - تا یقین شود کہ این فعل الہی است فعل بنی نیست تا بر بحر و غیرہ حمل کردہ شود - لیکن آنکس کہ از
فعل مختلای کرانہ ظاہر کند - و معتقد و عا بنہا شد - نزول آن کرانہ از جانب حق ثابت نہ گردد - این
چنین کس با ساحراں شدہ مشابہت می دارد - و فرق در و در ساحر بسیار سخت می افتد - لیکن بنی و بعض
اوقات معجزہ بنی نماید - مطلب دریں ہے ما شدہ تا بداند کہ در ذات خود اختیار لے نئے دارد - و بخیر معنی حق
بیج معجزہ نتواند نمود - پس این قسم از سحر بجا بیت تمیز و علیحدہ است - عاقل خوب سے داند کہ سحر فعل خلق
مے باشد و این قسم فعل خلق نیست - بلکہ صرف از خدا است و پس (الحکم جلد ۲ ص ۳۳) *

۸۴۹ سے پہلے :-

بدانکہ اللہ تعالیٰ ستہ گونہ صفات خود بر خلق مے دارد - بیچے ایجاد کون و پرورش کردن - دوئم مہربانی
و شفقت زیرا کہ حفاظت بخیر مہربانی متصور نیست - سؤم - خرائے نیکال نیک و ادا و پاداش بدل الہی *
پس بران آرز شد کہ اللہ تعالیٰ کہ اس ہر صفات دریں سورہ فاتحہ میں پنج بیان شدہ است :-
الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پس منظر صفت
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اول بنی اسرائیل شدند - و منظر صفت الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نصائے و منظر صفت
مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اسلام - و این آخر صفت جامع ستہ صفات بوجہ کمال است * اب بیان پہلی
صفت کا یہ ہے - کہ ظاہر ہے - خدا تعالیٰ نے کس کس طرح پر بنی اسرائیل کی پرورش کی اور کیونکہ انکو قوموں
سے انتخاب کیے کہ برگزیدہ کیا - اور آسمان سے ان کو روٹیاں اور پتھروں سے انکو پانی پلایا - اول خدا تعالیٰ
نے دشت سینا میں چالیس برس تک آسمان سے روٹی بھیجی - اور وہ نمونہ واسطہ تھا علیئے مسیح کے لئے
جو بن باپ پیدا ہوا - پھر بعد اسکے خدا نے پتھروں سے پانی نکالا اور وہ نمونہ واسطہ ظہور خانم الالبینہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے تھا - کیونکہ خدا تعالیٰ نے بت پرستوں اور اُمّیوں سے انکو پانی پلایا - اور پانی کی مثال اس لئے بھی
دی ہے - کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے بھی پانی ہی نکالا تھا *

اور اسی ضمن میں وہ پیشگوئی بھی ہے کہ پیچھے وسیلہ ہتھوں کے تراشا گیا - اور اسی سے وہ پیشگوئی
ہے جو انجیل میں ہے - کہ خدا پتھروں میں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کر سکنا ہے - سو اُسے بت پرستوں

میں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کی (الحکم جلد ۶ صفحہ ۴۷) +

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کس طرح سمجھا جاوے کہ معجزہ صدق دعویٰ پوریل ہے؟ اسکا جواب یہ ہو۔
 کہ معجزہ کی غرض تو یہ ثابت کرنا ہوتا ہے۔ کہ شخص خدا کی طرف سے ہے۔ اور خدا اپنے کاموں کی شناخت کیا گیا
 ہے۔ سو یعنی سے ایسے کام کہ وہ خدا ہی کر سکتا ہے۔ ظہور میں آتے ہیں۔ پس ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کے
 کام ہیں اور وہ شخص خدا کا بنی کہلانا ہے۔ اور خدا کے کام دنیا میں عین قسم کے ہیں۔ یا وہ کام ہیں کہ اسکی
 ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں اور یا وہ کام ہیں کہ اسکی رحمت اور فضل پڑا لیں۔ اور فرق ربوبیت اور
 رحمت میں یہ ہے۔ کہ ربوبیت عام ہے۔ اور رحمت خاص کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے ایک کو عدم سے پیدا
 کر کے پرکڑیہ کیا۔ اور اس کے لئے سب سامان مہیا کر دیئے تا وہ پرورش پائے۔ یہ ربوبیت ہے۔ اور جب
 خدا تعالیٰ نے ہلاکت سے بچا کر عین عذاب کے نعمت نازل کی۔ تو یہ رحمت ہے۔ اور سارا جہان اسکی
 رحمت سے زندہ ہے۔ کیونکہ کوئی متنفس اُس کے آگے بے گناہ نہیں ٹھہر سکتا۔ تیسرا کام پروردگار کا یہ ہے
 کہ وہ مالک جزا و سزا کا ہے۔ اور یہ تیسری صفت بوجہ اکل ہونے کے ہر دو صفات سابق کو بھی پورا کرتی ہے +
 اب جاننا چاہیے کہ جس طور کا بنی ہوتا ہے۔ اکثر اور زیادہ اُس طرز کے معجزات اُس سے ظہور میں آتے
 ہیں۔ حضرت موسیٰؑ سے وہ معجزات ہوئے جنہیں یہ مطلب تھا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے ہاتھ سے خلاص
 کر کے اپنی تربیت خاص سے اُن کو پرورش کرے۔ اور حقیقت میں وہ سب معجزے جو حضرت موسیٰؑ نے
 فرعون کے سامنے دکھائے۔ سب کے سب اسی قسم کے تھے جن سے اسکی مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ اس طرح
 پرزور اور ہاتھ سے جنگ کر کے اور خوبی نشان دکھا کر اپنے بندوں کو دشمنوں کے ہاتھ سے خلاصی دیتا ہے۔
 سو اس میں کمال تربیت اسکی پائی جاتی ہے۔ بعد اسکے پتھروں سے پانی اور آسمان سے روٹی چالینس برس
 تک وہی نامعلوم کریں کہ خدا تعالیٰ اُن کا مرتبی اور تربیت کرنے والا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے ابتدا سے آخر تک
 بنی اسرائیل سے ایسے کام کئے جن سے اہل فطنت کو یقین کُل آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی
 تربیت کی +

بعد اسکے حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے اور اُن سے اس قسم کے معجزات ہوئے جن سے خدا تعالیٰ کی رحمت ثابت
 ہوتی ہے۔ اور اُن کے حق میں وارد ہوئے و حمتہ لہی اسرائیل یعنی بنی اسرائیل کے لئے
 رحمت ہے۔ سو اسلئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کا نام رحمت فرمایا۔ کہ اُس کے ظاہر کرنے سے یہ مقصد تھا۔ کہ
 بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان لا کر اُن سے اسکی طرف متوجہ ہوں۔ سو حضرت مسیحؑ سے اس قسم کے
 معجزات صادر ہوئے +

اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی دونوں صفتوں کا جامع صفت ھَلَاکَ یَوْمَ الدِّینِ کے ماتحت بھیجا۔ تاہم اُن لوگوں کو زندہ کریں جو مر چکے تھے اسلئے آپ کے معجزات سے بڑھکر اور روشن تر اور صاف ہیں (الحکم جلد ۶ ص ۳۶)۔

نبوۃ اُس جنابت کی اس طرح پر ثابت ہے۔ کہ اُنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزے ظاہر کئے لیکن ثبوت اس امر کا کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا پس تو ان سے ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اور ثبوت معجزہ کا دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ اُنہوں نے خدا کا کلام لوگوں کو سُنایا۔ اور کہا کہ اگر تم کو انکار ہے تو ایسی کلام بھی بنا لاؤ۔ پس باوجود اسکے کہ وہ لاف بلاغت اور فصاحت کی مارتے تھے۔ اور اکثر اُن میں شاعر تھے۔ اور چلتے تھے کہ کسی طرح الزام دیں پھر بھی کہ سے کم ایک سُوْرہ کے برابر نہ بنا سکے پس باوجود اسکے کہ سب باتیں اُن کی نقل کی گئی ہیں مگر جب تک کسی سے منقول نہیں کہ کسی نے اُمین سے جواب بھی دیا تھا۔ اور کس طرح ہو سکتا تھا۔ کہ جس کلام کو صدمہ مخالف سنتے تھے اور نوا عتقادوں کو پڑنایا جاتا تھا۔ اُس میں خلاف واقعہ وجہ ہو۔ اور ایسا جھوٹ حبس کو وہ فی الفور ثابت کر سکیں لکھا جاوے۔ اور یہی دلیل ہے معجزہ شوق القہر کی۔ اور دوسری قسم ثبوت معجزہ کی یہ ہے۔ کہ اس قدر غور و تحقیق عادات نقل کئے گئے ہیں اور یہ طریق متحدہ سے ثابت ہوا ہے۔ کہ اس کا خلاف ہونا عقلاً محال ہے۔ جیسے انہوں میں باوجود کثرت اختلاف کے اس قدر بالیقین ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُن میں اگلے زمانہ میں ایک شخص ضرور ہوا ہے جس کا نام راجحہ نہ تھا۔ اور جیسے ثابت ہوا کہ نوشیرواں ضرور عدالت کی طرف مائل تھا۔ اور خاتم سخی تھا۔ اور یا جیسے ہر شخص اپنی ماں کو ضرور جانتا ہے۔ یا اولاد کو پہچانتا ہے۔ اسی طرح معجزات ثابت ہیں اور تحدیٰ جو کی گئی وہ ثابت ہوتی ہے۔ اسلئے قرآن شریف کہتا ہے :-
بَعْرِضُوْهُ کَمَا یَعْرِضُوْنَ اَبْنَاءَہُمْ گویا یہاں تک یقین بڑھا ہوا ہے۔ اور اس قدر ثبوت ہیں کہ مشاہدہ کو اس پر قویت ہے۔ اور سو اُسے اسکے دو وجہ ثبوت نبوت کے اور ہیں ایک وہ اخلاق عظیمہ کہ ان میں تھے۔ اور ایک وہ علم و حکمت کہ باوجود اُچی ہونے کے اُن میں تھا۔ اور باوجود اس کے کہ اکثر غزوات میں مصروف تھے پھر بھی ایک نقطہ شریعت کا باقی نہ رہا۔ جو آپ نے بیان نہ کیا ہو۔ تمام فقہ عبادات۔ معاملات اور فرائض اور تحذیرات جن سے دفتر پھرے ہوئے ہیں بیان کئے۔ اور اسی طرح وہ شجاعت دلیل نبوت ہو۔ جو اُن میں تھی اور وہ وثوق واللہ یَعِصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ پر۔ اور وہ قوی دلی کہ جنگ میں جب شکست آئی اور بعض لوگ پیچھے ہٹے۔ آپ اپنی جگہ سے ایک بالشت بھر پیچھے نہ ہٹے اور ہزاروں کے سامنے اکیلے حملہ کرتے تھے اور یہ فرمانے تھے اَنَّا دَسُوْلُ اللہ لَکِنَبْ پس خیال کرنا چاہیے کہ ایسے موقع میں اپنا آپ معلوم کرادینا اور بلند آواز سے کہنا کہ میں نبی ہوں اور وہی ہوں جسکی تلاش میں ہو۔

سوائے صادق کے کس کا کام ہے۔ اور اس طرح وہ اخلاقِ عظیم جو آپ میں تھے اور وہ صبر اور وہ حلم اور وہ مروّت جو انہیں تھی۔ کہ مخالفین نے باوجود کثرتِ مخالفت کے کوئی عیب اپن ثابت نہ کیا۔ پس کس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ سب باتیں ایک ایسے شخص میں کہ درحقیقت بنی نہیں تھا۔ حج ہوویں؟ اور کب ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان سب کمالات کو اس شخص میں حج کرے جسکو وہ جانتا ہے کہ وہ مفتری ہے اور نہ صرف حج کرے بلکہ تیس تیس تک اسکو نہایت دی۔ اور محفوظ رکھے۔ اور اسکے دین کو تھوڑی عرصہ میں سب دینوں پر غالب کر دے۔ اور قیامت تک اسکے آثار کو باقی رکھے۔ یہ سب باتیں سو گنا صادق کے کہاں ہو سکتی ہیں۔ اور کب ممکن ہے کہ بلکہ مفتری کا نا جانتا ہے۔ اسکو راہ نہیں ملتا۔ پر جو حق ہے وہ باقی رہتا ہے۔ اور پڑھتا ہے اور پھولتا ہے۔ اور اچھے درخت کی مانند پھل دیتا ہے۔ اور اسکی عمر دراز ہوتی ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ اس قوم میں ظاہر ہوا جو سب قوموں سے زیادہ ترجیحاً ہل تھی۔ جسکے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔ چنانکہ حکمت کی خبر نہیں تھی۔ چونکہ مذہب بُت پرستی تھا۔ اور پیشہ چوری تھا۔ اور سراسر غیلوں میں بھرے ہوئے تھے۔ اس نور نے ان کے اخلاق تبدیل کئے۔ جبل کی جگہ علم و حکمت بخشی۔ اور فضائلِ علمی اور عملی میں کامل کیا۔ اور ایک عالم کو ایمان اور عمل صلح سے منور کیا اور ان کے اخلاقِ فہیمہ کا قلع قمع کیا۔ اور ظاہر ہے کہ عاداتوں اور خلفوں کا بدلنا نہایت دشوار ہے۔ اور آدمی اپنے خلقوں کو بدل نہیں سکتا پس ظاہر ہے کہ چونکہ اپنا عجیب دور کرنا مشکل ہے۔ تو دوسرے آدمیوں کے عجیب جو لکھو کہا ہوں تھوڑے عرصہ میں بالکل دور کر دینا کس قدر مشکل ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ اس مشکل سے بڑھکر اور کوئی مشکل نہیں اور کلام اللہ سے یہ دونوں امور ثابت ہیں۔ اَوَّلُ اُن کا عیب ہونا اور پھر آنحضرت م کی پاک صحبت سے پاک صاف ہو جانا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ کلام اللہ میں اول کافروں کے عیب بیان ہوئے ہیں پھر اُن اشخاص کا حال بیان کیا کہ انہیں سے مومن ہوئے ان دونوں حالات کے دیکھنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ اول وہ کس قدر شیطان کے پیچ میں گرفتار تھے۔ اور پھر فور صحبت سے کس قدر نورانی ہوئے۔ جیسا کہ اُن کے کفر کا حال بیان کیا ہے کہ **بَتَّحْتُونُ وَيَاكُلُونَ** الخ اور پھر ایمان کے بعد یہ خلق حاصل ہو **اَلَيْسَتْ بِمَنْحَرٍ** لِرَبِّهِمْ **مُجَدِّدًا وَفِيَّامًا**۔ (الحکم جلد ۶ صفحہ ۲۷۵)۔

۸۷۹ء سے قبل :-

چنانکہ خدا تعالیٰ عیسیٰؑ را بلا پر پیدا کر دے اور محض از عنایتِ خود وجود آورد۔ پچنان آں سرور کائنات صلعم از قوم بُت پرستان کہ وادیشاں کا ہے بھی نہ شدہ بود و ظہور فرمودند۔ و آں نتیجہ کہ در وقتِ تصور ولادتِ مسیحؑ

بلا پر سے آید یہاں تعجب دین ست کہ اُتی ناخواندہ را از قوسے کہ گاہے درالیشال بنی نشدہ بود۔ افضل
انبیاء کرو۔ ایں یہاں ست کہ در کتاب دانیال آمد کہ ننگے بلا و سیل و ستہا ترا نشیدہ شد (الحکم جلد ۶ ص ۱۴۶) +
و اگر تاقصے و فائدے فیما بین انجیل و قرآن مفہوم کرو۔ منافی حکمت بالغہ ایزدی نیست چہ در تورات اساس
شریعت بہانہ اند و در انجیل و یووانا بر کشیدہ و کلام مجید سقف انداز بران غائہ است۔ پس اینہمہ اختلاف
احوال و تنوع اوضاع ضروری است تا ایں خانہ نبوت بکمال خود برسد مثال آفتاب کہ اول بافق می آید
باز طلوع میکند و بر کس تواند دید۔ و باز جہان روشن می گرو و کہ بچکس تاب دیدنش ندارد (الحکم جلد ۶ ص ۱۴۶) +

بہ پر ہنر ز آفاقی و انفسی

کہ شرک است ظلم عظیم اسے قسی

اصل گناہ شرک ہے۔ اور جو کوئی شرک سے یعنی مال اور ذوق اور علم اور عقل اور اعمال۔
اور نفس اور بت اور شیطان اور دوسرے معبودوں سے غیر الہ کو صرف خدا ہی کو اپنا خدا جانے
اور اسے فضل کا منتظر ہے۔ تو وہ بیشک رشتہ نگاہ کو بت میں جائیگا۔ لیکن وہ آدمی کہ ان شرکوں میں سے
کسی شرک میں گرفتار ہے تو زندان سقر میں مجبوس ہوگا اور مکروہ لباس میں رہیگا۔ یہاں تک کہ اُسپر فضل
ہو۔ اب یہ مقام بڑا نازک اور نہایت دقیق اور لغزش کی جگہ ہے۔ اور غور فرمئے ہیں جو رشتہ نگاہ ہوتے ہیں۔
اب سنئے کہ جو مقامات واسطہ دفع اس شرک وارد ہیں اول سورۃ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ
فَسْتَعِیْنُ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش اور تقرب میں مدد بھی تجھ ہی سے مانگتے ہیں۔
اس اعتقاد سے وہ سب شرک جاتے رہے۔ رَاٰ هٰذَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تو آپ ہمکو سیدھا
راستہ بتلا۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمُ اُنْ کَانَ سُبْحٰنَہُ عَنْ رِجْزِ الْغٰضُوْبِ
عَلِیْہِمُ وَلَا الضَّالِّیْنَ اور چاہو کہ اُن کے راستہ سے جن پر تیرا غضب ہے۔ اور اُن سے جو راہ
لاست پر قائم نہیں رہے +

پھر ایک دوسری آیت میں وارد ہے۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیْ
سب حمیں اُس خداوند تعالیٰ کے لئے جس نے ہم کو دارالسلام کی ہدایت کی اور ہم کیا چیز تھے۔ جو غور و بخود
یہاں تک پہنچتے۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا۔ فَکَذَلٰکُمْ مِّنْ زَمٰنًا وَّ قَدْ خَلٰی مِنْ دَشَمٰہِمْ اَوْدَانًا لِّہِمْ
ظاہر ہے کہ غرض سب احکام کی یہ ہے۔ کہ تا آدمی ہر طرح کے شرک سے دور ہو۔ کہ صورت مع اللہ ہو جائے پس
جبکہ ہم کو کلام اللہ منزل مقصود تک پہنچانا ہے۔ تو پھر ہم انجیل کے ناقص احکام کو لیا کرین اور کہاں و ایں
اور خدا کی عالی تعلیم کے سامنے مٹی کی باتیں کس مرض کی دوا ہیں۔ حالانکہ جسے بھی خدا کے کلام سے باہر

نہیں لیکن اُن کا رتبہ فروتر ہے اور عالی تعلیم ہے جو اوپر ذکر کی گئی۔ اور صرف کلام مجید کے ذریعہ ظہور میں آئی۔ اگر ایسی تعلیم امدادِ وضع سے انجیل میں ہوتی تو عیسائی لوگ شرک میں گرفتار نہ ہوتے اور ہم نے مسیحا دفعہ ثبوتِ اخلاص سے غور کر کے انجیل دیکھی ہے پرنام و نشان نہیں پایا۔ پس چاہیے کہ ہم غور سے اس بحث کو دیکھیں کیونکہ اگر سچ خدا کی عالی تعلیم ہی ہے تو اور بنی کی کیا حاجت رہی۔ (الحکم جلد ۶، ص ۷۷) *

غیرِ المغضوب علیہم ولا الضالین۔ مغضوب علیہم سے مراد یہودیوں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ یہودیوں نے اتنی ظاہر پرستی کی کہ باطنی احکام کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ اور نصاریٰ نے اتنی باطن پرستی کی کہ ظاہری احکام کا کچھ لحاظ نہ رکھا۔ اور احکام الہی کو جو چراغ اور حقیقتِ نمائے فضول سمجھ کر ترک کر دیا۔ اور ہر ایک کے باطنی معنی کرنے اور سمجھ لیا کہ مسیح میں وہ سب پورے ہو گئے۔ اس طرح گمراہ ہو گئے۔ اور افراطِ تفریط میں پڑ گئے اور کلام مجید ان دونوں کو نقطۂ اعتدال پر قائم کرتا ہے۔

سوال۔ اگر یوں کہئے کہ پہلے سے خدا نے کیوں نہیں ہر ایک کو اعتدال پر قائم کیا؟۔

جواب اُس کا یہ ہے کہ انسان میں دو خصالت افراطِ تفریط کی ضرور ہیں۔ پروردگار نے چاہا کہ امتحان کر کے ان دونوں خصالتوں سے انسان کو بچائے کیونکہ سوائے تحققِ افراطِ تفریط کے تحققِ اعتدال کا محال ہے۔ کل مطالبِ شائستہ اور عمدہ تمام کتابِ سابق کو واسطے تکمیلِ نفوس ناقصہ بشری کے ہیں۔ سب کلامِ انبیاء میں مسیح ہیں پس محال ہے کہ کلامِ انسانی میں تمام مواضع ربانی اس اختصار اور خوشِ ہلوی سے مندرج ہوویں کہ پہلی کتابوں میں انکی نظیر پاٹی جاوے لیکن وہ مطلب جس کے حق و ناحق ہونے میں خود عیسائیوں اور یہودیوں کو نزاع ہے وہ بھی اس طرح پر لکھے ہیں کہ جس محل میں یہودی حق بجانب ہیں اسکی طرف اشارہ کر دیا۔ اور جس محل میں نصاریٰ حق بجانب ہیں اسکی طرف اشارہ کر دیا۔ *

جاننا چاہیے کہ مواضع دو قسم کے ہیں ایک تو اقسامِ حقایق ہیں جو کسی دماغ اور کسی وقت میں اسکی کمی بیشی متصور ہے جیسے انجیل مرقس میں ساتواں باب ۱۵۔ آیت کوئی چیز جو باہر سے آدمی کے اندر جاتی ہے اُسے ناپاک نہیں کر سکتی۔ پر وہ چیز جو اُمس سے نکلتی ہیں مے ہی آدمی کو ناپاک کرتی ہیں کیونکہ اندر آدمی کے دل سے بُرے خیال۔ زنا کاری۔ حرام کاری۔ خون چوری۔ لالچ۔ شرارت۔ مکر۔ سستی۔ بد نظری۔ کفر وغیرہ بیوقوفی نکلتی ہے۔ *

دوسرے احکام و تہذیب اخلاق جو کمی بیشی قبول کر سکتے ہیں اور حسبِ استعداد ہو سکتے ہیں جیسے بعض اقوام میں غدر غالب ہوتا جو اور بعض اقوام اور باشندگان ملک میں تہویر اور لاوری غالب ہوتی ہے۔ اور بعض قوم اور باشندگان ملک میں خنث غالب ہوتی ہے اور کتابِ الہامی ہر ایک افراطِ تفریط سے حسبِ احوال

ان کے معالجہ کرتی ہے۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ یہودی صرف ظاہر پرستی اور دل بستگی ظاہری حکموں سے اسقدر رکھتے تھے۔ کہ ترکیبہ باطن کی طرف بالکل خیال نہیں تھا۔ اور سوائے تسلیم احکام ظاہری مثل نہانا۔ اور غسل کرنا اور بدن صاف رکھنا۔ اقدام سب محام کا کرتے تھے۔ واسطے معالجہ اسقدر افراط کے جو ان کے دلوں پر غالب ہو گیا تھا۔ تقاضا حکمت ربانی کا یہ ہوا۔ کہ ایک نخت تمام احکام ظاہری موقوف کئے گئے۔ اور نہایت مبالغہ سے واسطے تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس کے توجہ دلائی گئی۔ خلاصہ مضمون انجیل کا اسی قدر ہے اور ہر ایک وعظ و تعلیم اسکا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ پر فرقان مجید میں بدستور احکام سب استعداد ان کے مقرر کئے گئے۔ اور نمونے بھی بدستور مقرر کئے گئے۔ کیونکہ نمونہ اصل سے لازم پڑا ہوا ہے۔ کہ اصل کو یاد دلایا جائے اور اصل کی محافظت سوائے نمونہ کے ممکن نہیں اور انجیل صرف واسطے تہذیب تھی۔ اس واسطے امیں نہایت کوشش اور مبالغہ سے باطن کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اور ظاہری نمونے بالکل سا قہ کئے گئے۔ اَللّٰہِ دونوں امر یعنی ساقط کرنا ظاہری احکام کا اور نہایت مبالغہ ترکیبہ باطن کی طرف معالجہ خاصہ اسی افراط کا تھا۔ اور ہرگز ممکن نہیں کہ یہ دونوں امر دوام اور استمرار کی واسطے مقرر کئے جائیں۔ پس جبکہ اکثر افراد یہود کو تنبیہ ہو گئی اور اکثر افراد نصاریٰ تفریط کی طرف مایل ہو گئے یعنی جیسے یہود باطن کا انکار کرتے تھے ویسے ہی نصاریٰ ظاہر کا انکار کرنے لگے۔ اور تفریط میں اُس درجہ پر پہنچے جس درجہ میں یہود افراط میں تھے پس لازم آیا کہ ایک اور کتاب لہامی ہو۔ جو ان دونوں کو نقطہ اعتدال پر قائم کرے اور فرقان مجید ہے اور جیسے یہود باطنی احکام کے بالکل منکر تھے ویسے ہی نصاریٰ ظاہری احکام منکر ہوئے۔ یہاں تک کہ کئی برس پہلے بن چیری سے بیت المقدس کو مسمار کر دیا۔ جواب یہ کتاب قرآن مجید دونوں فرقوں کو نقطہ اعتدال پر قائم کرتی ہے اور افراط تفریط سے ہاد رکھ کر حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہے اور زبان شرع میں اسی کا نام فسح ہے۔ اور کلام انبیاء مغضوب علیہم صلوات اللہ علیہم نام یہودیوں کا ہے۔ جنہوں نے صرف ظاہر پرستی شروع کر کے باطن کا انکار کیا۔ اور الضالین نام نصاریٰ کے ہے جنہوں نے ظاہر کا انکار کیا اور گمراہ ہو گئے کیونکہ ظاہر نمونہ اور چراغ ہے واسطے باطن کے۔ جو کوئی نمونہ چھوڑے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ سو سورہ فاتحہ میں یہی ظاہر ظاہر افراط اور تفریط ان دونوں فرقوں کی طرف اشارہ ہوا ہے جو ایسا ہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (الحکم جلد ۲ نمبر ۳)۔

۸۔ مئی ۱۸۸۵ء۔ آج ایک سوال از طرف رام چرن نامی جو آریہ سراج اکیڈمی کے ممبروں سے ہے میری نظر سے گذرا۔ سو اگرچہ لغو اسبے حقیقت سوالات کی طرف توجہ ہونا مانتی اپنے وقت کو ضائع کرنا ہو لیکن ایک دوست کے الحاح و اصرار سے لکھتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ خدا نے شیطان کو پیدا کر کے کیوں آپ ہی

لوگوں کو گناہ اور گمراہی میں ڈال دیا۔ کیا اُس کا یہ ارادہ تھا کہ لوگ ہمیشہ بدی میں مبتلا رہ کر کبھی نجات نہ پاویں؟
جواب۔ ایسا سوال ان لوگوں کو دل میں پیدا ہوتا ہے جنہوں نے کبھی غور اور فکر سے دینی معارف میں نظر نہیں کیا۔ یا جنکی نگاہیں خود ایسی لپٹ ہیں کہ سب پر بھلائی مٹھائی ہوئی اور کوئی حقیقت شناسی کی بات اور حقائق صد اقامت ان کو نہیں سمجھتی۔

اب واضح ہو کہ سائل کے اس سوال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصول اسلام سے بالکل بیگانہ اور معارف ربانی سے سراسر اجنبی ہے۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ شریعت اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ گویا شیطان صرف لوگوں کو بہکاٹے اور ورغلائے کے لئے خدا نے پیدا کیا ہے اور اسی اپنے دوسرے کو بچتے سمجھ کر تعلیم قرآنی پر اعتراض کرتا ہے۔ حالانکہ تعلیم قرآنی کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔ اور نہ یہ بات کسی آیت کلام الہی سے نکلتی ہے بلکہ عقیدہ حقہ اہل اسلام جسکو حضرت خداوند کریم جل شانہ نے خود اپنی کلام پاک میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے دونوں اسباب نیکی اور بدی کے مہیا کیے اور ایک وجہ کا اُسکو اختیار دیکر قدرتی طور پر دو قسم کے محرک اُسکے لئے مقرر کئے ہیں ایک داعی خیر یعنی ملائکہ جو نیکی کی رغبت دل میں ڈالتا ہے دوسرا داعی شر یعنی شیطان جو بدی کی رغبت دل میں ڈالتا ہے۔ لیکن خدا نے داعی خیر کو غلبہ دیا ہے کہ اُسکی تائید میں عقل عطا کی اور اپنا کلام نازل کیا۔ اور خوارق اور نشان ظاہر کئے۔ اور انکے جرائم پر سخت سخت سزائیں مقرر کیں سو خدا تعالیٰ نے انسان کو ہدایت پانے کے لئے کئی قسم کی روشنی عطا کی۔ اور خود اُسکے ذلی انصاف کو ہدایت کے قبول کرنے کے لئے مستعد پیدا کیا اور داعی شر بدی کی طرف رغبت دینے والا ہے۔ تاہم انسان اُسکے رغبت دینے سے احتراز کر کے اُس ثواب کو حاصل کرے۔ جو بخیر اس قسم کے امتحان کے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اور ثبوت اس بات کا کہ ایسے دو داعی یعنی داعی خیر و داعی شر انسان کے لئے پائے جلتے ہیں۔ بہت صاف اور روشن ہے۔ کیونکہ خود انسان بدی کی طرح اپنے نفس میں احساس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دو قسم کے جذبہ سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ کبھی اُسکے لئے ایسی حالت صاف اور نورانی میسر آ جاتی ہے کہ نیک خیالات اور نیک ارادے اُسکے دل میں اُٹھتے ہیں اور کبھی اُسکی حالت ایسی پر ظلمت اور مکدر ہوتی ہے کہ طبیعت اُسکی بد خیالات کی طرف رجوع کرتی ہے اور بدی کی طرف اپنے دل میں رغبت پالتا ہے۔ سو یہی دونوں داعی ہیں جنکو ملائکہ اور شیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حکمائے فلسفہ نے انہی دونوں داعی خیر اور داعی شر کو دوسرے طور پر بیان کیا ہے یعنی ان کے گمان میں خود انسان ہی کے وجود میں دو قسم کی قوتیں ہیں ایک قوت ملکی جو داعی خیر ہے اور دوسری قوت شیطانی جو داعی شر ہے۔ قوت ملکی نیکی کی طرف رغبت دیتی ہے اور اُچکے سے انسان کے دل میں خود بخود پڑ جاتا ہے کہ میں نیک کام کروں جس سے میرا خدا راضی ہو اور قوت شیطانی

بدی کی طرف متحرک ہوتی ہے۔ مغرض اسلامی عقائد اور دنیا کے کل فلسفہ کے اعتقاد میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ اہل اسلام دونوں متحرکوں کو خارجی طور پر وجود قرار دیتے ہیں اور فلسفی لوگ ان ہی دونوں وجودوں کو دو قسم کی قوتیں سمجھتے ہیں جو خود انسان ہی کے نفس میں موجود ہیں۔ لیکن اس اصل بات میں کہ فی الحقیقت انسان کے لئے دو متحرک پائے جاتے ہیں خواہ وہ متحرک خارجی طور پر کچھ وجود رکھتے ہوں۔ یا قوتوں کے نام سے انکو موسم کیہ جائے۔ یہ ایک ایسا اجماعی اعتقاد ہے جو تمام گروہ خلافتِ امیر المومنین رکھتے ہیں۔ اور آج تک کسی عقل مند نے اس اجماعی اعتقاد سے انحراف اور انکار نہیں کیا۔ وجہ یہ کہ یہ بدیہی صداقتوں میں سے ایک اعلیٰ درجہ کی بدیہی صداقت ہے جو اس شخص پر بحال صفائی کھل سکتی ہے کہ جو اپنے نفس پر ایک منٹ کے لئے اپنی توجہ اور غور کرے اور دیکھے کہ کیونکر نفس اسکا مختلف جذبات میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ اور کیونکر ایک دم میں کبھی ناہانہ خیالات اس کے دل میں بھر جاتے ہیں اور کبھی زندان و وساوس اسکو کپڑ لپٹتے ہیں۔

سو یہ ایک ایسی روشنی اور کھلی صداقت ہے جو ذوالعقول اس سے منکر نہیں ہو سکتے۔ ہاں جو لوگ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور کبھی انہوں نے اپنے نفس کے حالات کی طرف توجہ نہیں کی۔ ان کے دلوں میں اگر ایسے ایسے پوچ و سوساوس اٹھیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بیاعت نہایت درجہ کی غفلت اور کور باطنی کے قانون قدرت الہی کے بکلی بے خبر اور انسانی خواہش اور کیفیات سے سراسر نواقف ہیں۔ اور اُنکے اس جہل مرکب کا یہی علاج ہے کہ وہ ہمارے اس بیان کو غور سے پڑھیں تاکہ ان کو کچھ مدامت حاصل ہو۔ کہ سقا رحمہ اللہ نے ان کو مجبور کر رکھا ہے۔ کہ باوجود انسان کہہ لانے کے جو انسانیت کی عقل ہے اس سے بالکل غالی اور تہی دست بیخ اور ایسے اعلیٰ درجہ کی صداقتوں سے انکار کر رہے ہیں۔ جبکہ ایک دم برس کا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔

سوال۔ پھر بھی سائل اپنے سوال کے اخیر میں یہ شبہ پیش کرتا ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو قسلی دی تھی کہ شیطان تجھ کو بہکا نہیں کیگا۔ لیکن اسی قرآن میں لکھا ہے کہ شیطان نے آدم کو بہکا یا۔

جواب۔ یہ دو سو تہ قلبی بھی سراسر قلت فہم اور کور باطنی کی وجہ سے سائل کے دل میں پیدا ہوا کیونکہ قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ شیطان آدم کو بہکا نے اور گمراہ کرنا بیکار قصد نہیں کیا یا آدم اس کے بہکانے میں کبھی نہیں آئیگا۔ ہاں قرآن شریف میں ایسی آیتیں کثرت پائی جاتی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے شیطان کے بہکانے سے ایسے وبال میں نہیں پڑتے جس سے انکا انجام بد ہو۔ بلکہ حضرت خداوند کریم جل شانہ جلد تران کا تذکر فرماتا ہے اور اپنے ظل حفاظت میں لے لیتا ہے۔ سو ایسا ہی آدم کے حق میں ہے کہ آدم صغی اللہ خلیفۃ اللہ ہے اسکا انجام ہرگز بد نہ ہوگا۔

اور خدا کے محبوب بندوں میں رہیگا۔ چنانچہ یہ امر ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اور خدا نے اخیر میں آدم کو ایسا ہی چُن لیا جیسا کہ پہلے برگزیدہ تھا۔ غرض یہ اعتراض معترض بھی سراسر تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔ نہ انصاف اور عقلمندی پر۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ فقط (اجناس عام لاہور مطبوعہ ۱۰۔ مئی ۱۸۸۵ء)۔

۱۸۹۰ء۔ (روحانی امراض کا علاج) موت کو یاد رکھنا بہت سے امراض طویل اہل سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب انسان سمجھ لے اور یقین کر لے کہ میں مرجانا ہے۔ تو پھر روحانی بیماریاں میں کم گرفتار ہوتا ہے (بدر جلد ۱۴ ص ۲۲)۔

نوٹ ایک عیسائی مسیحی عبدالغنی نے ۱۸۹۱ء میں تین سوال مذہب اسلام پر کئے تھے۔ جنکے مندرجہ ذیل جواب حضرت مسیح موعودؑ نے دیئے :-

اول سوال۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نبوت اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر متشکی ہونا جیسا سورہ بقرہ اور سورہ النعام میں مرق ہے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں یقین جانتے تھے کہ وہ پیغمبر خدا نہیں۔ اگر وہ پیغمبر ہوتے یا انہوں نے کبھی بھی کوئی معجزہ کیا ہوتا یا معراج ہوتا یا جبریل علیہ السلام قرآن مجید لائے ہوتے تو وہ کبھی اپنی نبوت پر متشکی نہ ہوتے۔ اس سے انکا قرآن مجید پر اور اپنی نبوت پر متشکی ہونا صاف صاف ثابت ہوتا ہے اور نہ وہ رسول اللہ ہیں؟

سوال دوم۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو اس وقت کے سوالوں کے جواب میں بلا حجاب ہر کہ یہ نہ کہتے۔ کہ خدا کو معلوم نہیں اور اصحاب کہتے کی بابت انکی تعداد میں غلط بیانی نہ کرتے اور یہ نہ کہتے کہ سوچ چہرہ دلدل میں چھپتا ہے یا غرق ہوتا ہے۔ حالانکہ سوچ زمین سے نوک اور حصہ بڑا ہے وہ کس طرح دلدل میں چھپ سکتا ہے؟

سوال سوم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کوئی معجزہ نہ ملا جیسا کہ سورہ عنکبوت میں مرق ہے۔ (ترجمہ عربی کا) اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اُس پر کچھ نشانیاں (یعنی کوئی ایک بھی)۔ کیونکہ کاذبہ اس آیت میں جو کہ جنس ہے کل جنس کی نفی کرتا ہے (اُس کے رب)۔ اور سورہ بنی اسرائیل میں بھی۔ اور ہم نے موقوف کن نشانیاں بھیجی کہ انکوں نے اُن کو جھٹلایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ خدا نے کوئی معجزہ نہیں دیا حقیقت میں اگر کوئی ایک معجزہ ملتا۔ تو وہ نبوت اور قرآن پر متشکی نہ ہوتے؟

جواب سوال اول معترض نے پہلے اپنے دعوے کی تائید میں سورہ بقرہ سے ایک آیت پیش کی ہے۔ جس کے پورے پورے لفظ یہیں الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ اس آیت کا

سیاق سباق یعنی اگلی کچھلی آیتوں کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کلاس جگہ نبوت اور قرآن شریف کا کوئی ذکر نہیں۔ صرف اس بات کا بیان ہے کہ اب بیت المقدس کی طرف نہیں بلکہ بیت کعبہ کی طرف منہ پھیر کر نماز پڑھنی چاہیے۔ سو اللہ جل شانہ اس آیت میں فرماتا ہے۔ کہ یہی حق بات ہے۔ یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہی نماز پڑھنا حق ہے۔ جو ابتداء سے مقرر ہو چکا ہے اور پہلی کتابوں میں بطور پیشگی کوئی اس کا بیان ہے۔ سو تو اسے پڑھنے والے اس کتاب کے اسباب میں شک کرنے والوں سے مت ہو رہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلی کتابوں میں اور نیز انجیل میں بھی تخیل قبلہ کے بارے میں بطور پیشگی کوئی اشارات ہو چکے ہیں۔

۱۸۹۱ء۔ سفر جالندھر میں ایک شخص حضرت مسیح موعودؑ سے سوال کیا کہ آپ کی غرض نیاں آنے سے کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ کہ میں اسلئے آیا ہوں تاکہ قوت یقین میں ترقی کریں۔

اسی جگہ جالندھر میں منشی محمد اور صاحب سے سوال کیا۔ کہ حضرت ایمان کتنی طرح کا ہوتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ایمان دو قسم کا ہوتا ہے موٹا اور باریک۔ موٹا ایمان تو یہی ہے کہ دین العجائز پر عمل کرے اور باریک ایمان یہ ہے کہ میرے پیچھے ہولے (ٹوٹ بک مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)۔

دسمبر ۱۸۹۱ء۔ اس سن کا آخری ہفتہ اجاب کے قایمیاں میں ہر سال جمع ہونے کے لئے مقرر ہوا۔ اور اس حساب سے یہ پہلا سالانہ جلسہ اجلاس کہا جاسکتا ہے۔ جس کی ۲ تاریخ یعنی ۲ دسمبر ۱۸۹۱ء کو بعد از ظہر حضرت مولانا مولوی عبد الکریم صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کا رسالہ آسمانی فیصلہ سنایا۔ جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد ۷۷ کے قریب تھی۔ اس قسم کے سالانہ اجتماع کی اغراض حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں یہ ہیں :-

تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سنے کے لئے اور دعائیں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجلا چاہئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف سنائے کا شغل رہے گا۔ جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور توجہ ہونگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کو شش کیجاو گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف اُنکو بھیجے اور اپنے لئے قبول کرے۔ اور پاک تبدیلی انہیں بخشے۔ اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا۔ کہ ہر ایک نئے سال جس قدر بھائی اس جماعت میں داخل ہوئے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کا منہ دیکھ لینگے۔ اور روشناسی ہو کر آپس میں شہنہ تو دو و تہا تہ ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس سال میں اس ہرائے فانی سے انتقال کر جائیگا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کیجاو گی۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور کئی خشکی اور جہنیت اور لفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت جل شانہ کو شش کیجاو گی۔ اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد و منافع ہونگے۔ جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہینگے (الحکم جلد ۷ ص ۷)۔

۱۸۹۱ء - ایک احمدی بھائی کوٹ پتلون پہنچے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے جسپر ایک دوسرے شخص نے کوٹ پتلون پہننے کے متعلق حکم دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: شرعاً جائز ہے لیکن اس ملک میں چونکہ رواج نہیں اس واسطے آدمی انگشت نہا ہو جائے (مدر جلد ۱۲ء ع ۱)۔

۱۸۹۳ء - مباحثہ جنگ مقدس کے ایام میں ایک دن خان محمد شاہ مرحوم کے مکان پر جہاں آپ بوجہ عیال و احباب قیام پذیر تھے شام کے وقت منشی عبدالحق صاحب لاہوری نے کمال محبت سے آپ کی بیماری کی نسبت دریافت کر کے عرض کی کہ آپ کا کام نازک اور بوجہ بھاری ہے۔ اسلئے صحت کا خاص خیال رکھ کر مقوی غذا کا استعمال لادنا کرنا چاہیے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

ہاں بات تو درست ہے۔ اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عیش کچھ اپنے ہی و صندوق میں الیسی مصروف ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتیں۔

اس پر منشی عبدالحق نے کہا: کہ اُسے ڈانٹ ڈپٹ کر کہنا چاہیے تاکہ حکم میں۔ اس کی تائید مولوی عبدالکیم صاحب نے بڑے زور سے کی جس پر آپ نے فرمایا:۔ ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیے (الحکم جلد ۱۲ء ع ۱)۔

۱۸۹۳ء - حضرت مسیح موعودؑ فیروزپور سے لاہور تشریف لائے۔ تو ریلوے سٹیشن کی ایک چھوٹی سی مسجد میں نماز عصر کے لئے وضو فرما رہے تھے۔ کہ پٹنٹ لیکچرار آیا اور سبڈوں کی طرح ہاتھ جوڑ کر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے فراسی نظر اٹھائی اور وضو میں مصروف رہے۔ وہ چند منٹ ٹھہر کر واپس چلا گیا۔ کسی شخص نے عرض کی کہ لیکچرار سلام کرتا تھا۔ جواباً فرمایا: کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی توہین کی ہے۔ میرے ایمان کے خلاف ہے کہ میں اس کا سلام لوں (الحکم جلد ۱۶ء ع ۲)۔

۱۸۹۵ء - محمد نواب خان صاحب تحصیلدار نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی۔ تو اُس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:۔

بیعت میں جانا چاہیے۔ کہ کیا فائدہ ہے۔ اور کیوں اس کی ضرورت ہے۔ جب تک کسی شے کا فائدہ اور قیمت معلوم نہ ہو۔ تو اس کی قدر آنکھوں کے اندر نہیں ساتی۔ جیسے گھر میں انسان کے کئی قسم کا مال و اسباب ہوتا ہے مثلاً پیسہ پیسہ کوڑی۔ لکڑی وغیرہ۔ ان میں سے کسی قسم کی جوشے ہے اُسی درجہ کی اس کی حفاظت کی جاوے گی۔ ایک کوڑی کی حفاظت کے لئے وہ مسلمان نہ کرے گا جو پیسہ اور روپیہ کے لئے اسے کرنا پڑے گا۔ اور لکڑی وغیرہ کو تو یہ بھی ایک کونہ میں ڈال دیگا۔ علیٰ ہذا القیاس جس کے تلف ہونے سے اُس کا زیادہ نقصان ہے۔ اُس کی زیادہ حفاظت کرے گا یہی طرح بیعت میں غلط نشان بات تو یہ ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں اور یہ اُس حالت کا نام ہے کہ انسان آپس میں سے جن سے اُس کے تعلقات بڑھے ہوئے ہیں اور اُس سے انہیں اپنا وطن مقرر کر لیا ہوا ہے۔ گویا کہ گناہ میں اُس کے

ہو وہ باش مقرر کر لی ہوئی ہے۔ اُس وطن کو چھوڑنا۔ اور رجوع کے مضے پاکیزگی کو اختیار کرنا۔ اب وطن چھوڑنا بڑا گراں گزرتا ہے۔ اور ہزاروں تکلیفیں ہوتی ہیں۔ ایک گھر حب انسان چھوڑتا ہے۔ تو کقدر اُسے تکلیف ہوتی ہے۔ اور وطن کو چھوڑنے میں تو اس کو سب یار و دوستوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے۔ اور سب چیزوں کو شل چار پائی فرش و مہائے و گلیاں و کوپے بازار سب چھوڑ چھاڑ کر ایک نئے ملک میں جانا پڑتا ہے۔ یعنی اُس (سابقہ) وطن میں کبھی نہیں آتا۔ اس کا نام توبہ ہے معصیت کے دوست اور ہر توبہ میں اور تقویٰ کے دوست اور اس تبدیلی کو صوفیائے موت کہا ہے۔ جو توبہ کرتا ہے اُسے بڑا سچ اٹھانا پڑتا ہے۔ اور سچی توبہ کے وقت بڑے بڑے حج اُس کے سامنے آتے ہیں اللہ تعالیٰ رحیم کریم ہے۔ وہ جتنا کس کُل کا نعم البدل عطا نہ فرمائے نہیں مازنا۔ **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ** میں یہی اشارہ ہے۔ کہ وہ توبہ کر کے غریب و سیکس ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اُس سے محبت اور پیار کرتا ہے۔ اور اُسے نیکوں کی جماعت میں داخل کرتا ہے۔ دوسری قومیں خدا کو رحیم کریم خیال نہیں کرتیں۔ عیسائیوں نے خدا کو تو ظالم جانا۔ اور بیٹے کو جیم۔ کہ باپ تو گناہ نہ بخشنے۔ اور بیٹا جان و دیگر کچھ بوائے بڑی بیوقوفی ہے۔ کہ باپ بیٹے میں اتنا فرق۔ والد مولود میں مناسبت اخلاق و عادات کی ہوا کرتی ہے۔ اگر اللہ رحیم نہ ہوتا۔ تو انسان کا ایک دم گناہ نہ ہوتا۔ جسے انسان کے عمل سے پیشتر ہزاروں اشیاء اُس کے لئے مفید بنائیں تو کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ توبہ اور عمل کو قبول نہ کرے؟

گناہ کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کو پسند کرے۔ اور پھر ہزاروں برس کے بعد گناہ کی معافی سر جھے۔ جیسے مچھ کے دو پر تیرج ایک میں شفا اور دوسرے میں زہر۔ اسی طرح انسان کے دو پر ہیں۔ ایک معاصی کا۔ دوسرا خجالت۔ توبہ پسیمانی کا۔ یہ ایک قاعدہ کی بات ہے۔ کہ جیسے ایک شخص جب غلام کو سخت مارتا ہے۔ تو پھر اُس کے بعد پچھتا ہے۔ گویا کہ دونوں پر اکٹھے حرکت کرتے ہیں۔ زہر کے ساتھ تریاق ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ زہر کیوں بنایا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ گویا زہر ہے مگر کشتہ کرنے سے حکم اُسیہ کار کھتا ہے۔ اگر گناہ نہ ہوتا تو نتو کا ہر انسان میں زہر جلا اور ہلاک ہو جاتا۔ توبہ اُسکی تلافی کرتی ہے۔ کبرا و عجب کی آفت سے گناہ انسان کو بچانے رکھتا ہے۔ جب بنی موصوم نشر بار استغفار کرے۔ تو وہیں کیا کرنا چاہیئے؟ گناہ سے توبہ وہی نہیں کرتا۔ جو اُس پر راضی ہو جائے۔ اور جو گناہ کو گناہ جانتا ہے۔ وہ آخر اُسے چھوڑے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جب انسان بار بار رورور کر اللہ سے بخشش چاہتا ہے تو آخر کار خدا کہہ دیتا ہے کہ ہم نے تجھ کو بخش دیا۔ اب تیرا جو بی چاہے سو کر اُسکے یہ معنی ہیں کہ اُسکے دل کو بدلا دیا۔ اور اب گناہ اُسے بالطبع برا معلوم ہو گا۔ جیسو بھڑ کو میل اٹھانے و کچھ کر کوئی دوسرا حرص نہیں کرتا۔ کہ وہ بھی کھاوے۔ اسی طرح وہ انسان بھی گناہ کی حرص نہ کرے گا جسے خدا نے بخشتا ہے۔ مسلمانوں کو خنزیر کے گوشت سے حوا بطبع کراہت ہے۔ حالانکہ اور دوسرے

ہزاروں کام کرتے ہیں جو حرام اور منع ہیں تو اس میں حکمت یہی ہے۔ کہ ایک نمونہ کراہت کا رکھ دیا ہے اور سمجھا دیا ہے۔ کہ اسی طرح انسان کو گناہ سے نفرت ہو جائے ۔

گناہ کرنے والا اپنے گناہ کی کثرت وغیرہ کا خیال کر کے دماغ سے ہرگز یاد نہ رہے۔ دُعا تریاق ہے۔ آخر دُعاؤں سے دیکھ لیگا کہ گناہ اُسے کیسا بُرا لگنے لگا۔ جو لوگ معاصی میں ڈوب کر عاکی قبولیت سے بالوس رہتے ہیں۔ اور توبہ کی طرف رجوع نہیں کرتے آخر وہ ابنیاء اور اُن کی تاثیرات سے مُنکر ہو جاتے ہیں۔ یہ توبہ کی حقیقت ہے اور یہ بحیث کی چیز کیوں ہے ؟ بات یہ ہے۔ کہ انسان غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ جب وہ بیعت کرتا ہے اور ایسے کے ہاتھ پر جسے اللہ تعالیٰ نے وہ تبدیلی بخشی ہو۔ تو جیسے درخت میں بیضہ لگانے سے خاصیت بدل جاتی ہے۔ اسی طرح سے اس پر بند سبھی اُمیں وہ فیوض اور انوار کئے لگتے ہیں بشرطیکہ اُس کے ساتھ سچا تعلق ہو بخشک شلخ کی طرح نہ ہو۔ اُس کی شلخ ہو کر پیوند ہو جائے جس قدر یہ نسبت ہوگی۔ اُسی قدر فائدہ ہوگا۔ بیعت رسمی فائدہ نہیں دیتی۔ ایسی بیعت سے حصہ اہم ہونا مشکل تھا ہے۔ اُسی وقت حصہ اہم ہوگا۔ جب اپنے وجود کو ترک کر کے بالکل محبت اور اخلاص کے ساتھ اُس کے ساتھ ہو جاوے۔ منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے آخر بے ایمان رہے۔ اُن کو سچی محبت اور اخلاص پیدا نہ ہوا۔ اس لئے ظاہری کَلَّا لَہٗ اِلَّا اللہ اُن کے کام نہ آیا۔ تو ان تعلقات کو بڑھانا بڑھادی امر ہے۔ اگر ان تعلقات کو وہ نہیں بڑھاتا۔ اور کوشش نہیں کرتا۔ تو اُس کا شکوہ اور افسوس بے فائدہ ہے۔ محبت اور اخلاص کا تعلق بڑھانا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو۔ اُس انسان کے ہم رنگ ہو۔ طریقوں میں اور اعتقاد میں نفس لمبی عمر کے وعدے دینا ہے۔ یہ دھوکا ہے۔ عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ جلدی راستبازی اور عبادت کی طرف جھکنا چاہیے۔ اور صبح سے لیکر شام تک حساب کرنا چاہیے (البدیع جلد ۱ ص ۶۵) ۔

اس ننگی کے کل انفاس اگر دنیاوی کاموں میں گزر گئے تو آخرت کے لئے کیا ذخیرہ کیا۔ تہی میں خاصکے اٹھو۔ اور فوق اور شوق سے ادا کرو۔ درمیانی نمازوں میں بباعث ملازمت کے ابتلا آ جاتا ہے۔ رائق اللہ تعالیٰ ہے نماز اپنے وقت پر ادا کرنی چاہیے۔ ظہر عصر کبھی کبھی جمع ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا۔ کہ ضعیف لوگ ہونگے۔ اس لئے یہ گنجائش رکھ دی۔ مگر یہ گنجائش تین نمازوں کے جمع کرنے میں نہیں ہو سکتی۔ جبکہ ملازمت میں اور دوسرے کئی امور میں لوگ سزا پاتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ کے لئے تکلیف اٹھادیں تو کیا خوب ہو۔ جو لوگ راستبازی کے لئے تکلیف اور نقصان اٹھاتے ہیں وہ لوگوں کی نظروں میں مرغوب ہوتے ہیں اور یہ کام نبیوں اور صدیقوں کا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے دنیاوی نقصان اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ کبھی اپنے ذمہ نہیں رکھتا پورا اجر دیتا ہے۔ منافقانہ طرز نہ رکھے مثلاً اگر ایک مہندہ کہے۔ کہ رام اور رحیم ایک ہے۔ تو ایسے موقع پر

ہاں میں ہاں نہ ملائے۔ اللہ تعالیٰ تہذیب سے منع نہیں کرتا۔ مہذبانہ جواب دیوے۔ حکمت کے یہ
معنے نہیں ہیں کہ ایسی گفتگو کی جائے جس سے خواہ مخواہ جوش پیدا ہو۔ اور یہودہ جنگ ہو۔ کبھی
اخفائے حق نہ کرے۔ ہاں میں ہاں ملائے سے انسان کا فرو جاتا ہے۔ یا غالب شکوہ غالب شوئی
اللہ تعالیٰ کا لحاظ اور پاس رکھنا چاہیے۔ ہمارے دین میں کوئی بات تہذیب کے خلاف نہیں۔

اسلام ہمیشہ مظلوم چلا آیا ہے۔ جیسے کبھی دو بھائیوں میں فساد ہو۔ تو بڑا بھائی بہ سبب اپنی عظمت
اور پہلے پیدا ہونے کے اپنے چھوٹے بھائی پر خواہ مخواہ ظلم کر لے۔ اسلئے کہ وہ پیدائش میں اول ہونے سے
اپنا حق زیادہ خیال کرتا ہے۔ حالانکہ حق دونوں کا برابر ہے۔ اسی طرح کا ظلم اسلام پر ہو رہا ہے۔ اسلام
سب مذاہب کے بعد آیا۔ اسلام نے سب مذاہب کی غلطی اُن کو بتلائی۔ تو جیسے قاعدہ ہے۔ کہ جاہل
خیر خواہ کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ سب مذاہب اس سے ناراض ہو گئے۔ کیونکہ اُن کے دلوں میں اپنی
اپنی عظمت بیٹھی ہوئی تھی۔ انسان کثرت قوم۔ قدامت اور کثرت مال کے باعث متکبر ہو جاتا کرتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غریب قلیل اور نئے گروہ والے تھے۔ اسلئے مخالفین نہ مانا۔
حق ہمیشہ مظلوم ہوتا ہے۔ اسلام ایسا مظلوم مذاہب ہو۔ کہ کسی مذاہب کے بانی کو برا نہیں کہنے دیتا۔ مگر دوسرے
مذاہب والے جھٹ گالی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ دیکھو یہ عیسائی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
کیسے در گالی دیتی ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زندہ ہوتے۔ تو آپ کی دنیاوی عظمت کے
خیال سے بھی یہ لوگ کوئی کلمہ زبان پر نہ لاسکتے۔ بلکہ ہزار ہا درجہ عظیم سے پیش آتے۔ امیر کابل و سلطان روم
ایک اونٹنی اتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اُن کو گالی نہیں دے سکتے۔ بے ادبی سے پیش
نہیں آ سکتے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے۔ تو ہزاروں گالیاں سناتے ہیں اسلام
دوسری اقوام محسن ہے۔ کہ ہر ایک بنی اور کتاب کو بری کیا۔ اور خود اسلام مظلوم ہے۔ اسلام کا مضمون
لا الہ الا اللہ کسی دوسرے مذاہب میں نہیں ہے (البدر جلد ۱ ص ۷۷)۔

۸۹۶ھ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ حضرت مسیحؑ کی آمد کے واسطے جو لفظ آیا ہے۔ وہ نزول
ہے۔ اور رجوع نہیں ہے۔ اول نزول آپس آنے والے کی نسبت جو لفظ آتا ہے وہ رجوع ہے۔ اور
رجوع کا لفظ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کہیں نہیں بولا گیا۔ دوم نزول کے معنی آسمان سے آنے کے
نہیں۔ نزول مسافر کو کہتے ہیں۔

پھر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ ہم نے جو مخالفین پر بعض جگہ سختی کی ہے وہ اُنکے تکبر کو دور
کرنے کے واسطے ہے۔ وہ سخت باتوں کا جواب نہیں۔ بلکہ علاج کے طور پر کڑوی دوائی ہے۔ الحق مبرا

لیکن ہر شخص کے واسطے جائز نہیں۔ کہ وہ ایسی تحریک کو استعمال کرے۔ جماعت کو احتیاط چاہیئے۔ ہر ایک شخص پہلے اپنے دل کو ٹھنڈا کر دیکھے۔ کہ صرف خدا اور دشمنی کے طور پر ایسے لفظ لکھے رہے۔ یا کسی نیکیت پر یہ کام مبنی ہے۔

پھر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: مخالفین کے ساتھ دشمنی سے پیش نہیں آنا چاہیئے۔ بلکہ زیورہ نردوغا سے کام لینا چاہیئے۔ اور دیگر وسائل سے کوشش کرنی چاہیئے (دہر جلد ۱۱ ص ۷)۔

۱۸۹۷ء حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: میں ہرگز اپنے آپ کو مولوی نہیں کہتا اور نہ میں راضی ہوں کہ کبھی کوئی مجھے مولوی کہے۔ بلکہ مجھے تو اس لفظ سے ایسا بچنا چاہیئے جیسا کہ کسی نے گالی دے دی۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: لوگ تمہیں دکھ دینگے۔ اور ہر طرف سے تکلیف پہنچائینگے۔ مگر ہماری جماعت کے لوگ جوش نہ دکھائیں جوش نفس سے دل دکھانے والے الفاظ استعمال نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند نہیں ہوتے۔ ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ ایک نمونہ بنانا چاہتا ہے۔ (دہر جلد ۱۱ ص ۷)

دسمبر ۱۸۹۷ء ہماری جماعت ہر نماز کی آخری رکعت میں بعد رکوع مندرجہ ذیل دعا بخیرت پڑھے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (الحکم جلد ۱ ص ۷)

۲۵ دسمبر ۱۸۹۷ء (تقریر بر جلسہ سالانہ مقام قادیان)۔ اپنی جماعت کی خیر خواہی کے لئے زیادہ ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ تقویٰ کی بابت نصیحت کی جائے۔ کیونکہ یہ بات عقل مند کے نزدیک ظاہر ہے۔ کہ بخیر تقویٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ يُحْسِنُوْنَ۔ ہماری جماعت کے لئے خاص کہ تقویٰ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس خیال سے بھی کہ وہ ایک ایسے شخص سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے سلسلہ بیعت میں ہیں جس کا دعویٰ ماموریت کا ہے۔ تا وہ لوگ جو خواہ کسی قسم کے بغضوں کینوں یا شرکوں میں مبتلا تھے۔ یا کیسے ہی موبد بنا تھے۔ ان تمام آفات سے بجات پادیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار ہو جاوے خواہ اسکی بیماری چھوٹی ہے یا بڑی۔ اگر اس بیماری کے لئے دوا نہ کی جائے۔ اور علاج کرے لئے دیکھ نہ اٹھا یا جاوے۔ بیمار اچھا نہیں ہو سکتا۔ ایک سیاہ داغ منہ پر نکلا کر ایک بڑا فکر پیدا کر دیتا ہے۔ کہ کہیں یہ داغ بڑھتا بڑھتا کل منہ کو کالا نہ کرے۔ اسی طرح مصیبت کا بھی ایک سیاہ داغ دل پر پڑتا ہے۔ صغائر سہل انگاری سے کہا تر ہو جاتے ہیں۔ صغائر وہی داغ چھوٹا ہے جو بڑھکر آخر کار کل منہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

جیسے رحیم و کریم ہے۔ ویسا ہی قہار اور منتقم بھی ہے۔ ایک جماعت کو جب دیکھتا ہے۔ کہ اُن کا دعویٰ اور
لاف و کزاف تو کچھ ہے۔ اور اُن کی عملی حالت ایسی نہیں تو اُسکا غیظ و غضب بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسی
جماعت کی سزا دی کے لئے وہ کفار کو ہی تجویز کرتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کئی
دفعہ مسلمان کافروں سے تفریق کئے گئے۔ جیسے چنگیز خان اور ہلاکو خان نے مسلمانوں کو تباہ کیا۔ حالانکہ
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے حمایت اور نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن پھر بھی مسلمان مغلوب ہوئے۔ اِس قسم
کے واقعات بسا اوقات پیش آئے۔ اس کا باعث یہی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ کہ قوم
کَافِرَةٌ اِلَّا اللّٰهُ تو پکارتی ہے۔ لیکن اُسکا دل کسی اور طرف ہے اور اپنے افعال سے وہ بالکل رُو بدینا
ہے۔ تو پھر اُس کا قہار پائنا رنگ دکھاتا ہے۔ اللہ کا خوف اسی میں ہے کہ انسان دیکھے کہ اُس کا قول و فعل
کہاں تک ایک دوسرے سے مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جب دیکھے۔ کہ اُس کا قول و فعل برابر نہیں۔ تو
سمجھ لے۔ کہ وہ مورد غضب الہی ہوگا۔ جو دل ناپاک ہے خواہ اُسکا قول کتنا ہی پاک ہو۔ وہ دل خدا کی نگاہ
میں قیمت نہیں پاتا۔ بلکہ خدا کا غضب مشتعل ہوگا۔ پس میری جماعت سمجھ لے۔ کہ وہ میرے پاس آئے ہیں۔
اسی لئے کہ تخم بیری کیجا ہے جس سے وہ پھلدار درخت ہو جاوے۔ پس ہر ایک اپنے اندر غور کرے کہ اُسکا
اندرون کیسا ہے۔ اور اُس کی باطنی حالت کیسی ہے۔ اگر ہماری جماعت بھی خدا بخواتمہ ایسی ہے۔ کہ اُسکی
زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے۔ تو پھر خاتمہ بالخیر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھتا ہے۔ کہ ایک جماعت جو
دل سے خالی ہے محض زبانی دعویٰ کرتی ہے۔ وہ غنی ہے۔ وہ پرواہ نہیں کرتا۔ مبدل کی فتح کی پیشگوئی
ہو چکی تھی۔ ہر طرح فتح کی امید تھی۔ لیکن پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر دُعا مانگتے تھے حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ کہ جب ہر طرح فتح کا وعدہ ہے۔ تو پھر ضرورت الحاح کیا ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ ذات غنی ہے یعنی ممکن ہے۔ کہ وعدہ الہی میں کوئی خفی شرائط
ہوں۔

پس ہمیشہ دیکھنا چاہیئے کہ مجھے تقویٰ و طہارت میں کہاں تک ترقی کی ہے۔ اسکا معیار قرآن
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقی کے نشانوں میں ایک یہ بھی نشان رکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ المتقی کو سکروہت و دنیا
سے آزا کر کے اُسکے کاموں کا خود مشغول ہو جاتا ہے جیسے کہ فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا
مُخْرَجًا رِزْقًا كَثِيرًا حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (س ۲۸) جو شخص خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک
مصيبت میں اُسکے لئے رستہ مخلصی کا نکال دیتا ہے۔ اور اُس کے لئے ایسے روزی کے سامان پیدا کر دیتا
ہے۔ کہ اُسکے علم و گمان میں نہ ہوں۔ یعنی یہ بھی ایک علامت متقی کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ المتقی کو ناپکار

ضرورتوں کا محتاج نہیں کرتا۔ مثلاً ایک دوکاندار یہ خیال کرتا ہے۔ کہ دروغگوئی کے سوا اسکا کام بھی نہیں چل سکتا۔ اسلئے وہ دروغگوئی سے باز نہیں آتا۔ اور جھوٹ بولنے کے لئے وہ مجبوری ظاہر کرتا ہے۔ لیکن یہ امر گزریج نہیں۔ خدا تعالیٰ متقی کا خود محافظ ہو جاتا اور اُسے ایسے موقع سے بچا لیتا ہے۔ جو خلافِ حق پر مجبور کرنے والے ہوں۔ یا دیکھو جب اللہ تعالیٰ کو کسی نے چھوڑا تو خدا نے اُسے چھوڑ دیا۔ جب رحمان نے چھوڑ دیا تو ضرور شیطان اپنا رشتہ جوڑ لگا۔ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے۔ وہ بڑی طاقت والی ذات ہے۔ جب اُسپر کسی امر میں بھروسہ کرو گے۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (س ۲۸) لیکن جو لوگ ان آیات کے پہلے مخاطب تھے۔ وہ اہل دین تھے۔ اُن کی ساری فکریں محض دینی امور کے لئے تھیں۔ اور اُن کے دُنیوی امور حوالہ بخدا تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو تسلی دی۔ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مغرض برکاتِ نفوس میں سے ایک یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ متقی کو اُن مصائب سے خلعی بخشا ہے جو دینی امور کے خارج ہوں۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ متقی کو خاص طور پر رزق دیتا ہے۔ یہاں میں معارف کے رزق کا ذکر کر دینگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اُقی ہوئے کے تمام جہان کا مقابلہ کرنا تھا جس میں اہل کتاب۔ فلاسفہ۔ اعلیٰ درجے کے علمی مذاق والے لوگ اور عالم فاضل شامل تھے۔ لیکن آپ کو روحانی رزق اسقدر ملا کہ آپ سب پر غالب آئے۔ اور اُن سب کی غلطیاں نکالیں۔ یہ روحانی رزق تھا۔ کہ جس کی نظیر دُنیوی متقی کی شان میں دوسری جگہ بھی آیا ہے إِنَّ أَوْلِيَاءَ ذَاكَ الْمُتَّقُونَ (س ۹) اللہ کے ولی وہ ہیں جو متقی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست۔ پس کیسی نعمت ہے۔ کہ تھوڑی سی تکلیف سے خدا کا مقرب کہلاوے۔ آج کل زمانہ کس قدر پست بہت ہے۔ اگر کوئی حاکم یا افسر کسی کو یہ کہہ دے۔ کہ تو میرا دوست ہے۔ یا اسکو کُرسی دے اور اُسکی عزت کرے۔ تو وہ شعی کرتا ہے۔ فخر کرتا پھر تا ہے۔ لیکن اُس انسان کا کس قدر افضل رتبہ ہوگا۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنا ولی یا دوست کہہ کر پکارتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ وعدہ فرمایا ہے جیسے کہ ایک حدیث بخاری میں وارد ہے لَا يَزَالُ يُتَقَرَّبُ عَبْدِي بِالسَّوَابِلِ حَتَّىٰ أَحَبَّتْهُ فَإِذَا أَحَبَّتْهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَلَكِنَّ سَأَلْتُهُ لَا غَطِيئَتَهُ وَلَكِنَّ اسْتِعَاذَنِي لَا غَتَّةَ۔ انسان جس قدر نیکیاں کرتا ہے۔ اُس کے دوسرے ہوتے ہیں۔ ایک فرائض دوسرے نوافل۔ فرائض یعنی جو انسان پر فرض کیا گیا ہو۔ جیسے قرعہ کا اتارنا یا نیکی کے مقابل نیکی۔ ان فرائض کے علاوہ ہر ایک نیکی کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں یعنی ایسی نیکی جو

دیکھو
المتقون

اُسکے حق سے فاضل ہو۔ جیسے احسان کے مقابل احسان کے علاوہ اور احسان کرنا۔ یہ نوافل ہیں۔ یہہ بطور کمالات اور نعمات فراہم کرنے کے ہیں اس حدیث میں بیان ہے۔ کہ اولیاء اللہ کے دینی فرائض کی تکمیل نوافل سے ہو رہتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کے علاوہ وہ اور صدقات دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کا ولی مقرر فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اوسکی دوستی یہاں تک ہوتی ہے کہ میں اُسکے ہاتھ پاؤں وغیرہ حتیٰ کہ اُس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ جب انسان جذبات نفس سے پاک ہوتا اور نفسانیت چھوڑ کر خدا کے ارادوں کے اندر چلتا ہے۔ اُس کا کوئی فعل ناجائز نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک فعل خدا کی منشاء کے مطابق ہوتا ہے۔ جہاں لوگ ابتلا میں پڑتے ہیں۔ وہاں یہ امر ہمیشہ ہوتا ہے کہ وہ فعل خدا کے ارادہ سے مطابق نہیں ہوتا۔ خدا کی رضا اُسکے برخلاف ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے جذبات کے نیچے چلتا ہے۔ مثلاً غصے میں آکر کوئی ایسا فعل اُس سے سرزد ہو جاتا ہے جس سے مقدمات بن جایا کرتے ہیں۔ فوجداریاں ہو جاتی ہیں۔ مگر اگر کسی کا یہ ارادہ ہو۔ کہ بلا استصواب کتاب اللہ اسکا حرکت و سکون نہ ہوگا۔ اور اپنی ہر ایک بات پر کتاب اللہ کی طرف رجوع کرے گا۔ تو یقینی امر ہے۔ کہ کتاب اللہ مشورہ دیگی۔ جیسے فرمایا۔ وَلَا تَطِيعُوا الْاَوَّلِيْنَ اِلَّا فِيْ سَبِيْلِ رَبِّكُمْ دس ۷۷) سوا گھر ہم پر ارادہ کریں کہ ہم مشورہ کتاب اللہ سے لینے۔ تو ہم کو ضرور مشورہ ملے گا۔ لیکن جو اپنے جذبات کا تابع ہے۔ وہ ضرور نقصان ہی میں پڑے گا۔ بسا اوقات وہ اس جگہ مواخذہ میں پڑے گا۔ سوا اس کے مقابل اللہ نے فرمایا کہ ولی جو میرے ساتھ بولتے چلتے کام کرتے ہیں وہ گویا اس میں محبوب ہیں۔ سو جب قدر کوئی محویت میں کم ہے۔ وہ اتنا ہی خدا سے دور ہے۔ لیکن اگر اُسکی محویت ویسی ہی ہے۔ جیسے خدا نے فرمایا۔ تو اُس کے ایمان کا اندازہ نہیں اُن کی حمایت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ عَادَ اِلَيَّ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحُكُوْبِ (الحديث) جو شخص میرے ولی کا مقابلہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ اب دیکھ لو کہ متقی کی شان اس قدر بلند ہے اور اسکا پایہ کس قدر عالی ہے۔ جس کا قرب خدا کی جناب میں ایسا ہو کہ اسکا ستایا جانا خدا کا ستایا جانا ہو۔ تو خدا اُس کا کس قدر معاون و مددگار ہوگا۔ لوگ بہت سی مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں لیکن متقی بچائے جاتے ہیں۔ بلکہ اُن کے پاس جو آجاتا ہے وہ بھی بچا جاتا ہے۔ مصائب کی کوئی حد نہیں انسان کا اپنا اندر اتقدر مصائب سے بھرا ہوا ہے کہ اسکا کوئی اندازہ نہیں۔ امراض کو ہی دیکھ لیا جائے۔ کہ ہزارہا مصائب کے پیدا کرنے کو کافی ہیں۔ لیکن جو تقویٰ کے قلعہ میں ہوتا ہے۔ وہ اُن سے محفوظ ہے۔ اور جو اُس سے باہر ہے وہ ایک ایسے جنگل میں ہے جو درندہ جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ متقی کے لئے ایک اور بھی وعدہ ہے۔ لَكُمْ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (دس ۱۱) یعنی جو متقی ہوتے ہیں۔ اُن کو اسی دُنیا میں بشارتیں پہنچتی ہیں کہ وہ جہنم سے بھی بڑھ کر وہ صاحبِ مکارِ شفات و الہامات ہو جائیں گے۔ مکالمۃ اللہ کا ثمر حاصل کرتے ہیں وہ بشریت کے لباس میں ہی ملائکہ کو دیکھ لیتے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّا اِلٰهُ ثُمَّ اسْتَفْتٰهُمْ تَنْتٰزِلْ عَلَیْهِمْ الْمَلٰٓئِکَةُ (دس ۲۴) یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور استقامت دکھاتے ہیں یعنی ابتلا کے وقت ایسا شخص کھلا دیتا ہے کہ جو اپنے مُنہ سے وعدہ کیا تھا وہ عملی طور سے پورا کرتا ہوں کیونکہ بلا فروری ہے۔ جیسے یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ اَحْسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اِنْ یَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یَفْتَنُوْنَ (دس ۲۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنہوں نے کہا۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے اور استقامت کی۔ اُن پر فرشتے اُترتے ہیں مفسروں کی غلطی ہے کہ فرشتوں کا اُترنا منع میں ہے۔ یہ غلط ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دل کو صاف کرتے ہیں اور نجاست اور گندگی سے جو اللہ سے دُور رکھتی ہے اپنے نفس کو دور رکھتے ہیں۔ اُن میں سلسلہ الہام کے لئے ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے سلسلہ الہام شروع ہوتا ہے۔ پھر شفیق کی شان میں ایک اور جگہ فرمایا۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ لَمْ یَكُوْلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (دس ۱۱) یعنی جو اللہ کے ولی ہیں اُن کو کوئی غم نہیں جس کا خدا مشکفل ہو اُس کو کوئی تکلیف نہیں کوئی مقابلہ کرنے والا ضرر نہیں دے سکتا۔ اگر خدا ولی ہو جاوے۔ پھر فرمایا۔ وَابْتَغُواْ بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ (دس ۲۴) یعنی تم اُس جنت کے لئے خوش ہو جس کا تم کو وعدہ ہے۔ قرآن کی تعلیم سے پایا جاتا ہے۔ کہ انسان کے لئے دو جنت ہیں۔ جو شخص خدا سے پیار کرتا ہے کیا وہ ایک جتنے والی زندگی میں رہ سکتا ہے؟ جب اس جگہ ایک حاکم کا دوست دنیوی تعلقات میں ایک قسم کی بہشتی زندگی میں بہت رہے۔ تو کیوں نہ اُن کے لئے دروازہ جنت کھلے جو اللہ کے دوست ہیں اگرچہ دنیا پر از تکلیف و مصائب ہے لیکن کسی کو کیا خبر وہ کسی لذت اُٹھائے ہیں اگر اُن کو سنج ہو۔ اودھ گھنہ تکلیف اُٹھانا بھی مشکل ہے حالانکہ وہ تو تمام عمر تکلیف میں رہتے ہیں۔ ایک زمانہ کی سلطنت اُن کو دیکر اُن کو اپنے کام سے روکا جائے تو وہ کب کسی کی سنتے ہیں اسی طرح خواہ مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں وہ اپنے ارادہ کو نہیں چھوڑتے۔ ہمارے مادی کامل کو یہ دو دلیا ہیں دیکھنی پڑیں ایک وقت تو طوائف میں پتھر پرسلے گئے۔ ایک کثیر جماعت نے سخت سے سخت جسمانی تکلیف دی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استقلال میں فرق نہ آیا جب قوم نے دیکھا کہ مصائب و شدائد سے اُن پر کوئی اثر نہ پڑا۔ تو انہوں نے حج ہو کر بادشاہت کا وعدہ دیا۔ اپنا امیر بنانا چاہا۔ ہر ایک قسم کے سامان آسائش مہیا کر دینے کا وعدہ کیا۔ حتیٰ کہ عہدہ سے عہدہ بی بی بھی۔ بدیں شرط کہ حضرت صلعم

تہوں کی مذمت چھوڑ دیں لیکن جیسے کھائف کی مصیبت کے وقت ویسے ہی اس وعدہ بادشاہت کو وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پرواہ نہ کی اور پتھر کھانے کو ترجیح دی سو جب تک خاص لذت نہ ہو تو کیا ضرورت تھی کہ آرام چھوڑ کر دکھوں میں پڑتے۔

یہ موقعہ سوائے ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور نبی کو نہیں ملا۔ کہ ان کو نبوت کا کام چھوڑنے کے لئے کوئی وعدہ دیا گیا ہو حضرت مسیح کو بھی یہ امر نصیب نہ ہوا۔ دنیا کی تاریخ میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی یہ معاملہ ہوا۔ کہ آپ کو سلطنت کا وعدہ دیا گیا۔ اگر آپ اپنا کام چھوڑ دیں۔ سو یہ عزت ہمارا رسول کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اسی طرح ہمارے ہادی کامل کو دونوں زمانے تکلیف اور فتنہ دہی کے نصیب ہوئے تاکہ وہ دونوں اوقات میں کامل بنوئے اخلاق کا دکھا سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے لئے چاہئے کہ ہر دو لذتیں اٹھائیں بعض وقت دنیوی لذات آرام اور طبیعت کے رنگ میں بعض وقت عُشرت اور مصائب میں تاکہ ان کے دونوں اخلاق کامل بنوئے دکھا سکیں بعض اخلاق طاقت میں اور بعض مصائب میں کھلتے ہیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دو نوباتیں میر آئیں سو جس قدر ہم آپ کے اخلاق پیش کر سکیں گے۔ کوئی اور قوم اپنے کسی نبی کے اخلاق پیش کر سکے گی۔ جیسے حضرت مسیح کا صرف صبر ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ مار کھا مارا۔ لیکن یہ کہاں سے نکلیں گا کہ ان کو طاقت نصیب ہوئی۔ وہ بیشک سچے نبی ہیں لیکن ان کے قسم کے اخلاق ثابت نہیں۔ چونکہ ان کا ذکر قرآن شریف میں آگیا ہے۔ اسلئے ہم ان کو نبی مانتے ہیں ورنہ انجیل میں ان کا کوئی ایسا خلق ثابت نہیں۔ جیسے اولوالعزم اہلبیت کی شان ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے ہادی کامل بھی ابتدائی تیرہ برس کے مصائب میں وفات پا جاتے تو آپ کے بہت سے اور اخلاق فاضلہ حضرت مسیح کی طرح ظاہر نہ ہوتے۔ لیکن آپ کا دوسرا زمانہ جب نوح کا آیا۔ اور مجرم آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔ تب آپ کی صفت رحم اور عفو کا کامل ثبوت ملا۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کا کوئی کام جبر پر نہ تھا۔ اور نہ لبر و سستی تھی۔ بلکہ ہر ایک امر اپنے طبعی رنگ میں ہوا۔ اسی طرح آپ کے اور بہت سے اخلاق بھی ثابت ہیں سو اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا۔ کہ تَحْنُ أُولَیَاؤُكُمْ فِی الْحَیْوةِ الدُّنْیَا (س ۶۴) کہ ہم اس دُنیا میں بھی اور آئندہ بھی متفق کے ولی ہیں سو یہ بات بھی ان نادانوں کی نگہ دیکھ لئے ہے۔ جنہوں نے اس زندگی میں نزول ملا کہ سے انکار کیا اگر نزع میں نزول ملا کہ تھا تو حیات الدنیا میں خدا تعالیٰ کیسے ولی ہوا۔

سو یہ ایک نعمت ہے کہ ولیوں کو خدا کے فرشتے نظر کرتے ہیں آئندہ کی زندگی محض ایمانی ہے۔ لیکن ایک متقی کو آئندہ کی زندگی یہیں دکھائی جاتی ہے۔ انہیں اسی زندگی میں خدا ملتا ہے۔ نظر آتا ہے۔ اور ان سے

باتیں کرتا ہے لیکن اگر ایسی صورت کسی کو نصیب نہیں تو اس کا مرنا اور یہاں سے چلے جانا نہایت خراب ہی ایک ولی کا قول ہے۔ کہ جس کو ایک پچا خواب عمر بھر نصیب نہیں ہوا۔ اُس کا خاتمہ خطرناک ہے جیسے کہ قرآن مومن کا یہ نشان ٹھہرانا ہے پس جس میں یہ نشان نہیں اُس میں تقویٰ نہیں۔ اس لئے ہم سب کی یہ دعا چلیئے۔ کہ یہ شرط ہم میں پوری ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام۔ خواب۔ مکاشفات کا فیضان ہو۔ کیونکہ یہ مومن کا خاصہ ہے۔ ہٹو یہ ہونا چاہیئے۔ بہت سی اور بھی برکات ہیں جو حقیقی کو ملتی ہیں۔ مثلاً سورہ فاتحہ میں جو قرآن شریف کے شروع میں ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کو یہ ایت کراہے کہ وہ دعا مانگیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (دس) یعنی ہمیں راہ سیدھی بتلا ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام و فضل ہے۔ یہ اس لئے سکھائی گئی ہے۔ کہ انسان عالی ہمت ہو کر اس سے خالق کا منشاء سمجھے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ یہ اُمت بیہائم کی طرح زندگی بسر نہ کرے۔ بلکہ اسکے تمام پردے کھل جاویں۔ جیسے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔ کہ ولایت بادِ اماموں کی بدستور ہوگی جو غلط ہو۔ بظلاف اسکے اس دعا سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا نے پہلے سے ارادہ کر رکھا ہے۔ کہ جو حقیقی ہو۔ اور خدا کی منشاء کے مطابق ہو۔ تو وہ اُن مراتب کو حاصل کر سکے۔ جو انبیاء اور اصفیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ انسان کو بہت سے قوائے ملے ہیں۔ جنہوں نے نشوونما پانا ہے۔ اور بہت ترقی کرنا ہے۔ ہاں ایک بلکہ چونکہ انسان نہیں۔ اُسکے قوائے ترقی نہیں کر سکتے۔ عالی ہمت انسان جب رسولوں اور انبیاء کے حالات سنتا ہے۔ تو چاہتا ہے کہ وہ انعامات جو اس پاک جماعت کو حاصل ہوئے اُس پر نہ صرف ایمان ہی ہو بلکہ اسے بتدریج اُن نعماء کا علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین ہو جاوے۔

علم کے تین مدارج ہیں علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ مثلاً ایک جگہ سے دھواں نکلتا دیکھ کر آگ کا یقین کر لینا علم الیقین ہے۔ لیکن خود آنکھ سے آگ کا دیکھنا عین الیقین ہے۔ آگ بڑھ کر درجہ حق الیقین کا ہے یعنی آگ میں ہاتھ ڈال کر جلن اور حرقت سے یقین کر لینا کہ آگ موجود ہے۔ پس وہ شخص کیسا بڑست ہے جس کو ان تینوں میں سے کوئی درجہ حاصل نہیں۔ اس آیت کو مطابق جبرائیل کا فضل نہیں۔ وہ کوہِ ثقلید میں پھنسا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (دس) جو ہماری راہ میں مجاہدہ کر لیا۔ ہم اُس کو اپنی راہیں دکھلا دیں گے۔ یہ تو وعدہ ہے۔ اور ادھر یہ دعا ہے۔ کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ سو انسان کو چاہیئے۔ کہ اسکو مد نظر رکھ کر نمازیں بالحلح دعا کرے۔ اور تمنا رکھے کہ وہ بھی اُن لوگوں میں سے ہو جاوے۔ جو ترقی اور

بصیرت حاصل کر چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس جہان سے بے بصیرت اور اندھا اٹھایا جاوے۔ چنانچہ فرمایا
 مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَلَهُ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ (س ۱۵) کہ جو اس جہان میں اندھا ہے۔ وہ اس
 جہان میں بھی اندھا ہے جس کی مشابہ یہ ہے کہ اس جہان کے مشاہدے کے لئے اس جہان سے ہوا آنکھیں
 لے جاتی ہیں۔ آئندہ جہان کو محسوس کرنے کے لئے حواس کی تیار سی اسی جہان میں ہوگی۔ پس کیا یہ گمان ہو سکتا
 ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کرے۔ اور پورا نہ کرے۔ اندھے سے مراد وہ ہے۔ جو روحانی معارف اور روحانی لذات
 سے خالی ہے۔ ایک شخص کو رائے تقلید سے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گیا۔ مسلمان کہلاتا ہے۔ دوسری طرف
 اسی طرح ایک عیسائی عیسائیوں کے ہاں پیدا ہو کر عیسائی ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو خدا اور رسول اور قرآن
 کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اسکی دین سے محبت بھی قابل اعتراض ہے۔ خدا اور رسول کی ہتک کرنے والوں میں
 اسکی گزران ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایسے شخص کی روحانی آنکھیں اُسیں محبت دین نہیں۔ والا محبت
 والا اپنے محبوب کے برخلاف کیا کچھ پسند کر سکتا ہے؟ غرض اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ کہ میں تو دینے کو طیار ہوں اگر
 تو لینے کو طیار ہے پس یہ دُعا کرنا ہی اُس ہدایت کو لینے کی طیار سی ہے۔ اس دعا کے بعد سورہ بقرہ کے شروع میں
 ہي هُوَ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کہا گیا۔ تو گویا خدا تعالیٰ نے دینے کی طیار سی کی یعنی یہ کتاب تھی کو کمال تک
 پہنچانے کا وعدہ کرتی ہے۔ سو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب اُن کے لئے نافع ہے جو پرہیز کرنے اور نصیحت سننے
 کو طیار ہو۔ اس وجہ کا متقی وہ ہے جو حَقًّا باطن ہو کر حق کی بات سننے کو طیار ہو۔ جسے جب کوئی مسلمان ہونا
 ہے۔ تو وہ متقی بنتا ہو اور جب کسی غیر مذہب کے اچھے دن آئے۔ تو اُس میں اَلْقَا پیدا ہوا۔ عجب۔ غرور۔ پندار۔
 دُور ہو۔ یہ تمام روکیں تھیں جو دور ہو گئیں ان کے دُور ہونے سے تاریک گھر کی گھر کی لُٹ لُٹ گئی۔ اور شعاعیں اندر
 داخل ہو گئیں۔ یہ جو فرمایا کہ یہ کتاب متقین کی ہدایت ہے یعنی هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ تو اَلْقَا جو انتقال کے
 باب پر ہے اور یہ باب تکلف کے لئے آیا کرتا ہے یعنی اُس میں اشارہ ہے کہ جس قدر یہاں ہم تقویٰ چاہتے
 ہیں۔ وہ تکلیف سے خالی نہیں جس کی حفاظت کے لئے اس کتاب میں ہدایات ہیں گویا متقی کو پہنچنے کرنے
 میں تکلیف سے کام لینا پڑتا ہے۔ جب یہ وجہ گذر جاتا ہے۔ تو سادہ سجد صالح ہو جاتا ہے۔ گویا
 تکلیف کا رنگ دُور ہو۔ اور صلح نے طبعاً و فطرتاً نیکی شروع کی۔ وہ ایک قسم کے دارالامان میں ہے جس کو
 کوئی خطرہ نہیں اب گل جنگ اپنے نفسانی جذبات کے برخلاف ختم ہو چکے اور وہ امن میں آگیا۔ اور ہر
 ایک قسم کے خطرات سے پاک ہو گیا۔ اسی امر کی طرف ہمارے ہادی کا لُٹنے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ ہر ایک
 کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ لیکن میرا شیطان مسلم ہو گیا ہے۔ پس متقی کو ہمیشہ شیطان کے مقابل جنگ
 ہے۔ لیکن جب وہ صلح ہو جاتا ہے۔ تو کل جنگیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ایک ریا ہے جس کے ساتھ

اُسے آنکھوں پر جنگ بڑی متقی ایک ایسے میدان میں ہے جہاں ہرقت لڑائی ہے اللہ کے فضل کا ہاتھ
اُسکے ساتھ ہو۔ تو اُسے فتح ہو۔ جیسے ریا جس کی چال ایک چوٹی کی طرح ہے۔ بعض وقت انسان بھی وہ خاص
موقعہ پر ریا کو دل میں پیدا ہونے کا موقعہ دے دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا چاقو گم ہو جائے۔ اور وہ دوسرے
سے دریافت کرے۔ تو اس موقعہ پر ایک متقی کا جنگ شیطان سے شروع ہو جاتا ہے۔ جو اُسے سکھاتا ہے
چاقو کے مالک کا اس طرح دریافت کرنا ایک قسم کی بے عزتی ہے۔ جس سے اُسکے افروختہ ہونیکا احتمال ہوتا ہے
اور ممکن ہے کہ اُس میں لڑائی بھی ہو جائے۔ اس موقعہ پر ایک متقی کو اپنے نفس کی بے خواہش سے جنگ ہے۔
اگر اس شخص میں محض اللہ دیانت موجود ہو۔ تو غصہ کرنے کی اس میں ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ دیانت جس قدر
محفی رکھی جائے اُسی قدر بہتر ہو۔ مثلاً ایک جوہری کراستہ میں چند چورل جاویں اور چور کپسلیں کے متعلق
مشورہ کریں۔ بعض اُسے دو تین بتلاویں اور بعض کہیں کہ نکال ہے۔ اب مقابلتا یہ جوہری انہیں کو پسند
کرے گا۔ جو اُسے نکال ظاہر کرے گا۔ اسی طرح یہ دنیا کیا ہے؟ ایک قسم کا دارالابتلا ہے۔ وہی اچھا ہے۔ جو
ہر ایک اور غفیر رکھے۔ اور ریا سے بچے۔ وہ لوگ جنکے اعمال لٹی ہوتے ہیں وہ کسی پر اپنے اعمال کا ظاہر ہونے
انہیں دیتے۔ یہی لوگ متقی ہیں۔ بیٹے تذکرۃ الاولیاء میں دیکھا ہے۔ کہ ایک حج میں ایک بزرگ نے سوال
کیا۔ کہ اُسکو کچھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ کوئی اُسکی مدد کرے۔ ایک نے صلح سمجھ کر اُسکو ایک ہزار روپیہ دیا۔
انہوں نے روپیہ لیکر اُسکی سخاوت اور فیاضی کی تعریف کی۔ اس بات پر وہ رنجیدہ ہوا۔ کہ جب یہاں ہی تعریف
ہو گئی۔ تو شاید ثواب آخرت سے محرومیت ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور کہا۔ کہ وہ روپیہ اُسکی والدہ کا
تھما۔ جو دنیا نہیں چاہتی۔ چنانچہ وہ روپیہ واپس دیا گیا۔ جس پر ایک نے لعنت کی۔ اور کہا کہ جھوٹا ہے
اصل میں یہ روپیہ دنیا نہیں چاہتا۔ جب شام کے وقت وہ بزرگ گھر گیا۔ تو وہ شخص ہزار روپیہ اُسکے پاس لایا
اور کہا۔ کہ اپنے سرعام میری تعریف کر کے مجھے محروم ثواب آخرت کیا۔ اسلئے میں یہ یہاں کیا۔ اب یہ
روپیہ آپ کا ہے۔ لیکن آپ کسی کے آگے نام نہ لیں۔ بزرگ رو پڑا اور کہا۔ کہ اب تو قیامت تک مودعین طبع
ہوا۔ کیونکہ کل کا واقعہ سب کو معلوم ہے۔ اور یہ کسی کو معلوم نہیں۔ کہ تو نے مجھے روپیہ واپس دیدیا ہے۔

ایک متقی تو اپنے نفس اور رے برخلاف جنگ کر کے اپنے خیال کو چھپاتا ہے اور غفیر رکھتا ہے۔ لیکن
اللہ تعالیٰ اُس غفیر خیال کو ہمیشہ ظاہر کر دیتا ہے جیسا ایک بدعاش کسی چلنی کا ترکب ہو کر غفیر رہنا
چاہتا ہے۔ اُسی طرح ایک متقی چھپ کر ناز پڑھتا ہے اور دیتا ہے۔ کہ کوئی اُسکو نہ دیکھے۔ سچا متقی ایک
قسم کا ستر چاہتا ہے۔ تقویٰ کے مراتب بہت ہیں۔ لیکن بہ حال تقویٰ کے لئے تکلف ہو۔ اور سچی حالت
جنگ میں ہے۔ اور صلح اُس جنگ سے باہر ہے۔ جیسے کہ میں نے مثال کے طور پر اوپر ریا کا ذکر کیا جس سے

متقی کو اٹھوں پہر جنگ ہو۔

بسا اوقات ریا اور حلم کا جنگ ہو جاتا ہے کبھی انسان کا غصہ کتاب اللہ کے برخلاف ہوتا ہے۔ گالی سنکر اس کا نفس جوش مارتا ہے۔ تقویٰ تو اس کو سکھاتا ہے کہ وہ غصہ کرنے سے باز رہے۔ جیسے قرآن مجید فرماتا ہے **وَإِذَا مَرُّوا بِالْخِوَارِ وَكَلِمَاتُهَا سِوَا ذَٰلِكَ** (۱۹) ایسا ہی بے صبری کے ساتھ اسے اکثر جنگ کرنا پڑتا ہے۔ بے صبری سے مراد یہ ہے کہ اس کو راہ تقویٰ میں اس قدر قوتوں کا مقابلہ ہے کہ مشکل سے وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ اسلئے بے صبر ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک کٹواں پچاس ہاتھ تک کھودنا ہے۔ اگر وہ چار ہاتھ کے بعد کھودنا چھوڑ دیا جاوے۔ تو یہ حصن ایک بظنی ہے۔ اب تقویٰ کی شرط یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے۔ ان کو اخیر تک پہنچائے اور بے صبر نہ ہو جاوے۔

راہ سلوک میں مبارک قدم دو گروہ ہیں ایک دین العجائز والے جو موٹی موٹی باتوں پر قدم مارتے ہیں۔ مثلاً احکام شریعت کے پابند نہ ہونگے۔ اور حجاب پائے۔ دوسرے وہ جنہوں نے آگے قدم مارا۔ سرگز نہ ٹھکے۔ اور چلتے گئے۔ جتنی کہ منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ لیکن نامراد وہ فرقہ ہے۔ کہ دین العجائز سے تو قدم آگے نکھا۔ اور منزل سلوک کو طے نہ کیا۔ وہ ضرور دہریہ ہو جاتے ہیں اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو نائیس بھی پڑھتے رہے۔ چلک شیاں بھی کیں۔ لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا جیسے ایک شخص منقصور مسیح نے بیان کیا۔ کہ اُسکی عیسا بیت کا باعث ہی تھا۔ کہ وہ مرشدوں کے پاس گیا۔ چلکشی کرنا رہا۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بظن ہو کر عیسائی ہو گیا سو جو لوگ بے صبری کرتے ہیں وہ شیطان کے قبضہ میں آجاتے ہیں اسی متقی کو بے صبری کے ساتھ بھی جنگ ہے۔ **یوسف** ان میں ایک عابد کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جب کبھی وہ عبادت کرتا تو ہاتھ تھک جاتے تھے کہ تو **یوسف** مردود و مخذول ہے۔ ایک دفعہ ایک مرید نے یہ آواز سن لی۔ اور کہا کہ اب تو فیصلہ ہو گیا۔ اب نائیس مارنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ بہت رویا اور کہا کہ میں اُس جناب کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ اگر ملعون ہوں تو ملعون ہی سہی۔ غنیمت ہے کہ کچھ کو ملعون تو کہا جاتا ہے۔ ابھی یہ باتیں مرید سے ہو ہی رہی تھیں۔ کہ آواز آئی۔ کہ تو مقبول ہے سو یہ سب صدق و صبر کا نتیجہ تھا۔ جو متقی میں ہونا شرط ہے۔ یہ جو فرمایا ہے کہ **وَالَّذِينَ جَاهِدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** (۲۱) یعنی ہماری راہ کے مجاہد راستہ پاویں گے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ اس راہ میں صبر کے ساتھ جدوجہد کرنا ہوگا۔ ایک دو گھنٹہ کے بعد بھاگ جانا مجاہد کا کام نہیں۔ بلکہ جان دینے کے لئے طیار رہنا اس کا کام ہے۔ پس متقی کی نشانی استقامت ہے۔ جیسے کہ فرمایا **إِنَّ الدِّينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا** (۲۴) یعنی جہاد کرنے کا کہ رب ہمارا اللہ ہے۔ اور استقامت دکھلائی۔ اور ہر طرف سے ٹھہ پھر کر اللہ کو کھونڈا۔ مطلب یہ کہ کامیابی استقامت پر موقوف ہو۔ اور وہ اللہ کو پہچاننا اور کسی ابتلا اور زلازل

اور امتحان سے نہ ڈرتا ہے۔ ضرور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مودعہ مخاطبہ و مکالمہ الہی انبیاء کی طرح ہوگا۔ بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ بھونک مار کر عرش پر پہنچ جائیں اور اصلین ہی ہو جائیں ایسے لوگ ٹھٹھہ کرتے ہیں۔ وہ انبیاء کے حالات کو دیکھیں۔ یہ غلط ہے۔ جو کہا جاتا ہے۔ کہ کسی ولی کے پاس جا کر صد لوگ فی الفور ولی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمانا ہے کہ **أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُلَاقُوا رَبَّهُمْ قَلِيلًا مِمَّا دُمُوا لَا يُفَتِّتُونَ** (ص ۲۰) جب تک انسان آزمایا نہ جائے فتن میں نہ ڈالا جاوے وہ کب ولی بن سکتا ہے۔ ایک مجلس میں حضرت بایزیدؒ وعظ فرما رہے تھے۔ وہاں ایک مشائخ زادہ بھی تھا۔ جو ایک لمبا سلسلہ رکھتا تھا۔ اس کو آپ سے اندرونی بغض تھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاصہ ہے۔ کہ پرنے خاندانوں کو چھوڑ کر کسی اور کو لے لیتا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر بنی اسماعیل کو لے لیا۔ کیونکہ وہ لوگ عیش و عشرت میں پڑ کر خدا کو بھول گئے ہوئے تھے۔ **وَنَزَّلْنَا الْآيَاتِ فَدُكِّدُوا لَهَا يُخْلَىٰ النَّاسُ** (ص ۴) سو اس شیخ زادے کو خیال آیا۔ کہ یہ ایک معمولی خاندان کا آدمی ہے۔ کہاں سے ایسا صاحب خوارق ہو گیا کہ لوگ اس کی طرف جھکتے ہیں اور ہماری طرف نہیں آتے۔ یہ باتیں خدا تعالیٰ نے حضرت بایزیدؒ پر ظاہر کیں تو انہوں نے ایک قصہ کے رنگ میں یہ بیان شروع کیا کہ ایک مجلس میں رات کے وقت ایک لمپ میں پانی سے ملا ہوا تیل جل رہا تھا۔ تیل اور پانی میں بحث ہوئی۔ پانی نے تیل کو کہا کہ تو کثیف اور گندہ ہے۔ اور باوجود کثافت کے میرے اوپر آتا ہے۔ میں ایک مصفا چیز ہوں اور طہارت کے لئے استعمال کیا جاتا ہوں لیکن نیچے ہوں اس کا باعث کیا ہے؟ تیل نے کہا کہ جس قدر صوبیتیں میں نے کھینچی ہیں۔ تو نے کہاں وہ جھیلی ہیں جس کے باعث یہ بلندی مجھے نصیب ہوئی۔ ایک زمانہ تھا۔ جب میں نریا گیا۔ زمین میں مخفی رہا۔ خاکسار ہوا۔ پھر خدا کے ارادہ سے بڑھا۔ بڑھنے نہ پایا۔ کہ کاٹا گیا پھر طرح طرح کی شفقتوں کے بعد صاف کیا گیا۔ کو لھویں پسایا گیا۔ پھر تیل بنا۔ اور آگ لگا لی گئی۔ کیا ان مصائب کے بعد بھی میں بلندی حاصل نہ کرتا۔ یہ ایک مثال ہے۔ کہ اہل اللہ مصائب و شدائد کے بعد درجات پاتے ہیں۔ لوگوں کا یہ خیال غام ہے۔ کہ فلاں شخص فلاں کے پاس جا کر بلا عجاہدہ و ترکیہ ایک دم میں متقیین میں داخل ہو گیا۔ قرآن شریف کو دیکھو۔ کہ خدا کس طرح تم پر راضی ہو۔ جب تک نبیوں کی طرح تم پر مصائب و زلزلہ و آوازیں جنھوں نے بعض وقت تنگ کر رکھی تھیں کہ **يَقُولُ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ**۔ **أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ** (ص ۲۲) اللہ کے بندے ہمیشہ بلاؤں میں ڈالے گئے۔ پھر خدا نے ان کو قبول کیا۔

صوفیوں نے ترقیات کی دوراں نہیں لکھی ہیں۔ ایک سلوک و سراجہ ب۔ سلوک وہ ہے جو لوگ خود

عقلندی سے سوچ کر اللہ اور رسول کا راستہ اختیار کرتے ہیں جیسے فرمایا **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ** **فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ** (س ۲) یعنی اگر تم اللہ کے پیارے بننا چاہتے ہو تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرو۔ وہ ہادی کامل بھی رسول ہیں جنہوں نے وہ وہ مصائب اٹھائیں کہ دنیا اپنے اندر نظیر نہیں کھتی ایک دن بھی آرام نہ پایا۔ اب پیروی کرنے والے بھی جتنی طور سے وہی ہونگے۔ جو اپنے مقبوع کے ہر فعل و فعل کی پیروی پورے جدوجہد سے کریں۔ متبع وہی ہے۔ جو سب طرح پیروی کرے گا۔ سہل انگار اور سخت گزار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں آویگا۔ یہاں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا۔ تو سالک کا یہ بڑا چاہیے۔ کہ اول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تائید دیکھے اور پھر پیروی کرے۔ اسی کا نام سلوک ہے۔ اس راہ میں بہت مصائب و شدائد ہوتے ہیں۔ ان سب کو برداشت کرنے کے بعد ہی انسان سالک ہو جاتا ہے۔

اہل جذبہ کا درجہ سالکوں کے برعکس ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ملوک و درجہ پر ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ خود ان کو مصائب میں ڈالتا اور جاذبہ انلی سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کل انبیاء مجذوب ہی تھے جس وقت انسانی روح کو مصائب کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ان سے فرسودہ کار اور تجربہ کار ہو کر روح چمک اٹھتی ہے۔ جیسے لوہا یا شیشہ۔ اگرچہ چمک کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے لیکن صیقلوں کے لہجہ ہی جلتے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اسیں دیکھنے والے کا چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ مجاہدات بھی صیقل کا ہی کام کرتے ہیں۔ دل کا صیقل یہاں تک ہونا چاہیے کہ اسیں سے منہ بھی نظر آجائے۔ منہ کا نظر آنا کیا ہے؟ **تَخَلَّفُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ** کا مصداق ہونا سالک کا دل آئینہ ہے۔ جب کو مصائب و شدائد اس قدر صیقل کرتی ہیں کہ اخلاق البنی اسیں منعکس ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بہت مجاہدات اور تزکیوں کے بعد اُس کے اندر کسی قسم کی کورٹ یا کثافت نہ رہے۔ تب یہ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ ہر ایک مومن کو ایک حد تک ایسی صفائی کی ضرورت ہے۔ کوئی مومن بلا آئینہ ہونے کے نجات نہ پائے گا۔ سلوک والا خود یہ صیقل کرتا ہے۔ اپنے کام سے مصائب اٹھاتا ہے۔ لیکن جذبہ والا مصائب میں ڈالا جاتا ہے۔ خدا خود اُس کا معقل ہوتا ہے۔ اور طرح طرح کے مصائب و شدائد سے صیقل کر کے اُس کو آئینہ کلاہر عطا کر دیتا ہے۔ دراصل سلاک و مجذوب دعو کا ایک ہی نتیجہ ہے۔ سونقی کے دو حصے ہیں سلوک و جذبہ۔ تقویٰ جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں۔ کسی قدر تکلف کو چاہتا ہے۔ اسی لئے تو فرمایا **هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ** **الَّذِينَ** **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** (س ۱) اسیں ایک تکلف پر مشاہدہ کے مقابل ایمان بالغیب لانا ایک قسم کے تکلف کو چاہتا ہے۔ سونقی کے لئے ایک حد تک تکلف ہے۔ کیونکہ جب وہ صلح کا درجہ حاصل کرتا ہے تو پھر

غیب اُسکے لئے غیب نہیں رہتا۔ کیونکہ صلح کے اندر سے ایک نہر کھلتی ہے جو اسیں سے نکل کر خدا تک پہنچتی ہے۔ وہ خدا اور اُسکی محبت کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمٰی فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰی اسی ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک انسان پوری روشنی اسی جہان میں نہ حاصل کر لے وہ کبھی خدا کا منہ نہ دیکھ سکا پس متقی کا کام یہی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے سرے تیار کرتا رہے جس سے اس کا روحانی نزول الماء دور ہو جائے۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ متقی شروع میں اندھا ہوتا ہے مختلف کوششوں اور زنگیوں سے وہ نور حاصل کرتا ہے پس جب سوچا کھا ہو گیا۔ اور صلح بن گیا۔ پھر ایمان بالغیب نہ رہا اور تکلف بھی ختم ہو گیا جیسے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برائے العین اسی عالم میں بہشت و دوزخ وغیرہ سب کچھ مشاہدہ کرایا گیا۔ جو متقی کو ایک ایمان بالغیب کے رنگ میں ماننا پڑتا ہے۔ وہ تمام آپ کے مشاہدہ میں آگیا۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ متقی اگرچہ اندھا ہے۔ اور تکلف کی تکلیف میں ہے لیکن صلح ایک دارالامان میں آگیا ہے۔ اور اُس کا نفس نفس مطمئنہ ہو گیا ہے۔ متقی اپنے اندر ایمان بالغیب کی کیفیت رکھتا ہے۔ وہ اندھا و ضد طریق سے چلتا ہے۔ اُسکو کچھ خبر نہیں ہر ایک بات پر اُسکا ایمان بالغیب ہے۔ یہی اُسکا صدق ہے۔ اور اس صدق کے مقابل خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ فلاح پائے گا۔ اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ اسکے بعد متقی کی شان میں آیا ہے۔ وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ یعنی وہ نماز کو کھڑی کرتا ہے۔ یہاں لفظ کھڑی کرنے کا آیا ہے۔ یہ بھی اُس تکلف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو متقی کا خاصہ ہے۔ یعنی جب وہ نماز شروع کرتا ہے تو طح طرح کے وساوس کا اُسے مقابلہ ہوتا ہے۔ جنکے باعث اُسکی ناز گویا بار بار گری پڑتی ہے جس کو اُس نے کھڑا کرنا ہے جب اُس نے اللہ اکبر کہا تو ایک ہجوم وساوس ہے جو اُسکے حضور قلب میں حجاب ڈال رہا ہے وہ اُنکے کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔ پریشان ہوتا ہے۔ ہر چند حضور و ذوق کے لئے لازم تھا ہے لیکن نماز جو گری پڑتی ہے۔ بڑی جان کنی سے اُسے کھڑا کرنے کی فکر میں ہے۔ بار بار اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ کر نماز کے قائم کرنے کے لئے دُعا مانگتا ہے۔ اور اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ہدایت چاہتا ہے جس سے اُسکی نماز کھڑی ہو جاوے۔ ان وساوس کے مقابل میں متقی ایک بچہ کی طرح ہے۔ جو خدا کے آگے گر گڑا رہا ہے۔ روتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اَخْلَدْتُ اِلَى الْاَذْحٰنِ ہورہا ہوں۔ سو یہی وہ جنگ ہے جو متقی کو نماز میں نفس کے ساتھ کرنی ہوتی ہے۔ اور اسی پر ثواب مترتب ہوگا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو نماز میں وساوس کو فی الفور دور کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ يَقِيْمُونَ الصَّلَاةَ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کیا خدا نہیں جانتا۔ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا

قول ہے کہ ثواب اُسوقت تک ہے۔ جب تک مجاہدات ہیں اور جب مجاہدات ختم ہوئے۔ تو ثواب
 ساقط ہو جاتا ہے گویا صوم و صلوٰۃ اُسوقت تک اعمال ہیں جب تک ایک جدوجہد لیا تھو و سواوس
 کا مقابلہ ہے۔ لیکن جب اُمین ایک اعلیٰ درجہ پیدا ہو گیا۔ اور صاحب صوم و صلوٰۃ تقویٰ کے
 تکلف سے بچ کر صلاحیت سے رنگین ہو گیا۔ تو اب صوم و صلوٰۃ اعمال نہیں رہے۔ اس موقع پر
 انہوں نے سوال کیا ہے۔ کہ کیا اب نماز معاف ہو جاتی ہے؟ کیونکہ ثواب تو اُسوقت تھا۔ جسوقت
 تک تکلف کرتا پڑتا تھا۔ سو بات یہ ہے۔ کہ نماز اب عمل نہیں بلکہ ایک انعام ہے۔ یہ نماز اُسکی ایک
 غذا ہے۔ جو اُسکے لئے قُوۃ العین ہے۔ یہ گویا نقدِ حیات ہے۔ مقابل میں وہ لوگ جو مجاہدات میں
 ہیں۔ وہ کشتی کر رہے ہیں اور یہ بچات پاتھکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان کا سلوک جب ختم
 ہوا تو اُسکے مصائب بھی ختم ہو گئے۔ مثلاً اگر ایک خنث کہے۔ کہ وہ کبھی کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر
 نہیں دیکھتا تو وہ کونسی نعمت یا ثواب کا مستحق ہے۔ اُس میں تو صفت بد نظری ہے ہی نہیں لیکن ایک
 مرد صاحب رجولیت اگر ایسا کرے تو ثواب پائیگا۔ اسی طرح انسان کو ہزاروں مقامات طے کرنے
 پڑنے میں۔ بعض بعض اہو میں اُسکی مشاقی اوسکو قاور کر دیتی ہے نفس کے ساتھ اُسکی مصالحت ہو گئی۔ اب
 وہ ایک بہشت میں ہے۔ لیکن وہ پہلا سا ثواب نہیں رہیگا۔ وہ ایک تجارت کر چکا ہے جس کا اب وہ نفع
 اٹھا رہا ہے۔ لیکن پہلا رنگ نہ رہیگا۔ انسان میں ایک فعل تکلف سے کرنے کرتے طبیعت کا رنگ پیدا
 ہو جاتا ہے۔ ایک شخص جو طبعی طور سے لذت پاتا ہے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اُس کام سے ہٹایا جاوے
 وہ طبعاً یہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔ الفا اور لقوے کی حد تک پورا انکشاف نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ایک قسم کا
 دعوے ہے۔ اس کے بعد تنقی کی شان میں وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُقْفُوْنَ آیا ہے۔ یہاں تنقی کے لئے
 مِمَّا کا لفظ استعمال کیا۔ کیونکہ اسوقت وہ ایک اعلیٰ کی حالت میں ہے۔ اس لئے جو کچھ خدا نے اُسکو دیا۔
 اُس میں سے کچھ خدا نے نام پر ہے۔ حق تو یہ ہے۔ کہ اگر وہ اُنکھ رکھتا۔ تو دیکھ لیتا۔ کہ اُسکا کچھ بھی نہیں
 سب کچھ خدا نے اُس کا ہی ہے۔ یہ ایک حجاب تھا۔ جو القایں لازمی ہے۔ اس حالت کے تقاضے نے تنقی
 سے خدا کے دیئے میں سے کچھ دلویا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایام
 وفات میں دریافت فرمایا۔ کہ گھر میں کچھ ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک دینار تھا۔ فرمایا۔ کہ یہ سیرت یگانگت سر
 بعید ہے کہ ایک چیز بھی اپنے پاس رکھی جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقاً کے درجہ سے گذر کر
 صلاحیت تک پہنچ چکے تھے۔ اس لئے مِمَّا اُسکی شان میں آیا۔ کیونکہ وہ شخص اندھا ہے جس نے کچھ اپنے
 پاس رکھا اور کچھ خدا کو دیا۔ لیکن یہ لازمہ تنقی تھا۔ کیونکہ خدا کی راہ میں دینے سے بھی اُسے نفس کے ساتھ

جنگ تھا جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ کچھ دیا اور کچھ رکھا۔ وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیا۔ اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔

جیسے دھرم ہتھوس کے مضمون میں انسان کی تین حالتیں ذکر کی گئی ہیں جو انسان پر ابتدا سے انتہا تک وارد ہوتی ہیں اسی طرح یہاں بھی قرآن کریم نے جو انسان کو تمام مراحل ترقی کے طے کرانے آیا۔ انفا سے شروع کیا۔ یہ ایک تکلف کا راستہ ہے۔ اور ایک خطرناک میدان ہے۔ اُسکے ٹانھ میں تلوار ہے۔ اور مقابل بھی تلوار ہے۔ اگر نکلیا تو بجات پا گیا۔ والا اسفل السافلین میں پڑ گیا۔ چنانچہ اس حلقہ متقی کی صفات میں یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ ہم دیتے ہیں اُسے سب کا سب خرچ کر دیتا ہے۔ متقی میں ابھی اس قدر ایمانی طاقت نہیں۔ جو پہلی کی شان ہوتی ہے کہ وہ ہمارے ہادی کامل کی طرح کل کا کل خدا کا دیا ہوا خدا کو دے دے اسی لئے پہلے مختصر سا مکمل لکھا گیا تاکہ چاشنی حلقہ کر دیا وہ اشارے کے لئے طیار ہو جائے وَلَمَّا ذُقْنَا هُمْ يَنْفِقُونَ۔ رزق سے مراد صرف مال نہیں بلکہ جو کچھ اُن کو عطا ہوا۔ علم۔ حکمت۔ طبابت یہ سب کچھ رزق میں ہی شامل ہے اُسکو اسی میں سے خدا کی راہ میں بھی خرچ کرنا ہے۔ انسان نے اس راہ میں تہذیب اور رینہ بہ رینہ ترقی کرنی ہو۔ اگر انجیل کی طرح تعلیم ہوتی۔ کہ گال پر ایک طانچہ کھا کو دوسرے طانچہ کے لئے گال آگے رکھ دی جاوے۔ یا سب کچھ میدیا جاوے۔ تو اُس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح تعلیم کے ہمکنار تعمیل ہو جیکے باعث ثواب سے محروم رہتے۔ لیکن قرآن شریف تو حسب فطرت انسانی آہستہ آہستہ ترقی کراتا ہے۔ انجیل کی مثال تو اُس لئے کی ہے۔ جو مکتب میں داخل ہو ہی بڑی مشکل کتاب پڑھنے کے لئے مجبور کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اُسکی حکمت کا یہی تقاضا ہونا چاہیے تھا۔ کہ تہذیب کے ساتھ تعلیم کی تکمیل ہو۔ اسکے بعد متقی کے لئے فرمایا۔ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَيَا لَآخِزَةٍ هُمْ يُوقِنُونَ یعنی متقی وہ ہوتے ہیں۔ جو پہلے نازل شدہ کتب پر اور نتیجہ پر جو کتاب نازل ہوئی اُس پر ایمان لاتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ امر بھی تکلف سو خالی نہیں ابھی تک ایمان ایک محجوبیت کے رنگ میں ہے۔ متقی کی آنکھیں معرفت اور بصیرت کی نہیں اُسنے تقوے سے شیطان کا مقابلہ کر کے ابھی تک ایک بات کو مان لیا ہے۔ یہی حال اس وقت ہماری جماعت کا ہے۔ انہوں نے بھی تقوے سے مانا تو ہے۔ پر ابھی تک وہ نہیں جانتے کہ یہ جماعت کہاں تک ابھی ہاتھوں سے نشوونما پانے والی ہے۔ یہ ابھی ایک ایمان ہے۔ جو بالآخر فایہ رسال ہو گا۔ یقین کا لفظ جب عام طور پر استعمال ہو تو اُس سے مراد اُس کا اونے درجہ ہوتا ہے یعنی علم کے تین درجے ہیں۔ اولیٰ درجہ کے علم یعنی علم الیقین۔ دوم درجہ کے علم یعنی علم الیقین اور حق الیقین کا مرتبہ بھی تقوے کے مراحل طے کرنے کے بعد

جمل کر لیتا ہے۔ تقویٰ کوئی چھوٹی چیز نہیں اس کے ذریعہ سے اُن تمام شیطانوں کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ جو انسان کی ہر ایک اندرونی طاقت و قوت پر غلبہ پائے ہوئے ہیں۔ یہ تمام قوتیں نفسِ امارہ کی حالتیں انسان کے اندر شیطان ہیں اگر اصلاح نہ پائیں گی۔ تو انسان کو غلام کر لیں گی۔ علم و عقل ہی بڑی طور پر استعمال ہو کر شیطان ہو جاتے ہیں متقی کا کام اُچی اور ایسا ہی اور دیگر کل قوی کی تعیل کرنا ہے۔ ایسا ہی جو لوگ انتقام غضب یا نکاح کو ہر حال میں بُرا جانتے ہیں۔ وہ بھی صحیفہ قدرت کے مخالف ہیں۔ اور قویٰ انسانی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ سچا نہ یہ ہی ہے جو انسانی قویٰ کا مربی ہو۔ نہ کُن کا استیصال کرے۔ رجولیت یا غضب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے فطرت انسانی میں رکھے گئے ہیں۔ اُن کو چھوڑنا خدا کا مقابلہ کرنا ہے۔ جیسے تبارک الدینا ہونا یا لایب بن جانا۔ یہ تمام امور حق العباد کو تلف کر دیوے ہیں اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا۔ تو گویا اُس خدا پر اعتراض ہے۔ جس نے یہ قویٰ ہم میں پیدا کئے ہیں ایسی تعلیمات جو انجیل میں ہیں۔ اور جن سے قویٰ کا استیصال لازم آتا ہے ضلالت تک پہنچاتی ہیں اللہ تعالیٰ تو اس کی تعیل کا حکم دیتا ہے۔ منافع کرنا پسند نہیں کرتا۔ جیسے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (س ۱۷) عدل ایک ایسی چیز ہے جس سے سب کو فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ حضرت مسیح کا یہ تعلیم دینا۔ کہ اگر تو بُری آنکھ سے دیکھے۔ تو آنکھ نکال ڈال۔ اس میں بھی قویٰ کا استیصال ہے۔ کیوں ایسی تعلیم نہ دی۔ کہ تو تیرے حرمِ عورت کو ہرگز نہ دیکھ۔ مگر خلاف اس کے اجازت دی کہ دیکھ تو ضرور۔ لیکن دنیا کی آنکھ سے نہ دیکھ۔ دیکھنے سے تو نمانعت ہے سی نہیں۔ دیکھے گا تو ضرور بعد دیکھنے کے دیکھا چاہیئے کہ اُس کے قویٰ پر کیا اثر ہو گا۔ کیوں نہ قرآن شریف کی طرح آنکھ کو ٹھوکر والی چیز ہی کے دیکھنے سے روکا۔ اور آنکھ جیسی مفید و قیمتی چیز کو منافع کر دینے کا افسوس لگایا۔

آجکل پر وہ پرچلے کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ نہیں جانتے۔ کہ اسلامی پردہ سے مراد نازندان نہیں بلکہ ایک قسم کی روک ہے کہ غیر مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ جب پردہ ہو گا۔ ٹھوکر سے بچینگے۔ ایک منصف مزاج کہہ سکتا ہے کہ ایسے لوگوں میں جہاں غیر مرد و عورت اکٹھے بلاتامل اور بے محابا مل سکیں سیریں کریں کیونکہ جذباتِ نفس سے اضطراب اُٹھو کر نہ کھائینگے۔ بسا اوقات سُنے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسی تو ہیں غیر مرد و عورت کے ایک مکان میں تنہا رہنے کو حالانکہ دروازہ بھی بند ہو۔ کوئی غیب نہیں سمجھتے۔ یہ گویا تہذیب ہے۔ ان ہی بدنتائج کو روکنے کے لئے شایع اسلام نے وہ باتیں کرنے کی اجازت ہی نہ دی۔ جو کسی کی ٹھوکر کا باعث ہوں ایسے موقع پر یہ کہہ دیا۔ کہ جہاں اس طرح غیر حرم مرد و عورت ہو و جمع ہوں۔ تمیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے۔ اُن ناپاک نتائج پر غور کرو۔ جو یورپ اس ضلیع الرہنِ تعلیم سے بھگت رہا ہے۔ بعض جگہ بالکل قابلِ شرم طوائفانہ زندگی بسر کی جا رہی ہے۔ یہ انہیں تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ اگر کسی

چیز کو خیانت سے بچانا چاہتے ہو۔ تو حفاظت کرو۔ لیکن اگر حفاظت نہ کرو۔ اور یہ سمجھ رکھو کہ بھلے مانس
 لوگ ہیں۔ تو یاد رکھو۔ کہ ضرور وہ چیز تباہ ہوگی۔ اسلامی تعلیم کیسی پاکیزہ تعلیم ہے۔ کہ جس نے مرد و
 عورت کو الگ رکھ کر رکھ کر سے بچایا۔ اور انسان کی زندگی حرام اور منع نہیں کی جس کے باعث یورپ نے
 آئے دن کی خانہ جنگیاں اور خود کشیاں دیکھیں بعض شریف عورتوں کا طوائفانہ زندگی بسر کرنا
 ایک غلیظ نتیجہ اس اجازت کا ہے۔ جو غیر عورت کو دیکھنے کے لئے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس قدر قوے
 عطا فرمائے ہیں وہ ضائع کرنے کے لئے نہیں دیئے گئے۔ ان کی تعدیل اور جائز استعمال کرتا ہی ان کی
 نشو و نما ہے۔ اسی لئے اسلام نے قوائے رجولیت یا آنکھ کے نکالنے کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ان کا
 جائز استعمال اور تزکیہ نفس کرایا۔ جیسے فرمایا **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ** اور ایسے ہی یہاں بھی فرمایا
 متقی کی زندگی کا نقشہ کھینچ کر آخر میں بطور نتیجہ یہ کہا **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** یعنی وہ لوگ
 جو تقویٰ پر قدم مارتے ہیں۔ ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ نماز و لنگھاتی ہے۔ پھر اسے کھڑا کرتے ہیں۔ خدا کے
 دیئے ہوئے سے میتے ہیں۔ باوجود خطرات نفس بلا سوچے گذشتہ اور موجودہ کتاب اللہ پر ایمان لاتی
 ہیں اور آخر کار وہ یقین تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو ہدایت کے سر پر ہیں۔ وہ ایک ایسی
 سڑک پر ہیں۔ جو براہ راست کو جا رہی ہے۔ اور جس سے آدمی فلاح تک پہنچتا ہے۔ پس یہی لوگ فلاح یاب
 ہیں جو منزل مقصود تک پہنچ جائینگے۔ اور راہ کے خطرات سے بچاتے چکے ہیں۔ اسلئے شروع میں ہی
 اللہ تعالیٰ نے ہر تقویٰ کی تعلیم دیکر ایک ایسی کتاب سکھو عطا کی جس میں تقویٰ کے وصایا بھی دیئے
 اسلئے ہماری جماعت پیغمبر کل دنیوی غموں سے بڑھ کر اپنی جان پر لگائیں۔ کہ ان میں تقویٰ ہے یا نہیں۔
 اہل تقویٰ کے لئے یہ شرط ہے۔ کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کرے۔ یہ تقویٰ کی ایک شاخ
 ہے جس کے ذریعہ سے ہمیں لہجائے غضب کا مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے عار و اور صد لقیوں کے لئے آخری
 اور کڑی منزل غضب سے بچنا ہی ہے۔ عجب پندار غضب پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی کبھی خود غضب غیب
 و پندار کا نتیجہ بنتا ہے۔ کیونکہ غضب اس وقت ہوگا جب انسان اپنے نفس کو سر پر ترجیح دیتا ہے۔ میں نہیں چاہتا
 کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں یا ایک دوسرے پر غور کریں۔ یا نظرات خفیات
 سے دیکھیں خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے۔ یا چھوٹا کون ہے۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے۔ جس کے اندر رخصت ہے
 ڈر ہے۔ کہ یہ حضرات بیچ کی طرح بڑے۔ اور اسکی ہلاکت کا باعث ہو جائے۔ بعض آدمی بڑوں کو بلکہ بڑے
 ادب پیش آتے ہیں۔ لیکن بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سنے۔ اسکی دلجوئی کرے۔ اسکی
 بات کی عزت کرے۔ کوئی چڑکی کی بات منہ پر نہ ملاوے۔ کہ جس سے دکھ پہنچے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **وَكَا**

تَنَابُزًا بِالْأَلْقَابِ يَبْسُ الْأَسْمُ الْفُسُوفُ بَعْدَ لَا يَمَانٍ - وَمَنْ كَذَبَ فَاُولَئِكَ
هُمُ الظَّالِمُونَ (رس ۲۶) تم ایک دوسرے کے چڑے کے نام نہ ڈالو۔ یہ فعل فتناء و فحار کا ہے جو شخص
کسی کو چڑاتا ہے۔ وہ نہ مرے گا۔ جب تک وہ خود اسی طرح مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو جب
ایک ہی چشمہ سے کل پانی پیتے ہو۔ تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ محرم و معطل کوئی
دنیاوی اصولوں نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے۔ جو حق ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اَتْقَاكُمْ اِنَّ اللّٰهَ يَجْلِسُ خَيْبًا (رس ۲۶) ہم جو مختلف ذاتیں ہیں۔ یہ کوئی وہ شرف نہیں خدا تعالیٰ
نے محض عرف کے لئے یہ ذاتیں بنائیں اور ابجکل تو عرف بعد چار پشتوں کے حقیقی پتہ لگا ہی مشکل ہے۔
متقی کی شان نہیں کہ ذالوں کے جھگڑے میں پڑے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرویا کہ میرے نزدیک
ذات کوئی سند نہیں حقیقی کرمیت اور عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے۔ خدا کے کلام سے پایا جاتا
ہے کہ متقی وہ ہوتے ہیں جو علمی اور سیکسٹی سے چلتے ہیں۔ وہ مغرور نہ گفتگو نہیں کرتے۔ انکی گفتگو ایسی ہوتی
ہے جیسے چھوٹا بڑے سے گفتگو کرے۔ بہکوں حال میں وہ کرنا چاہیے جس سے ہماری فلاح ہو اللہ تعالیٰ
کسی کا اجارہ دار نہیں وہ خالص تقویٰ کو چاہتا ہے۔ جو تقویٰ کریگا۔ وہ مقام اعلیٰ کو پہونچے گا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم با حضرت ابراہیم علیہ السلام میں سے کسی نے وراثت سے تو عزت نہیں پائی۔ گو ہمارا
ایمان ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ مشرک نہ تھے۔ لیکن اُسے نبوت تو نہیں
دی۔ یہ تو فضل الہی تھا۔ اُن صدقوں کا باعث جو اُن کی نظرت میں تھے۔ یہی فضل کے محرک تھے۔ حضرت
ابراہیم علیہ السلام جو ابوالابنہ تھے۔ اُنہوں نے اپنے صدق و تقویٰ سے ہی بیٹے کو قربان کرنے میں دریغ نہ
کیا۔ خود آگ میں ڈالے گئے۔ ہمارے سید و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی صدق
و وفا دیکھئے۔ آپ نے ہر ایک قسم کی بدتریک کا مقابلہ کیا۔ طرح طرح کے مصائب و تکالیف اُٹھائے۔ لیکن
پروردہ نہ کی۔ یہی صدق و وفا تھا جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا
اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ - يَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوا
تَسْلِیْمًا (رس ۲۲) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو۔ تم
درود و سلام بھیجو نبی پر۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم کے اعمال ایسے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے
اُن کی تعریف یا اوصاف کی تحدید کرنے کے لئے کوئی لفظ خاص نہ فرمایا۔ لفظ قول کہتے تھے۔ لیکن خود
استعمال نہ کئے۔ یعنی آپ کے اعمال صالحہ کی تعریف تحدید کی حد سے بیرون تھی۔ اس قسم کی آیت کسی اور
نبی کی شان میں استعمال نہ کی آپکی روح میں وہ صدق و صفات تھیں۔ اور آپ کے اعمال خدا کی نگاہ میں

اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ کے لئے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکر گزار ہی کے طور پر ورود بھیجیں آپ کی ہمت و صدق وہ تھا کہ اگر ہم اوپر یا نیچے نگاہ کریں تو اسکی نظیر نہیں ملتی۔ خود حضرت مسیح کے وقت کو دیکھ لیا جائے کہ اُن کی ہمت یا روحانی صدق و صفا کا کہاں تک اثر اُن کے پیروؤں پر پڑا۔ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ ایک بد روش کو درست کرنا کس قدر مشکل ہے۔ عاداتِ راسخہ کا گونا گونا کیسا حال آتا ہے۔ لیکن ہمارے مقدس بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہزاروں انسانوں کو درست کیا۔ جو حیوانوں سے بدتر تھے بعض باؤں اور بہنوں میں حیوانات کی طرح فرق نہ کرتے تھے یتیموں کا مال کھاتے۔ مُردوں کا مال کھاتے بعض تباہ پرست بعض دہریہ بعض عنانہ پرست تھے۔ جزیرہ عرب کیا تھا۔ ایک مجموعہ مذاہب اپنے اندر رکھتا تھا۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قرآن کو بعد ہر ایک قسم کی تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے۔ ہر ایک غلط عقیدہ یا بری تعلیم جو دنیا میں ممکن ہے۔ اُسکے استیصال کے لئے کافی تعلیم اُس میں موجود ہے۔ یہ اللہ کی عین حکمت و قدرت ہے۔ چونکہ کامل کتاب آکر کامل اصلاح کرنی تھی۔ ضرور تھا کہ اُسکے نزول کے وقت اُسکے چلنے نزول میں بیماری بھی کامل طور پر ہو۔ تاکہ ہر ایک بیماری کا کامل علاج ہو گیا کیا جائے۔ سو اس جزیرہ میں کامل طور سے بیمار لوگ موجود تھے جنہیں وہ تمام روحانی بیماریاں موجود تھیں جو اس وقت یا اُسکے بعد آئندہ نسلوں کو لاحق ہونے والی تھیں یہی وجہ تھی کہ قرآن شریف نے کل شریعت کی تکمیل کی۔ دوسری کتابوں کے نزول کے وقت نہ یہ ضرورت تھی۔ نہ اُن میں ایسی کامل تعلیم ہے۔

ہمارے ہی اکل کی برکات جس قدر ظہور میں آئیں۔ اگر تمام خواہش کو الگ کر دیا جائے۔ تو صرف آپ کی اصلاح ہی ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اگر کوئی اُس حالت پر غور کرے۔ جب آپ مبعوث ہوئے۔ پھر اس حالت کو دیکھے۔ جو آپ چھوڑ گئے۔ تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ اثر نہایت خود ایک اعجاز تھا۔ اگرچہ کل انبیاء و رسل کے قابل ہیں لیکن ذرا لے فَضِّلَ اللَّهُ يَوْمَئِذٍ لِّمَنْ يَشَاءُ۔ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریف نہ لائے۔ تو نبوت تو درکنار۔ خدا کی کائنات بھی اس طرح نہ ملتا۔ آپ ہی کی تعلیم سے پتہ چلے کہ اللَّهُ الْعَمَلُ كَمَا يَلِدُ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ کا لگا۔ اگر تو بیت میں کوئی ایسی تعلیم ہوتی۔ اور قرآن صرف اُسکی تصریح ہی کرنا۔ تو فصلے کا جو وہی کیوں ہوتا۔ غرض قرآن شریف نے جس قدر نقصوں کی راہیں بتلائیں اور ہر طرح کے انسانوں اور مختلف عقل والوں کی پرورش کرنے کے طریق سکھائے۔ ایک جاہل عالم۔ فلسفی کی پرورش کے واسطے ہر طبقہ کے سوالات کا جواب۔ عرضیکہ کوئی فرقہ نہ چھوڑا جس کی اصلاح کے طریق نہ بتائے۔ یہ ایک صحیفہ قدرت تھا جیسے کہ فرمایا فِيمَا كُتِبَ قِيَمَةُ رُسُلٍ یعنی وہ صحیفہ ہیں جنہیں کل سچائیاں ہیں۔ سو کیسی مبارک کتاب ہو کہ اس میں سب مان اعلیٰ درجہ تک پہنچنے

کے موجود ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ جیسے حدیث میں آیا۔ کہ ایک درمیانی زمانہ آئیگا۔ جو نبی اعمرج ہے یعنی
 حصو علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک میرا زمانہ برکت والا ہے ایک آئینا لے مسیح و مہدی کا۔ مسیح و مہدی کوئی
 دو الگ شخص نہیں ان سے مراد ایک ہی ہے۔ مہدی ہدایت یافتہ سے مراد ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا
 کہ مسیح مہدی نہیں مہدی مسیح ہو یا نہ ہو۔ لیکن مسیح کے مہدی ہونے سے انکار کرنا مسلمان کا کام نہیں۔
 اصل میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو الفاظ سب و شتم کے مقابل بطور ذب کے رکھے ہیں۔ کہ وہ کافر۔ ضال۔ مضل
 نہیں بلکہ مہدی ہے۔ چونکہ اسے علم میں تھا۔ کہ آئینا لے مسیح و مہدی کو دجال مگر وہ کہا جائیگا اسلئے اسے مسیح و
 مہدی کہا گیا۔ دجال کا تعلق اخلاک کی آلودگی سے تھا۔ اور مسیح کو رفع آسمانی ہونا تھا۔ سو جو کچھ اللہ تعالیٰ
 نے چاہا تھا۔ اس کی تکمیل دوسری زبانوں میں ہوئی تھی۔ ایک آپ کے زمانہ اور ایک آخری مسیح و مہدی کا زمانہ۔ یعنی
 ایک زمانہ میں تو قرآن اسی تعلیم نازل ہوئی۔ لیکن اس تعلیم پر نبی اعمرج کے زمانے نے پردہ ڈال دیا جس پر وہ کا
 اٹھا یا جاتا مسیح کے زمانہ میں مقدر تھا۔ جیسے کہ فرمایا۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو موجودہ جماعت
 یعنی جماعت صحابہ کرام کا ترکیب کیا۔ اور ایک آئینا جماعت کا جس کی شان میں لکھا تھا **لَا تَقُولُوا دِہْمَہُمْ**
آئیہ ہے۔ بیظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے بشارت دی۔ کہ عند اللہ کے وقت اللہ تعالیٰ اس دین کو مصلح نہ
 کرے گا۔ بلکہ آئینا لے زمانہ میں خدا تعالیٰ حقائق قرآنیہ کو کھول دے گا۔ مٹا دیں گے کہ آئینا لے مسیح کی ایک یہ فضیلت
 ہوگی۔ کہ وہ قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا۔ اور صرف قرآن سے استنباط کر کے لوگوں کو ان غلطیوں سے
 متنبہ کرے گا۔ جو حقائق قرآن کی ناواقفیت سے لوگوں میں پیدا ہو گئی ہوں۔ قرآن شریف میں رسول اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کو شیل موسیٰ قرار دیکر فرمایا **اِنَّا اَدْسَلْنَا لَکَیْکُمْ رَسُوْلًا شَہِیْدًا عَلَیْکُمْ کَمَا**
اَدْسَلْنَا اِلَیْ فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا دَسَّوْکَ (۲۹) یعنی ہم نے ایک رسول بھیجا۔ جیسے موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا
 تھا۔ ہمارا رسول شیل موسیٰ ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا **وَعَدَکَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَحَلَّوْا الصَّلٰحٰتِ**
لَیْسَتْ خِلَافَتُہُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اَسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ (س ۱۸) اس شیل موسیٰ کے
 خلفاء بھی اسی سلسلہ سے ہونگے جیسے کہ موسیٰ کے خلفاء سلسلہ وار آئے۔ اس سلسلہ کی ایجاد چودہ سو برس
 تک ہی رہا۔ ہر خلفاء آتے رہے۔ یہ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگوئی تھی۔ کہ جس طرح سے پہلے سلسلہ کا
 آغاز ہوا۔ ویسے ہی اس سلسلہ کا آغاز ہوگا یعنی جس طرح موسیٰ نے ابتدا میں جلالی نشان دکھائے۔ اور
 قوم کو فرعون سے چھڑایا۔ اسی طرح آئینا الہی بھی موسیٰ کی طرح ہوگا۔ **فَکَیْفَ تَسْتَفْہِمُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ یَوْمَ مَا**
یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا۔ اِنَّ السَّمٰوٰتِ مَنْفُطَرٍ یَّہ۔ کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلًا (س ۲۹) یعنی
 جس طرح ہم نے موسیٰ کو بھیجا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کفار عرب بھی فرعونیت سے بھرے ہوئے

تھے۔ وہ بھی فرعون کی طرح باز نہ آئے۔ جب تک انہوں نے جلالی نشان نہ دیکھ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں کئے کاموں کی طرح سے تھے۔ اُس دُستی کے کام قابلِ پذیرائی نہ تھے۔ لیکن قرآن شریف نے منجایا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں گو فرعون کے ہاتھ سے بنی اسرائیل کو بجات ملی۔ لیکن گناہوں کی بجات نہ پائی۔ وہ لڑے اور کج مل ہوئے۔ اور موسیٰ پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری پوری بجات قوم کو دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر طاقت شوکت سلطنت اسلام کو نہ دیتے۔ تو مسلمان مظلوم رہتے۔ اور کفار کے ہاتھ سے بجات نہ پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بجات دی کہ منتقل اسلامی سلطنت قائم ہو گئی دوسرا یہ کہ گناہوں سے اُن کو کمال بجات ملی۔ خدا تعالیٰ نے ہر وقت کیے ہیں۔ کہ عرب پہلے کیا تھے اور پھر کیا ہو گئے۔ اگر ہر وقت کیے جائیں تو ان کی پہلی حالت کا اندازہ لگ جائیگا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دونوں بجاتیں دیں۔ شیطان سے بھی بجات دی اور طاغوت سے بھی۔ جو صدق و صفاء آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے دکھایا اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ جان دینے تک دریغ نہ کیا۔ حضرت عیسیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا اور نہ ہی کوئی منکر الہام تھا۔ برادر ہی کے چند لوگوں کو سمجھانا کو نسا بڑا کام ہے۔ یہودی توریت تو پڑھ ہی ہوئے تھے۔ اُس پر ایمان رکھتے تھے۔ خدا کو وحدہ لا شریک جانتے ہی تھے۔ بعض وقت یہ خیال آ جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح کیا کرنے آئے تھے۔ یہودیوں میں تو توریت کے لئے اب بھی غیرت پائی جاتی ہے۔ نہایت کاریہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ شاید اخلاقی نقص یہودیوں میں تھا۔ لیکن تعلیم تو توریت میں موجود ہی تھی۔ باوجود اس سہولت کے کہ قوم اُس کتاب کو ماننی تھی۔ حضرت مسیح نے وہ کتاب سبقاً سبقاً ایک استاد سے پڑھی تھی۔ اُس کے مقابل ہمارے سید موسیٰ کا دل اتنی تھی۔ آپ کا کوئی استاد بھی نہ تھا۔ اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ مخالف بھی اس امر سے انکار نہ کر سکے۔ پس حضرت عیسیٰ کے لئے دو آسانیاں تھیں۔ ایک تو بلادی کے لوگ تھے۔ اور جو بھلائی بات اُن سے منوانی تھی۔ وہ پہلے ہی مان چکے تھے۔ ہاں کچھ اخلاقی نقص تھے۔ لیکن باوجود ان سہولت کے حواری بھی درست نہ ہوئے۔ لالچی رہے۔ حضرت عیسیٰ اپنی پاس پر پیہر رکھتے تھے۔ بعض حواری چوریاں بھی کرتے تھے۔ چنانچہ وہ (حضرت مسیح) کہتے ہیں کہ مجھے سر رکھنے کی جگہ نہیں۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ ایسا کہو کہ کیا منو ہیں جب گھر بھی ہو۔ مکان بھی ہو۔ اوڑھل میں گنجائش ہقدر ہو۔ کہ چوری کی جائے تو تپہ بھی نہ لگے۔ غیر یہ تو ایک جملہ مغرضہ تھا۔ دکھانا یہ منظور ہے۔ کہ باوجود ان تمام سہولتوں کے کوئی اصلاح نہ ہوئی۔ پطرس کو بہشت کی گنجائش تو مل جاوے۔ لیکن وہ اپنے اُمتاک کو تختہ دینے سے نہ رک سکے۔ اُن کے مقابلہ میں انصافاً دیکھا جاوے۔ کہ ہمارے ہادی اکمل کے صحابہ نے اپنے خدا اور رسول کے لئے کیا کیا جان شایاں کیں جلا وطن ہوئے۔ بلکہ اُٹھائے۔ طبع طبع کے مصائب برداشت کئے۔ جائیں

ہیں۔ لیکن صدق و وفا کے ساتھ قدم ہارتے ہی گئے پس وہ کیا بات تھی کہ جس نے انہیں ایسا جان نثار بنا دیا۔ وہی اسی محبت کا جوش تھا جس کی شعاع اُسکے دل میں پڑ چکی تھی۔ اسلئے خواہ کسی ہی کے ساتھ مقابلہ کر لیا جائے۔ آپ کی تعلیم تشریف لے کر اپنے پیروں کو دنیا سے متنفر کر دینا شجاعت کے ساتھ صداقت کے لئے خون بہا دینا۔ اسکی نظیر کہیں مل سکے گی۔ یہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ہے۔ اور انہیں جو باہمی اُلفت و محبت تھی اسکا نقشہ ووقوفوں میں بیان فرمایا ہے **وَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَتَفَقَّتْ مَا رَفَى الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَكَلَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ** (س ۱۰) یعنی جو تالیف ان میں ہے وہ ہرگز پیدا نہ ہوتی خواہ سونے کا پہاڑ بھی ویجا جاتا۔ اب ایک اور جماعت مسیح موعود کی ہے جس نے اپنے اندر صحابہ رض کا رنگ پیدا کرنا ہے۔ صحابہ رض کی توجہ پاک جماعت تھی جس کی تحریف میں قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ کیا آپ لوگ ایسے ہیں؟ جب خدا اکبر کہتا ہے کہ حضرت مسیح کے ساتھ وہ لوگ ہونگے۔ جو صحابہ رض کے دوش بدوش ہونگے۔ صحابہ رض توجہ تھے۔ جنہوں نے اپنا مال اپنا وطن راہ حق میں دیدیا۔ اور سب کچھ چھوڑ دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا معاملہ اکثر سنا ہوگا۔ ایک دفعہ جب راہ خدا میں دل دینے کا حکم ہوا۔ تو گھر کا کل اثاثہ لے آئے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے۔ تو فرمایا کہ خدا اور رسول کو گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔ یہیں کہ ہو۔ او کیل پوش و غربا کا لباس پہنے یہ سمجھ لو۔ کہ وہ لوگ تو خدا کی راہ میں شہید ہو گئے۔ ان کے لئے تو یہی لکھا ہے۔ کہ سیفوں تلواروں کے نیچے بہشت ہے۔ لیکن ہمارے لئے تو اتنی سختی نہیں کیونکہ لایعین الحق ہمارے لئے آیا ہے یعنی مہدی کے وقت لڑائی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بعض مصالح کے رُوسے ایک نعل کرتا ہے اور دیندہ جب وہ نعل معرض تعرض ٹھہرتا ہے تو پھر وہ نعل نہیں کرتا۔ اولا ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی تلوار نہ اٹھائی۔ مگر ان کو سخت سے سخت تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ تیرہ سال کا عرصہ ایک سچے کو بالغ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور حضرت مسیح کی میعاد تو اگر اس میعاد میں سے دس نکال دیں تو پھر بھی کافی ہوتی ہے۔ غرض اس لمبے عرصہ میں کوئی یا کسی رنگ کی تکلیف نہ تھی۔ جو اٹھانی نہ پڑی ہو۔ آخر کار وطن سے نکلے تو تعاقب ہوا۔ دوسری جگہ پناہ لی۔ تو دشمن نے وہاں بھی نہ چھوڑا۔ جب یہ حالت ہوئی۔ تو مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے بچانے کے لئے حکم ہوا **لَا تَدِينُ لِدِينِ يَفْقَاهُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّا اللَّهُ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَبِيرٌ** **الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ**۔ **إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ** (س ۱۷) جن لوگوں کے ساتھ لڑائیاں خواہ مخواہ کی گئیں۔ اور گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ صرف اسلئے کہ انہیں نے کہا۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اسلئے یہ ضرورت پیش آئی جو تلوار اٹھائی گئی۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی تلوار نہ اٹھاتے۔ ہاں ہمارے دانا نہیں ہمارے برخلاف قلم اٹھائی گئی ہے۔ قلم سے سکونیت دیکھی

ہے اور سخت ستایا گیا ہے۔ اس لئے اُسکے مقابل قلم ہی بہارِ حربہ ہے۔

میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ جس قدر کوئی شخص قریباً صل کرتا ہے اسی قدر مواخذہ کے قابل ہو یا بلایت
یا وہ مواخذہ کے لائق تھے۔ وہ لوگ جو دوسریں وہ قابل مواخذہ نہیں۔ لیکن تم ضرور ہو۔ اگر تم لوگوں میں دوسروں
پر کوئی ایمانی زیادتی نہیں تو پھر تم میں اور ان میں کیا فرق ہوا تم نے اعلیٰ نظروں کے نیچے ہو۔ وہ لوگ
گوشت کے جاسوسوں کی طرح تمہاری حرکات و سکنات کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ سچے ہیں جب مسیح موعود
کے ساتھی صحابہ رفتہ کے ہمدوش ہوئے لگے ہیں تو کیا آپ ویسے ہیں۔ جب آپ لوگ ویسے نہیں۔ تو قابل
گرفت ہیں۔ گویہ ابتدائی حالت ہے۔ لیکن موت کا کیا اعتبار ہے۔ موت ایک ایسا ناگزیر امر ہے جو ہر
شخص کو پیش آتا ہے۔ جب یہ حالت ہے تو پھر آپ کیوں غافل ہیں۔ جب کوئی شخص مجھ سے تعلق نہیں رکھتا۔
تو یہ امر دوسرا ہے۔ لیکن جب آپ میرے پاس آئے۔ میرا دعویٰ قبول کیا۔ اور مجھے مسیح مانا۔ تو گویا من و وجہ
آپنے صحابہ کرام کے ہمدوش ہو نیکا دعویٰ کر دیا۔ تو کیا صحابہ رفتہ نے کبھی صدق و وفا پر قدم مارنے سے دریغ کیا۔
ان میں کوئی کسل تھا۔ کیا وہ دل آزار تھے۔ کیا انکو اپنے جذبات پر قابو نہ تھا۔ کیا وہ منکر المزاج نہ تھے
بلکہ ان میں پرلے درجہ کا انکسار تھا پس دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ انکو بھی ویسی ہی توفیق عطا کرے۔ کیونکہ نذل اور
انکساری کی زندگی کوئی شخص اختیار نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ اُسکی مدد نہ کرے۔ اپنے آپ کو ٹٹو لو۔ اور
اکوچہ کی طرح اپنے آپ کو کمزور پاؤ۔ تو گھبراؤ نہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا صحابہ رفتہ
کی طرح جاری رکھو۔ راتوں کو اٹھو اور دعا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی راہ دکھلائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابہ رفتہ نے بھی تیری ترمیم پائی۔ وہ پہلے کیا تھے۔ وہ ایک کسان کی تخمیری کی طرح تھے۔ پھر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے آپاشی کی۔ آپاشی ان کے لئے دُعائیں کیں۔ یہ سچ صحیح تھا اور زمین عمدہ۔ تو اس آپاشی
سے پہلے عمدہ نکلا جس طرح حضور علیہ السلام چلتے۔ اُسی طرح وہ چلتے۔ وہ دن کا یارات کا انتظار نہ کرتے تھے
تم لوگ سچے دل سے توبہ کرو۔ تہجد میں اٹھو۔ دعا کرو۔ دل کو درست کرو۔ کمزوریوں کو چھوڑ دو۔ اور
خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق اپنے قول و فعل کو بناؤ۔ یقین رکھو کہ جو اس نصیحت کو رو بنایگا اور عملی طور سے
دعا کرے گا اور عملی طور پر التجا خدا کے سامنے لائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے فضل کرے گا۔ اور اُسکے دل میں تبدیلی ہوگی۔
خدا تعالیٰ اسے نامید و مت ہو سہا کرے گا۔ کار و شواہد و شہادت۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو کیا کوئی ولی بننا
ہے؟ افسوس! انہوں نے کچھ قدر نہ کی۔ بیشک انسان نے خدا کا ولی بننا ہے۔ اگر وہ صراطِ مستقیم پر چلیگا۔
تو خدا بھی اُسکی طرف چلے گا۔ اور پھر ایک جگہ پر پہنچی ملاقات ہوگی۔ اُسکی اسطرح سے حرکت خواہ آہستہ ہوگی
لیکن اُسکے مقابل خدا تعالیٰ کی حرکت بہت جلد ہوگی۔ چنانچہ یہ آیت اسی طرف اشارہ کرتی ہے وَالَّذِينَ

جَاهِدُوا فِيْ سَبِيْلِ اللَّهِ كَمَا كُنْتُمْ يَوْمَ يَوْمَئِذٍ (س ۲۱) اس لئے جو جہاد میں آج حوصیت کی ہیں اُن کو یاد رکھو کہ انہیں پرہیزگاری ہے۔ تمہارے معاملات خدا اور خلق کے ساتھ ایسے ہونے چاہئیں جہن میں مطلق رضا الہی ہو۔ اسی سے نئے وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ كَمَا يَلْبِقُوْا (س ۲۸) کا مصداق بننا ہے۔ اُن جیسے کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے یہی پسند کیا کہ اسرائیلی اور اسماعیلی دو سلسلے دنیا میں قائم کرے۔ پہلا سلسلہ حضرت موسیٰ سے شروع ہو کر حضرت مسیح تک ختم ہوا۔ اور یہ چودہ سو برس تک رہا۔ اسی طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج چودہ سو برس پر ایک سلسلے کے آنے کا اشارہ ہے۔ عدد چودہ کو خاص نسبت ایک بھی ہے۔ کہ انسان چودہ برس پر بلوغ پالیتا ہے۔ حضرت موسیٰ کو خبر ملی تھی کہ مسیح اسوقت آئیگا جب یہودیوں میں بہت فرتے ہوئے۔ اُن کے عقائد میں سخت اختلاف ہوگا بعض کو فرشتوں کے وجود سے انکار بعض کو قیامت و حشر اجساد سے انکار غرض جب طرح طرح کی باطنی بد اعتقادی پھیل جائیگی تب بطور حکم کے مسیح انہیں آئیگا۔ اسی طرح پہلے ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم اطلاق دی کہ جب تم میں بھی یہودیوں کی طرح کثرت سے فرقے ہو جائینگے۔ اور اُن کی طرح مختلف قسم کی بد اعتقادیوں اور بد عملیوں شروع ہونگی۔ علماء یہودیوں کی طرح بعض جنس کے مکھر ہونگے۔ اسوقت اس امت مرحومہ کا مسیح بھی بطور حکم کے آئیگا جو قرآن شریف ہی ہر امر کا فیصلہ کریگا۔ وہ مسیح کی طرح قوم کے ہاتھ سے ستیا جائیگا۔ اور کافر قرار دیا جائیگا۔ اگر ان لوگوں کو تم بھی سے اُس شخص کو جہاں اللہ کا فرج ہوا۔ تو ضرور تھا کہ ایسا ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں آچکا تھا کہ آئینہ الامم کا نرا اور جہاں ٹھہرایا جائیگا۔ لیکن جو عقیدہ آپ کو کھلایا جاتا ہے وہ بالکل صاف اور ظاہر ہے۔ اور مختلف دلائل بھی نہیں بہرہ ان قطع اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

پہلا جگہ اوفات مسیح کا یہی پہلی کھلی آیات اسکی حمایت میں ہیں یا عِيسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ اَنْعٰکَ (اِنی دس ۳) پھر فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِيْ کُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَیْہِم (دس ۷) یہ غلبہ بالکل حیدر نامیہ کے مرقوفی کے معنی کچھ اور ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور خود ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے معنی امانت کے کر دیے ہیں یہ لوگ بھی جہاں کہیں لفظ قوفی استعمال کرتے ہیں۔ تو معنی امانت اور قبض مرع کے مراد لیتے ہیں۔ قرآن شریف نے بھی ہر ایک جگہ اس لفظ کے یہی معنی بیان کئے ہیں اسلئے اسپر تو اُنہی کہیں نہ پڑا۔ اور جب مسیح ناصری کی وفات ثابت ہوئی۔ تو ضرور ہے۔ کہ آئینہ الامم اسی امت میں سے کوئی ہو۔ جسے کہ اَمَامُکُمْ قُنْتُ (حدیث) اسکی تصریح کرتا ہے۔ وہ لوگ جو بخیر ہیں اُن کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اس ابتلا سے بچ گئے۔ کیونکہ وفات مسیح کے تو وہ قائل ہی نہیں۔ اور مسیح موعود کا ذکر اسقدر نواز رکھتا ہے۔ کہ جس توڑ سے انکار محال ہے۔ علاوہ ازیں قرآنی اشارات بھی آئینہ الامم کے شاہد ہیں اسلئے

ایک عقلمند اس امر سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ مسیح آئیگا۔ اُن بعض کا حق ہے کہ یہ اعتراض کریں۔ کہ مسیح کو اس زمانہ سے کیا خصوصیت ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ قرآن شریف نے اسرائیلی اور سامعی سلسلوں میں خلافت کی مثالٹ کا کھلا کھلا اِشہاد کیا ہے۔ جیسے اس آیت سے ظاہر ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اَسْتَخْلَفْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ (ن) اسرائیلی سلسلہ کا آخری خلیفہ جو چودھویں صدی پر بعد حضرت موسیٰ آیا۔ وہ مسیح ناصری تھا۔ متقابل میں ضرور تھا۔ کہ اس امت کا مسیح بھی چودھویں صدی کے سر پر آوے۔ علاوہ ازیں اہل کشف نے اسی صدی کی بعثت مسیح کا زمانہ قرار دیا۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ اہل حدیث کا اتفاق ہو چکا ہے۔ کہ علامہ صغریٰ کل اور علامات کبرے ایک حد تک پوری ہو چکی ہیں لیکن ہمیں کسی قدر اُنکی غلطی ہے۔ علامات کل پوری ہو چکی ہیں بڑی علامت یا نشان جو آنے والے کا ہے وہ بخاری شریف میں یکسہ صلیب و قتل الخنزیر الخ لکھا ہے یعنی نزول مسیح کا وقت غلبہ نصاریٰ اور صلیبی پرستش کا زور ہے۔ سو کیا یہ وہ وقت نہیں کیا جو کچھ پادریوں سے نقصان اسلام کو پہنچ چکا ہے اُسکی نظیر اِکرم سے لیکر آج تک کہیں ہر ملک میں تفرقہ پڑ گیا۔ کوئی ایسا خاندان اسلامی نہیں کہ جس میں سے ایک آدمی اُن کے ہاتھ میں نہ چلا گیا ہو۔ اسلئے آنے والے کا وقت صلیب پرستی کا غلبہ ہے۔ اب اس سے زیادہ کیا غلبہ ہوگا کہ سطح دُشمن کی طح اسلام پر کینہ دہی سے حملے کئے گئے کیا کوئی گروہ مخالفین کا ہے کہ جس نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت وحشیانہ الفاظ اور گالیوں سے یاد نہیں کیا؟ اب اگر انہی لے کا یہ وقت نہیں تو بہت جلدی وہ آیا بھی تو۔ و سال تک آئیگا۔ کیونکہ وہ وقت کا مجھو ہے جس کی بعثت کا زمانہ صدی کا سترہواں ہے۔ تو کیا اسلام میں موجود وقت میں اس قدر اضطراب تھا کہ ایک صدی تک ایسا ہی ہو سکے روز افزوں غلبہ کا مقابلہ کر سکے۔ غلبہ مذکور کیسے پہنچ گیا۔ اور آئیو والا آگیا۔ اُن اب وہ وصال کو اتمام حجت سے ہلاک کر گیا۔ کیونکہ حدیثوں میں آچکا ہے کہ اُسکے ہاتھ پر ملتوں کی ہلاکت مقدر ہے نہ لوگوں کی یا اہل مل کی۔ نو دنیسا ہی پورا ہوا۔ اُسے والے کا ایک یہ نشان بھی ہے کہ اُس زمانہ میں ماہ رمضان میں کسوف خسوف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے نشان سے ٹھٹھا کر نیوالے خدا سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ کسوف خسوف کا اُسکے دعویٰ کے بعد ہوا یہ ایک ایسا امر تھا جو انفرادی بناوٹ سے بعید تر ہے۔ اس سے پہلے کوئی کسوف خسوف ایسا نہیں ہوا۔ یہ ایک ایسا نشان تھا۔ کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو کل دنیا میں آئیو لے کی منادی کرنی تھی۔ چنانچہ اہل عرب بھی اس نشان کو دیکھ کر اپنے مذاق کے مطابق درست کہا۔ ہمارے اشتہارات بطور منادی جہاں جہاں نہ پہنچ سکتے تھے۔ وہاں وہاں اُس کسوف و خسوف نے آئیو لے کے وقت کی منادی کر دی۔ یہ خدا

کا نشان تھا جو انسانی منسوب بالکل پاک تھا۔ خواہ کوئی کیسا ہی فلسفی ہو وہ غور کرے اور سوچے کہ جب مقرر کردہ نشان پورا ہو گیا۔ تو فرض ہے کہ اس کا مصداق بھی کہیں ہو۔ یہ امر ایسا نہ تھا۔ کہ جو کسی حساب کے ماتحت ہو۔ جیسے کہ فرمایا تھا۔ کہ یہ اسوقت ہوگا جب کوئی معی مہر ویت ہو چکے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ کہ آدم سے لے کر اس مہر تک کوئی ایسا واقع نہیں ہوا اگر کوئی شخص تاریخ سے ایسا ثابت کرے تو ہم مان لیں گے۔

ایک اور نشان یہ بھی تھا کہ اسوقت ستارہ ذوالسنین طلوع کریگا یعنی ان برسوں کا ستارہ جو پہلے گذر چکے ہیں یعنی وہ ستارہ جو مسیح ناصری کے ایام (رسول) میں طلوع ہوا تھا۔ اب وہ ستارہ بھی طلوع ہو گیا۔ جسے یہودیوں کے مسیح کی اطلاع آسانی طور سے دی تھی۔ اسی طرح قرآن شریف کے دیکھنے سے بھی پتہ لگتا ہے۔ وَإِذْ الْإِنشَاءُ عَظُمَتْ۔ وَإِذْ الْوَحُوشُ حُشِرَتْ۔ وَإِذْ الْإِنشَاءُ سَجَرَتْ۔ وَإِذْ النَّفُوسُ رُوحَتْ۔ وَإِذْ الْوُجُوهُ سُئِلَتْ۔ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ۔ وَإِذْ الصُّحُفُ تُنشَرَتْ (س ۲۰) یعنی اس زمانہ میں اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی۔ اعلیٰ درجہ کی سواری اور بار برداری جن سے جن سے ایام سابقہ میں ہوا کرتی تھی۔ یعنی اس زمانہ میں سواری کا انتظام کوئی ایسا پیدا ہوگا کہ یہ سواریاں بیکار ہو جائیں گی۔ اس سے پہلے کا زمانہ مراد تھا۔ وہ لوگ جو جہاں کرتے ہیں۔ کہ ان آیات کا تعلق قیامت سے ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ قیامت میں اونٹنیاں حل وار کیسے رہ سکتی ہیں کیونکہ عشار سے مراد حملدار اونٹنیاں ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ اس زمانہ میں چاروں طرف نہریں پھیل جائیں گی۔ اور کتابیں کثرت سے اشاعت پائیں گی۔ غرضیکہ یہ سب نشان اسی زمانہ کے متعلق تھے۔ اب رہا مکان کے متعلق۔ سو یاد رہی کہ مجال کا خروج مشرق میں بتایا گیا جس سے ہمارا ملک مراد ہو۔ چنانچہ صاحب حج الکرامہ نے لکھا ہے کہ فتن مجال کا ظہور ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ ظہور مسیح اسی جگہ ہو جہاں مجال ہو پھر اس کاؤں کا نام قعر قرار دیا ہے جو قادیان کا مخفف ہے۔ یہ ممکن ہو کہ میں کے علاقہ میں بھی اس نام کا کوئی گاؤں ہو۔ لیکن یاد رہی کہ کین حجاز سے مشرق میں نہیں بلکہ جنوب میں ہے۔ آخر اسی پنجاب میں ایک اور قادیان بھی تولد ہوا ہے کہ قریب ہے۔ اسکے علاوہ خود قضا و قدر نے اس عاجز کا نام جو رکھوایا ہے تو وہ بھی ایک لطیف اشارہ اسطرح رکھتا ہے۔ کیونکہ غلام احمد قادیانی کے عدو بحساب محل پوری تیرہ سو لکھتے ہیں یعنی اس نام کا امام جو دھویں صدی کے آغاز پر ہوگا۔ غرض انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اسی طرح تھا۔ حوادث بھی ایک علامت تھی۔ حوادث سماوی نے قحط طاعون اور مہینہ کی صورت پکڑ لی۔ طاعون وہ خطرناک عذاب ہے کہ اسے گورنٹ ٹانک کو زلزلہ میں ڈال دیا۔ اور اگر اس کا قدم بڑھ گیا

تو ملک صاف ہو جائیگا۔ ارضی حوادث ٹرائیاں زلازل تھیں۔ جنہوں نے ملک کو تباہ کیا۔ مامورین اللہ کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اپنے ثبوت میں آسمانی نشان دکھاوے۔ ایک لیکچر ام کا نشان کیا کچھ کم نشان تھا۔ ایک کشتی کے طور پر کئی سال تک ایک شرط بھی رہی۔ پانچ سال برابر جنگ ہوتا رہا۔ طرفین اشتہار دیئے۔ عام شہرت ہو گئی۔ ایسی شہرت کہ جس کی مثال بھی محال ہے۔ پھر ایسا ہی واقعہ ہوا جیسے کہ کہا گیا تھا۔ کیا اس واقعہ کی کوئی اور نظیر ہے۔ دھرم مہوتسو کے متعلق بھی کئی نیا اعلان کیا۔ کہ ہیکو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ ہمارا مضمون سب پر غالب رہیگا جن لوگوں نے اس عظیم الشان اور پُر غیب جلسہ کو دیکھا ہے۔ وہ خود غور کر سکتے ہیں کہ ایسے جلسہ میں غلبہ پانے کی خبر پیش از وقت دینی کوئی انکل یا قیاس نہ تھا۔ پھر آخر ہی ہوا۔ جیسے کہا گیا۔ **وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ** (تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۹۷ء)

تقریر ۲۸ دسمبر ۱۹۹۷ء بعد نماز ظہر:-

اس وقت میری غرض بیان کرنے سے یہ ہے کہ چونکہ انسانی زندگی کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔ اس لئے جس قدر احباب اس وقت میرے پاس جمع ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں شاید آئندہ سال جمع نہ ہو سکیں۔ اور انہیں دنوں میں بیٹے ایک کشف میں دیکھا ہے۔ کہ اگلے سال بعض احباب دینا میں نہ ہونگے۔ گو میں یہم نہیں کہ سکتا۔ کہ اگر کشف کے مصداق کون کن احباب ہونگے۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ اسلئے ہے۔ تاہر ایک شخص بجائے خود سفر آخرت کی ملیاری رکھے۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ مجھے کسی کا نام نہیں بتلایا گیا۔ لیکن یہ میں اللہ تعالیٰ کے اعلام سے خوب جانتا ہوں کہ قضا و قدر کا ایک وقت ہی۔ اور ضرور ایک وقت اس فانی دنیا کو چھوڑنا ہے۔ اسلئے یہ کہنا نہایت ضروری ہے۔ کہ ہر شخص اور ہر دوست جو اس وقت موجود ہے۔ وہ میری باتوں کو قصہ گوئی و داستان کی طرح نہ سمجھے۔ بلکہ یہ ایک واعظ من جانب اللہ اور مامورین اللہ ہے۔ جو نہایت خیر خواہی اور سچی بھلائی اور پوری دلسوزی سے باتیں کرتا ہے۔ پس میں اپنے دوستوں کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ خوب یاد رکھو اور دل سے سُنو اور دل میں جگہ دو۔ کہ اللہ تعالیٰ جیسا کہ اُس نے اپنی کتاب قرآن کیم میں اپنے وجود اور توحید کو پُر زور اور آسان دلائل سے ثابت کیا ہے۔ ایک بزرگ ہستی اور نور ہے۔ وہ لوگ جو اس زبردست ہستی کی قدرتوں اور عجائبات کو دیکھتے ہوئے بھی اُس کے وجود میں شکوک ظاہر کرتے اور شبہ کرتے ہیں۔ سچ جانو۔ بڑے ہی بد قسمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست ہستی اور مقتدر وجود کے اثبات کے متعلق ہی فرمایا ہے **أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** کیا اللہ کے وجود میں بھی شک ہو سکتا ہے۔ جو زمین و آسمان کا پیدا کر نیا لا ہے۔ دیکھو

یہ تو بڑی سیدھی اور صاف بات ہے کہ ایک مصنوع کو دیکھ کر صانع کو ماننا پڑتا ہے۔ ایک عمدہ جوئے یا صندوق کو دیکھ کر اسکے بنانے والے کی ضرورت کا معاً اختراع کرنا پڑتا ہے۔ پھر تعجب پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی میں کیونکر انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ ایسے صانع کے وجود کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے جس کے ہزار عجائبات سر زمین و آسمان پر ہیں۔ پس یقیناً سمجھ لو کہ قدرت کے ان عجائبات اور مخلوق کو دیکھ کر بھی جن میں انسانی ہاتھ۔ انسانی عقل و دماغ کا کام نہیں۔ اگر کوئی بیوقوف خدا کی ہستی اور وجود میں شک لائے۔ تو وہ بے قیمت انسان شیطان کے چبھ میں گرفتار ہے اور اسکو تنہا کرنا چاہیے۔ خدا کی ہستی کا انکار دلیل اور رویت کی بنا پر نہیں۔ بلکہ اللہ جل شانہ کی ہستی کا انکار کرنا باوجود مشاہدہ کرنے کی قدرتوں اور عجائبات مخلوقات اور مصنوعات کے جو زمین و آسمان میں بھڑپ رہی ہیں یا بینائی پر تلمیحات کی باتوں قیاس میں ایک کھوکھلی بینائی ہو اور دوسری دلی انکھنکی بینائی کا اثر ایمان پر پڑتا ہے۔ لیکن دل کی بینائی کا اثر ایمان پر پڑتا ہے۔ اسلئے یہ ضروری اور بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ سے پورے نڈل اور انکسار کے ساتھ ہر وقت دعا مانگتا رہے کہ وہ اُسے سچی معرفت اور حقیقی بصیرت اور بینائی عطا کرے۔ اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے۔ شیطان کے وسوسوں بہت ہیں۔ اور سب سے زیادہ خطرناک وسوسہ اور شبہ جو انسانی دل میں پیدا ہو کر اسے خسروالنیاد الاخرہ کو تیل ہے۔ آخرت کے متعلق ہے۔ کیونکہ تمام نیکیوں اور استبازیوں کا اثر بھاری اور بوجھ منجملہ دیگر اسباب اور وسائل کے آخرت پر ایمان بھی ہے۔ اور جب انسان آخرت اور اسکی باتوں کو قصہ اور داستان سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ رہو گیا اور دونوں جہان سے گیا گدرا ہوا۔ اسلئے کہ آخرت کا ڈر بھی تو انسان کو فائز اور نرسا بنا کر معرفت کے سچے چشمہ کبر کشاں کشاں لے آتا ہے اور سچی معرفت بغیر حقیقی خشیت اور خدا ترسی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس یاد رکھو کہ آخرت کے متعلق وسوسوں کا پیدا ہونا ایمان کو خطر میں ڈال دیتا ہے۔ اور خاتمہ بالآخر میں خنور پڑ جاتا ہے جس قدر ابرار اخبار اور استبازان انسان دنیا میں ہو گزرے ہیں جو رات کو اٹھ کر قیام اور سجدہ میں ہی صبح کو دیتے تھے۔ کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ وہ جسمانی قوتیں بہت رکھتے تھے۔ اور بڑے بڑے قوی ہیکل جو ان اور نون پہیلوان تھے نہیں۔ یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ جسمانی قوت اور توانائی سے وہ کام نہ کر نہیں ہو سکتے۔ جو روحانی قوت اور طاقت کر سکتی ہے۔ بہت سے انسان آپ نے دیکھے ہونگے۔ جو تین یا چار بار دن میں کھاتے ہیں۔ اور خوب لذیذ اور مقوی اغذیہ پلاؤ وغیرہ کھاتے ہیں۔ مگر اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ صبح تک خراٹے مارتے رہتے ہیں اور نیند اُن پر غالب رہتی ہے۔ یہاں تک کہ نیند اور ہستی کے بالکل مغلوب ہو جاتے ہیں کہ اُن کو عشاء کی نماز بھی دوجہ اور مشکل عظیم معلوم دیتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ تہجد کہہ رہوں۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کیا نعم پسند اور خورد و نوش کے دلاوہ تھے جو کفار پر غالب تھے؟ نہیں یہ بات تو نہیں پہلی کتابوں میں بھی انکی نسبت آیا ہے۔ کہ وہ قائم القیل اور صائم الدہر ہونگے۔ اُن کی راتیں ذکر اور فکر میں گذرتی تھیں اور اُن کی زندگی کیسے بسر ہوتی تھی؟۔

قرآن کریم کی فیل کی ایہ شریفہ اُن کے طریق زندگی کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھاتی ہے وَ مِمَّنْ رِبَاطُ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ شَدَّ وَاللَّهِ وَعَدُّوْكُمْ۔ اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَ صَابِرُوا وَ دَابِرُوا۔ اور سرحد پر اپنے گھوڑے باندھے رکھو۔ کہ خدا کے دشمن اور تمہارے دشمن اس تمہاری تیاری اور تعداد سے ڈرتے ہیں۔ اے مومنو! صبر اور مصابرت اور صراحت کرو۔ رباط اُن گھوڑوں کو کہتے ہیں جو دشمن کی سرحد پر باندھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کو اعداء کے مقابلہ کے لئے مستعد رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس رباط کے لفظ سے اُنہیں پوری اور سچی تیاری کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اُن کے پیرو دو کام تھے۔ ایک ظاہری دشمنوں کا مقابلہ اور دوسرا روحانی مقابلہ۔ اور رباط لغت میں نفس اور انسانی دل کو بھی کہتے ہیں۔ اور یہ ایک لطیف بات ہے کہ گھوڑے وہی کام آتے ہیں جو سدائے ہوئے اور تعلیم یافتہ ہوں۔ آج کل گھوڑوں کی تعلیم و تربیت کا اُسی انداز پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اور اُسی طرح اُن کو سدھایا اور سکھایا جاتا ہے جس طرح بچوں کو سکولوں میں خاصا قیاط اور انتہام سے تعلیم دیا جاتی ہے اگر اُن کو تعلیم نہ دی جائے۔ اور وہ سدائے نہ جائیں تو وہ بالکل نکتے ہوں۔ اور وہ بچائے مفید ہونے کے خوفناک اور مضرت ثابت ہوں۔ یہ اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے۔ کہ انسانوں کے نفوس یعنی رباط بھی تعلیم یافتہ ہونے چاہئیں۔ اور اُن کے قویے اور طاقتیں ایسی ہونی چاہئیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی مدد کو نیچے نیچے چلیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہو۔ تو وہ اس حرب اور جدال کا کام نہ دے سکیں گے۔ جو انسان اور اس کے خوفناک دشمن یعنی شیطان کے درمیان اندرونی طور پر ہر لحظہ اور ہر آن جاری ہے۔ جیسا کہ لڑائی اور میدان جنگ میں علاوہ قوائے بدنی کے تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح اس اندرونی حرب اور جہاد کے لئے نفوس انسانی کی تربیت اور مناسب تعلیم مطلوب ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو اُس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ شیطان اُس پر غالب آجائے گا۔ اور وہ بہت بُری طرح ذلیل اور رسوا ہوگا۔ مثلاً اگر ایک شخص توپ و تفنگ اسلحہ حرب بنسوق وغیرہ تو رکھتا ہو لیکن اُس کے استعمال اور چلانے سے ناواقف محض ہو۔ تو وہ دشمن کے مقابلہ میں کبھی عہدہ برائے نہیں ہو سکتا۔ اور تیر و تفنگ اور سامان حرب بھی ایک شخص رکھتا ہو اور اُن کا استعمال بھی جانتا ہو۔ لیکن اُس کے بازو میں طاقت نہ ہو۔ تو بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسا معلوم ہوا کہ صرف طریق اور طرز استعمال کا سیکھ لینا بھی کارآمد اور مفید نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ درویش

اور مشق کر کے بازو میں توانائی اور قوت پیدا نہ کی جائے۔ اب اگر ایک شخص جو تلوار چلانا تو جانتا ہے۔ لیکن ورزش اور مشق نہیں رکھتا۔ تو میدانِ حرب میں جا کر جو نہی تین چار دفعہ تلوار کو حرکت دیگا۔ اور دو ایک ہاتھ مارے گا۔ اس کے ہاتھ بھٹکے اور وہ تھک کر بالکل بیکار ہو جائیگا اور خود ہی آخر دشمن کا شکار ہو جائیگا۔ پس سمجھ لو اور خوب سمجھ لو کہ نزعِ علم و فن اور خشکِ تعلیم ہی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ جب تک کہ عمل اور مجاہدہ اور ریاضت نہ ہو۔ دیکھو سرکاری فوجوں کو اسی خیال سے بیکار نہیں رہنے دیتی۔ عین امن و آرام کے دنوں میں بھی مصنوعی جنگ برپا کر کے فوجوں کو بیکار نہیں بیٹھنے دیتی۔ اور معمولی طور پر چاند ماری اور پرید وغیرہ نو ہر روز ہوتی ہی رہتی ہے۔ جیسا ابھی میں نے بیان کیا کہ میدانِ کارزار میں کامیاب ہونے کے لئے جہاں ایک طرف طریق استعمالِ اسلحہ وغیرہ کی تعلیم اور اکتفیت کی ضرورت ہے وہیں دوسری طرف ورزش اور محل استعمال کی بھی بڑی بھاری ضرورت ہے۔ اور نیز حرب و ضرب میں تعلیم یافتہ گھوڑے چاہئیں یعنی ایسے گھوڑے جو تولوں اور بند و قول کی آواز سے نہ ڈریں اور گورنبا سے پر اگندہ ہو کر چیخے نہ ہٹیں بلکہ آگے ہی بڑھیں اسی طرح نفوسِ انسانی کا دل ورزش اور پوسی ریاضت اور حقیقی تعلیم کے بغیر اداء اللہ کے مقابل میدانِ کارزار میں کامیاب نہیں ہو سکتے لغتِ عرب بھی عجیب چیز ہے۔ باط کا لفظ جو آیہ مذکورہ میں آیا ہے۔ جہاں دنیاوی جنگ و جدل اور فنونِ جنگ کی فلاسفی پر مشتمل ہے وہیں روحانی طور پر اندرونی جنگ اور مجاہدہ نفس کی حقیقت اور نجوی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہ ایک عجیب سلسلہ ہے۔ اسی لئے عربی زبان ام المائتہ ہے۔ اس سے وہ کام نکلتے ہیں جو دوسری زبان سے ممکن نہیں اور انشاء اللہ یہ معارف نہایت وضاحت اور لطافت سے کتابِ منن المرحمان کے ذریعہ سے ظاہر ہونگے۔ جو میں نے آجکل عربی زبان کی فضیلت اور اس کو ام المائتہ ثابت کرنے کے بارے میں شروع کی ہے۔ معلوم ہو جائیگا کہ یورپین لوگوں کی تحقیقاتیں بالکل لکھی اور اھوری ہیں اور ان کو بھی پتہ آگ جائیگا۔ کہ زبانوں کی گم گشتہ ممان بھی اس زمانہ ہی میں جہاں اور گرم شادی یعنی صدائیں مل گئی ہیں۔ مل گئی ہے۔ اور وہ عربی ہی ہے۔ الغرض عربی زبان کی لغت جسمانی سلسلہ میں روحانی سلسلہ بھی دکھلاتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ جسمانی امور اور جسمانی باتیں ظاہری طور پر ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں۔ اور ہم انکی ماہیت نہایت سہو اور آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ پس ان پر قیاس کر کے روحانی سلسلہ اور روحانی امور کی فلاسفی سمجھ میں آنی مشکل نہیں ہوتی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور برکت ہے۔ جو اسے اس تاریخی اور ضلالت کے زمانہ میں معرفت کا نور آسمان سے اتارا۔ تاکہ مجھو لے بھٹکوں کو راستہ دکھلائے اور ایسا طریق اور پیرایہ

ظاہر کیا۔ جو اب تک راز کے طور پر تھا۔ وہ کیا؟ یہی لغت عرب کی فلاسفی اور ماہیت سے استدلال مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے فضل کی قدر کرتے اور اس کے لینے کو طیار ہو جاتے ہیں اب دیکھو کہ یہی رباط کا لفظ جو ان گھوڑوں پر بولا جاتا ہے۔ جو سرحد پر دشمنوں سے حفاظت کے لئے باندھے جاتے ہیں ایسا ہی یہ لفظ ان نفسوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ جو اس جنگ کی طیارسی کے لئے تعلیم یافتہ ہوں جو انسان کے اندر ہی اندر شیطان سے ہر وقت جاری ہے یہ بالکل یقیناً بات ہو کہ اسلام کو دو قوتیں جنگ کی دی گئی تھیں ایک قوت وہ تھی جس کا استعمال صدر اول میں بطور ہدایت و انتقام کے ہوا۔ یعنی مشرکین عرب نے جب سنایا اور تکلیفیں دیں تو ایک ہزار نے ایک لاکھ کفار کا مقابلہ کر کے شجاعت کا جوہر دکھایا۔ اور ہر امتحان میں اس پاک قوت و شوکت کا ثبوت دیا۔ وہ زمانہ گزر گیا۔ اور رباط کے لفظ میں جو فلاسفی ظاہری قوت جنگ اور فنون جنگ کی مخفی تھی وہ ظاہر ہو گئی۔ اب اس زمانہ میں جس میں ہم ہیں ظاہری جنگ کی مطلق ضرورت اور حاجت نہیں بلکہ ان آخری دنوں میں جنگ باطنی کے نمونے دکھانے مطلوب تھے اور روحانی مقابلہ زیر نظر تھا۔ کیونکہ اسوقت باطنی ارتداد اور اتحاد کی اشاعت کے لئے بڑے بڑے سامان اور اسلحے بنائے گئے اسلئے ان کا مقابلہ بھی مادی قسم کے اسلحوں سے ضروری ہے۔ کیونکہ آج کل امن و امان کا زمانہ ہے اور ہم کو ہر طرح کی آسائش اور امن حاصل ہے۔ آزادی سے ہر آدمی اپنے مذہب کی اشاعت اور تبلیغ اور احکام کی بجا آوسی کر سکتا ہے۔ پھر اسلام جو امن کا سچا حامی ہے بلکہ حقیقتاً امن اور سلم اور اشتی کا اشاعت کنندہ ہی اسلام ہے۔ کیونکہ اس زمانہ امن و آزادی میں اس پہلے نمونہ کو دکھانا پسند کر سکتا تھا پس آج کل وہی دوسرا نمونہ یعنی روحانی مجاہدہ مطلوب ہو رہی ہے کہ سہ کے حلو اور یکبارہ خورد و لبس۔ ایک اور بات بھی ہے کہ اس پہلے نمونہ کے دکھانے میں ایک اور امر بھی ملحوظ تھا۔ یعنی اسوقت اظہار شجاعت بھی مقصود تھا۔ جو اسوقت کی دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اور محبوب و صف سمجھی جاتی تھی۔ اور اسوقت تو حرب ایک فن ہو گیا ہے کہ ڈور پیچھے ہٹے بھی ایک آدمی تو پ اور بندہ وقی چلا سکتا ہے۔ مگر ان دنوں میں سچا بہادور وہ تھا۔ جو تلواروں کے سامنے سینہ سپر ہوتا۔ مگر آج کل کا فن حرب تو بزدلوں کا پردہ پوش ہے۔ اب شجاعت کا کام نہیں بلکہ جو شخص آلات حرب جدید اور نئی توپیں وغیرہ رکھتا اور چلا سکتا ہے وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس حرب کا مدعا اور مقصد مومنوں کے مخفی ماوہ شجاعت کا اظہار تھا اور خدا تعالیٰ نے جیسا چاہا۔ خوب طرح اسے دنیا پر ظاہر کیا۔ اب اسکی حاجت نہیں رہی۔ اسلئے کہ اب جنگ کے فن اور مکیدہ اور ضیعت کی صورت اختیار کر لی ہے اور نئے نئے آلات حرب اور پیچیدہ فنون نے اس قیعتی اور قابل

جو ہر کو خاک میں ملا دیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں دفاعی لڑائیوں اور جسمانی جنگوں کی اسلئے بھی ضرورت پڑتی تھی کہ دعوت اسلام کرنے والے کا جواب ان دنوں و لائل و براہین سے نہیں بلکہ تلوار سے دیا جاتا تھا۔ اسلئے لاچار جواب المجواب میں تلوار سے کام لینا پڑا۔ لیکن اب تلوار سے جواب نہیں دیا جاتا۔ بلکہ قلم اور وائل سے اسلام پر نکتہ چینی کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ سیف و تلوار کا کام قلم سے لیا جائے۔ اور تحریر سے مقابلہ کر کے مخالفوں کو ہست کیا جائے۔ اسلئے اب کسی کوشش یاں نہیں کہ قلم کا جواب تلوار سے دینے کی کوشش کرے۔

مگر حفظ مراتب کبھی دنیوی۔ اسوقت جو ضرورت ہے۔ وہ یقیناً سمجھ لو۔ سیف کی نہیں بلکہ قلم کی ہر ہمارے مخالفین نے اسلام پر جوش بھارت وار کئے ہیں۔ اور مختلف سائنسوں اور مکاتیب کی رو سے اللہ تعالیٰ کے سچے مذہب پر حملہ کرنا چاہا ہے۔ اسلئے مجھے متوجہ کیا ہے کہ میں قلمی اسلحہ پہنکر اس سائنس اور علمی ترقی کے میدان کارزار میں اُتروں اور اسلام کی روحانی شجاعت اور باطنی قوت کا کرشمہ بھی دکھلاؤں۔ میں کب اس میدان کے قابل ہو سکتا تھا۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اسکی بجز عنایت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میرے جیسے عاجز انسان کے ہاتھ سے اُسکے دین کی عزت ظاہر ہو۔ میں نے ایک وقت ان اعتراضات اور حملات کو شہما کیا تھا۔ جو اسلام پر ہمارے مخالفین نے کئے ہیں۔ تو ان کی تعداد میرے خیال اور اندازہ میں تین ہزار ہوئی تھی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اب تعداد اور بھی بڑھ گئی ہوگی۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسلام کی بنیادی چیزیں کمزوریاتوں پر ہیں کہ اسپر تین ہزار اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ اعتراضات گو گونا گونا ہوں اور نادانوں کی نظر میں اعتراض ہیں۔ مگر میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے جہاں ان اعتراضات کو شمار کیا۔ وہاں یہ بھی غور کیا ہے کہ ان اعتراضات کی تہ میں دراصل بہت ہی نادر صداقتیں موجود ہیں جو عدم بصیرت کی وجہ سے متصرین کو دکھائی نہیں دیں۔ اور وہ حقیقت یہ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جہاں نابینا متعرض آکر اٹکا ہے۔ وہیں حقائق و معارف کا مخفی خزانہ رکھا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے کہ میں ان خزانہ مدفونہ کو دنیا پر ظاہر کروں۔ اور ناپاک اعتراضات کا کچھ جو ان و خشاں جو ہر پر تھوڑا لگیا ہے اس سے ان کو پاک صاف کروں۔ خدا تعالیٰ کی غیرت اسوقت بڑی جوش میں ہے کہ وہ ان شریعت کی عزت کو ہر ایک خبیث دشمن کے دماغ اعتراضات سے منزہ و مقدس کرے۔

العزم ایسی صورت میں کہ مخالفین قلم سے ہمہ وار کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں کہ سفید بیوقوفی ہوگی کہ ہم ان سے لٹھ لٹھا ہونے کو تیار ہو جائیں میں تمہیں کھول کر بتلاتا ہوں کہ ایسی صورت میں اگر

کوئی اسلام کا نام لیکر جنگ و جدال کا طریق جواب میں اختیار کرے۔ تو وہ اسلام کا بدنام کرنے والا ہوگا۔ اور اسلام کا کبھی ایسا منشاء نہ تھا۔ کہ بے مطلب اور بلا ضرورت تلوار اٹھائی جائے۔ اب لڑائیوں کی اغراض جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ فن کی شکل میں آکر دینی نہیں ہیں۔ بلکہ دنیوی اغراض انکا موضوع ہو گیا ہے۔ پس کس قدر ظلم ہوگا۔ کہ اعتراض کرنے والوں کو جواب دینے کی بجائے تلوار دکھائی جائے۔ اب زمانہ کے ساتھ حرب کا پہلو بدل گیا ہے۔ اسلئے ضرورت ہے۔ کہ سب سے پہلے اپنے دل اور دماغ سے کام لیں۔ اور نفوس کا تزکیہ کریں۔ راستبازی اور تقویٰ سے خدا تعالیٰ اسے امداد اور فتح چاہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک اہل قانون اور مستحکم اصول پر اور اگر مسلمان مرتد قیل و قال اور باتوں سے مقابلہ میں کامیابی اور فتح پانا چاہیں۔ تو یہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ لاف و گزاف اور لفظوں کو نہیں چاہتا۔ وہ تو حقیقی تقویٰ کو چاہتا اور سچی طہارت کو پسند کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ**۔

ہم کو عقل سے بھی کام لینا چاہیے۔ کیونکہ انسان عقل کی وجہ سے مکلف ہے۔ کوئی آدمی بھی غلات عقل باتوں کے ماننے پر مجبور نہیں ہو سکتا۔ قوے کی برداشت اور حوصلہ سے بڑھ کر کسی قسم کی شرعی تکلیف نہیں اٹھوائی گئی۔ **لَا يَكُفُّ اللَّهُ لِنَفْسٍ إِلَّا وَسْعَهَا**۔ اس میت سے صاف طور پر پایا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ایسے نہیں جنہیں بجا آدمی کوئی کر ہی نہ سکے۔ اور نہ شرائع و احکام خدا تعالیٰ نے دنیا میں اسلئے نازل کئے کہ اپنی بڑی فصاحت و بلاغت اور ایجادی قانونی طاقت اور جہتستان طرازی کا فخر انسان پر ظاہر کرے۔ اور یوں پہلے ہی سے اپنی جگہ ٹھان رکھا تھا۔ کہ کہاں بہیودہ ضعیف انسان اور کہاں کا ان احکام پر عمل درآمد۔ خدا تعالیٰ اس سے بڑھ کر پاک ہے۔ کہ ایسا لغو فعل کرے۔ ہاں عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ دنیا میں کوئی آدمی شریعت کی تابعداری اور خدا کے حکموں کی بجا آوری کر ہی نہیں سکتا۔ ناوان اتنا نہیں جانتے۔ کہ پھر خدا کو شریعت کے بھیجنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ ہمارے خیال اور اعتقاد میں گویا اللہ تعالیٰ نے (نعمو باد اللہ) پہلے نبیوں پر شریعت نازل کر کے ایک عبت اور بہیودہ کام کیا۔ اصل میں خدا کی ذات پاک پر اس قسم کی عیب تراشی کی ضرورت عیسائیوں کو اسی کفارہ کے مسئلہ کی کثرت کے لئے پیش آئی۔ مجھے حیرت اور تعجب ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے اپنے ایک اختر زنی مسئلہ کی بنیاد قائم کرنے کے لئے اس بات کی بھی پرواہ نہیں کی۔ کہ خدا کی ذات پر کس قسم کا گندہ حرف آتا ہے۔ ہاں! یہ خوبی قرآنی تعلیم میں ہے۔ کہ اسکا ہر ایک حکم معلل باغراض و مصلح ہے۔ اور اسلئے جا بجا قرآن کریم میں تاکید ہے۔ کہ عقل۔ فہم۔ تدبر۔ فقہانت۔ اور ایمان سے کام لیا جائے۔ اور قرآن شریف

اور دوسری کتابوں میں یہی باب الامتیاز ہے۔ اور کسی کتاب نے اپنی تعلیم کو عقل اور تدبیر کی دقیق اور کثرت پر مبنی کر کے ڈالنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ بلکہ انجیل قاموش کے چالاک اور عیار حامیوں نے اس خیال سے کہ انجیل کی تعلیم عقلی دور کے مقابل بیجا محض ہے۔ نہایت ہوشیاری سے اپنے عقائد میں اس امر کو داخل کر لیا کہ تثلیث اور کفارہ ایسے راز ہیں کہ انسانی عقل ان کی کتنے تک نہیں پہنچ سکتی۔ برزخاً اسکے قرآن حمید کی تعلیم ہے۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاِخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ اِلٰی اُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ الْبَیِّنَ (س ۴) یعنی آسمانوں کی بناوٹ اور زمین کی بناوٹ اسرار اور دن کا آگے پیچھے آنا و انشمنہ دل کو اس اللہ کا صاف پتہ دیتے ہیں جس کی طرف مذہب اسلام دعوت دیتا ہے۔ اس آیت میں کس قدر صاف حکم ہے کہ انشمنہ اپنی دانشوں اور مغزوں سے بھی کام لیں اور جان لیں کہ اسلام کا خدا ایسا کون ہے؟ نہیں۔ بلکہ اسے عقل پر پتہ مار کر یہ جبر منویا جائے۔ اور صحیفہ فطرت میں کوئی بھی ثبوت اس کے لئے نہ ہو۔ بلکہ فطرت کے وسیع اوراق میں اس کے اس قدر نشانات ہیں جو صاف بتلاتے ہیں کہ وہ ہے۔ ایک ایک چیز اس کائنات میں اس نشان اور تختہ کی طرح ہے۔ جو ہر رنگ اور گلی کے سر پر اس رنگ یا محلہ یا شہر کا نام معلوم کرنے کے لئے لگا یا جاتا ہے۔ خدا کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اور اس موجود ہستی کا پتہ ہی نہیں بلکہ مطمئن کر دینے والا ثبوت دیتی ہے۔ زمین و آسمان کی شہادتیں کسی مصنوعی اور بناوٹی خدا کی ہستی کا ثبوت نہیں دیتیں بلکہ اس خدا نے احد الصمد لہ یدلہ ولہ یدلہ لدا کی ہستی کو دکھاتی ہیں۔ جو زندہ اور قائم خدا ہے۔ اور جسے اسلام پیش کرتا ہے۔ چنانچہ پادری فائدہ جس نے پہلے پہل ہندوستان میں اگر غریبی مناظروں میں قدم رکھا۔ اور اسلام پر نکتہ چینی کیا۔ اپنی کتاب میزان الحق میں خود ہی سوال کے طور پر لکھتا ہے۔ کہ اگر کوئی ایسا خبریہ ہو جہاں تثلیث کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ تو کیا وہاں کے رہنے والوں پر آخرت میں مواخذہ تثلیث کے عقیدہ کی بنا پر ہوگا؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ آج توحید کا مواخذہ ہوگا۔ اس سے سمجھ لو کہ اگر توحید کا نقش ہر ایک شے میں نہ پایا جاتا تو تثلیث ایک بناوٹی اور مصنوعی تصویر نہ ہوتی۔ تو عقیدہ توحید کی بنا پر مواخذہ کیوں ہوتا؟ اصل میں بات یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہی میں اَلْکَسْتُ بِرَبِّکُمْ قُلُوْا بَلٰی نَقِشَ کَیَا گیا ہے۔ اور تثلیث سے کوئی مناسبت جبلت انسانی اور تمام اشیائے عالم کو نہیں ایک قطرہ پانی کا دیکھو۔ تو وہ گول نظر آتا ہے مثلث کی شکل میں نظر نہیں آتا۔ اس سے بھی صاف طور پر یہی پایا جاتا ہے کہ توحید کا نقش قدرت کی ہر ایک چیز میں رکھا ہوا ہے۔ خوب غور سے دیکھو۔ کہ پانی کا قطرہ گول ہوتا ہے۔ اور گردی شکل میں

توحید ہی ہوتی ہے۔ اسلئے کہ وہ جہت کو نہیں چاہتی۔ اور شکت شکل جہت کو چاہتی ہے۔ چنانچہ آگ کو دیکھو شکل بھی مخروطی ہے۔ اور وہ بھی کرویت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اُس سے بھی توحید کا نوچکتا ہے زمین کو لو۔ اور انگریزوں ہی سے پوچھو۔ کہ انکی شکل کیسی ہے کہینکے گول العنض طبعی تحقیقاتیں جہات تک ہوتی چلی جائیگی۔ وہاں توحید ہی توحید نکلتی جائیگی۔ اللہ تعالیٰ اس بیت اِنِّیْ خَلَقْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَیْنِ میں تلاتا ہے۔ کہ جس خدا کو قرآن شریف پیش کرتا ہے اُسکے لئے زمین آسمان و ملائیل سے بھرے پڑے ہیں مجھے ایک حکیم کا مقولہ بہت ہی پسند آتا ہے۔ کہ اگر کُل کتابیں دیا پر کر دیا جائیں تو پھر بھی اسلام کا خدا باقی رہ جائیگا۔ اسلئے کہ وہ شکت اور کہانی نہیں۔ اصل میں پختہ بات وہی ہے جس کی صداقت کسی خاص چیز پر منحصر ہو۔ کہ اگر وہ نہ ہو۔ تو اُس کا پتہ ہی ندارد۔ قصہ کہانی کا نقش زول میں ہوتا ہے نہ صحیفہ فطرت میں۔ جہت تک کسی پنڈت پاندھے یا پادری نے یاد رکھا۔ انکا کوئی وجود مسلم رہا۔ زان بعد حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مُّکْنُوْنٍ لَا یَمْسُکُہٗ اِلَّا اَکْطٰمٌ وَّوُنَّ (س الواقعہ) بلکہ یہ سارا صحیفہ قدرت کے مضبوط صندوق میں محفوظ رہی کیا مطلب کہ یہ قرآن کریم ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے۔ اسکا وجود کا غرض تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے جس کو صحیفہ فطرت کہتے ہیں۔ یعنی قرآن کی ساری تعلیم کی شہادت قانن قدرت کے ذرۂ ذرۂ کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔ اسکی تعلیم اور اسکی برکات کتنا کہانی نہیں جو مٹ جائیں۔

ہر ایک آدمی جو کہ عقل سے خارج یقین پر نہیں پہنچ سکتا۔ اسلئے الہام کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو تاریکی میں عقل کے لئے ایک روشن چراغ ہو کر موعودیتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فلاسفہ بھی محض عقل پر بھروسہ کر کے حقیقی خدا کو نہ پاسکے۔ چنانچہ افلاطون مسیحا فلاسفہ بھی مرتے وقت کہنے لگا کہ میں خدا تھا ہوں۔ ایک بُت پر میرے لئے ایک مُرغافج کرو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی۔ افلاطون کی فلاسفی اُسکی وائائی اور ائٹنڈی اسکو وہ سچی سکینٹ اور اطمینان نہیں دے سکے جو مومنوں کو حاصل ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ الہام کی ضرورت قلبی اطمینان اور دلی استقامت کے لئے اشد ضروری ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے عقل سے کام لو۔ اور یہ یاد رکھو کہ جو عقل سے کام لیگا۔ اسلام کا خدا اُسے ضرور ہی نظر آجائیگا۔ کیونکہ درختوں کے پتے پتے پر اور آسمان کے اجرام پر اُس کا نام بڑے جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ لیکن بالکل عقل ہی کے تابع نہ بن جاؤ۔ تاکہ الہام الہی کی وقت کو کھو بیٹھو جس کے بغیر حقیقی تسلی اور نہ اخلاق فاضلہ نصیب ہو سکتے ہیں۔ جہو لوگ

بھی شانتی اور سچا نورِ نجات کا حاصل نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ وہ الہام کی ضرورت کے قائل نہیں ایسی
 لوگ جو عقل کے بندے ہو کر الہام کو فضول قرار دیتے ہیں۔ میں بالکل ٹھیک کہتا ہوں کہ عقل سے
 بھی کام نہیں لینے۔ قرآن کریم میں ان لوگوں کو جو عقل سے کام لیتے ہیں اولوالالباب فرمایا ہے۔ پھر
 اسکے آگے فرمایا ہے اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ رَسْلٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسرا پہلو بیان کیا ہے۔ کہ اولوالالباب اور عقل سلیم بھی وہی رکھتے ہیں۔ جو
 اللہ جل شانہ کا ذکر اٹھتے بیٹھتے کرتے ہیں۔ یہ گمان نہ کرنا چاہئے۔ کہ عقل و دانش ایسی چیزیں ہیں۔ جو
 یہ بھی حاصل ہو سکتی ہیں نہیں بلکہ سچی فراست اور سچی دانش اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے بغیر حاصل
 ہی نہیں ہو سکتی۔ اسی واسطے تو کہا گیا ہے۔ کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ نور الہی سے دیکھتا
 ہے۔ صحیح فراست اور حقیقی دانش جیسا میں نے ابھی کہا۔ کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ جب تک تقویٰ میسر
 نہ ہو۔ اگر تم کامیاب ہو نا چاہتے ہو۔ تو عقل سے کام لو۔ فکر کرو۔ سوچو۔ تدبر اور فکر کے لئے قرآن کریم میں
 بار بار تاکیدیں موجود ہیں۔ کتاب مکنون اور قرآن کریم میں فکر کرو۔ اور پارسا طبع ہو جاؤ۔ جب تمہارا دل
 پاک ہو جائیگے۔ اور اُدھر عقل سلیم سے کام لو گے۔ اور تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ پھر ان دونوں کے
 جوڑ سے وہ حالت پیدا ہو جائیگی۔ کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا اَبَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
 رسلِ عِزّان، تمہارے دل سے نکلے گا۔ اُسوقت سمجھ میں آ جائیگا۔ کہ یہ مخلوق عبث نہیں۔ بلکہ صانعِ حقیقی
 کی حقانیت اور اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ تاکہ طرح طرح کے علوم و فنون جو دین کو مدد دیتے ہیں ظاہر ہوں۔
 خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو صرف عقل ہی کے عطیہ سے مشرف نہیں فرمایا۔ بلکہ الہام کی روشنی اور نور بھی
 اسکے ساتھ مرحمت فرمایا ہے۔ اُن کو ان راہوں پر نہیں چلنا چاہئے جن پر خشک منطقی اور مفاسد سفر چلنا چاہتا
 ہیں ایسے لوگوں پر لسانی قوت غالب ہوتی ہے۔ اور روحانی قوت بہت ضعیف ہوتے ہیں۔ دیکھو
 قرآن شریف میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی تعلیم میں اُولٰٓئِذِیْ وَاَلْبَصَارِ ذُنُوبِهِمْ کہیں
 اولی الالباب نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ خدا تعالیٰ کو وہی لوگ پسند ہیں۔ جو بصیر اور بصیرت سے
 خدا کے کام اور کلام کو دیکھتے ہیں اور پھر اُس پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ ساری باتیں بجز ترکیف نفس اور تطہیر
 قوائے باطنیہ کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں فلاح و اربین حاصل ہو اور لوگوں کے
 دلوں پر فتح پاؤ۔ تو پاکیزگی اختیار کرو۔ عقل سے کام لو۔ اور کلامِ الہی کی ہدایات پر چلو۔ خود اپنے تئیں
 سفاک و اور دوسروں کو اپنے اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ دکھاؤ۔ تب البتہ کامیاب ہو جاؤ گے۔ کسی نے
 کیا اچھا کہا ہے۔ سخنِ کز دلِ پروں آید نشیند لاجرم ہر دل۔ پس پہلے دل پیدا کرو۔ اگر دلوں پر اثر اندازی

چاہتے ہو۔ تو عملی طاقت پیدا کرو۔ کیونکہ عمل کے بغیر قوی طاقت اور انسانی قوت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی
 زبان سے قیل و قال کرنے والے تو لاکھوں ہیں۔ بہت سے مولوی اور علماء کہلا کر منبروں پر چڑھ کر اپنے
 تئیں نائب الرسول اور وارث الانبیاء قرار دیکر وعظ کرتے پھرتے ہیں کہتے ہیں کہ تکبر غرور بدکاریوں سے
 بچو۔ مگر جو ان کے اپنے اعمال ہیں اور جو کرتوتیں وہ خود کرتے ہیں انکا اندازہ اس سے کر لو۔ کہ ان باتوں کا
 اثر تمہارے دل پر کہاں تک ہوتا ہے۔ اگر اس قسم کے لوگ عملی طاقت بھی رکھتے۔ اور کہنے سے پہلے خود کرتے
 تو قرآن شریف میں لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (سلسلہ) کہنے کی کیا ضرورت پڑتی۔ یہ آیت
 ہی بتلاتی ہے کہ دنیا میں کہہ کر خود نہ کر نیوالے بھی موجود تھے۔ اور ہیں اور ہونگے۔ تم میری بات سن رکھو
 اور خوب یاد کر لو کہ اگر انسان کی گفتگو سچے دل سے نہ ہو اور عملی طاقت اُس میں نہ ہو۔ تو وہ اثر پذیر نہیں
 ہوتی۔ اسی سے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صداقت ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کامیابی اور
 تاثیر فی القلوب آپ کے حصہ میں آئی۔ اُسکی کوئی نظیر بنی آدم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور یہ سب اسلئے ہوا۔
 کہ آپ کے قول اور فعل میں پوری مطابقت تھی۔ میری یہ باتیں اسلئے ہیں کہ تا تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے
 ہو اور اس تعلق کی وجہ سے میرے اعضا رہ گئے ہو۔ ان باتوں پر عمل کرو۔ اور عقل اور کلام الہی ہی کام
 لو۔ تاکہ سچی معرفت اور یقین کی روشنی تمہارے اندر پیدا ہو۔ اور تم دوسرے لوگوں کو ظلمت سے نور کی
 طرف لانے کا وسیلہ بنو۔ اسلئے کہ آج کل اعتراضوں کی بنیاد طبعی اور طبابت اور طبیعت کے مسائل کی بنا پر
 ہے۔ اسلئے لازم ہوا کہ ان علوم کی ماہیت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کریں تاکہ جواب دینے سے پہلے
 اعتراض کی حقیقت تو ہم پر کھل جائے میں ان مولویوں کو غلطی پر جانتا ہوں۔ جو علوم جدیدہ کی تعلیم کے
 مخالفت ہیں۔ وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات
 سمائی ہوئی ہے۔ کہ علوم جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بظن اور کمرہ کر رہی ہے۔ اور وہ یہ قرار دے
 بیٹھے ہیں۔ کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ چونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر
 کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اسلئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے یہ بات تراشتے ہیں۔ کہ علوم
 جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں الٰہی روح فلسفہ سے کاٹتی ہے۔ اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہو
 مگر وہ سچا فلسفہ ان کو نہیں ملا۔ جو الہام الہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جو قرآن کریم میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے
 وہ ان کو اور صرف انہیں کو دیا جاتا ہے۔ جو نہایت تذلل اور نستی سے اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے دروازے
 پر پھینک دیتے ہیں۔ جنکے مل اور دماغ سے متکبرانہ خیالات کا تھن نکلتا ہے اور جو اپنی کمزوریوں کا
 اعتراف کرتے ہوئے گڑگڑا کر بھی عبودیت کا اقرار کرتے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ آج کل دین کی خدمت اور

اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے علوم جدیدہ حاصل کرو۔ اور بڑے جدوجہد سے حاصل کرو لیکن مجھے یہ بھی تجربہ ہے کہ جو بطور امتیاز میں بیان کو دنیا چاہتا ہوں۔ کہ جو لوگ ان علوم ہی میں ایک طرف پڑ گئے۔ اور ایسے محاذ منہمک ہو گئے کہ کسی اہل دل اور اہل فکر کے پاس بیٹھنے کا اُن کو موقع نہ ملا۔ اور وہ خود اپنے اندر راہی نور نہ رکھتے تھے۔ وہ عملاً گھٹو کر کھا گئے اور اسلام سے دُور جا پڑے۔ اور بجائے اسکے کہ اُن علوم کو سلام کے تابع کرتے۔ اُلٹا اسلام کو علوم کے ماتحت کرنے کی بے سود کوشش کر کے اپنے زعم میں دینی اور قومی حضرات کے متکفل بن گئے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ کام وہی کر سکتا ہے۔ یعنی دینی خدمت وہی بجالا سکتا ہے جو آسمانی روشنی اپنے اندر رکھتا ہو۔ بات یہ ہے کہ ان علوم کی تعلیمیں پادریٹ اور طریقت کے رنگ میں دی جاتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان تعلیمات کا دلدادہ چند روز تو حسن ظن کی وجہ سے جو اس کو فطرتاً حاصل ہوتا ہے۔ رسوم اسلام کا پابند رہتا ہے۔ لیکن جوں جوں اُدھر قدم بڑھانا چلا جاتا ہے اسلام کو دُور چھوڑتا جاتا ہے۔ اور آخر ان رسوم کی پابندی سے بالکل ہی رہ جاتا ہے۔ اور حقیقت کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور ہوا ہے یک طرفہ علوم کی تحقیقات اور تعلیم میں منہمک ہونیکا۔ بہت سے لوگ قومی لیڈر کہلا کر بھی اس رمز کو نہیں سمجھ سکے۔ کہ علوم جدیدہ کی تحصیل جب یہی مفید ہو سکتی ہے۔ جب محض دینی خدمت کی نیت سے ہو۔ اور کسی اہل دل آسمانی عقل اپنے اندر رکھنے والے مرد خدا کی صحبت سے فائدہ اٹھایا جاوے۔ میرا ایمان یہی کہتا ہے کہ اس دہریت نامی آخریت کے پھیلنے کی یہی وجہ ہے۔ کہ جو شیطان حیلے الحاد کے زہر سے بھرے ہوئے علوم طبعی۔ فلسفی یا ہیئت دالوں کی طرف سے اسلام پر ہوتے ہیں اُنکا مقابلہ کرنے کے لئے یا اُن کا جواب دینے کے لئے اسلام اور آسمانی نور کو عاجز سمجھ کر عقلی دھوکوں اور فرضی اور قیاسی دلائل کو کام میں لایا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے عجیب قرآن کریم کے مطالب اور مقاصد سے کہیں دُور جا پڑتے ہیں۔ اور الحاد کا ایک ٹھپا ہوا پردہ اپنے دلچسپ ڈال لیتے ہیں۔ جو ایک وقت اگر اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل نہ کرے تو صریحت کا جام پہن لیتا ہے۔ اور وہی رنگ ل کو دیتا ہے جس سے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں پر ایک اور بڑی آفت جو اگر پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کو دینی علوم سے مطلق مَس نہیں ہوتا۔ پھر جب وہ کسی ہیئت دان یا فلسفہ دان کے اغراض پڑھتے ہیں تو اسلام کی نہایت شکوک اور سوس اُن کو پیدا ہو جاتے ہیں تب وہ عیسائی یا دہریہ بن جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُن کے والدین بھی اُن پر بڑا ظلم کرتے ہیں کہ دینی علوم کی تحصیل کے لئے فرسا وقت بھی اُن کو نہیں دیتے۔ اور ابندا ہی سے ایسے دھندلے اور بکجیڑوں میں ڈال دیتے ہیں۔ جو انہیں پاک دین سے محروم کر دیتے ہیں۔ یہ بات بھی غور کرنے کے

قابل ہے۔ کہ دینی علوم کی تحصیل کے لئے طفولیت کا زمانہ بہت ہی مناسب اور موزوں ہے۔ جب ٹواڑ ہی نقل آئی تب ضربِ یَضْرِبْ یاد کرنے بیٹھے تو کیا خاک ہوگا۔ طفولیت کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے۔ انسانی عمر کے کسی دوسرے حصہ میں ایسا حافظہ کبھی بھی نہیں ہوتا مجھے خوب یاد ہے۔ کہ طفولیت کی بعض باتیں تو اب تک یاد ہیں لیکن پندرہ برس پہلے کی اکثر باتیں یاد نہیں اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ پہلی عمر میں علم کے نقوش ایسے طور پر اپنی جگہ کر لیتے ہیں۔ اور قوائے نشوونما کی عمر ہونے کے باعث ایسی دلچسپ ہو جاتیں کہ پھر صِغَل نہیں ہو سکتے۔ غرض یہ ایک طویل امر ہے۔ مختصر یہ کہ تعلیمی طریق میں اس امر کا لحاظ اور خاص توجہ چاہیے کہ دینی تعلیم ابتدا سے ہی ہو۔ اور میری ابتداء سے یہی خواہش رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسکو پورا کرے۔ دیکھو تمہاری ہمسایہ قوموں یعنی آریوں نے کس قدر حیثیت تعلیم کے لئے بنائی۔ کئی لاکھ سے زیادہ پیسہ خرچ کر لیا۔ کلج کی عالی شان عمارت اور سامان بھی پیدا کیا۔ اگر مسلمان پورے طور پر اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کریں گے۔ تو میری بات سُن رکھیں کہ ایک وقت اُن کے ماتھے سے بچے بھی جاتے رہیں گے۔ خُش مشہور ہے کہ تھمنا شیر صحبت را اثر۔ اس کے اول جزو حصہ پر کلام ہو تو ہو۔ لیکن دوسرا حصہ صحبت را اثر ایسا ثابت شدہ مسئلہ ہے۔ کہ اُس پر زیادہ بحث کرنے کی ہمو ضرورت نہیں۔ ہر ایک شریف قوم کے بچوں کا عیسائیوں کے پھندے میں پھنس جانا اور مسلمانوں جتنے کہ غوثِ قطب کہلانے والوں کی اولاد اور سادات کے فرزندوں کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنا دیکھ چکے ہو۔ اُن صحیح النسب سیدوں کی اولاد جو اپنا سلسلہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر پہنچاتے ہیں۔ یعنی کرچن (عیسائی) دیکھی ہے۔ اور بانیِ اسلام کی نسبت قسم قسم کے الزام (نقوایں) لگاتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی اگر کوئی مسلمان اپنے دین اور اپنے نبی کے لئے غیرت نہیں رکھتا تو اُسے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ اگر تم اپنے بچوں کو عیسائیوں۔ آریوں اور دوسروں کی صحبت سے نہیں بچاتے۔ یا کم از کم نہیں بچانا چاہتے۔ تو یاد رکھو۔ کہ نہ صرف اپنے اوپر بلکہ قوم پر اور اسلام پر ظلم کرتے ہو۔ اور بڑا بھاری ظلم کرتے ہو۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا تمہیں اسلام کے لئے کچھ غیرت نہیں۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت تمہارے دل میں نہیں۔ ذرا سمجھو اور سوچو۔ خدا کے واسطے عقل سے کام لو۔ اور اسلئے کہ عقل میں جود اور ذمہ دانت پیدا ہو۔ راستباز اور شقی ہو۔ پاک عقل آسمان سے آتی ہے۔ اور اپنے ہمراہ ایک نور لاتی ہے۔ لیکن وہ جو ہر قابل کی تلاش میں رہتی ہے۔ اس پاک سلسلہ کا قانون وہی قانون ہے۔ جو ہر جسمانی قانون میں دیکھتے ہیں۔ بارش آسمان سے پڑتی ہے۔ لیکن کوئی جگہ اُس بارش سے گھڑا ہوتی ہے۔ اور کہیں گھٹے اور جھاڑیاں ہی اُگتی ہیں۔ اور کہیں وہی نظرہ بارش کا سمندر کی تہ میں

بہید اسراف ہوتے ہیں۔ اور فرض لیکر بھی دل کھو لکر فضول خرچیاں کی جاتی ہیں۔ مگر خرچ کرنے کے لئے نہیں تو اسلام کے لئے نہیں۔ افسوس۔ افسوس۔ اس سے بڑھ کر اور مسلمانوں کی حالت قابل رحم کیا ہوگی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ اعمالی کا نتیجہ بد اعمالی ہوتا ہے۔ اسلام کے لئے خدا تعالیٰ کا قانون ہوتا ہے۔ کہ ایک نیکی سے دوسری نیکی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یاد آیا۔ تذکرۃ الاولیاء میں میں نے پڑھا تھا۔ کہ ایک متش پرست بڑھا نوئے برس کی عمر کا تھا۔ اتفاقاً بارش کی چھری جو لگ گئی۔ تو وہ اس چھری میں کوٹھے پر چڑھوں کے لئے دانے ڈال رہا تھا کسی بزرگ نے پاس سے کہا۔ کہ ارے بڑھے تو کیا کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بھائی چھ رسات روز تیرا بارش ہوتی ہی ہے۔ چڑھوں کو دانہ ڈالتا ہوں اسے کہا کہ تو بحث حرکت کرتا ہے۔ تو کا فر ہے۔ تجھے اجر کہاں ہوڑھے نے جواب دیا۔ مجھے اسکا اجر ضرور ملے گا۔ بزرگ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں حج کو گیا تو فوراً سے کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بوڑھا طواف کر رہا ہے۔ اسکو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ اور جب میں آگے بڑھا تو پہلے ہی بولا۔ کیا میرا دانے ڈالنا صنائع گیا؟ یا ان کا عرض ملا؟۔ اب خیال کرنا چاہیو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کافر کی نیکی کا اجر بھی صنائع نہیں کیا۔ تو کیا مسلمان کی نیکی کا اجر صنائع کر دیگا؟ مجھے ایک صحابی کا ذکر یاد آیا۔ کہ اسے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے کفر کے زمانہ میں بہت سی صدقات کئے ہیں کیا ان کا اجر مجھے ملے گا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہی صدقات تو تیرے اسلام کا موجب ہو گئے ہیں نیکی ایک چیز ہے۔ اسلام اور خدا کی طرف پڑھنے کا۔ لیکن یاد رکھو کہ نیکی کیا چیز ہے۔ شیطان ہر ایک راہ میں لوگوں کی راہ زنی کرتا۔ اور ان کو راہ حق سے بہکا تا ہے۔ مثلاً رات کو روٹی زیادہ کھ گئی۔ اور صبح کو باسی کھا رہی۔ عین کھانے کے وقت کہ اس کے سامنے اچھے اچھے کھانے رکھے ہیں۔ ابھی لقمہ نہیں اٹھایا کہ دعا پڑھا کر فقیر نے صدائی۔ اور روٹی مانگی۔ کہا کہ باسی سائل کو دیدو۔ کیا یہ نیکی ہوگی؟ باسی روٹی تو پڑی ہی رہنی تھی۔ تنعم پسند سے کیوں کھانے لگے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَیُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حَبِہٖمْ وَنَسِکَیْنًا وَیَتَمِیْمًا (رس الدھر) یہ بھی معلوم ہے کہ طعام کہتے ہی پسندیدہ طعام کو ہیں۔ سڑا ہوا باسی طعام نہیں کھلاتا۔ الغرض اگر اس رکابی میں سے جس میں ابھی تازہ کھانا اور لذیذ اور پسندیدہ رکھا ہوا ہے۔ کھانا شروع نہیں کیا۔ فقیر کی صدا پر نکال کر دے۔ تو یہ تو نیکی ہے۔ بیچارہ روٹنی چیزوں کے چنے سے کوئی آدمی نیکی کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ نیکی کا دروازہ تنگ ہی پس یہ امر ذہن نشین کرلو کہ نیکی چیزوں کے چنے کرنے سے کوئی اُس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نص صریح ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (س ۴) جب تک عزیز سے عزیز اور پیاری سے پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے اس وقت تک محبوب اور عزیز ہونے کا درجہ نہیں مل سکتا۔ اگر تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے۔ اور حقیقی نیکی کو اختیار

کرنا نہیں چاہتے۔ تو کیونکر کامیاب اور بامراد ہو سکتے ہو۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس وجہ تک پہنچ گئے جو ان کو حاصل ہوا۔ دنیاوی خطابیوں کے حاصل کرنے کے لئے کثرتِ اخراجات اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں تو پھر کہیں جا کر ایک معمولی خطاب جس سے دلی اطمینان اور سکینت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ملتا ہے پھر خیال کرو کہ رضی اللہ عنہم کا خطاب جو دل کو تسلی اور قلب کو اطمینان اور مولے کریم کی ضمانت کا نشان ہے کیا پوہنی آسانی سے مل گیا؟ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی جو حقیقی خوشی کا موجب ہو حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک عارضی تکلیفیں برداشت نہ کیجاویں۔ خدا ٹھکا نہیں جاسکتا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو رضائے الہی کے حصول کے لئے تکلیف کی پرواہ نہ کریں۔ کیونکہ ابدی خوشی اور دائمی آرام کی روشنی اس عارضی تکلیف کے بعد مومن کو ملتی ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ جب تک ہر بات پر اللہ تعالیٰ مقدم نہ ہو جاوے اور دل پر نظر ڈال کر وہ نہ دیکھ سکے۔ کہ یہ میرا ہی ہے۔ اس وقت تک کوئی آدمی سچا مومن نہیں کہلا سکتا۔ ایسا آدمی تو آل و عرف عام کے طور پر مومن یا مسلمان ہے جیسے چوہرے کو بھی مصیبت یا مومن کہہ دیتے ہیں۔ مسلمان وہی ہے جو اسلحہ و جہتہ للہ کا مصداق ہو گیا ہو۔ وجہ مؤخرہ کو کہتے ہیں۔ مگر اسکا اطلاق ذات اور وجود پر بھی ہوتا ہے پس جس نے ساری طاقتیں اللہ کے حضور رکھ دی ہوں وہی سچا مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ مجھے یاد آیا کہ ایک مسلمان نے کسی یہودی کو دعوتِ اسلام کی کہ تو مسلمان ہو جا۔ مسلمان خود فسق و فجور میں مبتلا تھا۔ یہودی نے اس فاسق مسلمان کو کہا۔ کہ تو پہلے اپنے آپ کو دیکھ۔ اور تو اس بات پر مغرور نہ ہو۔ کہ تو مسلمان کہلاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسلام کا مفہوم چاہتا ہے نہ نام اور لفظ۔ یہودی نے اپنا قصہ بیان کیا۔ کہ میں نے اپنے لڑکے کا نام خالد رکھا تھا۔ مگر دوسرے دن مجھے اُسے قبر میں گاڑنا پڑا۔ اگر صرف نام ہی میں برکت ہوتی تو وہ کیوں مڑا۔ اگر کوئی مسلمان سے پوچھتا ہے۔ کہ کہا تو مسلمان ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے۔ الحمد للہ پس یاد رکھو کہ صرف لفظی اور لسانی کام نہیں کی جاسکتی۔ جب تک کہ عمل نہ ہو۔ محض باتیں عند اللہ کچھ بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصَّفح)۔

اب میں پھر اپنے پہلے مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یعنی صابروا۔ دایطوا۔ جس طرح دشمن کے مقابلہ پر سرحد پر گھوڑا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ دشمن حد سے نہ ٹکٹے پاوے۔ اسی طرح ہم بھی تیار رہو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ دشمن سرحد سے گزر کر اسلام کو صدمہ پہنچائے۔ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ کہ اگر تم اسلام کی حمایت اور خدمت کرنا چاہتے ہو۔ تو پہلے خود تقویٰ اور طہارت اختیار کرو۔ جس سے خود تم خدا تعالیٰ

کی پناہ کے حصن حصین میں آسکو۔ اور پھر نکلوا اس خدمت کا شرف اور استحقاق حاصل ہو۔ تم دیکھتے ہو۔ کہ مسلمانوں کی بیرونی طاقت کیسی کمزور ہو گئی ہے۔ تو میں اُن کو لغزت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ ساگر تمہاری اندرونی اور قلبی طاقت بھی کمزور اور پسٹ ہو گئی۔ تو میں پھر زوفا زخم ہی سمجھو۔ تم اپنے لفظوں کو ایسی پاک کرو۔ کہ قدسی قوت اُن میں سرایت کرے۔ اور وہ سرحد کے گھوڑوں کی طرح مضبوط اور محاذ فظ ہو جائیں۔ اللہ کا فضل ہمیشہ مقبول اور استبازوں ہی کے شامل حال ہوا کرتا ہے۔ اپنے اخلاق اور اطوار ایسے نہ بناؤ جس سے اسلام کو داغ لگ جائے۔ بدکاروں اور اسلام کی تعلیم پر عمل نہ کرنے والے مسلمانوں سے اسلام کو داغ لگتا ہے۔ کوئی مسلمان شراب پی لیتا ہے۔ تو کہیں نے گرتا پھرتا ہے۔ پگڑی گلے میں ہوتی ہے۔ موریوں اور گندی ٹالیوں میں گرتا پھرتا ہے۔ پولیس کے جوتے پڑتے ہیں۔ ہندو اور عیسائی اُسپر ہنستے ہیں۔ اب اُس کا ایسا غلط شیخ فعل اُسکی ہی تضحیک کا موجب نہیں ہوتا۔ بلکہ درپردہ اُس کا اثر نفس اسلام تک پہنچتا ہے۔ مجھے ایسی خبریں یا جیل خانوں کی رپورٹیں پڑھ کر سخت رنج ہوتا ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں۔ کہ استقدر مسلمان بد عملیوں کی وجہ سے موردِ عقاب ہوئے۔ دل بیقرار ہو جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ جو صراطِ مستقیم کھتے ہیں۔ اپنی بداعتدالیوں سے اپنے آپ کو ہی نقصان نہیں پہنچاتے۔ بلکہ اسلام پر ہنسی کراتے ہیں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ کسی گذشتہ مردم شماری کے وقت سٹریٹس صاحب نے اپنی رپورٹ میں بہت کچھ لکھا تھا۔ میری عرض اس سے یہ ہے کہ مسلمان لوگ مسلمان کہلا کر ان ممنوعات اور منہیات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جو نہ صرف اُن کو بلکہ اسلام کو مشکوک کر دیتے ہیں۔ پس اپنے چال چلن اور اطوار ایسے بنا لو کہ کفار کو بھی تم پر جو ردِ عمل اسلام پر ہوتی ہے۔ (نکتہ چینی) کا مزید موقع نہ ملے۔

تمہارا اصل شکر تقویٰ اور طہارت ہی ہے۔ مسلمان بچھنے پر لائحہ عمل دینا سچا سپاس اور شکر نہیں ہے۔ اگر تم نے حقیقی سپاس گزاری یعنی طہارت اور تقویٰ کی راہیں اختیار کر لیں تو میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم سرحد پر کھڑے ہو۔ کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ مجھے یاد ہے۔ کہ ایک ہندو سررشتہ دار نے جس کا نام جگن ناتھ تھا اور جو ایک متعصب ہندو تھا۔ بتلایا کہ امرتسر یا کسی جگہ میں وہ سررشتہ دار تھا۔ جہاں ایک ہندو ماہاکا اور پردہ نما پڑھا کرتا تھا۔ مگر ظاہر ہندو تھا۔ میں اور دیگر سارے ہندو اسے بہت بُرا جانتے تھے۔ اور ہم سب اہلکاروں نے ملکر ارادہ کر لیا۔ کہ اُسکو موتوف کر لیں۔ اور اسے زیادہ شرارت میرے دل میں تھی۔ میں نے کئی بار شکایت کی کہ اُسے یہ غلطی کی ہے۔ اور یہ خلافِ وزری کی ہے۔ مگر اُس پر کوئی انتفات نہ ہوتی تھی۔ لیکن ہم نے ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اُسے ضرور موتوف کر دینگے۔ اور اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہونے کے لئے بہت سی نکتہ چینیاں بھی جمع کر لی تھیں۔ اور میں وقتاً فوقتاً اُن نکتہ چینیوں کو دیکھتا تھا۔

کے دو برو پیش کر دیا کرتا تھا صاحب اگر بہت ہی غصہ ہو کر اسکو بلا بھی لیتا تھا لیکن جو بہنی وہ سامنے آ جاتا
گو یا آگ پر پانی پڑ جاتا۔ معمولی طور پر نہایت نرمی سے اُسے فہمائش کر دیتا۔ گویا اُس سے کوئی قصور سرور ہی
نہیں ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ فقوے کا رعب دماروں پر بھی پڑتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ متقیوں کو صائل نہیں
کرتا۔ میں نے ایک کتاب میں پڑ ہے۔ کہ حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اکابر میں
ہوئے ہیں۔ اُن کا نفس بڑا مطمئن تھا۔ ایک بار اُنہوں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میرا دل دنیا سے بہت برداشتہ ہے
میں چاہتا ہوں کہ کوئی پیشوا تلاش کروں جو مجھے سکینت اور اطمینان کی راہیں دکھلائے۔ والدہ نے جب دیکھا
کہ یہ اب ہمارے کام کا نہیں رہا۔ تو اُن کی بات کو مان لیا۔ اور کہا کہ اچھا میں تجھے نصیحت کرتی ہوں۔ یہہ
کہ کھرا اندکھی اور انٹی مہر جو اُسے جمع کی ہوئی تھیں اُنکھلائی۔ اور کہا کہ ان مہروں میں سے حصہ شرعی کمیو افق
چالیش مہر میں تیری ہیں۔ اور چالیس تیرے بڑے بھائی کی۔ اسلئے چالیش مہر میں تجھے حصہ رسدی دیتی ہوں۔
یہ کہہ کر وہ چالیش مہر اُن کی بخل کے نیچے پیرھن میں سی دیں۔ اور کہا کہ امان کی جگہ پہنچ کر نکال لینا۔ اور
عذر العزوف اپنے صرف میں لانا۔ سید عبدالقادر صاحب رحمہ نے اپنی والدہ سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت
فراویں اُنہیں سچا کہ بٹیا جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ اس سے بڑی برکت ہو گی۔ اُناسنکلا آپ نصیحت ہو۔ اتفاق
ایسا ہوا کہ جس جنگل میں سے ہو کر آپ گذرے۔ اُس میں چند راہزن قزاق رہتے تھے۔ جو مسافر کو لوٹ لیا کرتے
تھے۔ دُور سے سید عبدالقادر صاحبؒ پر بھی اُن کی نظر پڑی۔ تڑپ آئے۔ تو انہوں نے ایک کبیل پوش فقیر
سا دیکھا۔ ایک نے ہنسی سے دریافت کیا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ آپ ابھی اپنی والدہ سے تازہ نصیحت
سن کر آئے تھے کہ جھوٹ نہ بولنا۔ فی الفور جواب دیا کہ ہاں۔ چالیس مہر میں میری بخل کے نیچے ہیں جو میری
والدہ صاحبہ نے کیسے کی طرح سی دی ہیں۔ اُس قزاق نے بھجا کہ یہ ٹھٹھا کرتا ہے۔ دوسرے قزاق نے جب
پوچھا تو اسکو بھی ہی جواب دیا۔ الغرض ہر ایک چور کو یہی جواب دیا۔ وہ اُن کو اپنے امیر قزاق کے پاس لے گئے۔
کہ بار بار یہی کہتا ہے۔ امیر نے جواب دیا کہ اچھا اسکا کپڑا دیکھو تو وہی۔ جب تلاشی لی گئی۔ تو واقعی چالیش مہر
برآمد ہوئیں وہ حیران ہوئے۔ کہ یہ عجیب آدمی ہے۔ اور مئے ایسا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ امیر نے آپ سے
دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تو نے اس طرح ہر اپنے مال کا پتہ بتا دیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں خدا کے دین کی تلاش
میں جاتا ہوں۔ روانگی پر والدہ صاحبہ نے نصیحت فراٹی تھی۔ کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ یہ پہلا امتحان تھا۔ میں
جھوٹ کیوں بولتا۔ یہ سن کر امیر قزاق رو پڑا۔ اور کہا کہ آہ۔ میں نے ایک بار بھی خدا تعالیٰ کا حکم نہ مانا
چوروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس کلمہ اور اس شخص کی استقامت نے میرا تو کام تمام کر دیا ہے۔ میں اب
تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اور توبہ کرنا میں اس کے کہنے کے ساتھ ہی باقی چوروں نے بھی توبہ کر لی ہیں

”پھر عدل قطب بنایا“ کی روایت کو اسی واقعہ کے متعلق سمجھنا ہوں۔ الغرض حضرت سید عبد القادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ پہلے بیعت کرنے والے چور ہی تھے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا**۔ (پارہ ۴) صبر ایک نقطہ کی طرح پیدا ہوتا ہے اور پھر دائرہ کی شکل اختیار کر کے سب پر محیط ہو جاتا ہے۔ آخر یہ معاشوں پر بھی اُس کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے فردی ہے کہ انسان تقویٰ کو ہاتھ سے نہ دے۔ اور تقویٰ کی راہوں پر مضبوطی سے قدم رکھے۔ کیونکہ متقی کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اور اُس کا عیب مخالفوں کے دل میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کے بہت سے اہراء ہیں۔ عجب۔ خود پسندی۔ نال حرام سے پرہیز۔ اور بد اخلاقی سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔ جو شخص اچھے اخلاق ظاہر کرتا ہے۔ اُس کے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ** (پارہ ۱۸) اب خیال کرو۔ کہ یہ ہدایت کیا تعلیم دیتی ہے؟ اس ہدایت میں اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے۔ کہ اگر مخالف گالی بھی دے۔ تو اُس کا جواب گالی سے نہ دیا جائے۔ بلکہ اُس پر صبر کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مخالف تمہاری نفسیت کا قائل ہو کر خود ہی نادم اور شرمندہ ہوگا۔ اور یہ سزا اُس سزا سے بہت بڑھ کر ہوگی۔ جو انتقامی طور پر تم اُس کو دے سکتے ہو۔ یوں تو ایک در اس آدمی اقدام قتل تک زور نہ پہنچا سکتا ہے۔ لیکن انسانیت کا تقاضا اور تقویٰ کا منشاء یہ نہیں ہے۔ خوش اخلاقی ایک ایسا جوہر ہے۔ کہ مودی سے مودی انسان پر بھی اُس کا اثر پڑتا ہے کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ کہ ع لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش۔ قاسم آدمی جو انبیاء کے مقابلہ پر تھے۔ خصوصاً وہ لوگ جو ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر تھے۔ ان کا ایمان لانا معجزات پر منحصر نہ تھا اور معجزات اور خوارق اُن کی تسلی کا باعث تھے۔ بلکہ وہ لوگ آنحضرت م کے اخلاق فاضلہ کو ہی دیکھ کر آپ کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے۔ اخلاقی معجزات وہ کام کر سکتے ہیں۔ جو اقتداری معجزات نہیں کر سکتے۔ **اَلَا نَسْتَقَامُتُ فَوْقَ الْكِرَامِ** کا یہی مفہوم ہے۔ اور تجربہ کر کے دیکھ لو کہ استقامت کیسے کرشمے دکھاتی ہے۔ کرامت کی طرف تو چنداں التفات ہی نہیں ہوتا۔ خصوصاً آنحضرت کے زمانہ میں لیکن اگر تہ لگ جائے۔ کہ فلاں شخص با اخلاق آدمی ہے تو اُس کی طرف جتنی درجہ ہوتا ہے وہ کوئی خفی امر نہیں اخلاق حمیدہ کی رو اُن لوگوں پر بھی چڑتی ہے۔ جو کئی قسم کے نشانات کو دیکھ کر بھی اطمینان اور تسلی نہیں پاسکتے۔ بات یہ ہی۔ کہ بعض آدمی ظاہری معجزات اور خوارق کو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں اور بعض حقائق اور معارف کو دیکھ کر۔ مگر اکثر لوگ وہ ہوتے ہیں۔ جنکی ہدایت اور تسلی کا موجب اخلاق فاضلہ اور التفات ہوتے ہیں۔ ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

ہر ایک قسم کے خوارق اور معجزات حاصل تھے۔ ہم آپؐ کی شان کیا بیان کریں۔ جس طرف دیکھو بیشمار معجزات ملینگے۔ ہر سہ اقسام بالاکہ معجزات کا آپؐ مجموعہ تھے۔ ظاہری خوارق مثل شق القمر وغیرہ دیگر معجزات جنکی تعداد تین ہزار سے بھی زائد ہے۔ معارف اور حقائق کے معجزات سے تو سارا قرآن شریف لبریز ہے جو ہر وقت تازہ اور نئے ہیں۔ اور لحاظ اعلیٰ معجزات کے خود آپؐ کا وجود مقدس اِنَّكَ لَعَلٰی خَلَقْتَ عِظْمَهُ (پارہ ۲۹) کا مصداق ہے۔ قرآن کریم اپنے اعجاز کے ثبوت میں اِنَّ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهٖ (پارہ اول) فرماتے ہیں۔ یہ معجزات روحانی ہیں۔ جس طرح وحدانیت کے دلائل دیئے ہیں۔ اسی طرح ہر اسکی حکمت۔ فصاحت۔ بلاغت کی مثل لانے پر بھی انسان قادر نہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا لَوِ اجْتَمَعَتِ الْجِنَّ وَالْانْسُ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ (پارہ ۱۵) غرض روحانی معجزات کے بارہ میں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ مسلمانوں کا زعم اور خیال باطل ہے۔ آجکل کے نیچری نہیں بلکہ وہ لوگ جو خلافت نیچر ہیں یہ نہیں مانتے کہ فصاحت و بلاغت قرآن شریف کا معجزہ ہے۔ سرسید احمد خاں صاحب نے بھی ٹھوکر کھائی ہے۔ جو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو معجزہ نہیں مانتے۔ اس بات سے ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے کہ سرسید احمد خاں صاحب نے قرآنی معجزات سے انکار کیا ہے اُن کا خیال ہو کہ ایک معمولی درجہ کا آدمی یا اعلیٰ درجہ کا آدمی بھی نظیر بنا سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اتنا نہیں جانتے کہ قرآن شریف لایزال و لا وہ شان رکھتا ہے کہ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِیْہَا کُتُبٌ قَیْمَةٌ (پارہ ۳۰) ایسی کتاب جس میں ساری کتابیں اور ساری صداقتیں موجود ہیں۔ کتاب سے مراد اور عام مفہوم وہ عمدہ باتیں ہیں جو بالطبع انسان قابل تقلید سمجھتا ہے۔ قرآن شریف مکتوں اور معارف کا جامع ہے۔ اور وہ رطب و یابس فضولیات کا کوئی ذخیرہ اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ہر ایک امر کی تفسیر وہ خود کرتا ہے۔ اور ہر ایک قسم کی ضرورتوں کا سامان اُسکے اندر موجود ہے۔ وہ ہر ایک پہلو سے نشان اور آیت ہے۔ اگر کوئی اس امر کا انکار کرے تو ہم ہر پہلو سے اُسکا اعجاز ثابت کرنے اور دکھلانے کو تیار ہیں۔ آجکل توحید اور ہستی الہی پر بہت زور اور جملے ہو رہے ہیں عیسائیوں بھی بہت کچھ دور مارا اور لکھا ہے۔ لیکن جو کچھ کہا اور لکھا وہ اسلام کے خدا کی بابت ہی لکھا ہے۔ نہ کہ ایک مڑوہ مصلوب اور عاجز خدا کی بابت۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر قلم اٹھائیگا۔ اُسکو آخر کار اسی خدا کی طرف آنا پڑیگا جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ کیونکہ صحیفہ فطرت کے ایک ایک پتے میں اُسکا پتہ ملتا ہے۔ اور بالطبع انسان اسی خدا کا نقش اپنے اندر رکھتا ہے۔ غرض ایسے آدمیوں کا قدم جب اٹھیکا

وہ اسلام ہی کے میدان کی طرٹ اٹھیکا۔ یہ بھی ایک عظیم الشان اعجاز ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم کے اس معجزہ کا انکار کرے۔ تو ایک سو پہلو سے ہم آزمائے تیں۔ یعنی اگر کوئی شخص قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام نہیں مانتا تو اس روشنی اور سائنس کے زمانہ میں ایسا مدعی خدا تعالیٰ کی مہستی پر دلائل کھے بالمقابل ہم وہ تمام دلائل قرآن کریم ہی سے نکال کر دکھا دیں گے۔ اور اگر وہ شخص توحید الہی کی نسبت دلائل طلب نہ کرے۔ تو وہ سب دلائل بھی ہم قرآن کریم ہی سے نکال کر دکھا دیں گے۔ پھر وہ ایسے دلائل کا دعویٰ کر کے لکھے۔ جو قرآن کریم میں نہیں پائے جاتے۔ یا ان صد اقتوں اور پاک تعلیموں پر دلائل لکھے جنکی نسبت اسکا خیال ہو۔ کہ وہ قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ تو ہم ایسے شخص کو واضح طور پر دکھا دیں گے۔ کہ قرآن شریف کا دعویٰ **فِيهَا كُنُزٌ قَبِيْهَةٌ** کیسا سچا اور صاف ہے۔ اور یا اصل اور فطرتی مذہب کی بابت دلائل لکھنا چاہے۔ تو ہم ہر پہلو سے قرآن کریم کا اعجاز ثابت کر کے دکھا دیں گے اور بتلا دیں گے۔ کہ تمام صد اقتیں اور پاک تعلیمیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

الغرض قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر ایک قسم کے معارف اور اسرار موجود ہیں لیکن انکے حاصل کرنے کے لئے میں پھر کہتا ہوں کہ اسی قوت قدسیہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **لَا يَسْتَفْهِمُهَا إِلَّا الْأُنْطَقُهُرُونَ** (پارہ ۲۷) ایسا ہی فصاحت و بلاغت میں اسکا مقابلہ ممکن ہے۔ مثلاً سورہ فاتحہ کی موجود ترتیب چھوڑ کر کوئی اور ترتیب استعمال کرو۔ تو وہ مطالب عالیہ مقاصد عظمیٰ جو اس ترتیب میں موجود ہیں۔ ممکن نہیں کہ کسی دوسری ترتیب میں بیان ہو سکیں۔ کوئی سی سورۃ لے لو۔ خواہ قل ہو اللہ احد ہی کیوں نہ ہو جس قدر نرمی اور ملاطفت کی رعایت کو ملحوظ رکھ کر اسی معارف اور حقائق ہیں۔ وہ کوئی دوسرا بیان نہ کر سکیگا۔ یہ بھی فقط قرآن کریم کا اعجاز ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ جب بعض نادان آدمی مقامات حیرری یا سچ حلقہ کو بے نظیر اور بی مثل کہہ دیتے ہیں۔ اور اس طرح قرآن کریم کی بے مانندیت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے۔ کہ اول تو حیرری کے مصنف نے کہیں لے سکے بے نظیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور دوم یہ کہ مصنف حیرری خود قرآن کریم کی اعجازی فصاحت کا قائل تھا۔ علاوہ ازیں معترضین راستی اور صداقت کو ذہن میں نہیں رکھتے۔ بلکہ ان کو چھوڑ کر محض الفاظ کی طرف جاتے ہیں۔ مسند رجہ باللائنیں حق اور حکمت سے خالی ہیں۔ اعجاز کی خوبی اور وجہ تو یہی ہے کہ ہر ایک قسم کی رعایت کو مد نظر رکھا جائے۔ فصاحت اور بلاغت کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا جاوے۔ اور ساتھ ہی صداقت اور حکمت کو بھی ترک نہ کیا جائے یہ معجزہ صرف قرآن شریف ہی کا ہے۔ جو آفتاب کی طرح روشن ہے۔ اور ہر پہلو سے اپنے اندر اعجازی

طاقت رکھتا ہے انجیل کی طرح محض دہائی ہی جمع چھ نہیں کہ ایک گال پر ٹماچا مائے تو دوسری بھی پھیر دو۔
یہ لحاظ و خیال نہیں کہ ایسی تعلیم حکیمانہ فعل سے کہا تک تعلق رکھتی ہے۔ پھر فطرت انسانی کا اس میں کیا تک
لحاظ ہے؟ اسکے مقابل قرآن کریم کی تعلیم پڑھنے سے پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ جنایات انسانی اس طرح ہر
پہلو پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور ایسی محفل اور بے نقص تعلیم جیسی کہ قرآن شریف کی ہے۔ زمینی دماغ اور
ذہن کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ ہمارے روبرو ایک ہزار سکیمیں آویں ہوں۔ اور ان میں سے ہم چند
ایک کو کچھ دیدیں اور باقی کا خیال تک بھی نہ کریں ایسا ہی انجیل ایک ہی پہلو پر پڑی ہے۔ باقی پہلوؤں کا
اُسے خیال تک بھی نہیں رہا۔ ہم یہ الزام انجیل پر نہیں دیتے۔ کیونکہ یہ یہودیوں کی شامت اعمال کا نتیجہ
ہے جیسی ان کی اعتقادیں تھیں انہیں کے موافق انجیل آئی ہے جیسی روح ویسے فرشتے۔ اس میں
کسی کا کیا قصور۔ علاوہ ان میں انجیل ایک مختص الزمان اور مختص القوم قانون ہے جیسا کہ انگریز بھی نقل القوم
اور مختص الوقت قانون نافذ کر دیا کرتے ہیں جبکہ بعد از وقت کوئی اثر نہیں رہتا۔ یہی حال انجیل کا ہے
مگر اسکے خلاف تعلیم قرآنی کا دامن بہت وسیع ہے۔ اور وہ قیامت تک ایک ہی لا تبدیل قانون ہے۔
جو ہر قوم اور ہر زمانہ کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ**
وَمَا نُنَزِّلُ لَهُ إِلَّا الْقِدْرَ الْمَعْلُومَ (پارہ ۱۴) یعنی ہم اپنے خزانوں میں سے بقدر معلوم نازل کرتے
ہیں۔ انجیل کی ضرورت صرف اسی قدر تھی۔ اور اسی لئے انجیل کا خلاصہ صرف ایک صفحہ میں آ سکتا ہے
لیکن قرآن کریم کی ضرورتیں اور اس کا مقصد سارے دہانے کی اصلاح اور حشریہ حالت سے انسان بنانا
پھر انسانی آداب سے مہذب انسان بنانا تھا۔ تاکہ شرعی حدود اور احکام کے ساتھ مرحلے طے
ہو۔ پھر با خدا انسان بنانا۔ گو مختصر الفاظ ہیں۔ مگر ان کے ہزار شعبے ہیں۔ چونکہ یہودیوں طبعیوں
آتش پرستوں و نیز دیگر اقوام میں بدروشی کی روح کام کر رہی تھی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہر علامہ الہی بسکو مخاطب کر کے فرمایا۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا** (پارہ ۹)
اس لئے ضروری تھا۔ کہ قرآن شریف ان تعلیمات کا جامع ہوتا۔ جو وقتاً فوقتاً جاری رہ چکی تھیں اور
ان تمام صد اقبل کو اپنے اندر رکھنا۔ جو آسمان سے مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعہ سے
زمین کے باشندوں کو پہنچانی گئی تھیں قرآن کریم کی مخاطب تمام نفع انسان تھی۔ نہ کوئی خاص
قوم اور ملک اور زمانہ۔ مگر انجیل کی مخاطب صرف ایک خاص قوم تھی۔ اسی لئے حضرت مسیح نے بار بار
فرمایا کہ میں اسرائیل کی گمشدہ بھیروں کی تلاش میں آیا ہوں۔ انجیل بعض لوگ کہتے ہیں
کہ قرآن شریف کیا لایا؟ اس میں یہی کچھ تو ہے۔ جو تورات میں درج ہے۔ اور اسی کو ناہ نظری نگاہ ہے

بعض عیسائیوں کو عدم ضرورت قرآن جیسے رسائل لکھنے پر لیرکھ دیا۔ کاش وہ سچی دانا ٹی
 اور حقیقی فراست سے حصہ رکھتے۔ تا وہ بھٹکنے جاتے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں۔ کہ تورات میں لکھا ہے کہ
 تو زمانہ کو ایسا ہی قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ زمانہ کر۔ قرآن شریف توحید سکھاتا ہے۔ اور
 تورات بھی خدا کے واحد کی پرستش سکھاتی ہے۔ پھر فرق کیا ہوا؟ بظاہر یہ سوال بڑا پیچیدہ
 ہے۔ اور اگر کسی ناواقف آدمی کے سامنے یہ اعتراض پیش کیا جائے۔ تو وہ گھبرا جائیگا۔ اصل بات
 یہ ہے۔ کہ اس قسم کے باریک اور پیچیدہ رسالات کا حل بھی اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے بغیر ممکن
 نہیں۔ یہی تو قرآنی معارف ہیں جو اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف
 اور تورات میں قطعات ضرور ہے جس سے ہمیں انکار نہیں۔ لیکن تورات نے صرف متن کو لیا ہے
 جس کے ساتھ دلائل۔ براہین اور شرح نہیں ہے۔ لیکن قرآن کریم نے معقولی رنگ کو لیا ہے
 اسلئے کہ تورات کے نزول کے وقت انسانوں کی استعدادیں وحشیانہ رنگ میں تھیں۔ مگر
 قرآن شریف کے نزول کے وقت استعدادیں معقولیت کا رنگ پکڑ گئی تھیں۔ اسلئے قرآن شریف
 نے وہ طریق اختیار کیا۔ جو اخلاق کے منافع کو ظاہر کرتا ہے۔ اور بتلاتا ہے۔ کہ اخلاق کے مفاد یہ ہیں
 اور نہ صرف مفاد اور منافع کو میان ہی کرتا ہے بلکہ معقولی طور پر دلائل اور براہین کے ساتھ انکو پیش
 کرتا ہے۔ تاکہ عقل سلیم سے کام لینے والوں کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے
 کہ قرآن شریف کے وقت استعدادیں معقولیت کا رنگ پکڑ گئی تھیں مگر توریت کے وقت
 وحشیانہ حالت تھی۔ حضرت آدم سے لیکر زمانہ ترقی کرنا چلا گیا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن شریف کے
 وقت وہ دائرہ کی طرح پورا ہو گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ زمانہ مستدیر ہو گیا۔ قرآن شریف میں
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہَاكَانَ مُحَمَّدًا اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِ الْکُفْرِ وَ لَا کِنَّ دَسْوِلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ
 النَّبِیِّیْنَ (دہ ۲۲) ضرورتیں نبوت کا انجن ہیں ظلماتی راتیں اُس نور کو کھینچتی ہیں جو دنیا کو تاریکی
 سے نجات دے۔ اور اُس ضرورت کے موافق نبوت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور جب قرآن کریم
 کے زمانہ تک پہنچا۔ تو مکمل ہو گیا۔ اور اب گویا سب ضرورتیں پوری ہو گئیں۔ اس سے لازم آیا۔ کہ
 آپ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے۔ اب بڑا اور واضح فرق تورات و قرآن شریف
 کی تعلیم میں ایک تو یہ ہے کہ قرآن شریف نے دلائل پیش کئے ہیں جنہیں توریت نے مس تک نہیں کیا
 اور دوسرا فرق یہ ہے۔ کہ تورات نے صرف بنی اسرائیل کو مخاطب کیا ہے۔ مگر دوسری قوموں کو بھی کوئی
 تعلق اور واسطہ بھی نہیں رکھا۔ اور اسی وجہ سے اُسے دلائل و براہین پر زور نہیں دیا۔ کیونکہ اُسکے

زیر نظر کوئی دوسرا فرقہ یا مذہب مثل دہریہ فلسفہ و برہم وغیرہ کا نہ تھا۔ بخلاف اسکے تو ان شریف کے مخاطب چونکہ کل مل و فرقے تھے۔ اور اُس پر پہنچ کر تمام ضروریات ختم ہو گئی تھیں اسلئے تو ان کیم نے جملہ عقائد و عملی احکام کو مدلل طور پر بیان کر دیا۔

مثال کے طور پر لیجئے۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْضُوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا اَرْؤُسَهُمْ دَايماً ۱۸ یعنی مومنوں سے کہہ دے کہ کسی ستر کو آنکھ پھاڑ کر نہ دیکھیں اور باقی تمام فروج کی بھی حفاظت کریں۔ یعنی انسان پر لازم ہے۔ کہ چشم خوابیدہ ہو نہ تاکہ کسی غیر محرم عورت کو دیکھ کر فتنہ میں نہ پڑے۔ کان بھی فروج میں داخل ہیں۔ جو قصص اور غشش باتیں سن کر فتنہ میں پڑ جاتے ہیں اسلئے عام طور پر فرمایا۔ کہ تمام موریوں (سوراخوں) کو محفوظ رکھو۔ اور فضولیات سے بالکل بند رکھو۔ ذالک اذکی لکھو (پارہ ۱۸) یہ تمہارے لئے بہت ہی سہتر ہے۔ یہ طریق تعلیم ایسی اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ جس کے ہوتے ہوئے انسان بدکاری میں نہیں پڑ سکتا۔ دیکھ لو قرآن شریف نے اُسی ایک امر کو جو توریت میں بھی اپنے لفظوں اور اپنے مفہوم پر بیان ہوا۔ کسی شرح و بسط سے دلائل و براہین کے ساتھ مؤکد کر کے بیان فرمایا۔ یہ قرآنی اعجاز ہے کہ وہ ہر امر کے دلائل و براہین خود ہی بیان کر کے اپنے پیرو کو دوسروں کی محتاجی سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اسی طرح قرآن شریف نے ہر ایک حکم کے ساتھ جداگانہ دلائل دیئے ہیں اور کسی حکم کو بغیر دلیل کے منوانا نہیں چاہا۔ یہی دونوں بڑے فرق ہیں جو توریت و قرآن شریف کی تعلیم میں پائے جاتے ہیں۔ اول الذکر میں طریق استدلال مطلق بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ دعویٰ کی دلیل انسان کو خود تلاش کرنی پڑتی ہے لیکن موخر الذکر اپنے جملہ دعویٰ کو ہر قسم کے دلائل سے مدلل کرتا ہے۔ اور پھر ماننے کے لئے پیش کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کو زبردستی نہیں منوانا چاہتا۔ بلکہ دلائل کے ذریعہ سے انسان کے منہ سے سر تسلیم خم کرنے کی صدا نکلوانا ہے۔ نہ کسی قسم کے جبر و اکراہ سے بلکہ اپنے لطیف طرز استدلال سے اور فطری سیادت سے۔ توریت کا مخاطب خاص گروہ ہی۔ مگر قرآن شریف کے مخاطب وہ تمام لوگ ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں۔ پھر بتلاؤ۔ کہ توریت اور قرآن شریف کی تعلیمیں کیسے برابر ہو سکتی ہیں۔ اور توریت کی موجودگی میں کیوں قرآن شریف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن شریف جب فرماتا ہے۔ کہ تو زنا نہ کر۔ تو اس کے مخاطب کل بنی نوع انسان ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہی لفظ توریت بیان کرے۔ تو اس کا مشا را ابہ صرف بنی اسرائیل کی قوم ہوتی ہو اس سے بھی قرآن شریف کی تفصیلت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں توریت اور قرآن شریف میں

ایک یہ بھی فرق عظیم ہے کہ قرآن شریف جسمانی اور روحانی ہر قسم کے خوارق اپنے اندر رکھتا ہے مثلاً شق القمر کا معجزہ جسمانی قسم کے معجزات میں سے ہے۔

بعض نادان شق القمر کے معجزہ پر قانون قدرت کی آڑ میں چھپ کر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن انکو اتنا معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور توانیوں کا احاطہ اور اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ آہ۔ ایک وقت تو وہ اپنے منہ سے خدا خدا کہتے ہیں مگر دوسرے وقت چہ جائیکہ ان کے دل اور ان کی روح خدا تعالیٰ کی عظیم الشان اور واء الراء قدرتوں کو دیکھ کر سجدہ میں گرے۔ اُسے مطلق بھول جاتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی اور بساط یہی ہے۔ کہ اُسکی قدرتیں اور طاقنیں ہمارے ہی خیالات اور اندازہ تک محدود ہیں۔ تو پھر دعا کی کیا ضرورت رہی۔ لیکن نہیں میں تمہیں بتلا تا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور ارادوں کا کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا۔ ایسا انسان جو اس قسم کا دعویٰ کرے وہ خدا تعالیٰ کا تحقیق منکر ہے۔ لیکن کس قدر افسوس ہے اُس نادان پر جو اللہ تعالیٰ کو لامحدود قدرتوں کا مالک سمجھ کر بھی یہ کہے کہ شق القمر کا معجزہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ خوب سمجھ لو۔ کہ ایسا آدمی فکر سلیم اور دور اندیش دل سے بہرہ مند نہیں۔ اچھی طرح یاد رکھو۔ کہ کبھی قانون قدرت پر بھروسہ نہ کرو۔ یعنی کہیں قانون قدرت کی حدیث نہ ٹھہرا لو۔ کہ بس خدا کی ہدائی کا سارا راز یہی ہے۔ نہیں۔ اس قسم کی دلیری اور جبرارت نہ کرنی چاہیئے۔ جو انسان کو عبودیت کو درجہ سے گرا دے۔ جس کا نتیجہ ہلاکت ہو۔ ایسی بے وقوفی اور حماقت کرنا۔ کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں کو محصور اور محدود کیا جائے۔

کسی مومن کی شان نہیں ہو سکتی۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بہت معقول ہے۔ کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو عقل کے پیمانہ سے اندازہ کرنے کا ارادہ کرے گا۔ وہ بیوقوف ہو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ایک نطفہ سے انسان کو پیدا کیا۔ یہ لفظ کہہ دینے آسان اور بالکل آسان ہیں اور یہ ایک بالکل معمولی سی بات نظر آتی ہے۔ مگر یہ ایک ستر اور راز ہے کہ ایک قطرہ آب سے اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرتا ہے۔ اور اُس میں اس قسم کے خواص رکھ دیتا ہے۔ کیا کسی انسانی عقل کی طاقت ہو۔ کہ وہ اسکی کیفیت اور کثرت تک پہنچے۔ طبعیوں اور فلاسفوں نے بہتیرا زور مارا ہے۔ لیکن وہ بھی اسکی ماہیت پر اطلاع نہ پاسکے۔ اسی طرح ایک ایک ذرہ خدا تعالیٰ کے تالیف ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بیظاہری نظام بھی اسی طرح قائم رہے۔ اور ایک فارق عادت امر بھی ظاہر ہو جائے۔ عارف لوگ ان کیفیتوں کو خوب دیکھتے اور ان سے حظ اٹھاتے ہیں۔ بعض آدمی ادنیٰ اور معمولی باتوں پر خوشی سے اغراض کر دیتے ہیں۔ اور مشکوک میں پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے

نے نہیں جلایا۔ یہ امر بھی ایسا ہی ہے جیسے شوق القہر کا مجروح۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس حد تک آگ جلاتی ہے اور ان اسباب کے پیدا ہونے سے وہ فرو ہو جاتی ہے۔ اگر اس قسم کا مصالحتہ ظاہر ہو جائے یا مبتلا دیا جائے۔ تو فی القویان لیکن۔ لیکن ایسی صورت میں ایمان بالغیب اور حسن ظن کا لطف اور خبری کیا ظاہر ہو گی۔ جنہ کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ اسباب پیدا نہیں کرتا۔ مگر بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں جو ظاہر اظہر آتے ہیں اور بعض ایسے جو نظر نہیں آتے۔ غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے افعال کو ناگوں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کبھی درمائدہ نہیں ہوتی اور وہ ہرگز نہیں تھکتا۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ۔ اَفَعَيَيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (پارہ ۲۶) اُسکی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں اور افعال کا خواہ کوئی کیسا ہی صاحب غفل اور علم کیوں نہ ہو۔ اندازہ اور احاطہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسے اپنے غیر کا اظہار کرنا پڑیگا۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے۔ اور ڈاکٹر خوب جانتو ہیں۔ عبدالکریم نام ایک شخص میرے پاس آیا اُسکے پیٹ کے اندر ایک رسولی تھی۔ جو پاخانہ کی طرقت بڑھتی جاتی تھی ڈاکٹروں نے اُسے کہا۔ کہ اسکا کوئی علاج نہیں ہے۔ اور اُسکو بندوق مار کر مار ڈالنا چاہیئے۔ الغرض بہت سے امراض اس قسم کے ہیں جنکی ماہرین ڈاکٹروں کو بھی بخوبی معلوم نہیں ہو سکتی۔ مثلاً طاعون یا مہینہ ایسے امراض ہیں کہ ڈاکٹر کو بھی اگر لیگ ٹیوٹی پر مقرر کیا جائے تو اُسکو خود ہی دست لگ جاتے ہیں۔ انسان خواہ کتنا ہی علم پڑھے اور فلسفہ کی تحقیقات میں محو ہو جائے تو بھی بالآخر اُسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ اُسے کچھ بھی نہیں کیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جیسے سمندر کے کنارے ایک چڑیا پانی کی چوچ بھرتی ہو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے کلام اور فعل کے معارف اور اسرار سے انسان کو حصہ ملتا ہے۔ پھر کیسے ایک عاجز انسان اُن مافوق فطرتی اپنی اس حیثیت اور شیخی پر۔ اللہ تعالیٰ کے ایک فعل شوق القہر پر اعتراض کرنا اور اُسے قانون قدرت کے خلاف سمجھ کر مانا ہے ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ اعتراض نہ کرو۔ نہیں۔ کرو اور ضرور کرو۔ بڑے شوق سے دل کھول کر کرو۔ لیکن اعتراض کرنے سے پہلے دو امور زیر نظر رکھ لو۔ اول خدا تعالیٰ کا خوت اور اُسکی لامحدود طاقت دوم انسان کی طبیعت اور محدود علم۔ انسان کے علم کا تو یہ حال ہے۔ کہ بڑے بڑے فلاسفر بھی آخر یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ہم جاہل ہیں۔ انتہائے عقل ہمیشہ انتہائے جہل پر ہوتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر وک دریافت کرو۔ وہ عصبہ مجوفہ کو تو بخوبی جانتا اور سمجھتے ہیں۔ لیکن نور کی ماہیت اور اُسکی کمنہ ہرگز نہیں بتلا سکتے کہ وہ کیا ہے۔ آواز کی ماہیت دریافت کرو۔ تو اتنا تو مثلاً دیکھو۔ کہ کان کے پردہ پر یوں ہوتا ہے۔ اور وہ ہوتا ہے۔ لیکن آواز کی ماہیت خاک بھی نہیں بتلا سکیں گے۔ آگ کی گرمی اور پانی کی ٹھنڈک کی ماہیت

کوبیان کرنے سے قاصر رہ جائیگا۔ کُنہ اشیا تک پہنچنا کسی حکیم یا فلاسفر کا کام نہیں ہے۔ دیکھئے ہماری شکل آئینہ میں منعکس ہوتی ہے۔ لیکن ہمارا سر ٹوٹ کر آئینہ کے اندر نہیں چلا جاتا۔ ہم بھی صحیح سلامت ہیں اور ہمارا چہرہ بھی آئینہ کے اندر نظر آتا ہے۔ پس یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ چاند شق ہو اور شق ہونے کے باوجود دنیا کے انتظام میں خلل نہ آئے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ اشیاء کے خواص ہیں۔ کون دم مار سکتا ہے اسلئے خدا تعالیٰ کے خوارق اور معجزات کا انکار کرنا اور انکار کے لئے جلدی کرنا۔ نادانوں اور جلد بازوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور عجائبات کو محدود سمجھنا دانشمندی نہیں۔ انسان خود اپنی مابیت تو جانتا اور سمجھتا نہیں مگر آسمانی باتوں پر رائے زنی کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے حق میں کہا ہے تو کا رزیں رانکو ساختی بدکہ با آسمان نیز ہر دوختی۔ انسان کو لازم ہے۔ کہ اپنی بساط سے بڑھ کر قدم نہ ماسے۔ اکثر امراض اور عوارض کے اسباب اور علامات ڈاکٹروں کو معلوم نہیں تو کیا ایسی کمزوری پر انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ بساط سے بڑھ کر لاف و گداز مارے؟ ہرگز نہیں۔ طریق عبودیت یہ ہے کہ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا بِكَ اُولَہِ کہنے والوں کے ساتھ ہو جائے۔ دیکھو ستارے جو اتنے بڑے بڑے گولے ہیں۔ آسمان میں بغیر ستون کے لٹک رہے ہیں۔ اور خود آسمان بغیر کسی سہارے کے ہزار سال سے اسی طرح چلا آتا ہے۔ چاند ہر روز دھلاؤ دھلاؤ نکلتا ہے۔ آفتاب ہر روز طلوع ہوتا اور ٹھیک رفتار اور روش پر چل رہا ہے۔ ہمارے کاموں میں کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کاموں کو دیکھو۔ کہ کس طرح سوچ اور چاند اپنے ایک ہی طریق پر چل رہے ہیں۔ اگر انسان ہر روز اپنی باتوں کو سوچے کہ کس طرح سوچ ہر روز مقررہ طریق پر نکلتا اور مختلف جہات کو بتلاتا ہے۔ تو انسان میوانہ ہو جائے۔ دیکھو انسانی ہستی پر اتنے تغیرات آتے ہیں مگر سوچ پر کوئی تغیر نہیں آتا۔ ایک گھڑی جو دو ہزار روپیہ کی قیمت کی ہو اگر وہ بارہ کی بجائے دس اور دس کی بجائے بارہ بجائے۔ تو کئی اور ناقص سمجھی جائیگی۔ لیکن خدا کی قائم کردہ گھڑی ایسی ہے جس میں وہ برابر بھی فرق نہیں۔ نہ اسے کسی چابی کی ضرورت اور نہ صاف کرنے کی حاجت۔ کیا ایسے صانع کی طاقتوں کا شمار اور احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہماری روزمرہ کی استعمال کرنے والی اشیاء مثل کپڑا برتن گھستے رہتے ہیں۔ بچے جوان اور بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں۔ بر خلاف اسکے جو سوچ کل طلوع ہوا تھا آج بھی وہی سوچ رہے۔ اور ایک لاتعداد زمانہ سے اسی طرح چلا آیا ہے اور چلا جائیگا۔ اس پر کوئی حالت تحلیل وغیرہ کی بازمانہ کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر گستاخی کی بات ہے کہ ایک کیرا ہو کر اس مقتدر

مہنتی پر حملہ کیا جائے۔ اور یہ خیال کیا جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ میں طاقت نہیں پائی جاتی۔ اسلام کا خدا بڑا طاقتور خدا ہے۔ کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا ہے۔ کہ اُسکی لامحدود طاقتوں پر اعتراض کرے۔ انبیاء کو جو معجزات دیئے جاتے ہیں اُسکی وجہ یہی ہے کہ انسانی تجارب خدا کو شناخت نہیں کر سکتے۔ مگر جب انسان اُن خارق عادت امور کو انبیاء کے ذریعہ سے دیکھتا ہے تو فوراً یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ لیکن اگر اپنی عقل پر بھروسہ کر کے تفہیم اُسی کے کوچے میں قدم نہ رکھے۔ تو وہ دو طرف سے راہ بند ہو جاتی ہے۔ ایک طرف معجزات کا انکار اور دوسری طرف عقل خام کا اوکا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن دقیق و دقیق کُنہ کے دریافت کرنے کی فکر میں مصروف ہو جاتا ہے۔ جو معجزات کی تہ میں ہوتے ہیں۔ اور جنکی فلاسفی زمینی عقل اور طبی خیالات کے لوگوں پر ہرگز نہیں کھل سکتی۔ اسی لئے وہ انکار کی طرف رجوع کرتے کرتے نفسِ نبوت کا ہی منکر ہو جاتا ہے۔ اور شکوک اور وساوس کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے جو اُسکی ثقافت کا موجب ہو کر رہتا ہے۔ کبھی یہ کہہ دیتا ہے۔ کہ مدعی نبوت بھی ہماری جیسا ایک آدمی ہے۔ جو کھانا پیتا اور حوائج انسانی رکھتا ہے۔ اُسکی طاقتیں ہم سے کیونکر بڑھ سکتی ہیں اور اُس میں روحانیت کی قوت اور اُسکی دعاؤں میں استجابت کا اثر خاص طور پر کیسے آجائیکا؟ افسوس! اس قسم کی باتیں بناتے اور اعتراض کرتے ہیں۔ جنکے باعث نفسِ نبوت کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ سوچنے اور سمجھنے کا مقام ہے۔ کہ معمولی طور پر تو مانتے نہیں۔ اور غیر معمولی طور پر ماننے پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ اب یہ عدا اور رنج انبیاء کے وجود کا انکار نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا ایسی ہی عقلوں اور دانشوں پر ناز ہے۔ کہ فلاسفر کہہ کر دہرہ یا بُت پرست بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخفی طاقتیں الہام اور وحی کے سوا کبھی اپنا کر شمع نہیں دکھا سکتیں۔ وہ وحی اور الہام ہی کے رنگ میں نظر آتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اُسکی رحمانیت کا تقاضا ہے جو اُس نے دنیا میں اپنے نبی بھیجے۔ اس لئے عقلمند وہی ہے جو نبی کو شناخت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح خدا تعالیٰ کو شناخت کرتا ہے۔ اور بیوقوف وہ ہے جو نبی کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ نبوت کا انکار لا الہیت کے انکار کو مستلزم ہے اور جو ولی کو شناخت کرتا ہے۔ وہ نبی کو شناخت کرتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر کہہ سکتا ہیں کہ نبی الوہیت کے لئے بطور ایک بیخ آہنی کے ہے۔ اور ولی نبی کے لئے۔ اب ذرا اٹھ کر جودل سے سوچو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تیرہ سو سال پہلے اس سلسلہ کو دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ لیکن آج تیرہ سو سال بعد اور اس وقت کہ چودھویں صدی کے بھی پندرہ

سال گزر گئے۔ مسلمانوں کو اس مصیبت سے بچا لیا۔ اوفتنہ میں پڑنے نہ دیا۔ اس بات کو آریوں
 بہمچوں طبیعیوں دہریوں اور عیسائیوں کے رویہ بیان کرو۔ تو وہ سنہنہتے ہیں۔ اور سحر میں اڑا
 دیتے ہیں۔ ایسی مصیبت کی وقت کہ ایک طرف علم جدیدہ کی روشنی اور دوسری طرف طبلٹ ہیں
 ایک خاص انقلاب پیدا ہو جائے کے بعد مختلف فرقوں اور مذہبوں کی کثرت ہو۔ ان امور کا پیش
 کرنا اور لوگوں کو سننا بہت ہی پیچیدہ بات ہو گئی تھی۔ اور اسلام اور اسکی باتیں ایک قصہ کہانی
 سمجھی جانے لگی تھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے جو حسب وعدہ اِنَّا كُنْزًا لِّدَاكُمُ
 وَ اِنَّا لَهُ لِحَافِظُونَ (پارہ ۱۴) قرآن شریف اور اسلام کا خود محافظ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو
 اس فتنہ سے بچا لیا۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو اس سلسلہ کی قدر کرتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔
 بات یہ ہو۔ کہ اگر ثبوت بہم نہ پہنچے تو انسانی طبلٹ کا خاصہ ہے۔ کہ وہ جھٹ بدظنی کی طرف رجوع کر لیتی
 ہیں۔ ایسا ہی اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا۔ تو اندرونی طور پر ہی مسلمان لوگ اسلام کو ایک قصہ کہانی
 سمجھ کر قرآن شریف اور اسلام سے دست بردار ہو جاتے۔ مثلاً دیکھو۔ کہ اگر کسی مکان کے اندر
 گھر گھر اہٹ معلوم ہو تو باہر والا خواہ مخواہ خیال کر لگا۔ کہ اندر ضرور کوئی آدمی ہے۔ مگر جو بے دوا چار دن
 تک انتظار کرنے پر کسی کو اندر سے نکلتا ہوا نہ دیکھے۔ تو پھر اسکا خیال تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے
 اور بغیر مکان میں داخل ہونے کے ہی وہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ اگر کوئی انسان ہوتا۔ تو اسکو کھانے پینے کی
 ضرورت ہوتی اور وہ باہر آ جاتا۔ اسی طرح اگر ثبوت کے انوار و برکات جو وحی ولایت کے رنگ میں
 آتے ہیں اس فلاسفی اور روشنی کے دمانہ میں ظاہر نہ ہوتے۔ تو مسلمانوں کے بچے مسلمانوں کے گھروں
 میں رہ کر اسلام اور قرآن مجید کو ایک قصہ کہانی اور داستان سمجھ لیتے اور اسلام سے انکو کوئی واسطہ
 اور تعلق نہ رہتا۔ اسطرح پر گویا اسلام کو معدوم کرنے کا سلسلہ بندہ جاتا۔ مگر نہیں۔ اللہ تعالیٰ
 کی غیرت اور اسکا ایفاء وعدہ کا جوش کب ایسا ہونے دیتا تھا۔ جیسا کہ ابھی بیٹے کہا کہ اللہ تعالیٰ
 نے وعدہ فرمایا۔ کہ اِنَّا كُنْزًا لِّدَاكُمُ وَ اِنَّا لَهُ لِحَافِظُونَ (پارہ ۱۴) یہاں قرآن شریف کا
 نام ذکر رکھا گیا ہے۔ اسلئے کہ وہ انسان کو اسکی اندرونی شریعت یا دلاتا ہے۔ عربی زبان میں جب
 اہم عامل کو مصدر کی صورت میں لاتے ہیں۔ تو وہ مبالغہ کا کام دیتا ہے۔ جیسا دید عدل۔ کیا معنی
 دید بہت عامل ہو۔ قرآن کریم کوئی نئی تعلیم نہیں لایا۔ بلکہ وہ اس اندرونی شریعت کو یاد دلاتا ہے جو انسان
 کے اندر مختلف طاقتوں کی صورت میں رکھی ہوئی ہے۔ علم ہے۔ ایتبار ہے۔ شجاعت ہے۔ جبر ہے۔
 غضب ہے۔ قناعت ہے وغیرہ وغیرہ جو فطرت باطن میں رکھی ہوئی تھی۔ قرآن شریف نے

اُسے یاد دلادیا۔ اور فرمایا فی کتاب مَکْنُونِ دِپارہ ۷۴ یعنی صحیفہ فطرت میں جو چھپی ہوئی کتاب تھی اور جس کو ہر ایک شخص نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس طرح اس کتاب کا نام ذکر بیان فرمایا کہ وہ پڑھی جائے تو اندرونی اور روحانی قوتوں اور اُس نور قلب کو جو آسمان سے انسان کے اندر ودیعت ہو یا دلائل غرض اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو بھیج کر بجائے خود ایک روحانی معجزہ دکھایا تاکہ انسان اُن معارف اور حقایق اور روحانی خوارق کو معلوم کرے جن کا اُسے پتہ نہ تھا۔ مگر افسوس کہ قرآن مجید کی اس علت غائی کو چھوڑ کر جو ہدائی لَیْلَتِ الْمُتَّقِينَ ہے اُسے صرف چند قصص کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ اور نہایت بے پروائی اور غور غرضی سے مشرکین عرب کی طرح اساطیر الاوّلین کہ گمراہ کیا گیا جاتا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن شریف کے نزول کے وقت دنیا کی گم شدہ طاقتیں بذریعہ قرآن مجید یاد دلائی گئیں اور یاب وہ زمانہ آگیا ہے جس کی نسبت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی تھی کہ لوگ قرآن شریف پڑھیں گے۔ لیکن اُن کے حلق سے نیچے قرآن نہ اُترے گا۔ سو اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ لوگ قرآن شریف کو کیسی خوش الحانی اور عمدہ قراءت سے پڑھتے ہیں۔ لیکن وہ اُن کے حلق سے نیچے نہیں جاتا۔

اس لئے جس طرح قرآن کریم جس کا دوسرا نام ذکر ہے۔ اس ابتدائی زمانہ میں انسان کے اندر کی چھپی ہوئی اور فراموش شدہ صداقتوں اور وجوہات کو یاد دلانے کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اُسی وعدہ والے قلم کی رو سے جو اَنَّا لَهُ لَمَّا قَفَّوْا دِپارہ ۷۴ میں کیا گیا تھا۔ اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلم آیا جو اٰخِرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْقَوْنَ یَہِیْمًا کا مصداق اور موعود ہے۔ اور وہ وہی ہے جو تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ میں پھر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی طرف محو کر کے کہتا ہوں کہ آئیے اس زمانہ کی بابت ہی خبر دی تھی کہ لوگ قرآن شریف کو پڑھیں گے۔ لیکن وہ اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ اب اب ہمارے مخالف۔ نہیں نہیں! اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی قدر نہ کرنے والے اور حضرت بنی کریم کی باتوں پر مصیبان نہ دینے والے خوب گھٹے پھلا پھلا کر یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ۔ وَرَاٰ نِعْلَکَ الْاِیَّ اور فَلَمَّا کُوْنَتْ یَمٰی قَتِیْتُہِیْ (دِپارہ ۷۴) قرآن مجید میں عجیب لہجہ سے پڑھتے ہیں۔ لیکن سمجھتے نہیں۔ اور افسوس تو یہ ہے کہ اگر کوئی ناصح مشفق بنکر سمجھا دیا ہے تو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے نہ کریں۔ لیکن انسانو کریں کہ جسکی بات ہی فطرت میں ہے۔ مگر کیوں سنیں ذرہ گوش شنوائی رکھیں مبرا در حسن خلق سے بھی کام لیں اگر اللہ تعالیٰ متعلق کے ساتھ زمین کی بابت نا جائز ہے اسلام بھی اس زمانہ میں مثل دوسرے مذہبوں کے مردہ اور قریب قبر دکھائی دیتا ہے مگر کوئی مردہ مذہب کسی دوسرے کو زندگی نہیں

بخش سکتا۔ لیکن اسلام اسوقت زندگی دینے کو تیار ہے مگر چونکہ یہ سنت اللہ ہے کہ کوئی کام اللہ
 بغیر اسباب کے نہیں کرتا۔ اُن یہ عباد امر ہے کہ وہ اسباب ہموکھا دیں یا نہ دیں۔ پر اسیں کلام
 نہیں۔ کہ اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح آسمان سے انوار اترتے ہیں۔ جو زمین پر پہنچ کر اسباب
 کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو تدبیر کی
 اور گمراہی میں مبتلا پایا۔ اور دیکھا۔ کہ ہر طرف ضلالت اور ظلمت کی گھٹا گھوڑ گھٹا دنیا پر چھا گئی ہے۔
 اسوقت اُس نے اُن تاریکی کو دور کرنے اور ضلالت کو ہدایت اور سعادت سے تبدیل کرنے کے لئے ایک
 سراج المینور فاران کی چوٹیوں پر چمکایا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اسی طرح
 اس زمانہ میں کہ جس میں ہم رہتے ہیں۔ ایسا ہی طاقین مردہ ہو کر فسق و فجور نے اُن کی جگہ لے لی ہے۔ لوگوں
 کے باہمی معاملات ایک طرف۔ عبادات و دوسری طرف۔ غرض ہر بات میں فتور پیدا ہو گیا ہے۔ اگر
 صرف یہی آفت ہوتی۔ تو چند اہل مضائقہ اور خطرہ نہ تھا۔ لیکن ان ساری آفتوں کے علاوہ سب سے
 بڑی آفت جس کا مجھے کئی بار ذکر کرنا پڑا ہے۔ اور جسے ہر بہی خواہ اسلام کا دل محسوس کر چکا اور کرسکتا
 ہے۔ وہ وہ لہر بلا اثر ہے جو اُجکل کی طبلیعات طبابت۔ ہیئت اور جھوٹے فلسفہ کے باعث اسلام
 اور اہل اسلام پر پڑ رہی ہے۔ علماء تو اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ اُن کو خانہ جنگیوں۔ اندرونی جھگڑوں
 اور ایک دوسرے کی تکفیر بازی سے فرصت ملے تو اصرار توجہ کریں۔ زاہد اپنی گوشہ نشینی میں میٹھ کر
 دُعاؤں سے کام لیتے تو بھی کچھ فائدہ ہوتا۔ مگر وہ پیر پرستی اور جو از سماع وغیرہ کی بحثوں میں پڑے ہوئے
 ہیں۔ حقیقی صوفی ازم کی حکایات چند رسومات نے لے لی ہے۔ جبکہ قرآن اور سنت سے پتہ نہیں چلتا
 الغرض ہر طرف سے اسلام غرضتہ تیغ چہلاء و سفہاء بن رہا ہے۔ اسوقت میں کہ وہ ضرورتیں جو کسی
 مصلح اور ریاضی کے لئے لازم ہیں۔ پورے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی ہیں۔ ہر ایک شخص بجائے
 خود ایک پیغام بھج رہا ہے۔ ان تمام اُمور اور حالات پر قیاس کر کے اسلام کی عمر خاتمہ کے قریب نظر
 آتی تھی۔ ڈاکٹر اور طبیب جب کسی مہینہ کے مریض کا بدن برف سا سرد۔ یا اسے سر سام میں مبتلا دیکھتے
 ہیں۔ تو اسے لا علاج بتلا کر کھسک جاتے ہیں۔ اور حالات رقیہ دیکھ کر حاذق ڈاکٹر بھی یاس اور نومیدی
 کا اظہار کر دیتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ اسوقت اسلام کی حالت انتہائی یاس تک
 پہنچ گئی تھی۔ لیکن اگر وہ بھی انسان کے اپنے خیالات کا نتیجہ یا اسکی کوششوں کا ثمرہ ہوتا۔ تو ان
 مصائب اور شدائد کے دوران میں کہ ہر طرف سے اُس پر زد پڑ رہی ہے اور اُسکی اپنی اندرونی حالت
 بوجہ باہمی نفاق کے کمزور ہو گئی ہوئی ہے۔ اسلام کا قائم رہنا بہت مشکل ہو جاتا۔ کوئی سال نہیں

گزرنا۔ جبکہ کوئی نہ کوئی نئی صورت اسلام پر حملہ کرنے کی نہیں تراشی جاتی۔ اگر کوئی ایسا وہ یا کُل یا نئی دیانت کی جاتی ہے تو اسی کے اصول کو مد نظر رکھ کر اسلام پر حملہ کر دیا جاتا ہے۔ الغرض ایسے فتنہ کے وقت قریب تھا کہ دشمن اکٹھے ہو کر ایک ہی ذمہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہتھیار نہیں تھے جو اسلام کو بے گناہ رکھا۔ جو اسلام کی صداقت پر ایک دلیل ہے۔ موجودہ زمانہ کی ترقی بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے۔ دیکھو کہ کئی لفظوں نے اپنی ساری طاقتیں اور قوتیں جتنے کہ جان و مال تک بھی اسلام کے نابود کرنے کے لئے صرف کر دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق **إِنَّا نَحْنُ قَوِّمُوا الدِّينَ وَ إِنَّا لَهُ كَافِعُونَ** دیا۔ یعنی خدا آپ ہی ان لقوش فطرت کو یاد دلانے والا ہے۔ اور وہی خطرہ کے وقت اسکو بچا لے گا۔ اسلام کی کشتی خطرہ میں جا پڑی تھی۔ پادریوں کا سخت حملہ جنہوں نے کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اور طرح طرح کے منافع اور وعدے۔ یہاں تک کہ شرمناک نفسانی حظوظ تک بھی دکھا کر لوگوں کو اسلام سے بظن کرنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف اسلامی عقائد کو یہ پادری لوگ بے نام کرتے ہیں دیکھو اسکا بارش کی وجہ سے استسقاء کی غار پڑھ لی جاتی ہے۔ اور اگر نذر بیچ کل انسان کو بارش برسائی میں کامیابی ہو جائے۔ جیسا کہ آجکل امریکہ کے بعض لوگ سبارہ میں کوشش کر رہے ہیں۔ تو اس طرح ہر اسلام کا ایک رکن ٹوٹ جاتا ہے۔ غرض میں کہانتک بیان کروں۔ ہر طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے ہیں اور اسکو بے نام کرنے کی ان تھک کوشش کی جاتی ہے۔ مگر ان لوگوں کے منصوبے اور تھک مٹنے کیا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ خود اسلام کو ایسے حربوں سے بچانا چاہتا ہے۔ اسلئے اسنے اس ترقی کے زمانہ میں بھی اسلام کو بغیر اہل و عیال کے نہیں چھوڑا۔ بلکہ اسنے اسکی حفاظت کی۔ اور اپنے پیغمبر رسول ﷺ کے وعدوں کو سچا ثابت کر دیا۔ اور اسکی مبارک پیغمبروں کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے اس صدی میں ایک شخص پیدا کر دیا۔ جس بار بار تمہیں کہتا ہوں کہ وہ وہی ہے۔ جو تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ وہ خدا کی روح اسلام میں پھونک دیگا۔ اور وہ وہی ہے جو گم شدہ صداقتوں کو آسمانوں سے لاتا اور لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ وہ بدظنیوں اور ایمانی کمزوریوں کو دور کرنا چاہتا ہے۔ بدظنی ایک ایسا مرض ہے اور ایسی بُری بلا ہے جو انسان کو اندھا کر کے ہلاکت کے تاریک کنوئیں میں گرا دیتی ہے۔ بدظنی ہی ہے جس نے ایک مرمی انسان کی پرستش کرائی۔ بدظنی ہی ہے جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی صفات خلقِ رحم اور رازقیت وغیرہ سے معطل کر کے لہو و لہب ایک فرد معطل اور بیکار بنا دیتی ہے۔ الغرض اسی بدظنی کے باعث جو ہم کا بہت بڑا حصہ اور اگر کہوں کہ سارا حصہ بھر جائیگا۔ تو مبالغہ نہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ماموروں سے بدظنی کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

غمن اگر کوئی ہمارے اس سلسلہ کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ انکار کرتا ہے۔ تو ہکوا افسوس ہوتا ہے۔ کہ مٹے ایک روح ہلاکت کے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹاتی ہے۔ یہ سلسلہ ایسا روشن ہے کہ اگر کوئی شخص متعادل لیکر دیکھتا ہے بھی ہماری باتوں کو سنے۔ تو وہ حق کو پا لیتا۔

اب میں چاہتا ہوں کہ چند باتیں اور کہہ کر اس تقریر کو ختم کر دوں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے پھر معجزات کے سلسلہ کی طرف عود کر کے کہتا ہوں کہ ایک قسم کے خوارق کوشق القمور وغیرہ کی مانند علمی رنگ کے ہیں۔ اور دوسرے حقائق و معارف کے رنگ کے۔ تیسرا طبقہ معجزات کا اخلاقی معجزات ہیں۔ اخلاقی کرامت میں بہت اثر ہوتا ہے۔ فلاسفر لوگ معارف اور حقائق سے تسلی نہیں پاسکتے۔ مگر اخلاق عظیمہ ان پر بہت بڑا اور گہرا اثر کرتے ہیں۔ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ ایک درخت کے نیچے سوئے پڑے تھے۔ کہ ناگاہ ایک ننو پیکارسی بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک جنگلی انسانی تلوار کھینچ کر خود حضور پر حملہ آور ہے۔ اُس نے کہا۔ اے محمد بتلا۔ اس وقت میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے پورے اطمینان اور سچی سکینت سے جو آپ کو حامل تھی فرمایا کہ اللہ آپ کا یہ فرمانا عام انسانوں کی طرح سے نہ تھا۔ اللہ جو وہ اتنا لے کا ایک ہفت من ہے اور جو تمام جمیع صفات کا ملکہ مستقیم ہے۔ ایسے طور پر آپ کے ہاتھ سے نکلا جو دل سے نکلا دل پر ہی جا ٹھہرا۔ کہتے ہیں۔ کہ اہم اعظم یہی ہے۔ اور اس میں بڑی بڑی برکات ہیں۔ لیکن جس کو وہ اللہ یاد ہی نہ ہو وہ اس سے کیا فائدہ حاصل کر لیتا۔ العزیز ایسے طور پر اللہ کا لفظ آپ کے ہاتھ سے نکلا۔ کہ اُس پر عجیب طاری ہو گیا۔ اور ہاتھ کا نپ گیا۔ تلوار گر پڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تلوار اٹھا کر کہا۔ کہ اب بتلا میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے۔ وہ ضعیف القلیہ جنگلی کس کا نام لے سکتا تھا۔ آخر آنحضرت مسلم نے اپنے اخلاق فاضلہ کا نمونہ دکھلایا۔ اور فرمایا۔ کہ جانتھے چھوڑ دیا۔ اور فرمایا۔ کہ مروت اور شجاعت مجھ سے سیکھ۔ اس اخلاقی معجزے نے اُس پر ایسا اثر کیا۔ کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

دوسری کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ ایک شخص حضرت ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کے پاس سے آئے تھا۔ راستہ میں اُسے شیر خار دینے حال کیا اُس نے شیر کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ اللہ کے واسطے میرا بیچا چھوڑ دے۔ شیر نہڑکا اور حملہ کیا۔ مگر دوسری دفعہ جب اُس نے شیر سے کہا۔ کہ حضرت ابوالحسن کے واسطے چھوڑ دے۔ تو شیر نے دنگڑ کی اور اُسے چھوڑ دیا۔ اس حالت نے اُس شخص کے ایمان میں ایک سیاہی سی پیدا کر دی۔ اور اُس نے ترک نہ کیا واپس آکر کوسنے یہ عقدہ ان کے سامنے پیش کیا۔ حضرت ابوالحسن نے اُسے جواب دیا۔ کہ یہ بات مشکل نہیں۔ اللہ کے نام سے تو واقف نہ تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی ہیبت اور اُس کا اصول تیرے دل میں

نہ تھا۔ مگر مجھ سے تو بخوبی واقف تھا۔ اس لئے میری قدر تیرے دل میں موجود تھی۔ پس اللہ کے لفظ میں
 بڑی بڑی برکات اور خوبیاں ہیں۔ بشیر طیکہ کوئی اسکو اپنے دل میں حکم دے۔ اور اسکی ماہیت پر کان
 دھرے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات میں سے ایک اور معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ
 کے پاس ایک وقت بہت سی بیٹریں تھیں۔ ایک شخص نے کہا۔ کہ اسقدر مال اس سے پیشتر کسی کے پاس
 نہیں دیکھا۔ اس پر حضور نے وہ سب بیٹریں اسی کو دیدیں جس پر فی الفور اُس نے کہا۔ کہ لا ریب آپ سچے
 ہیں۔ کیونکہ سچے بنی کے بغیر اس قسم کی سخاوت کسی دوسرے شخص سے عمل میں آنی مشکل ہے۔ الغرض آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ ایسے تھے۔ کہ قرآن شریف میں آپ کی نسبت اِنْكَ لَعَلَّیْ خُلُقِ
 عَظِیْمٌ دہارہ ۴۴، پس ہماری جماعت کو مناسب ہے کہ وہ اخلاقی ترقی کریں۔ کیونکہ اَلَا سُنْتَ قَاسَمٌ
 فَوْقَ اَلِکَرَامَتِ مشہور و مقبول ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ اگر کوئی اُن پر سختی کرے تو سختی اللہ اس کا جواب
 نرمی اور ملامت سے دیں۔ تشدد اور جبر کی ضرورت انتقامی طور پر بھی نہ پڑنے دیں۔ انسان میں نفس
 بھی ہے۔ جس کی تین اقسام ہیں۔ امارہ۔ لوامہ اور مطمئنہ۔ امارہ کی حالت میں انسان جذبات اور
 بیجا ہوشوں کو بھال نہیں سکتا۔ اور امانادہ سے نکل جاتا۔ اور اخلاقی حالت سے گھر جاتا ہے۔ مگر
 حالت لوامہ میں اپنے آپ کو بھال لیتا ہے۔ اسوقت مجھے ایک حکایت یاد آئی ہے جو سعدی نے
 بوستان میں لکھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک بزرگ کو کتے نے کاٹا گھر آیا۔ تو گھر والوں نے دیکھا کہ اُس
 کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ اُن میں ایک بھولی بھالی چھوٹی سی لڑکی بھی تھی۔ وہ بولی۔ آپ نے اُسے کیوں نہ کاٹ
 کھایا؟ اُنہوں نے جواب دیا۔ بیٹی۔ انسان سے کتے پن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سے انسان کو چاہیے
 کہ جب کوئی شریک گالی دے تو مومن کو لازم ہے۔ کہ اعراض نہ کرے۔ نہیں تو وہی کتے پن کی مثال اُس پر
 صادق آئے گی۔ خدا کے مغزوں کو بڑی بڑی گالیاں دی گئیں۔ بہت بُری طرح ستایا گیا۔ مگر اُن کو
 اَعْرَضَ عَنْ الْجَاهِلِیْنَ دہارہ ۹ کا ہی خطاب ہوا۔ خود اُس انسان کا دل بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو بہت بُری طرح تکلیفیں دی گئیں۔ بدزبانی اور شوخیاں کی گئیں مگر اُس خلیفہ مجتہد اوقات نے
 اُن کے مقابلہ میں کیا کیا۔ یہی کہ اُن کے لئے دعا کی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم جاہلوں
 اعراض کرے گا۔ تو تیری عزت اور جان کو ہم صحیح و سلامت رکھیں گے۔ اور بازاری آدمی آپ پر حملہ نہ کر سکیں گے
 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ حضور کے مخالف آپ کی عزت پر حرف نہ لاسکے۔ اور خود ہی ذلیل و خوار ہو کر
 آپ کے قدموں پر گر پڑے۔ یا آپ کے روبرو تباہ ہو گئے۔ غرض یہ صفت نفس لوامہ کی ہے۔ کہ انسان کش مکش
 میں بھی اصلاح کر لیتا ہے۔ یہ ہر روز کے تجربہ کی بات ہے۔ کہ اگر کوئی جاہل یا اوباش گالی دے یا کوئی اور

شرارت کرے۔ تو جس قدر اُس سے اعراض کرو گے اُسی قدر اپنی عزت اُس سے بچا لو گے۔ اور جس قدر اُس سے اُٹھ بیٹھ اور مقابلہ کرو گے۔ اُسی قدر دولت خرید لو گے نفس مطمئنہ کی حالت میں انسان کا ملکہ حُنا اور خیرات ہو جاتا ہے۔ اور دنیا و ماسوی اللہ سے بکلی انقطاع کر لیتا ہے۔ وہ دنیا میں چلتا پھرتا۔ اور دنیا والوں سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ یہاں نہیں ہوتا۔ بلکہ جہاں وہ ہوتا ہے وہ دنیا ہی اور ہوتی ہے۔ وہاں کا آسمان اور زمین اُسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے
وَجَاعِلُ الدِّينِ اثْبَعُوْكَ فَوَكِّ الدِّينَ كَقَرِّ وَالِیْ یُرْمِ الْقِیَامَةِ (پارہ ۳) یہ تسلی بخش وعدہ ناصرت میں پیدا ہونے والے ابن مریم سے ہوا تھا۔ مگر میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ یسوع مسیح کے نام سے آنے والے ابن مریم کو بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں الفاظ میں مخاطب کر کے بشارت دی ہے۔ اب آپ سچ لیں کہ جو لوگ میرے ساتھ تعلق رکھ کر اس وعدہ عظیم اور بشارت عظیم میں شامل ہونا چاہتے ہیں کیا وہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو نفسِ مارہ کے دھبے میں پڑے ہوئے فسق و فجور کی راہوں پر گام زن ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کی سچی قدر کرتے ہیں۔ اور میری باتوں کو قصہ کہانی نہیں جانتے۔ وہی اس وعدہ کے متقی ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھو اور دل سے سن لو۔ میں پھر ایک بار اُن لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور وہ تعلق کوئی عام تعلق نہیں بلکہ بہت زبردست تعلق ہے۔ اور ایسا تعلق ہے کہ جس کا اثر میری ذات تک اور نہ صرف میری ذات تک بلکہ اُس برگزیدہ انسان کا دل تک جو دنیا میں صداقت اور راستی کی ریح لیکر آیا ہو چننا ہے میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ اگر ان باتوں کا اثر میری ہی ذات تک پہنچتا۔ تو مجھے کچھ بھی اندیشہ اور فکر نہ تھا اور نہ اسکی پروا تھی۔ مگر آپس میں نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا اثر ہمارے ہر کیمم اور خود خدا نے تعالیٰ کی برگزیدہ ذات تک پہنچ جاتا ہے۔ پس ایسی صورت اور حالت میں تم خود دھیان و یکسوئی رکھو۔ کہ اگر اُس بشارت سے حصہ لینا چاہتے ہو اور اُس کے مصداق ہونے کی آرزو رکھتے ہو۔ اور اتنی بڑی کامیابی کی ذمہ داری تک مقررین پر غالب رہو گے (سچی پیاس تمہارے اندر ہے۔ تو پھر اتنا ہی میں کہتا ہوں۔ کہ یہ کامیابی اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک لواحق کے درجہ سے گذر کر مطمئنہ کے مینار تک نہ پہنچ جاؤ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہتا۔ کہ تم لوگ ایک ایسے شخص کے ساتھ پیوند رکھتے ہو جو مومن اللہ ہے۔ پس اسکی باتوں کو دل کے کانوں سے سنو۔ اور آپس عمل کرنے کے لئے ہمتیں تیار ہو جاؤ۔ تاکہ اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اقرار کے بعد انکار کی بجاست میں گر کر ابھی عذابِ خرید لیتے ہیں (تفسیر جلد سولہ)

تقریر ۳۔ دسمبر ۱۹۷۷ء بعد از نماز ظہر :-

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کا تعلق ہمارے ساتھ اعضاء کی طرح سے ہے۔ اور یہ بات ہمارے روزمرہ کے تجربہ میں آتی ہے۔ کہ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے عضو مثلاً انگلی میں ہی درد ہو۔ تو سارا جسم بچپن اور بے قراری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ ٹھیک اسی طرح ہر وقت اور ہر آن میں اسی خیال اور فکر میں رہتا ہوں۔ کہ میرے دوست ہر قسم کے آرام اور آسائش سے رہیں۔ یہ بہرہ وی کسی تکلف اور بناوٹ کی رو سے نہیں۔ بلکہ جس طرح والدہ اپنے بچوں میں سے ہر ایک کے آرام اور آسائش کے فکر میں متفرق رہتی ہے خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں اُسی طرح میں لکھی دلسوزی اور غمخواری اپنے دل میں اپنے دوستوں کے لئے پاتا ہوں۔ اور یہ بہرہ وی کچھ ایسی اضطرابی حالت پر واقع ہوئی ہے کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کسی کا حفظ کسی قسم کی تکلیف یا بیماری کے حالات پر مشتمل پہنچتا ہے۔ تو طبیعت میں ایک بیکلی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک غم شامل حال ہو جاتا ہے۔ اور جوں جل احباب کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ اُسی قدر یہ غم بڑھتا جاتا ہے۔ اور کوئی وقت ایسا خالی نہیں رہتا۔ جبکہ کسی قسم کا فکر اور غم شامل حال نہ ہو۔ کیونکہ اس قدر کثیر التعداد احباب میں سے کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی غم اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ امد اسکی اطلاع پر میرے دل میں قلق اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے میں نہیں بتا سکتا کہ اس قدر اوقات غموں میں گذرتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مہتری ایسی نہیں جو ایسے ہموم اور افکار سے بجات دیوے۔ اسلئے میں ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہتا ہوں۔ اور سب سے مقدم یہی دعا ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ میرے دوستوں کو ہموم اور غم سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ مجھے تو انکے ہی افکار اور رنج و غم میں ڈالنے ہیں اور پھر دُعا جموعی مہیت سے کی جاتی ہے۔ کہ اگر کسی کو کوئی رنج اور تکلیف پہونچی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس سے اُسے بجات دے۔ ساری سرگرمی اور پورا جوش یہی ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کروں۔ دُعا کی قبولیت میں بڑی بڑی امیدیں ہیں۔ بلکہ میرے ساتھ میرے مولا اکرم کا صاف وعدہ ہے۔ کہ اُجیبُ کُلِّ دُعَائِکَ۔ مگر میں خوب سمجھتا ہوں۔ کہ کُل سے مراد یہ ہے کہ جسکے سُننے سے ضرر پہونچ جاتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ تربیت اور اصلاح چاہتا ہے۔ تو وہ کڑائی اجابت دے دیتا ہے۔ بعض اوقات انسان کسی دعائیں ناکام رہتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے موعارہ کر دی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اُسکی دُعا کو سُن لیتا ہے۔ اور اُسکی اجابت بصورتِ روی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُسکے لئے درپردہ اور حقیقت میں بہتری اور بھلائی اُسکے روی ہی ہوتی ہے۔ انسان چونکہ کوتاہ بین اور دور اندیش نہیں بلکہ ظاہر پرست ہے۔ اسلئے اُسکو مناسب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے

کوئی دُعا کرے اور وہ بظاہر اُسکے مفید مطلب نتیجہ خیز نہ ہو۔ تو خدا پر بظن نہو جائے۔ کہ اُس نے میری دُعا
نہیں سنی۔ وہ تو ہر اکب کی دُعا سنتا ہے اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (پارہ ۲۴) فرماتا ہے۔ راز اور مجید یہی
ہوتا ہے کہ ادھی کے لئے خیر اور بھلائی رو دُعائیں ہی ہوتی ہے۔ دُعا کا اُصول یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول دُعا
میں ہماری خواہشات کے تابع نہیں ہوتا ہے۔ دیکھنے کے کسند راہنی ماؤں کو پیا سے ہوتے ہیں۔ اور وہ چاہتی
ہے کہ اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچے۔ لیکن اگر بچے بیہودہ طور پر اصرار کریں اور رو کر تیز چاقو یا آگ کا
ریش چمکتا ہوا چنگارہ مانگیں تو کیا ماں باوجود سچی محبت اور حقیقی دلسوری کے کبھی آگ لگا کر رکھی۔ کہ اس کا
بچہ آگ کا انگارہ بیکراپنا آئندہ جلا لے۔ یا چاقو کی تیز دھار پر ہاتھ مار کر اپنا آئندہ کاٹ لے۔ ہرگز نہیں۔
اسی اُصول سے اجابت دُعا کا اُصول سمجھ سکتے ہیں۔ میں خود اس امر میں تجربہ رکھتا ہوں۔ کہ جب دُعائیں
کوئی جزو مضر ہوتا ہے۔ تو وہ دُعا ہرگز قبول نہیں ہوتی۔ یہ بات خوب سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کہ ہمارا علم یقینی اور
صحیح نہیں ہوتا۔ بہت سے کام ہم نہایت خوشی سے مبارک سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس لیے خیال میں اُن کا
نتیجہ بہت ہی مبارک سمجھتے ہیں۔ مگر انجام کار وہ ایک غم اور مصیبت ہو کر چھٹ جاتا ہے۔ غرض یہ کہ خواہشات
انسانی سب باتوں پر صا د نہیں کر سکتیں کہ سب صحیح ہیں۔ چونکہ انسان سہوا اور خیال سے مرکب ہو
اس لئے سوچا جائیے اور ہوتا ہے۔ کہ بعض خواہشیں مضر ہوتی ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کو منظور کر لے تو ہم
منصبِ رحمت کے صریح خلاف ہو جائے۔ یہ ایک سچا اور یقینی امر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی
دُعاؤں کو سُنتا ہے اور اُن کو قبولیت کا شرف بخشتا ہے۔ مگر ہر طب و یا بس کو نہیں کیونکہ جو ش
نفس کی وجہ سے انسان انجام اور مال کا کو نہیں دیکھتا۔ اور دُعا کرتا جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جو حقیقی
ہی خواہ اور مال بین ہے۔ اُن مضر توں اور بد نتائج کو ملحوظ رکھ کر جو اُس دُعا کے ماتحت بصورت قبول
دُعا ادھی کو پہونچ سکتے ہیں۔ اُسے روک دیتا ہے۔ اور یہ رو دُعا ہی اُسکے لئے قبول دُعا ہوتا ہے پس ایسی
دُعائیں جنہیں انسان حوادث اور صدمات سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے۔ مگر مضر
دُعاؤں کو بصورت رد قبول فرمالتا ہے۔ مجھے یہ الہام بارہ ہو چکا ہے اُحْبِبْ کُلَّ دُعَائِكَ دوسرے
لفظوں میں یوں کہو۔ کہ ہر ایک ایسی دُعا جو نفس الامر میں نافع اور مفید ہے قبول کی جائیگی۔ میں جب اس
خیال کو اپنے دل میں پاتا ہوں۔ تو میری دُعا لذت اور سرور سے بھر جاتی ہے۔ مجھے جب یہ الہام اول
ہی اول ہوا جسے قریباً پچیس یا تیس برس کا عرصہ ہوتا ہے۔ تو مجھے بہت ہی خوشی حاصل ہوئی کہ اللہ تع
میری دُعائیں جو میرے اور میرے احباب کے متعلق ہونگی۔ ضرور قبول فرمالیکا۔ پھر میں نے خیال کیا
کہ اس معاملہ میں بخل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ ایک الغام آہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے متقین کی

صفت میں فرمایا ہے وَمِمَّا أَدْرَفْنَا لَهُمْ يَفْقَهُونَ ذِي الْإِلَهِ (پس میں نے اپنے دوستوں کے لئے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ خواہ وہ یاد دلائیں یا نہ یاد دلائیں۔ کوئی امر خطیر پیش کریں یا نہ کریں باقاعدہ اُن کی ویسی اور دنیاوی بھلائی کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ مگر یہ بات بھی محض دُعا کی تسلیی چاہیئے۔ کہ قبولِ دعا کے لئے بھی چند شرائط ہوتی ہیں۔ اُنہیں سے بعض تو دعا کرنے والے کے متعلق ہوتی ہیں۔ اور بعض دعا کرنے والے کے متعلق۔ دعا کرنے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کو مد نظر رکھے۔ اور اُس کے غناء ذاتی سے ہر وقت دُعا کرے۔ اور خدا پرستی اپنا شعار بنالے۔ تقویٰ اور استبازی سے خدا تعالیٰ کو خوش کرے۔ تو ایسی صورت میں عاکی قبولیت کے لئے بابِ استجابت کھولا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اور اُس سے بگاڑ اور جنگ قائم کرتا ہے۔ تو اُسکی شراقتیں اور غلط کاریاں دعا کی قبولیت کی راہ میں ایک سد اور چٹان ہو جاتی ہیں۔ اور استجابت کا دروازہ اُسکے لئے بند ہو جاتا ہے۔ پس ہمارے دوستوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کو ضائع ہونے سے بچاویں اور اُن کی راہ میں کوئی رک ڈ الیں۔ جو اُن کی ناشائستہ حرکات سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اُن کو چاہئے کہ وہ تقویٰ کی راہ اختیار کریں۔ کیونکہ تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو شریعت کا خلاصہ کہتے ہیں اور اگر شریعت کو غصہ طور پر بیان کرنا چاہیں۔ تو مختصر شریعت تقویٰ ہی ہو سکتا ہے۔ تقویٰ کے مدارج اور مراتب بہت ہیں لیکن اگر اَلطَّبَاتِ دَق ہو کر ابتدائی مراتب اور مراحل کو مستقل اور خلوص سے طے کرے تو وہ اُس راستی اور طلبِ صدق کی وجہ سے اعلیٰ درجے کو پا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (بارہ ۶) گو یا اللہ تعالیٰ متقیوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے یہ اُس کا وعدہ ہے۔ اور اُسکے وعدوں میں تخلف نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْلُفُ اَ وَعْدَهُ (بارہ ۳۴) پس جس حال میں تقویٰ کی شرط قبولیت دعا کے لئے ایک غیر منفک شرط ہے۔ تو ایک انسان غافل اور بے راہ ہو کر اگر قبولیت دعا چاہے۔ تو کیا وہ احمق اور نادان نہیں ہے۔ لہذا ہماری جماعت کو لازم ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اُنہیں سے ہر ایک تقویٰ کی راہوں پر قدم مارے تاکہ قبولیت دعا کا سرور اور حفظ حاصل کرے اور ریا دتی ایمان کا حصہ لے۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ انسانی کی تین حالتیں ہیں۔ ایک امارہ۔ دوسری لوارہ۔ تیسری مطمئنہ نفس امارہ کی حالت میں انسان گو یا شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اُسکی طرف بہت جھکتا ہے۔ لیکن نفسِ لوارہ کی حالت میں وہ اپنی خطا کیوں پرزادہم ہوتا اور شرمسار ہو کر خدا کی طرف جھکتا ہے۔ مگر اس حالت میں بھی ایک جنگ ہوتی ہے۔ کبھی شیطان کی طرف

جھکتا ہے۔ اور کبھی رحمان کی طرف۔ مگر نفس مطمئنہ کی حالت میں وہ عباد الرحمن کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور یہ گویا ارتقائی نقطہ ہے جس کے بالمقابل نیچے کی طرف اتار دیا۔ اس میزان کے بیچ میں لوازم ہر جو ترازو کی زبان کی طرح ہے۔ انحصار فی نقطہ کی طرف اگر زیادہ جھکتا ہو تو حیوانات سے بھی بدتر اور ارزل ہو جاتا ہے اور اگر ارتقائی نقطہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ اور غفلت اور ارضی حالتوں سے الگ کر علوی اور سماوی فیضان سے حصہ لیتا ہے۔

یہ بات بھی خوب یاد رکھنی چاہئے کہ ہر بات میں منافع ہوتا ہے۔ دنیا میں دیکھ لو۔ اعلیٰ درجہ کی نباتات سے لیکر کڑیوں اور چوہوں تک بھی کوئی چیز ایسی نہیں جو انسان کے لئے منفعت اور فائدہ سے خالی ہو۔ یہ تمام اشیاء خواہ وہ ارضی ہیں یا سماوی۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے اظلال اور آثار ہیں۔ اور جب صفات میں نفع ہی نفع ہے۔ تو مبتلاؤں کو ذرات میں کس قدر نفع اور سود ہوگا۔ اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جیسے ان اشیاء سے ہم کسی وقت نقصان اٹھاتے ہیں تو اپنی غلطی اور نا فہمی کی وجہ سے۔ نہ اس لئے کہ نفس الامری میں ان اشیاء میں مضرت تھی۔ نہیں۔ بلکہ اپنی غلطی اور خطا کاری ہی اسی طرح سے ہم اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف اور مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو ہمہ رحم اور کریم ہے۔ دنیا میں تکلیف اٹھانے اور بچ پانے کا یہی راز ہے۔ کہ ہم اپنے ہاتھوں اپنے سوا، ہم اور قصور علم کی وجہ سے مبتلائے مصائب ہو جاتے ہیں۔ پس اس صفاتی آنکھ کے روشن ہونے ہی ہم اللہ تعالیٰ ہی کو جیمہ اور کریم اور قیاس سے زیادہ نفع ہستی پاتے ہیں مگر ان منافع سے زیادہ بہرہ و روپیہ ہوتا ہے۔ جو اسکے زیادہ قریب اور نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ وجہ ان لوگوں کو ہی ملتا ہے جو متقی کہلاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں جگہ پاتے ہیں۔ جو جو متقی خدا تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے اسے ایک نور ہدایت ملتا ہے۔ جو اسکی معلومات اور عقل میں ایک خاص قسم کی روشنی پیدا کرتا ہے مگر جوں جوں انسان خدا تعالیٰ سے دُور ہوتا جاتا ہے اسکے دل و دماغ پر ایک تباہ کر دینے والی تاریکی قبضہ کرتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ ضلالت و گمراہی میں گرے۔ مگر اسکے بالمقابل نور اور روشنی سے بہرہ ور انسان اعلیٰ درجہ کی راحت و عزت پاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ دَبْلَقِ نَاصِيَةِ مَرْصِيَّتِهِ** (پارہ ۳۴) یعنی اے وہ نفس جو اطمینان یافتہ ہے اور پھر یہ اطمینان خدا کے ساتھ پایا ہے۔

بعض لوگ حکایت سے بظاہر اطمینان اور سیری حاصل کرتے۔ لیکن کی تسکین اور سیری کا موجب نہ کمال اور

عزت ہو جاتی ہے۔ اور بعض اپنی خوبصورتی اور ہوشیار اولاد و اسعاد کو دیکھ کر نظا ہر مطمئن ہونے لگتے ہیں۔ مگر دنیا کی فانی چیزوں کی انواع و اقسام کی لذتیں انسان کو سچا اطمینان قلب اور سچی تسلی نہیں دے سکتیں بلکہ ایک قسم کی ناپاک حرص کو پیدا کر کے طلب اور پیاس کو بڑھا دیتی ہیں۔ استسقا کے مریض کی طرح انکی پیاس نہیں بجھتی۔ یہاں تک کہ انکو ہلاک کر دیتی ہے۔ مگر اس میت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ وہ نفس جسے اپنا اطمینان خدا تعالیٰ میں حاصل کیا ہے۔ اس دیکھ پر پہنچ کر انسان کی خوش حالی باوجود مال و مال و دنیاوی شہمت اور جاہ و جلال رکھنے کے اللہ تعالیٰ ہی میں ہوتی ہے۔ دنیا کا زہر و ہواہر اس کے دھندلے اسکی سچی راحت کا موجب نہیں ہوتے۔ پس جب تک انسان خدا تعالیٰ ہی میں راحت و اطمینان نہیں پاتا۔ وہ نجات نہیں پاسکتا۔ کیونکہ نجات اطمینان کا ہی مترادف لفظ ہے۔ پس نے بعض آدمیوں کو دیکھا ہے۔ اور اکثر کے حالات پڑھے ہیں۔ جو دنیا میں مال و دولت و اسان کی جھوٹی لذتیں اور فخر قسم کی نعمتیں اور اولاد و اسعاد رکھتے تھے۔ مگر جب مرنے لگے اور ان کا اس دنیا اور اسکی فانی چیزوں کو چھوڑنے کا وقت آیا۔ تو انپر حسرتوں اور بیجا آرزوؤں کی آگ جھلک اٹھی۔ اور سرواہیں مارنے لگے۔ پس یہ بھی ایک قسم کا جہنم ہے جو انسان کے دل کو راحت اور قرار نہیں دے سکتا۔ بلکہ اسکو گھبراہٹ اور بے یقینی کے عالم میں ڈال دیتا ہے۔ اسلئے یہ امر بھی میرے دوستوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے۔ کہ اکثر اوقات انسان اہل و عیال اور اموال کی ناجائز اور بیجا محبت میں اہل و اسعاد کو ہوتا ہے۔ اور ان کی محبت کے جوش اور نشہ میں ایسے ناجائز کام کر گزرتا ہے جو اس کے اور اس کے خدا تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب پیدا کر دیتے ہیں۔ اور اس کے لئے ایک دوزخ تیار کر دیتے ہیں اسے اس بات کا غم تک نہیں ہوتا۔ جب وہ ان سب سے اچانک علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کٹری کی اسے خبر نہیں ہوتی۔ تب وہ ایک سخت بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے یہ بات سمجھنی نہایت آسان ہے۔ کہ جب کسی چیز سے محبت ہو۔ تو اسکی جدائی سے درد اور غم پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ صحت منقولی نہیں بلکہ اپنے اندر معقولی رنگ رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَاِنَّ لِلّٰهِ الْمَوْفِقَةَ اِنَّنِیْ نَظْلِمُكَ الْاَفْسَدَ دَارَہِ تِیس پس یہ وہی غیر اللہ کی محبت کی آگ ہے۔ جو انسانی دل کو جلا کر رکھ کر دیتی ہے۔ اور ایک دردناک عذاب اور درد میں مبتلا کر دیتی ہے۔ پس پھر کہتا ہوں کہ یہ بالکل سچی اور یقینی بات ہے۔ کہ نفس مطمئنہ کے بدون انسان نجات نہیں پاسکتا۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کیا ہے۔ نفس امارہ کی حالت میں انسان شیطان کا غلام ہوتا ہے اور لو آئمہ کی حالت میں اسے شیطان کے ساتھ ایک مجاہدہ اور جنگ کرنی ہوتی ہے۔ جس میں کبھی وہ غالب آ جاتا ہے اور کبھی شیطان۔ مگر مطمئنہ کی حالت ایک امن اور آرام کی حالت ہوتی ہے۔ کہ وہ آرام سے

بیٹھ جائے جیسا کہ آیت **يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ** سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری
 حالت میں کس قدر سہولت ہوتی ہے۔ چنانچہ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نفس مطمئنہ اللہ کی طرف چلا آ
 ظاہر کے لحاظ سے تو یہ مطلب ہو کہ جان کنہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی ہے کہ اے
 مطمئن نفس اپنے رب کی طرف چلا آ۔ وہ تجھ سے خوش ہے۔ اور تو اس سے راضی۔ مگر چونکہ قرآن شریف
 کے لئے ظاہر اور باطن اور دونوں میں اس لئے بطن کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اے اطمینان پر پہنچنے ہوئے
 نفس اپنے رب کی طرف چلا آ یعنی طبعاً تیری یہ حالت ہو چکی ہے کہ تو اطمینان اور سکینت کے مرتبہ پر
 پہنچ گیا ہے اور تجھ میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی کج نہیں رہا۔ لہذا اس کی حالت میں تو تکلیف ہوتی ہے
 مگر مطمئنہ کی حالت میں ایسا ہوتا ہے کہ جیسے پانی اوپر سے گرتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی محبت
 انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور وہ خدا ہی کی محبت سے جینا ہے۔ غیر اللہ کی
 محبت جو اسکے لئے چلنے اور جہنم کے پیدا کرنے والی ہے۔ جل جاتی ہے۔ اور اُسکی جگہ روشنی اور نور
 بھردیا جاتا ہے۔ اُسکی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اُسکا منشاء ہو جاتا ہے۔
 اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی حالت میں اُسکے لئے بطور جان ہوتی ہے جس طرح دندگی کے قیام کے لئے
 لازم دندگی ضروری ہے اسی طرح اُسکی دندگی کے قیام کے لئے خدا اور صرف خدا ہی کی ضرورت ہوتی
 ہے۔ یا بالفاظ دیگر اُسکا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ ہی اُسکی سچی خوشی اور پوری راحت ہوتا ہے نفس
 کی نشانی یہ ہے کہ ہر دوسری خارجی تحریک کے وہ ایسی صورت پکڑ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہون
 رہ نہیں سکتا۔ اور یہی انسانی ہستی کا مدعا ہے۔ اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ فانی اور بیکار انسان شکار
 شیطانی گتھ و غیرہ اشغال اپنے لئے پیدا کر لیتے ہیں مگر نفس مطمئنہ جبکہ ناجائز اور عارضی بلکہ لبا اوقات
 رنج اور کرب پیدا کرنے والے اشغال سے ایک دفعہ الگ ہو گیا۔ اب آگ ہو کر منقطع عالم اُسے کیوں یاد آوے
 اس لئے اُسکی محبت خدا ہی سے ہو جاتی ہے یہ امر بھی دل سے محسوس ہونا چاہئے کہ محبت و دوستی کی ہوتی ہے
 ایک ذاتی محبت ہوتی ہے اور دوسری محبت اغراض سے وابستہ ہوتی ہے۔ باہوں کہہ لو کہ موخر الذکر
 کا باعث صرف چند عارضی باتیں ہوتی ہیں۔ جتنکے دور ہوئے ہی وہ محبت سرد ہو کر رنج اور غم کا باعث
 بن جاتی ہے۔ مگر ذاتی محبت سچی راحت پیدا کرتی ہے۔ اور چونکہ انسان فطرتاً اللہ تعالیٰ کے لئے پیدا
 ہوا ہے جیسا کہ فرمایا۔ **مَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدَنِي** (پارہ ۲۴) اس لئے
 خدا تعالیٰ نے اُسکی فطرت میں ہی اپنے لئے کچھ نہ کچھ رکھا ہوا ہے۔ اور اپنے پوشیدہ اور مخفی درخفی
 اسباب سے اُسے اپنے لئے بنایا ہوا ہے۔ پس جب انسان جھوٹی اور مافیہ میں عارضی اور رنج

پر ختم ہو جانے والی محبتوں سے الگ ہو کر صرف خدا کے لئے ہی ہو جاتا ہے۔ اس طرح کوئی اُجد نہیں رہتا۔ اور خدا کی طرف دوڑا چلا آتا ہے۔ پس اس آیت **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ** میں اُسی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا آواز دینا یہی ہے۔ کہ درمیانی حجاب اُٹھ گیا اور لوہا نہیں رہا۔ یہ متقی کا انتہائی درجہ ہوتا ہے۔ جہاں وہ اطمینان اور راحت پاتا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن **ثَوْرٍ** نے اس اطمینان کا نام فلاح اور استقامت بھی رکھا ہے۔ اور **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** میں اسی استقامت یا اطمینان یا فلاح کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ جسے خود مستقیم کا لفظ بتلا رہتا ہے۔

یہ سچی بات ہے۔ کہ خدا تعالیٰ غیر معمولی طور پر کوئی کام نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ خلق اسباب کر لیتے۔ خواہ ہم کو ان اسباب پر اطلاع ہو یا نہ ہو۔ العزیز اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ اس لئے **شَقَّ الْقَمَرُ** یا **كَادَ كُوْنِي بَرْدًا** و **سَلَا مَلَكُ الْعِجْرَاتِ** بھی خارج از اسباب نہیں ہیں بلکہ وہ بھی بعض مخفی و مخفی اسباب کے نتائج ہیں اور سچی اور حقیقی سائنس پر مبنی ہیں۔ کوتاہ اندیش اور تاریک فلسفہ کے دلدادہ اُسے نہیں سمجھ سکتے۔ مجھے حیرت آتی ہے۔ کہ جس حال میں یہ ایک مسلم امر ہے کہ عدم علم سے عدم غے لازم نہیں آتی تو نادان فلاسفہ کیوں ان اسباب کی بے علمی کی وجہ سے جو ان معجزات کا موجب ہیں۔ اہل معجزات کی نفی کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ ہاں ہمارا یہ مذہب یہی کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی بندے کو ان اسباب و خفیہ پر مطلع کرے۔ لیکن یہ کوئی لازمی بات نہیں دیکھو۔ انسان جب اپنے لئے گھر بناتا ہے۔ تو جہاں اور ب آسائش کے سامانوں کا خیال رکھتا ہے۔ وہاں سب سے پہلے اس امر کو بھی ملحوظ رکھ لیتا ہے۔ کہ اندر جانے اور باہر نکلنے کے لئے بھی کوئی دروازہ بنالیتا ہے۔ اور اگر زیادہ ساز و سامان ہاتھی گھوڑے گاڑیاں وغیرہ بھی اُسکے پاس ہوں۔ تو علی قدر مراتب ہر ایک چیز اور سامان کے نکالنے اور داخل کرنے کے لئے دروازہ بناتا ہے۔ نہ یہ کہ سانپ کی رہائش گاہ کی طرح ایک چھوٹا سا سوراخ۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے فعل یعنی قانون قدرت پر ایک وسیع اور پر غور نظر ڈالنے سے ہم پتہ نکا سکتے ہیں۔ کہ اُس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے یہ کبھی نہیں چاہا۔ کہ وہ عبودیت سے سرکش ہو کر ربوبیت سے متعلق نہ ہو۔ ربوبیت نے عبودیت کو دور کر لیا ارادہ کبھی نہیں سمیٹا۔ سچا فلسفہ یہی ہے۔ جو لوگ عبودیت کو کوئی مستقل اختیار والی شے سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اُسے ایسا نہیں بنایا۔ ہماری معلومات خیالات۔ اور عقول کا باہم مساوی نہ ہونا اور ہر امر پر پوری اور کما حقہ روشنی ڈالنے کے ناقابل ہونا صحیح دلیل اس امر پر ہے کہ عبودیت بدون

فیضانِ ربوبیت کے نہیں رہ سکتی۔ چارے جسم کا ذرہ ذرہ غلامانگ کا حکم رکھتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو پھر
 دو اور اس سے بڑھ کر دُعا کا اصول ہی بے فائدہ ہوتا۔ زمین و آسمان اور مافی الارض و السموات پر نظر کرو۔
 اور سوچو۔ کہ کیا تمام مخلوقات بذاتہ و بنفسہ اپنے قیام اور رہتی میں مستقل اختیار رکھتی ہیں۔ یا کسی کے محتاج
 ہیں۔ تمام مخلوقات اجرامِ فلکی ہو لیکر ارضی تا کہ اپنی بناوٹ میں ہی عبودیت کا رنگ رکھتی ہیں ہر پتے سے
 یہ پتہ ملتے ہیں اور ہر شاخ سے یہ صد انکلتی ہے کہ انہیں الوہیت اپنا کام کر رہی ہے۔ اُسکے عمیق و عریق
 تصرفات جنگو ہم خیال اور قوت سے بیان نہیں کر سکتے۔ بلکہ کامل طور پر سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اپنا کام کر رہی
 ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ** (بارہ تیسرا) یعنی اللہ تعالیٰ ہی ایک
 ایسی ذات ہے جو جامع صفاتِ کاملہ اور ہر ایک نقص سے مبرا ہے۔ وہی متقی عبادت ہے۔ اور اُسی کا وجود
 بدیہی الثبوت ہے۔ کیونکہ وہی بالذات اور قائم بالذات ہے۔ اور بخیر اُسکے اور کسی چیز میں حی بالذات
 اور قائم بالذات ہونے کی صفت نہیں پائی جاتی۔ کیا مطلب کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی چیز میں صفت
 نظر نہیں آتی کہ بغیر کسی علت موجبہ کے آپ ہی موجود اور قائم ہو۔ یا کہ اس عالم کی جو محال حکمت اور ترتیب
 محکم و موزون کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ علت موجبہ ہو سکے۔ الغرض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا
 اور کوئی ایسی ہستی نہیں ہے۔ جو ان مخلوقاتِ عالم میں تغیر و تبدل کر سکتی ہو۔ یا عالم کی ہر چیز کی حیات کا
 موجب اور قیام کا باعث ہو۔ اس آیت پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وجودی مذہب حتیٰ سے
 دُور چلا گیا ہے۔ اور اُسکے صفاتِ الہیہ کے سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھاتی ہے۔ اور عبودیت والوہیت کی رشتہ
 کے سمجھنے میں ہی انکو ٹھوکر لگ گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے جو لوگ اہل کشف ہوئے ہیں۔ اور
 انہوں نے بذریعہ مجاہدہ اس امر کو دریافت کرنا چاہا۔ تو عبودیت اور ربوبیت کے رشتہ میں امتیاز نہ کر سکے
 اور خلقِ الاشیاء کے قائل ہو گئے۔

قرآن شریفِ قلب پر ہی وارد ہو کر زبان پر آتا ہے۔ اور قلب کا کس قدر گہرا تعلق ربوبیت سے تھا کہ
 کلامِ الہی کا مود بنگیا۔ انسان جب غلط فہمی سے قدم اٹھاتا ہے۔ تو پھر مشکلات کے جھنڈ میں پھنس جاتا
 ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے تصرفات انسان کے ساتھ ایسے عمیق و عریق ہیں۔ کہ
 کوئی طاقت ان کو بیان نہیں کر سکتی۔ اور اگر ایسا ہوتا۔ تو اُسکی ربوبیت اور صفاتِ کاملہ مندرجہ قرآن
 نہ پائی جاتیں۔ ہمارا عدم ہی اُسکی ہستی کا ثبوت ہے۔ اور یہ ایک سچی بات ہے کہ جب انسان ہر طرح سے
 بے اختیار ہوتا ہے تو اُسکا عدم ہی ہوتا ہے۔ اس بار ایک بھید کو بعض لوگ نہ سمجھ کر خلقِ الاشیاء **هُوَ**
 عَنِ کہہ اٹھے۔ وجودی اور شہودی میں سے اول الذکر تو وہی ہیں جو خلقِ الاشیاء ہوعین کہتے

اور مانستے ہیں۔ اور ثانی الذکر وہ ہیں جو فنا نے نظری کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ محبت میں انسان اس قدر استغرق کر سکتا ہے کہ وہ فنا فی اللہ ہو سکتا ہے اور پھر اس کے لئے یہ کہنا سزاوار ہو سکتا ہے کہ میں تن شدم تو چاہاں شدی من تو شدم تو من شدی تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگرگی -

بانیہم تصرفات اکہیہ کا قائل ان کو بھی ہونا پڑتا ہے خواہ وجودی ہوں یا شہودی ہوں ان کے بعض بزرگ اور اہل کمال حضرت بانیہم بطائی علیہ الرحمۃ سے لیکر حضرت شبلی رحمہ و النون رحمہ اور حضرت حجازی الدین ابن عربی رحمہم کے کلمات علیہ العموم ایسے ہیں کہ بعض ظاہر و پیر اور بعض مخفی طور پر اسی طرف گئے ہیں پس میں یہ بات کھول کر کہنی چاہتا ہوں کہ ہمارے یہی نہیں کہ ہم ان کو استہزاء کی نظر سے دیکھیں نہیں ہرگز نہیں وہ اہل عقل تھے بات یوں ہے کہ معرفت کا یہ ایک باریک اور عین راز تھا ہمارے ساتھ سے نکل گیا یہی بات تھی اور کچھ نہیں خدا تعالیٰ کے اعلیٰ تصرفات پر انسان ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ الکالات اسلئے انہوں نے انسان کو ایسا ہی دیکھا اور ان کے منہ سے ایسی ہی باتیں نکلیں اور وہیں اُدھر منتقل ہو گیا پس یہ امر محض رد و دل یا درکھو کہ باوصفیکہ انسان صفائی باطن سے ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے (جیسا کہ ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس مرتبہ اعلیٰ پہنچ گئے) کہ جہاں اُسے اقتداری طاقت مل جاتی ہے لیکن خالق اور مخلوق میں ایک فرق ہے اور نمایاں فرق ہے اس کو کبھی دل سے بھولنا نہ چاہیے انسان مہنتی کے عوارض سے آزاد نہیں نہ یہاں اور نہ وہاں کہتا پیتا ہے معاصی ہوتے ہیں کہ باثر بھی اور صفا اثر بھی اسی طبع اگلے جہان میں بھی بعض جہنم میں ہونگے اور بعض جنت الخلد میں غرض انسان کبھی بھی جامہ عبودیت سے باہر نہیں ہو سکتا پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کونسا حجاب ہو کہ جسے وہ اُتار کر ربوبیت کا جامہ پہن لیتا ہے بڑی بڑے زاہدوں اور مجاہدہ کرنے والوں کے شامل حال عبودیت ہی رہی قرآن کریم کو پڑھ کر دیکھ لو اور چارہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ کر دنیا میں کسی کامل انسان کا نمونہ موجود نہیں اور نہ آئندہ قیامت تک ہو سکتا ہے پھر دیکھو کہ اقتداری مجزات کے طے پر بھی حضور م کے شامل حال ہمیشہ عبودیت ہی رہی اور بار بار اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ فِیْہِ لَکَ دُبَارَہُ (۱۶) ہی فرماتے رہے یہاں تک کہ کلمہ توحید میں بھی اپنی عبودیت کے اقرار کو ایک جزو لازم قرار دیا جس کے بغیر مسلمان مسلمان ہی نہیں ہو سکتا سوچو اور پھر سوچو جس حال میں ہادی اکمل کی طرز زندگی تکوین سبق دے رہی ہے کہ اعلیٰ ترین مقام قرب پر بھی پہنچ کر عبودیت کے اعتراف کو ہاتھ سے نہیں دیا تو اور کسی کا ایسا خیال کرنا یا ایسی باتوں کا دل میں لانا ہی عبث اور فضول ہے ہاں یہ سچی بات ہو کہ جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ

اللہ تعالیٰ کے تصرفات بھی درمیان میں چکی تعداد اور گنتی ناممکن ہے۔ انسان جب قدر زرہ میں نرقتی کرتا اور مجاہدہ کرتا ہے۔ اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے اور اس نسبت سے ان تصرفات کا ایک رنگ اسپرکاتا جاتا ہے۔ اور تصرفات الہیہ کی واقفیت کا دروازہ اسپر کھلتا جاتا ہے۔ یہاں یہ بیان کروینا بھی مناسب موقع ہے۔ کہ تصرفات بھی دو اقسام کے ہوتے ہیں اول باعتبار مخلوق کے اور دوم باعتبار قرب کے۔ انبیاء کے ساتھ ایک تصرف تو اسی مخلوق کی نوعیت اور اعتبار سے ہوتا ہے۔ **يُؤْتِي كُلَّ الشَّيْءِ قَدْرًا** (۱۸) وغیرہ کے رنگ میں ہوتا ہے صحت بیماری وغیرہ اسی کے ماتحت ہوتی ہیں۔ مگر دوسرا تصرف قرب کے مراتب میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے طور پر ان سے قریب ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ مخاطبات اور مکالمات شروع کر دیتا ہے۔ اور ان کی دعاؤں کا جواب دیتا ہے۔ جسے بعض لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ یہاں شک ہی نہیں۔ بلکہ مخاطبہ اور مکالمہ سے بڑھ کر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ الوہیت کی چادر ان پر پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی اتنی کے طبع کے نمونے ان کو دکھاتا ہے۔ جس قرب اور تعلق کی ٹھیک مثال اس طرح پر ہو۔ جیسے لوہے کو آگ میں رکھ دیں تو وہ اثر پذیر ہو کر آگ کا سرخ ٹکڑا ہی نظر آتا ہے۔ اس وقت اسپر آگ کی سسی روشنی بھی ہوتی ہے۔ اور احراق جو آگ کی ایک صفت ہے۔ وہ بھی اسپر آ جاتی ہے۔ مگر ایضہ یہ ایک بین بات ہو۔ کہ وہ لوہا آگ یا آگ کا ٹکڑا نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے ہمارا تجربہ ہے۔ کہ اہل اللہ قرب الہی میں ایسے مقام تک جا پہنچتے ہیں جہاں کہ باقی رنگ بشریت کے رنگ و بو کو بھام و کمال اپنے رنگ کے نیچے متواری کر لیتا ہے۔ اور جس طرح آگ لوہے کو اپنے نیچے ایسا چھپا لیتی ہے کہ ظاہر میں بجز آگ کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اور ظلی طور پر وہ صفات الہیہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ اس وقت اس سے بغیر دعا اور التجا کے ایسے اعمال صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر الوہیت کے خواص رکھتے ہیں اور اس کے منہ سے ایسی باتیں نکالتی ہیں۔ کہ جس طرح وہ کہتا ہے۔ ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ اور زبان سے ایسے امور کے صدور کی بصراحت بحث ہو۔ جیسا کہ **مَا ذَمِّتَ إِذْ ذَمِّتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذَكَرْنِي** (۹) اور ایسا ہی معجزہ شق القمر۔ اسی طرح اکثر مر فیضیہ الحال لوگوں کا اچھا کر دینا ثابت ہے۔ قرآن کریم میں جو حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں یہ ارشاد ہوا۔ کہ **مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ** (۳۰) اس شدید اور اعلیٰ ترین قرب ہی کی طرف اشارہ ہو۔ اور حضرت بنی کریم سلم کے کمال تزکیف و تقرب الہی پر دلیل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ عبد مومن کے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں وغیرہ ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب بھی

یہی ہے کہ اس کے تمام اعضا اطاعت الہی کے رنگ سے ایسے رنگین ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک لہری آلہ
 ہیں۔ جبکہ ذریعہ سے وقتاً فوقتاً افعال الہیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں یا ایک مصفا آئینہ ہیں جس میں
 مرضیات الہیہ بصفاء تمام عکسی طور پر ظہور پکڑتی رہتی ہیں۔ یا یہ کہو کہ وہ اس حالت میں اپنی انسانیت
 سے بکلی دست بردار ہو جاتے ہیں جس طرح انسان جب بولتا ہے تو اس کے دل میں خیال ہوتا ہے۔ کہ لوگ
 اس کی فصاحت اور خوش بیانی اور قاءد الکلامی کی تعریف کریں مگر وہ لوگ جو خدا کے بولتے بولتے ہیں
 تو ان کی روح تب ہی جوش مارتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ایک موج اسپر اثر انداز ہو کر
 تہجید پیدا کرے۔ وہ اپنی آواز اور لکھم سے نہیں بولتے۔ بلکہ الہی حال اور قال اور جوش سے۔ اسی طرح
 جب وہ دیکھتے ہیں تو ان کی رویت اپنے دماغ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے نور سے ہوتی ہے۔ اور وہ
 اپنے کو ایک ایسی چیز دکھاتا ہے جو دوسری پر غور نظر ہی نہیں دیکھ سکتی جیسا کہ فرمایا۔ **لَا تَنظُرُوا إِلَىٰ شَيْءٍ**
إِلَّا أَنْ تَقُولُوا هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ یعنی مومن کی فراست سے بچو۔ کیونکہ تمہاری آواز ہے اور اس کی آمد تمہارا قال ہے اور
 اس کا حال جس طرح ایک گھڑی جب چلتی ہے تو اس کے پُرزے تو اسے چلاتے رہینگے۔ ابر میں تم تین بجے کی
 بجائے سات بجے کہہ سکتے ہو۔ مگر گھڑی جو اسی مطلب کے لئے بنائی گئی ہے۔ وہ ٹھیک وقت بتا دیگی۔ اور غلط
 نہ کرے گی پس اگر اس امر میں جھگڑا کرو گے۔ تو پھر خفت کیا حاصل ہوگا۔ اسی طرح سے یاد رکھو کہ شفی کا
 یہ کام نہیں۔ کہ وہ ان لوگوں سے جھگڑے اور مقابلہ کرے۔ جو قرب الہی کا درجہ رکھتے ہیں اور دنیا میں
 مختلف ناموں سے پکائے جاتے ہیں پس عبد مومن کے مقابلے سے ڈرو۔ اور **الْقَوَا** کے مصداق بنو۔
 ایسا نہ ہو کہ تم جھوٹے نکلو اور پھر اس غلط کاری کے بدترین نتائج بھگتو۔ کیونکہ مومن تو اللہ کے نور سے
 دیکھتا ہے اور وہ نور تم کو نہیں ملا۔ اس لئے تم ٹیڑھے چل سکتے ہو۔ مگر مومن ہمیشہ سیدھا ہی چلتا ہے۔ تم
 خود ہی تہلاؤ۔ کہ کیا وہ شخص جو تاریکی میں چل رہا ہے اس آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہے جو چراغ کی روشنی
 میں جا رہا ہے۔ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ** (پارہ ۷) کیا اندھا
 اور بینا مساوی ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں پس اس بات کو دیکھتے ہوئے کس قدر غلطی ہے کہ ہم اس سوچاؤ
 حاصل کریں البعض مومن کی فراست سے ڈرنا چاہیے۔ اور اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جانا ایک دانشمند
 انسان کا کام نہیں ہے۔ مومن کی شناخت انہیں آثار اور نشانات سے ہو سکتی ہے جو ہمیں ادب و بیان
 کئے ہیں۔ اسی فراست الہیہ کا عیب تھا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تھا۔ اور یہ رعب انبیاء کے ساتھ
 بطور نشان الہی آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے منکر و دیانت کر لیا کرتے تھے۔
 کہ اگر یہ وحی الہی ہے تو ہم مخالفت نہیں کرتے۔ اور وہ کلام الہی ان کے ایک ہییت میں آجایا کرتے تھے۔

مشکل کے قدر کے موافق اس کے کلام میں ایک عظمت اور ہیبت ہوتی ہے۔ دیکھ لو کہ دنیاوی حکام کے بدبرو جانے وقت بھی ایک ہیبت اور رعب ہوتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں قلم ہے کہیں نقصان نہ پہنچا دیں اسی طرح سے جن لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں مومن کے ساتھ خدا ہے تو وہ اس کی مخالفت چھوڑ دیتے ہیں اور اگر سمجھیں نہ اس کے تو تنہائی میں بیچل کر سپر غور کرتے اور سوچتے ہیں۔ یہ نہایت ضروری بات ہے کہ وہ سرے لوگ اس شخص کے جو واقف راہ اور روشنی والا ہے تلخ ہو جائیں۔ اور یہی اس حدیث (اَلْعَوَاظُ سَيِّئَاتُ الْمُؤْمِنِ كَالْمَنْشَلِ) اور مفہوم ہے۔ یعنی جب مومن کچھ بیان کرے۔ تو خدا تعالیٰ سے ڈر کر اس کی بات کو سننا چاہیے کیونکہ وہ جو کچھ بولتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بولتا ہے +

مدعا یہ ہے کہ مومن جب خدا تعالیٰ سے صحبت کرتا ہے۔ تو انہی نور کا اسپر احاطہ ہو جاتا ہے اگرچہ وہ نور اس کو اپنے اندر چھپا لیتا اور اس کی بشریت کو ایک حد تک مبسم کر دیتا ہے۔ جس طرح آگ میں پڑا ہوا لود ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ حیوویت اور بشریت بالکل معدوم نہیں ہو جاتی۔ یہی وہ ماز ہے۔ جو قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ ۱۶) کی تہ میں مرکوز ہے۔ بشریت تو ہوتی ہے۔ مگر وہ الوہیت کے رنگ کے نیچے متواری ہو جاتی ہے۔ اور اس کے تمام قواسمہ اعضاء والہی راہوں میں اللہ تعالیٰ کے اراعد سے پڑ ہو کر اس کی خواہشوں کی تصویر بن جاتے ہیں۔ اور یہی وہ امتیاز ہے۔ جو اس کو کرۂ مخلوق کی روحانی تربیت کا قلیل بنا دیتا ہے۔ اور الوہیت نامہ کا ایک منظر قرار دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کبھی بھی ایک بنی مقدر مخلوقات کے لئے ہادی اور راہبر نہ ہو سکے۔ چونکہ ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل دنیا کے انسانوں کی روحانی تربیت کے لئے شریف لائے تھے۔ اس لئے یہ رنگ حضور علیہ السلام میں بدرجہا حال موجود تھا۔ اور یہی وہ مرتبہ ہے جس پر قرآن کریم نے متعدد مقامات پر حضور کی نسبت شہادت دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے مقابل اس کی رتگ میں انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر فرمایا جیسا فرمایا۔ مَا ارْسَلْنَاكَ اِلَّا دَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ (پارہ ۱۷) یا فرمایا قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا (پارہ ۹) قرآن شریف کے دیگر مقامات پر نظر کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے ماضی فرمایا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کا کوئی استاد نہ تھا۔ مگر باوجود اس بات کے کہ حضور علیہ السلام انہی تھے۔ آپ کے دین میں اُتیبون اوسط درجہ کے لوگوں کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے مفلحانوں اور عالموں کو بھی داخل کر دیا جس سے قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا (پارہ ۹) کے معنی نہایت ہی لطیف طور پر سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جمیعاً کے دو معنی ہیں۔ اہل تمام بنی نوع الانسان یا تمام مخلوق۔ دوم تمام طبقات کے آدمی یعنی متوسط۔ اونے والے۔ مفلحانوں و ہر قسم کی عقل

رکھنے والے غرض کہ عقل اور مزاج کا آدمی آپ سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ قرآن کریم کو دیکھ کر حیرت ہوتی
 ہے کہ اس اُتقی نے صرف کتاب اور حکمت ہی نہیں بتلائی۔ بلکہ تزکیہ نفس کی کل راہوں سے واقف کیا
 اور یہاں تک کہ ایزد تبار روح منہ تک پہنچا دیا۔ دیکھو اور پھر غور نظر سے دیکھو۔ کہ قرآن شریف ہر قسم کے
 طالب کو مطلوب تک پہنچاتا اور ہر راستی اور صداقت کے پیاسے کو سیراب کرتا ہے۔ لیکن خیال تو کرو
 کہ یہ حکمت اور معرفت کا دیا۔ صداقت اور نور کا چشمہ کس پر نازل ہوا۔ اسی محمد رسول اللہ پر
 جو ایک طرف تو اُتقی کہلاتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ کائنات اور حقائق اُس کے منہ سے نکل رہے ہیں کہ
 دنیا کی تاریخ میں اُسکی نظیر نہیں پائی جاتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال افضل ہے کہ نا لوگ اس بات کو محسوس کریں
 کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے تعلقات کہاں تک ہو سکتے ہیں کیسری غرض اس بیان سے یہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کے تعلقات انسان کے ساتھ بہت قرب کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ مقررین کے ساتھ
 الوہیت کا ایسا گہرا تعلق ہو جاتا ہے۔ کہ مخلوق پرست انسان اُن کو خدا سمجھ لیتے ہیں۔ یہ بالکل صحیح اور درست
 بات ہے جو کہا ہے مردان خدا جدا بننا شند۔ لیکن از خدا جدا بننا شند۔ اللہ تعالیٰ کا تعلق اُنکے ساتھ
 استفادہ ہوتا ہے کہ بغیر دُعاؤں کے بھی اُنکی امداد کرتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ انسان کا اعلیٰ درجہ وہی نفس مطمئنہ
 کا درجہ ہے جس پر غیبت گفتگو شروع کی تھی۔ اس حالت میں دیگر تمام حالتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ
 انسان کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ جو زمینی اور مٹی نہیں ہوتا۔ بلکہ علوی اور سماوی ہوتا ہے۔ یہ اطمینان جس کو
 فلاح اور تقاضا مت بھی کہتے ہیں اور اِھْدِنا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں بھی اسی کی طرف اشارہ
 ہے جس میں اسی راہ پر چلنے کی دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور یہ استقامت کی راہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو
 نعم علیہم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افضال و اکرام کے مورد ہیں۔ نعم علیہم کی راہ کو خاص طور پر بیان کرنے سے
 یہ مطلب تھا۔ کہ تقاضا مت کی مختلف راہیں ہیں۔ مگر وہ استقامت جو کامیابی اور فلاح کی راہوں کا نام ہے
 وہ انبیاء کی راہیں ہیں۔ اس میں ایک اہم بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اِھْدِنا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ
 دُعا انسان کی زبان۔ قلب اور فعل سے ہوتی ہے۔ اور جب انسان اللہ تعالیٰ سے نیک ہونے کی دُعا
 کرتا ہے تو اسے شرم آتی ہے مگر یہ دُعا ان سب مشکلات کو دور کر دیتی ہے اَیَاکَ نَعْبُدُ وَ اَیَاکَ
 نَسْتَعِیْنُ تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ سے ہی امداد چاہتے ہیں۔ اَیَاکَ نَسْتَعِیْنُ پر اَیَاکَ
 نَعْبُدُ کو تقدم اسلئے ہے کہ انسان دُعا کے وقت تمام قوائے سے کام لیکر خدا تعالیٰ کی طرف آتا ہے
 یہ اُسکے حضور بے ادبی اور گستاخی ہے کہ قوا سے کام نہ لے کر اور قانون قدرت کے قوا کو کام میں
 نہ لاکر اُسکے حضور کو مے۔ مثلاً اگر کسان تخم بریزی کرنے سے پہلے ہی یہ دعا کرے کہ اُہی اس کھیت کو

ہر بھر کر۔ اور پھل پھول لا۔ تو یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شوخی اور تسخر ہے۔ اسی کو خدا کا امتحان اور آزمائش کہتے ہیں جس سے سن کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ خدا کو مت آداؤ۔ جیسا کہ حضرت مسیحؑ کے مادہ مانگنے کے قصہ میں اس امر کو بوضاحت بیان کیا ہے۔ اُس پر غور کرو اور سوچو۔ یہ سچی بات ہے۔ کہ جو شخص اعمال سے کام نہیں لیتا وہ دعا نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کرتا ہے۔ اس لئے دعا کرنے سے پہلے اپنی تمام طاقتوں کو خراج کرنا ضروری ہے اور یہی معنی اس دعا کے ہیں۔ انسان کو لازم ہے۔ کہ پہلے اپنے اعتقاد اور اعمال میں نظر کرے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہو کہ اصلاح اسباب کے پیرایہ میں کرتا ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی ایسا سبب پیدا کر دیتا ہے۔ کہ جو انسان کی اصلاح کا موجب ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ اس مقام پر خاص غور سے کام لیں۔ جو کہہ رہا کرتے ہیں کہ جب دعا ہوئی تو اسباب کی کیا ضرورت ہے۔ وہ نادان سوچیں کہ دعا بجائے خود ایک نفعی سبب ہو جو دوسرے اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اور اِذَا كَانَ لَعْنُكَ تَقْدِمُ اَيَّامَكَ كَسْتَعِجِّلُنَّ بِرَبِّكَ عَاطِيَةً اس امر کی خاص تشریح کرتا ہے۔ غرض عادت اللہ پر یونہی دیکھ رہے ہیں کہ وہ خلق اسباب کر دیتا ہے۔ دیکھو پیاس ٹھجانے کے لئے پانی اور بھوک کے مٹانے کے لئے کھانا ہتیا کرتا ہے مگر اسباب کے ذریعے سے۔ پس یہ سلسلہ اسباب اسی طرح چلتا ہے اور خلق اسباب ضرور ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے یہ دو نام ہی ہیں جیسا کہ مولوی محمد احسن صاحب نے ذکر کیا تھا۔ کہ كَانَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَزِيزٌ تَوْبَةً ہے کہ ہر ایک کام کر دینا۔ اور وَجِیمٌ یہ کہ ہر ایک کام کسی حکمت سے موقع اور محل کے مناسب اور موزون کر دینا۔ دیکھو نباتات اور جمادات میں قسم قسم کے خواص رکھے ہیں۔ ترتیب کو یہی دیکھو کہ وہ ایک دوسرے تک کھانے سے دست لے آتی ہے۔ ایسا ہی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر تو قادر ہو کہ یونہی دست آجائے۔ یا پانی کے بغیر ہی پیاس ٹھج جائے۔ مگر چونکہ عجائبات قدرت کا علم دینا بھی ضروری تھا کیونکہ جنتہ و اقیات اور علم عجائبات قدرت کا وسیع ہونا جاتا ہے۔ اسی قدر انسان اللہ تعالیٰ کی صفات پر اطلاع پا کر قرب الہی حاصل کرنے کے قابل ہوتا جاتا ہے۔ طبابت اور ہیئت سے ہزارہا خواص معلوم ہوتے ہیں۔ علوم ہیں ہی کیا؟ صرف خواص الاشیاء کا ہی تو نام ہے۔ سیارہ۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ نباتات کی تاثیریں اگر نہ ہوتیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفت علیم پر ایمان لانا انسان کے لئے مشکل ہو جاتا۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ ہمارے علم کی بنیاد خواص الاشیاء ہے۔ اور اس سے یہ غرض ہے۔ کہ ہم حکمت دیکھیں۔ علوم کا نام حکمت بھی رکھا ہی چنانچہ فرمایا وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوتِيَ حَبِیْرًا كَثِیْرًا رَّپَہ ۳۸ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کا مقصد یہی ہے۔ کہ اس دعا کے مقصد ان کو دل کے اعمال و اخلاق و عقائد کی نقل نہ کرنی چاہئے۔ جو عام جائز ہیں جہاں تک انسان سے ممکن ہو عقائد اخلاق اور اعمال سے کام لے۔ اس امر کو

تم مشاہدہ میں دیکھ سکتے ہو۔ کہ جب تک انسان اپنے قویٰ سے کام نہیں لیتا وہ ترقی نہیں کر سکتا۔ یا ان کو اصل غرض اور مقصود سے ہٹا کر کوئی اور کام ان سے لیتا ہے جس کے لئے وہ پیدا نہیں ہوئے تو بھی وہ ترقی کی راہ میں نہ بڑھیں گے۔ اگر آنکھ کو چالیں معز بند رکھا جائے۔ تو اسکی دیکھنے کی طاقت سلب ہو جائیگی۔ پس یہ ضروری بات ہے کہ سب سے پہلے اپنے قوائے کو ان کے فطرتی کاموں پر لگاؤ۔ اسپر اجر مترتب ہوگا۔ ہمارا اپنا ذاتی تجربہ ہے۔ کہ جہاں تک اپنی علی طاقتوں سے کام لیا جائے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی برکت نازل ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اول عقائد اخلاق اور اعمال کو درست کرو۔ پھر اھدِ نَا الضَّرَاطِ السَّتَقِیْمَ کی دُعا مانگو۔ تو اسکا اثر کامل طور پر ظاہر ہوگا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ اُمت مرحومہ ایک ایسے دامن میں پیدا ہوئی ہے کہ جب ہر طرف سے مختلف قسم کی آفات پیدا ہونے لگی تھیں اُمت مرحومہ اسلئے کہلائی۔ کہ ہر طرف معاصی کا دور ہو گیا جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (پارہ ۲۱) اور دوسری جگہ فرمایا :- یٰحٰی اَلْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِیْکَ اِذَا رَآهِنَّ اَلانَ ہر دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو نقشے دکھائے ہیں۔ اول الذکر میں تو اس دامن کا نقشہ ہے۔ کہ جب ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے اکثر معاصی کے باعث دنیا کی حالت قابلِ رحم ہو گئی تھی۔ اخلاق۔ اعمال عقائد سب کا نام اٹھ گیا تھا۔ اسلئے آنحضرت مسلم کی اُمت کو اُمت مرحومہ فرمایا۔ کیونکہ اُسوقت بڑے ہی رحم کی ضرورت تھی۔ اور اسی لئے آنحضرت مسلم کی نسبت فرمایا۔ کہ مَا اَدْرٰکُکَ الْاَدْحَمَکَ لِلْعَالَمِیْنَ (پارہ ۱۴) قابلِ رحم اُس شخص کو کہتے ہیں جسے سانپوں کی زمین پر چلنے کا حکم ہو۔ یعنی خطرات غیلہ اور آفات شدید و پیش ہوں پس اُمت مرحومہ اس لئے کہا۔ کہ یہ قابلِ رحم ہے۔ جب انسان کو مشکل کام دیا جاتا ہے تو وہ مشکل قابلِ رحم ہوتی ہے۔ ایسے شریر لوگوں سے جو شرارت میں تجربہ کار اور اول درجہ کے خطاکار ہوتے ہیں مقابلہ ہوتا ہے پھر اسپر یہ کہ امتیوں کو ایسی شریر اقوام سے سابقہ پڑتا ہے۔ اُمّی جو حساب نہیں جانتے۔ اسلئے بھی اس اُمت کا نام اُمت مرحومہ رکھا۔ مسلمانوں کو کس قدر خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قابلِ رحم سمجھا۔ پہلے انبیاء و رسل ایسے اوقات میں آیا کرتے تھے کہ لوگ مختلف قسم کے مکائد سے واقف نہ ہوتے تھے اور پھر بعض اپنی ہی قوم میں آیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اُسوقت ہوئی۔ کہ عام لوگ مسکند اور رومینا کے علوم و فنون اور فلسفہ و سائنس کے پکے ماہر ہو چکے تھے۔ راستباز لوگوں کو اس جہان کے ظاہری علوم اور مادی عقولوں سے اور لوگوں کے پیچ اور پیچ مضموہوں اور داؤں سے بہت ہی کم مناسب ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت عیسیٰؑ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے عیسیٰؑ میں تیرے بعد ایک امت کو پیدا کر دیا لاہوں۔ جو نہ عقل رکھے گی اور نہ علم یعنی اُتی ہوگی۔ حضرت عیسیٰؑ نے عرض کی یا رب کیف یعرفونک یعنی اے اللہ جبکہ وہ علم و عقل سے بہرہ ور نہ ہونگے تو تجھے کیونکر پہچانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کو اپنا علم اور عقل دوں گا۔ اس سے اہل اسلام کو بڑی بشارت ملتی ہے کہ جیسے اسلام کے مخالفین کو ارضی علوم سے مناسبت ہے۔ ایسا ہی اہل اسلام کو سماوی علوم سے۔ ایک گنواہر مسلمان کی سچی دینا اور خواہیں بڑے بڑے فلاسفوں لہشیوں اور پندتوں کی خواہوں سے طاقت میں بڑھ چڑھ کر ہوں۔ اَلَا تَقْضٰی اللّٰہُ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ پس مسلمانوں کو واجب ہو کہ اپنے اس حسن بھتیجی کا شکر کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَیْسَ تَشْکُرْکُمْ وَلَا ذِیْدَ تَکْمُ وَلَا یَنْ کَفَرْتُ شَمَانًا عَدَاۤیَ لَکُمۡ لَکُمۡ دَیْدَ (۱)

یعنی اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں اپنی دمی ہوئی نعمت کو زیادہ کروں گا۔ اور دھت کفر مذہب میرا سخت ہے۔ یاد رکھو۔ کہ جب اس امت کو امت مرحومہ قرار دیا ہے اور علوم لدنیہ سے اسے سرفرازی بخشی ہے تو اسکا شکر علی طور پر واجب ہو۔ الغرض اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دعا میں تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ اَیَّاكَ نَعْبُدُ کَالْحَاطِطِ رَکْعِیْنِ کیونکہ اَیَّاكَ نَعْبُدُ مَرَّ اَیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پر مقدم رکھا ہے۔ پس پہلے علی طور پر شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور یہی مطلب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں رکھا ہے۔ یعنی دعا سے پہلے اسباب ظاہری کی رعایت اور نگہداشت ضروری طور پر رکھی جائے۔ اور پھر دعا کی طرف رجوع ہو یعنی اولاً عقائد۔ اخلاق اور اعمال کی اصلاح ہو۔ پھر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر دھیان ہو۔

اب میں ایک اور ضروری اور نہایت ضروری بات بیان کرنی چاہتا ہوں ہماری جماعت کو چاہیے کہ لا پر وہابی اور عدم توحیدی سے نہ سنے بلکہ تمام تر توحید اور غور سے سنے۔ یاد رکھو کہ اخلاق انسان کے صالح ہونے کی نشانی ہیں۔ عام طور پر حدیث شریف میں مسلمان کی یہی تعریف آئی ہے کہ مسلمان وہی ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت ہیں۔

(بقیہ تقریر بعد از نماز عصر)

میں نے اس ذکر کو چھوڑا تھا کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دعا تعلیم کرنے میں اللہ تعالیٰ نے چاہی ہے کہ انسان تین پہلوؤں پر مد نظر رکھے۔ اول اخلاقی حالت دوم عقائد سوم اعمال۔ یا مجموعی طور پر۔ اول کہ انسان اپنی فوادار قوتوں کے ذریعہ سے اپنے حال کی اصلاح کرے اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے۔ اسکا یہ مطلب ہو کہ منہدی کہ اصلاح کئے جانے کی صورت میں دعا نہ کرے نہ نہیں بلکہ

اُس وقت بھی دُعا مانگنا ہے۔ اِيَّاكَ تَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں فاصلہ نہیں ہے۔ البتہ اِيَّاكَ تَعْبُدُ میں تقدّم زمانی ہے۔ کیونکہ جس مال میں اپنی رحمانیت سے بغیر ہماری دُعا اور درخواست کے ہمیں انسان بنایا اور انواع و اقسام کی قوتیں اور نعمتیں عطا فرمائیں۔ حالانکہ اسوقت ہماری کوئی دُعا نہ تھی۔ بلکہ اسوقت محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا اور یہی تقدّم ہے۔ یہ یاد رہے کہ رحم و قسم کا ہوتا ہے ایک کو رحمانیت اور دوسری کو رحیمیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ رحمانیت تو ایسا فیضان ہے کہ جو ہمارے وجود اور ہستی سے بھی پہلے شروع ہوا مثلاً اللہ تعالیٰ نے پہلے پہل اپنے علم قدیم سے معلوم کر کے زمین و آسمان و مابینہما اسطرح پیدا کیں۔ جو سب انسان کے کام آنے والی ہیں اور آتی ہیں۔ اور جن سے بنی نوع انسان عام طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے۔ بھیڑ۔ بکری و دیگر حیوانات وغیرہ جبکہ چمائے خود انسانوں کے لئے مفید اشیاء ہیں وہ کیا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ غور کرو جسمانی اُمور میں انسان کیسی کیسی لطیف اور اعلیٰ درجہ کی غذائیں کھاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا گوشت انسان کے لئے مہیا کیا۔ ہڈیاں و پھپھرے کتوں وغیرہ حیوانات کے لئے۔ اسی طرح جسمانی طور پر جو جو محفوظ اور لذات انسان کو حاصل ہیں گو دیگر حیوان بھی اس میں شامل ہیں مگر انسان کو وہ بدرجہ اولیٰ حاصل ہیں پھر روحانی لذات میں دیگر حیوانات اُسکے بالکل شریک نہیں۔ پس سہلی قسم رحمت کی وہ ہوئی جو ہمارے وجود سے پہلے پیش از وقت تقدّم کی صورت میں عناصر وغیرہ اشیاء پیدا کیں۔ جو ہمارے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ اور جو ہمارے وجود۔ خواہش اور دُعا سے پہلے ہی محض اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کے تقاضے سے پیدا ہوئیں۔ دوسری قسم رحم کی رحیمیت ہے۔ یعنی جب ہم دعا کرتے ہیں۔ تو اللہ عطا فرماتا ہے۔ غور کرنے سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ قدیم سے قانون قدرت کا تعلق دُعا کے ساتھ ہے جسے آجکل بعض لوگ بعثت سمجھتے ہیں۔ میں اُس تعلق کو جو دُعا کا اللہ تعالیٰ سے ہے خدا واضح کر کے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

ایک بچہ جب بھوک سے بیتاب ہو کر دودھ کے لئے چلاتا اور چیتا ہے۔ تو ماں کے پستان میں دودھ جوش مار کر اُترتا ہے۔ حالانکہ بچہ دُعا کا نام بھی نہیں جانتا۔ لیکن تاہم اُسکی چینیں ماں کے دودھ کو کھینچ لاتی ہیں جس کا ہر شخص کو تجربہ ہو۔ بعض وقت دیکھا گیا ہے۔ کہ ماں دودھ کو محسوس بھی نہیں کرتیں مگر بچہ کی چلا ہٹ دودھ کو کھینچ لاتی ہے۔ تو غور کرو۔ کیا ہماری چینیں جب اللہ تعالیٰ کے حضور ہوں تو وہ کچھ بھی کھینچ کر نہیں لاسکتیں؟ لاتی ہیں اور ضرور لاتی ہیں۔ مگر آنکھوں کے اندر سے جو فاضل اور غلامرغ بنے بیٹھے ہیں۔ دیکھ نہیں سکتے۔ بچہ کو جو مناسب ماں سے ہے اُس تعلق اور رشتہ کو

انسان اگر اپنے ذہن میں رکھو دعا کی فلاسفی پر غور کرے۔ تو وہ بہت آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ گویا دوسری قسم کا رحم یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ انکے جاؤ۔ تو ملتا جائیگا۔ اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کوئی لفظ فاعلی نہیں۔ بلکہ دعا انسانی سرشت کا خاصہ ہے اور استجاب اللہ تعالیٰ کا۔ جو یہ بات ہمیں سمجھنا اور ماننا وہ چھوٹا ہے۔ سچہ اور ماں کی جو مثال میں بیان کی ہے۔ وہ دعا کی فلاسفی کو خوب حل کر دیتی ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت دو نہیں ہیں بلکہ اُن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ کہ جو ایک کو چھوڑ کر دوسری کو چاہتا ہے اُسے کچھ نہیں مل سکتا۔ رحمانیت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ وہ ہم میں رحیمیت سے فیض اُٹھائی کی سکت پیدا کرے۔ اور جو ایسا نہیں کوتاہ کا نعمت ہو۔ اِنَّا لَکُمْ عِبَادٌ مَّرْعُوبُونَ یہ معنی ہیں کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ اُن ظاہری سامانوں اور اسباب کی رعایت سے جو تو نے عطا فرمائے ہیں۔ دیکھو۔ پیربان جو عروق اور اعصاب پیدا کی ہے۔ اگر اسکی بناوٹ ایسی نہ ہوتی تو ہم ہرگز بول نہ سکتے۔ پھر ایسی زبان دُعائے کے لئے عطا کی جو دل کے خیالات تک کو ظاہر کر سکے۔ پھر اگر ہم دُعائے کا کلام زبان سے کبھی نہ لیں۔ تو یہ ہماری شہوتِ بختی ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں۔ کہ اگر وہ زبان کو لگ جائیں۔ تو یہ دفعہ زبان اپنا کام چھوڑ دیتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان کو ہنگامہ ہوتا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رحیمیت ہو کہ اُسے ہکو زبان دی رکھی ہے۔ ایسا ہی اگر کانوں کی بناوٹ میں فرق آجائے۔ تو خاک بھی سنائی نہ دے۔ یہی حال دل کا ہے۔ اسیں جو سوچنے اور فکر کی قوتیں رکھی ہیں۔ اگر خدا نخواستہ بیماری آجائے۔ تو وہ سب قریب بیکار ہو جاتی ہیں۔ مجبوزوں کو دیکھو۔ کہ اُن کے قوائے کیسے بیکار ہو جاتے ہیں۔ پس کیا ہمارے لئے یہ لازمی امر نہیں۔ کہ ہم ان خداوند نعمتوں کی قدر کریں۔ اور اگر ہم ان قوائے کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ فضل سے ہمیں عطا کئے ہیں۔ بیکار چھوڑ دیں۔ تو لا ریب ہم کا نعمت ہیں اسلئے یاد رکھو کہ ہم اگر اپنی قوتوں اور طاقتوں کو معطل رکھ کر دعا کرتے ہیں تو ایسی دعا کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ جب ہم نے پہلے عطیہ سے ہی کچھ کام نہیں لیا۔ تو بعد ضرے کو آپ اپنے لئے مفید اور کارآمد بنا سیکینگے۔ پس اِنَّا لَکُمْ عِبَادٌ مَّرْعُوبُونَ یہ بتا رہے ہیں۔ کہ اے رب العالمین ہم نے تیرے پہلے عطیہ کو بیکار اور برباد نہیں کیا پھر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں یہ ہدایت فرمائی ہے۔ کہ انسان خدا تعالیٰ سے کتنی بصیرت رکھو کیونکہ اگر اُس کا فضل و کرم دستگیری نہ کرے۔ تو عاجز انسان ایسی تابیجی اور اندھکاری میں پھنسا ہوا ہے۔ کہ وہ دعا کرا ہی نہیں سکتا۔ پس جب تک انسان خدا تعالیٰ کے اس فضل کو جو رحمانیت کے فیضان سے اُسے پہنچا ہے۔ کام میں لا کر دعا نہ مانگے۔ تب تک کوئی بہتر نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ عموماً میں نے انگریزی قانون میں یہ دیکھا تھا۔ کہ تقاضی حاصل کرنے کے لئے پہلے کچھ سامان دکھانا ضروری ہے۔

یہی حال قانون قدرت کا ہے۔ کہ جو کچھ ہیں پہلے سے ملا ہوا ہے۔ اُس سے پہلے کیا فائدہ اٹھایا
 اگر عقل و ہوش و آنکھ و کان رکھتے ہوئے بہک نہیں گئے اور نہ حق اور دیوانگی کی طرف گئے ہو۔ تو
 دعا کرو۔ تب اسی فیض الہی سے حصہ لینگا۔ ورنہ محرومی اور بستی کے پھن ہیں۔ اکثر دفعہ ہمارے دوستوں
 کو عیسائیوں سے واسطہ پڑیگا۔ تو ان کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ عیسائی مذہب میں کوئی بھی ایسی بات نہیں
 ہر حکیم خدا کی طرف منسوب ہو سکے۔ حکمت کے معنی کیا ہیں؟ وضع المثل فی محلہ لکراس مذہب
 میں کوئی بھی خدا کا فعل اور حکم حکمت پر مبنی نہ پاؤ گے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہر جب ہم
 غور سے نظر کرتے ہیں تو انسانۃ النقص کے طور پر پتہ لگتا ہے۔ کہ بہ ظاہر تو اس آیت سے دعا کرنے کا حکم
 معلوم ہوتا ہے۔ یعنی صِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی ہدایت لکھنے کی تعلیم ہے۔ لیکن اُسکے سر پر اِیَّاكَ تَعْبُدُ
 وَ اِیَّاكَ کَسْتَعْبِدُنَّ آنے سے پتہ لگتا ہے۔ کہ پہلے اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یعنی راہ راست کے
 منازل طے کرنے کے لئے قوائے سلیم سے کام لیکر الہی انتعانت کو مانگنا چاہیے۔ اب سوچنا یہ چاہیے
 کہ وہ کونسی باتیں ہیں جنکی طلب اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیے۔ سو سب اول اخلاق ہیں۔ جو انسان کو
 انسان بناتے ہیں۔ اخلاق سے مراد صرف نرمی کرنا ہی نہیں۔ بلکہ اُن سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا
 حصول ہے۔ جو حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی میں علی طور پر مجسم نظر آتی ہے اسلئے
 ضروری ہے کہ اپنی زندگی کو حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی کے مطابق بنانے کی کوشش کرے۔ یہ اخلاق
 بطور بنیاد کے ہیں۔ اگر وہ متزلزل رہے تو اس پر باقی عمارت نہیں بنا سکتے۔ اخلاق ایک اینٹ پر دوسری کا
 عمدہ طور پر رکھنا ہے اسلئے اگر ایک اینٹ ٹیڑھی رکھی جائے تو ساری دیوار ہی ٹیڑھی رہیگی۔ کتنی کیا اچھا
 کہا ہے۔ خشت اول چوں نہد معمار کج بہ تاثیر ماے رو و دیوار کج۔ خُلق و اخلاق ہیں جو بالمقابل
 معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ خُلق ظاہری پیدائش کا نام ہے۔ جیسے کان۔ ناک۔ یہاں تک کہ بال و بغیر بھی
 خلق میں شامل ہیں۔ اور خُلق باطنی پیدائش کا نام ہے۔ اسی طرح باطنی قوائے جو انسان اور غیر انسان
 میں ماہر امتیاز ہیں۔ وہ سب خلق میں داخل ہیں۔ یہاں تک کہ عقل۔ فکر وغیرہ تمام قوتیں خلق میں داخل ہیں۔
 خُلق سے انسان اپنی انسانیت کو درست کرتا ہے۔ اگر انسان میں خُلق نہ ہو تو نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ
 انسان ہے۔ اگر وہ ہے یا کیا ہے جب خُلق میں فرق آجائے۔ تو صورت ہی بگڑ جاتی ہے مثلاً عقل
 ماری جائے تو مجنون کہلاتا ہے۔ ورنہ بغیر اخلاق کے صرف شکل و شبہا بہت ہی انسان کی ہوتی ہے۔
 اندرونی طور پر وہ انسان نہیں کہلا سکتا۔

اکثر آدمیوں کو میں نے دیکھا ہے انسان کی حالت کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ تو معلوم ہوا ہے کہ بعض آدمی

سجادات کو کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی غصہ اور زور سنج ہوتے ہیں۔ بعض حلیم ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی سخیل ہوتے ہیں۔ بعض غضب اور طیش میں آکر بڑی بڑی دیا دیتیاں کرتے ہیں۔ اور تواضع و انکسار سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف بعض لوگ انکسار اور تواضع میں تو بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن شجاعت نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ کسی بیماری مثلاً طاعون اور مہینہ کا نام بھی سن لیں تو انکو دست لگ جاتے ہیں۔ یس یہ خیال نہیں کرتا کہ جو ایسے موقع پر شجاعت نہیں دکھلاتا وہ ایسا نڈر نہیں۔ صحابہ کرامؓ میں بھی بعض ایسے کمزور دل لوگ تھے جنکو لڑائی کی قوت اور بہتر معلوم نہ تھا۔ اور ان کو حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معذور فرمایا کرتے تھے۔ غرض اخلاق بہت اقسام کے ہیں جنکو میں نے طلبہ مذاہب کی تقریر میں واضح اور مفصل بیان کر دیا ہے۔ ہر ایک انسان جامع صفت حسنہ بھی نہیں اور بالکل ان سے محروم بھی نہیں انسانوں میں سب کے اکل اور بے نظیر نمونہ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ جو جامع اخلاق حسنہ کے جامع تھے۔ اسی لئے آپؐ کی شان میں فرمایا اِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝

اگر ہم حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ایک وقت آپؐ اپنی فصیح البیانی سے کفار عرب کو جو حیرت بنا رہے ہیں۔ تو دوسرے وقت تیر و تلواریں کے میدان میں اپنی شجاعت کو بھر دیکھا رہے ہیں۔ سخی ایسے کہ گھر کا اثاثہ البیت بھی خدا کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ علم کا یہ حال ہے کہ واجب القتل شخص کو بھی معاف فرمادیتے ہیں۔ غرض آپؐ جامع اخلاق حسنیہ میں ایسے بے نظیر اور کامل نمونہ ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے بھی سند سچہ بالا آیت میں تحریر فرمائی ہے۔ اسکی مثال ایک بڑے عظیم الشان درخت کی ہے جس کے سایہ میں بیٹھ کر انسان اس کے ہر جزو سے اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اُس کا پھل اُس کا پھول اُنکی چھال اور اُس کے پتے غرضیکہ ہر ایک چیز مفید ہو۔ یہ مثالی آنحضرت ص کی جو جس کے سایہ کے نیچے کروڑوں مخلوق مُرغی کے بچوں کی طرح آرام اور پناہ لیتی ہے۔ لڑائی میں مسکے بہا و درود سمجھا جانا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر لڑتا تھا۔ کیونکہ آپؐ ہمیشہ خطرناک مقام پر جنگ فرمایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ آپؐ کی کیسی اعلیٰ شان ہے۔ اُحد کی جنگ پر غور کرو۔ کہ تلواروں پر تلواریں پڑتی ہیں اور ایسی گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔ کہ صحابہ رفہ برداشت نہیں کر سکتے مگر آپؐ ہیں۔ کہ سینہ سپر ہو کر لڑ رہے ہیں۔ اس میں صحابہ رفہ کا قصور نہ تھا۔ بلکہ اس میں رازی ہی تھا۔ کہ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا نمونہ دنیا کو دکھایا جائے۔ ایک موقع جہاں تلوار پر تلوار پڑتی تھی آپؐ لڑتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ میں بنی اور محمد رسول اللہ ہوں۔ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں آپؐ کو شتر رخ لگے جو خفیت سے تھے۔ یہ تھا آپؐ کا خلق عظیم۔ پھر آپؐ پر ایک وقت ایسا آیا۔ کہ

آپ کے پاس اس کثرت سے بھیج کر یاں نہیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی اتنی نہ ہوں۔ جن سب کو اپنے راہِ فتح ایک سوالی کو دیدیا۔ اب اگر آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو سخاوت کیسے فرماتے۔ اور اگر حکومت کا تنگ نہ ہوتا۔ تو یہ کس طرح ظاہر ہوتا۔ کہ آپ ایسے حلیم ہیں کہ ایک واجبِ قتل آدمی کو بھی باوجود قدرت چھوڑ دیتے ہیں جن لوگوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ رض کو سخت سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں دیں۔ وہ بھی جب قیدی ہو کر آپ کے دربار آئے تو آپ نے فرمایا لَا تَنْهَيْبُ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ (پارہ ۱۳) مینے آج تمکو بخش دیا۔ اگر آپ کو ایسا موقعہ میسر نہ آتا۔ تو ایسے اخلاقِ فاضلہ کس طرح ظاہر ہوتے۔ یہ صرف آپ کی ہی شان تھی۔ کوئی ایسا خلق نہ تھا۔ جو ہر جہ غایت آپ میں موجود نہ تھا۔

اسکے بالمقابل حضرت مسیح کی زندگی کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے۔ کہ اُن کے اخلاق پوشیدہ ہی رہے۔ شریہ یہودی جبکہ رومی گورنمنٹ کے ہاں کرسیاں ملتی تھیں اور تہجے رسوخ کی وجہ سے گورنمنٹ اُن کی عزت کرتی تھی۔ وہ حضرت مسیح کو بہت ہی تنگ کرتے رہے۔ مگر حضرت مسیح کی زندگی میں کوئی اقتدار کا وقت نہ آیا جس سے ظاہر ہو جاتا۔ کہ باوجود قدرت کے وہ کہاں تک عفو سے کام لے سکتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اخلاق مشاہدہ اور تجربہ کی محاکم پر کامل المعیار ثابت ہوئے۔ یہ صرف باتیں ہی نہیں۔ بلکہ اُن کی کامل صداقت کا ثبوت ہمارے ہاتھ میں ایسا ہی زبردست موجود ہے جیسے ہندسہ اور حساب کے اصول صحیح ایقینی ہیں۔ اور ہم وہ اور دو چار کی طرح اُن کو ثابت کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی اور جہی کا منتج ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی لئے آپ کی مثال ایک ایسے وقت سے دی گئی ہے جس کی جڑ ہے۔ چال۔ پھل۔ پھول۔ پتے غرضیکہ ہر ایک چیز مفیدِ راحت رساں اور سرور بخش ہو۔ لیکن چونکہ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں ایک تفرق پیدا ہو گیا۔ اسلئے اخلاق میں وہ جامعیت نہ رہی۔ بلکہ وہ مجموعہ اخلاقِ اہلِ اہل اور متفرق طور پر پھیل گیا۔ اسلئے بعض آدمیوں سے بعض اخلاق باسانی صادر ہو سکتے ہیں۔

ہدایت الہی یہ ہے۔ کہ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ ذَكَرَهُ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهُ (پارہ ۲۷) بجات پا گیا وہ شخص جس نے تزکیہ نفس کیا۔ اور ہلاک ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کو بگاڑا۔ فلم چیرنے کو کہتے ہیں فلاح و راحت کو کہتے ہیں تزکیہ نفس میں بھی فلاح ہے۔ مجاہدہ انسانی نفس کو انکی خرابیوں اور سختیوں سے صاف کر کے اس قابل بنا دیتا ہے۔ کہ اُس میں ایمان صحیح کی تخم بیری کی جا سکے جس کے بعد وہ شجر ایمان بارور ہونے کے لائق بن جاتا ہے چونکہ ابتدائی مراحلِ امدِ نائل میں

متقی کو بڑی بڑی مصائب اور شکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلئے فلاح کے لفظ سے اس حالت کو تعبیر کیا۔ دوسری حکایت فرمایا ہے قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرٍ وَسَاهُونَ (پارہ ۴۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کفار کا حال بیان فرماتا ہے کہ شیطان اس ہو گیا انگلیاں کرنے والوں کا جتنے نفوس غمرہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ غمرہ وہاں والی چیز کو کہتے ہیں جو سر نہ اٹھانے سے۔ کھینٹوں پر بھی غمرہ پڑتا ہے جسے کوڑہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انگلیاں کرنے والوں کا ستیا ناس ہو گیا۔ مہوز اُن کے نفوس غمرہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ مومنوں کو اس آیت میں ایک نظیر دیگر متنبہ کیا ہے۔ کہ جب تک غمرہ دور نہ ہو۔ تب تک علی وجہ البصیرت کام نہیں ہو سکتا۔ اولوالابصار کا وجہ حاصل نہیں ہوتا۔ قتل اسلئے فرمایا۔ کہ وہ رحم کی حکایت ہے۔ گویا وہ فاعل بھی خود ہی ہیں یعنی اپنے آپکو ہلاک کیا۔ بعض آدمیوں میں خراس ہو گیا مادہ ہوتا ہے وہ بصیرت اور دور اندیشی سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ ظنون فاسدہ اور انگلوں سے کام لیتے ہیں۔ اور اسی میں وہ اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ میری غرض اس بیان سے یہ ہے کہ حصہ اخلاق میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ پیش کروں۔ جو ایک فو اکمل تھے۔ آپ کے بعد متفرق طور پر امت نے آپ کے اخلاق سے حصہ لیا۔ کسی نے کچھ لیا کسی نے کچھ۔ اور ایک کو دوسرے میں غمرہ ہو گیا پس جس طرح ایک کسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کھیت کے غمرہ کو دور کرے ورنہ اُس کا نتیجہ دوسرے پودوں کے لئے اچھا نہیں ہوگا۔ اسی طرح سے ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندرونی غمرہ کو دور کرے۔ ورنہ اندیشہ ہے۔ کہ دوسری صفات حسنہ کو بھی نہ کھو بیٹھے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ انسان بعض اخلاق کے تبدیل پر قادر ہے اور بعض پر نہیں۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہر ایک مریض کا علاج موجود ہے۔ لیکن ذیاء کدو آء۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ آپ کے اس مبارک قول کی قدر نہیں کرتے۔ اور اس کو صرف ظاہری امراض تک ہی محدود سمجھتے ہیں۔ یہ کیسے قدر نادانی اور غلطی ہے۔ کہ جس حال میں ایک انسانی جسم کے لئے اسکی اصلاح اور بھلائی کے کل سامان موجود ہیں۔ تو کیا یہ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ انسان کی روحانی امراض کا مداوا اللہ تعالیٰ کے حصو کچھ بھی نہ ہو جو ہے اور ضرور ہے۔ یہ ایک یقینی بات ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ کسل اور مستی سے کام کرتے ہیں وہ آخر کار ہلاک ہو جاتے ہیں۔ انسان پر جیسے ایک طرف نقص نے الخلق کا زنا نہ آتا ہے جسے بڑھا پا کہتے ہیں جب آنکھیں اور کان وغیرہ دیگر اعضائے بدن اپنے کام سے عاری اور قریب قریب معطل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یاد رکھو۔ کہ

پیرانہ سالی دوسم کی ہوتی ہے۔ طبعی اور غیر طبعی۔ طبعی تو وہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اور غیر طبعی وہ ہے۔ کہ کوئی شخص اپنی امراض لاحقہ کا فکر نہ کرے۔ تو وہ انسان کو کمزور کر کے قبل از وقت پیرانہ سال بنادیں جس طرح نظام جسمانی میں یہ سلسلہ ہے۔ اسی طرح اندرونی اور روحانی نظام کا حال ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اخلاق فاسدہ کو اخلاق فاضلہ اور اعمال حسنہ سے تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو اسکی اخلاقی حالت بالکل گر جاتی ہے۔ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور قرآن کریم کی تعلیم سے یہ امر یہ یارہت ثابت ہو چکا ہے۔ کہ ہر ایک مرض کی معائے۔ لیکن اگر کسل اور سستی انسان پر غالب آجائے تو پھر سحرِ ہلاکت کے آدھ کیا چاہے۔ اگر ایسی بے نیازی سے دنگی بسر کرے جیسے کہ ایک بڑھیا کرتا ہے۔ تو کیونکر بچا ہو سکتا ہے۔ اسلئے جب تک انسان مجاہدہ نہ کرے گا اور دُعا سے کام نہ لے گا۔ وہ غم جو دل پر چڑھتا ہے دُور نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (پارہ ۱۳) یعنی خدا تعالیٰ ہر قسم کی آفت اور بلا کو جو قوم پر آتی ہے۔ دُور نہیں کرتا ہے۔ جب تک خود قوم اسکو دُور کرنے کی کوشش نہ کرے یعنی مہمت نہ کرے۔ اور شجاعت سے کام نہ لے۔ تو کیونکر تبدیلی ہو یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مابعدیست ہے جیسے فرمایا وَلَٰكِنْ يَّجِدُ لِسِتِّهِ اللّٰهُ تَبْدِيلًا (پارہ ۲۲) پس ہماری جماعت ہو یا کوئی اور یہ وہ تبدیلی اخلاق اُسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ مجاہدہ اور دُعا سے کام لیں ورنہ ممکن نہیں حکماء کے تبدیل اخلاق پر دو مذہب ہیں۔ ایک تو وہ جو یہ مانتے ہیں کہ انسان تبدیل اخلاق پر قادر ہے۔ اور دوسرے وہ ہیں جو مانتے ہیں کہ وہ قادر نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر کسل اور سستی نہ ہو۔ اور انسان ہاتھ پیر لائے تو تبدیلی ہو سکتی ہے۔ مجھے اس مقام پر ایک حکایت یاد آئی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ کہتے ہیں۔ کہ یونانیوں کے مشہور فلاسفر افلاطون کے پاس ایک آدمی آیا۔ اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر اطلاع کرائی۔ افلاطون کا قاعدہ تھا کہ جب تک وہ ملاقات کرنے والے کا حلیہ اور رفتوش چہرہ کو معلوم نہ کر لیتا تھا۔ اندر نہیں آنے دیتا تھا۔ وہ قیافہ سے استنباط کر لیا کرتا تھا۔ کہ شخص مذکور کس قسم کا ہے۔ چنانچہ نوکر نے آکر حسب معمول اُس کا حلیہ بتلایا۔ افلاطون نے جواب دیا۔ کہ اُس شخص سے کہہ دو۔ کہ چونکہ تم میں اخلاق نفیلہ بہت ہیں اسلئے میں ملنا نہیں چاہتا۔ اُس آدمی نے جب افلاطون کا یہ جواب سنا تو نوکر سے کہا۔ کہ تم جا کر کہہ دو کہ جو کچھ آپ نے فرمایا۔ وہ ٹھیک ہے۔ مگر میں نے اپنی عادات نفیلہ کا قلع و قمع کر کے اصلاح سکھائی ہے اس پر افلاطون نے کہا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اُسکو اندر بلایا۔ اور نہایت عزت و اکرام کے

ساتھ اُس سے ملاقات کی۔ جن حکماء کا یہ خیال ہے۔ کہ تبدیل اخلاق ممکن نہیں وہ غلطی پر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ملازمت پیشہ لوگ جو رشوت لیتے ہیں۔ جب وہ سچی توبہ کرتے ہیں تو اُسکے بعد اگر کوئی اُنکو سونے کا پہاڑ بھی رشوت میں دے تو اُسپر نگاہ تک نہیں کرتے۔

توبہ حاصل حصول اخلاق حسنہ کے لئے بڑی محرک اور مؤید چیز ہے۔ اُسکے لئے ضروری ہے کہ سچے دل اور سچے ارادے کے ساتھ توبہ کرے۔ یہ یاد رکھنے کے لائق بات ہے کہ توبہ کے لئے تین شرائط ہیں۔ بدون ان کی تکمیل کے سچی توبہ جسے توبۃ النصوح کہتے ہیں حاصل نہیں ہو سکتی۔ اُن ہر شرط اُطیس سے پہلی شرط جو عربی میں **اقلع** کہتے ہیں یعنی اُن خیالات فاسدہ کا دور کر دینا جو بُرے خصائل کے تحریک کرنے والے ہیں۔ یہ مسئلہ امر ہے کہ اعمال پر تصورات کا بڑا بھاری اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ حیطہ عمل میں آنے سے پہلے ہر ایک فعل ایک تصویری صورت رکھتا ہے۔ پس توبہ کے لئے یہ پہلی شرط ہے کہ اُن خیالات فاسدہ اور تصورات بد کو چھوڑ دیا جائے مثلاً اگر ایک شخص کسی غیر عورت سے کوئی ناجائز تعلق رکھتا ہے۔ تو توبہ کرنے سے پہلے یہ ضروری بات ہے کہ وہ اُسکی شکل کو بد صورت قرار دے اور اُسکے تمام خصائل بلیہ کو اپنے دل میں مستحضر کرے۔ کیونکہ جیسا میں نے بھی بیان کیا ہے۔ تصورات کا اثر بڑا بردست ہوتا ہے۔ اور میں نے صوفیاء کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ انہوں نے تصور کے اثر کو یہاں تک پہنچایا ہے کہ انسان کو بندریا ختمیر کی صورت میں دیکھا۔ مدعا یہ کہ جیسا کوئی تصور کرتا ہے۔ ویسا ہی علی رنگ اُسپر چڑھ جاتا ہے پس جو بُرے خیالات لذات کا موجب سمجھے جاتے تھے اُنکا قلع تہ کرے۔ یہ توبہ کی پہلی شرط ہے۔ توبہ کی دوسری شرط مذمہ ہے یعنی اپنے گزشتہ بد اعمال کی نسبت پیشانی اور مذمت کا اظہار کرنا۔ ہر ایک انسان کا ضمیر (کانشنس) اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ وہ اُسے ہر برائی پر تنبیہ کرتا ہے مگر بد بخت انسان اُسکی آواز نہیں سنتا اور اُسے محفل چھوڑ دیتا ہے۔ پس گناہ اور بدی کے ارتکاب پر پیشانی ظاہر کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ لذات عارضی اور چند روزہ ہیں۔ اور پھر اُسپر بھی غور کرے کہ ہر توبہ اُس لذت اور حظ میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بڑھاپے میں اگر جب جملہ قوائے بیکار اور کمزور ہو جائیں گے تو پھر ان سب لذات دنیا کو چھوڑنا پڑیگا۔ اسلئے جبکہ اسی زندگی میں ہی یہ سب لذات چھوٹ جانے والے ہیں تو پھر ان کے ارتکاب سے کیا حاصل؟ بڑا ہی خوش قسمت ہے۔ وہ انسان جو توبہ کی طرف رجوع کرے اور جس میں اقلع کا خیال پیدا ہو۔ یعنی خیالات فاسدہ و تصورات بھودہ کا قلع تہ کرے۔ اور پھر جب یہ نجاست اور ناپاکی دل سے نکل جائے

تو چھپرے افعال و خیالات پر نام ہو۔ اور اپنے کئے پر پشیمان ہو۔ تیسری شرط توبہ کی عرفہ ہے ایسی ایسے کے لئے معصم ارادہ کر لے۔ کہ پھر ان برائیوں کی طرف ہرگز رجوع نہ کرے گا۔ تو چھپرے وہ اس پر ماموت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے سچی توبہ کی توفیق عطا کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ برائیاں اس سے قطعاً رائل ہو کر انکی جگہ اخلاقی حسنہ اور افعال حمیدہ لے لیگے۔ اور یہ اخلاق پر نفع ہے۔ اس پر قوت اور طاقت بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ کیونکہ تمام طاقتوں اور قوتوں کا مالک وہی ہے۔ جیسا کہ فرمایا **إِنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا**..... یعنی ساری قوتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں انسان نہ ایک نہایت کمزور اور ضعیف مہتی ہے اور خلوق الا انسان صانعاً..... اسکی حقیقت ہے۔ پس مندرجہ بالا ہر شرط کی تکمیل کر کے اللہ تعالیٰ سے ہم تن مستور ہو کر دعا مانگتا رہے۔ اور کسل اور سستی کو بالکل چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً تبدیل اخلاق کر دے گا۔

ہماری جماعت میں مشہور اور پہلو انوں جیسی طاقت رکھنے والوں کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی قوت رکھنے والے مطلوب ہیں جو تبدیل اخلاق کے لئے کوشش کرنے والے ہوں۔ اصلی بہادور اور مشہور وہ نہیں جو پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا دے بلکہ اصل بہادور وہ ہے جو تبدیل اخلاق پر طاقت پاوے۔ پس تم لوگ اپنی ساری بہت اور طاقت تبدیل اخلاق پر صرف کرو۔ کیونکہ یہی حقیقی قوت اور دلیری کا کام ہے۔ میں گذشتہ تقاریر میں بیان کر چکا ہوں کہ خلق عظیم بڑی کرامت ہے جو خارق عادت امور کو بھی مشتبہ کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر اکھل معجزہ شق القہر کا ظہور ہو۔ تو موجودہ زمانہ کے نبیّت دان اور فلاسفر فی الفہر اسکو کسوف و خسوف کی ایک قسم قرار دیکر اسکی عظمت کو کم کرنا چاہینگے اور پرنے معجزہ کو جو پیش کیا جاتا ہے۔ ایک قصہ قرار دیتے ہیں پھر اور لیجئے۔ یہی کسوف و خسوف جو ماہ رمضان میں ہوا اور جو آیات مہدی میں سے ایک آسمانی نشان تھا۔ مینے سنا ہے کہ بعض متضہین کہتے ہیں کہ یہ تو از روئے علم ہیئت ثابت تھا۔ کہ ماہ رمضان میں ایسا ہو گیا یہ کہہ کر وہ اس حدیث کی جو حضرت امام باقرؑ سے مروی ہے وقعت کم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ احمق اتنا نہیں سوچتے۔ کہ نبوت ہر ایک شخص نہیں کر سکتا۔ یعنی پیشگوئی کرنا ہر کس و نا کس کا کام نہیں۔ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مدعی مہدویت کے زمانہ میں کسوف و خسوف فلاں فلاں تاریخ ماہ رمضان میں ہو گا۔ جو ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی نہیں ہوا پس اگر عقلی طور پر کسی قسم کا اشتباہ ہو۔ تو ایسے معترضین کو چاہیئے۔ کہ وہ تاریخی طور پر اس پیشگوئی کی عظمت کو کم کر دکھائیں۔ یعنی کسی ایسے زمانہ کا پتہ دیں کہ جب ماہ رمضان میں کسوف و

خسوف اس طرح پر ہوا کہ اس سے پہلے کوئی ندی مہدویت موجود ہو۔ اور اسی طرح اس کی کسی
 بنی نے اپنے زمانہ میں پیشگوئی بھی کی ہو۔ مگر ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ کہ کوئی دکھلا سکے۔ میری غرض
 اس واقعہ کے بیان سے صرف یہ ہے کہ خوارق پر تو کسی نہ کسی رنگ میں لوگ نکتہ چینی کر کے
 اُسے ٹالنا چاہتے ہیں۔ مگر انسان کی اخلاقی حالت ایک ایسی کرامت ہے جس پر کوئی شخص انگلی
 نہیں دھر سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا اور قوی اعجاز
 اخلاق کا ہی دیا گیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا۔ کہ (اِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ)..... یوں تو حضرت
 بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک قسم کے خوارق قوت ثبوت میں جملہ اسبابہ ۴ کے معجزات سے
 بجائے خود بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن آپ کے اخلاقی معجزات کا نمبر سب سے اول وجہ پر ہے جس کی
 نظردنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ اور نہ کبھی کر سکے گی۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہر ایک شخص جو اپنے
 اخلاق سیئہ اور عادات ذمیرہ کو ترک کر کے خصائل حسنہ و افعال حمیدہ کو اختیار کرتا ہے وہی
 اُس کے لئے کرامت ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنی سخت مزاجی اور تند طبیعت اور غصہ کی عادات بد کو
 چھوڑ کر حلم اور غفو کی عادت اختیار کرتا ہے۔ یا بخل و امساک کو چھوڑ کر سخاوت اور حسد کی بجائے
 ہمدردی کو حاصل کرتا ہے تو بیشک یہ ایک بڑی کرامت ہے۔ اسی طرح خود ستائی اور خود پسندی
 کو چھوڑ کر انکساری اور فروتنی اختیار کرنا بڑی کرامت ہے۔ پس تم میں سے کون ہے جو نہیں چاہتا
 کہ کراماتی آدمی بن جائے۔ میں ماننا ہوں۔ کہ ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے تو بس یہ ایک مامی اور
 زندہ کرامت ہے کہ انسان اپنی اخلاقی حالت کو درست کرے۔ اور یہ ایسی کرامت ہے کہ جس کا
 اثر کبھی زائل نہیں ہوتا بلکہ دوزخ کا نفع پہنچتا ہے۔ مومن کو چاہئے۔ کہ خلق اور خالق کے
 نزدیک اہل کرامت ہو جائے۔ بہت سے رند اور عیاش ایسے دیکھے گئے ہیں۔ جو کسی خارق عادت
 نشان کے قائل نہیں ہوئے۔ لیکن اخلاقی حالت کو دیکھ کر انہوں نے بھی سر جھکا لیا ہے اور بجز
 اقوال ان کو کوئی دوسری راہ نہیں ملی۔ بہت سے لوگوں کی سوانح میں اس امر کو پاؤ گے۔ کہ وہ اخلاقی
 کرامت کو ہی دیکھ کر دین حق میں داخل ہوئے۔ اس لئے میں پھر بیکار کر کہتا ہوں اور میرے دوست سُن
 رکھیں اور میری باتوں کو صحت نہ کریں اور ان باتوں کو ایک قسطہ گو یا داستان کی کہانیوں ہی کا
 رنگ دیں۔ بلکہ میں نے یہ ساری باتیں نہایت دلنوازی اور سچی ہمدردی سے جو قطر نامیری روح
 میں ہے کی ہیں۔ ان کو گوش دل سے سنیں اور اُن پر عمل کریں۔

ہاں خوب یاد رکھو اور اُسے سچ سمجھو کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ اس لئے اگر

ہم عمدہ حالت میں اس جہان سے کوچ کرتے ہیں تو ہمارے لئے مبارکی اور خوشی ہے۔ ورنہ بہت خطرناک حالت ہے۔ یہ یاد رکھو۔ کہ جب انسان یہاں سے بری حالت میں جاتا ہے۔ تو مکانِ بعد اُسکے لئے یہیں سے شروع ہو جاتا ہے یعنی نزع کی حالت سے ہی اُسیں تغیر شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ تُخَبِّرُ مَا قَاتِلٌ لَهُ جَهَنَّمُ لَا يَمُوتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰی۔

یعنی جو شخص مجرم بن کر آیا کہ اُسکے لئے ایک جہنم ہے۔ جس میں نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ کیسی صاف بات ہے کہ اصل لذتِ زندگی کی راحت اور خوشی میں ہی ہے۔ بلکہ انسان اُسی حالت میں زندہ متصور ہوتا ہے جبکہ وہ ہر طرح کے آرام اور امن میں ہو۔ اور اگر وہ کسی درد مثلاً قوی یا دردِ دانت میں ہی مبتلا ہو جائے تو وہ مُردوں سے بدتر ہو جاتا ہے اور اُسکی حالت ایسی ہو جاتی ہے۔ کہ نہ مُردہ کہلا سکتا ہے اور نہ زندہ۔ پس اسی پر تھپاس کرلو۔ کہ جہنم کے دردناک عذاب میں کیسی بُری حالت ہوگی۔ مجرم وہ ہے۔ جو اپنی زندگی اپنی عین حیات میں ہی اللہ تعالیٰ کے تعلق سے کاٹ لے۔ حالانکہ اُسکے لئے حکم یہ تھا۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے ہو جانا اور عبادتوں کی معیت اختیار کرنا۔ مگر وہ اپنی زندگی میں ہوا و ہوس کا بندہ بنا رہا۔ اور غمخیزوں اور دشمنانِ خدا و رسول سے موافقت کرتا رہا۔ گویا اپنے طرزِ عمل سے اُس نے اس بات کا ثبوت دیدیا کہ اُس نے خدا تعالیٰ سے تعلق قطع کر لیا ہے۔ یہ عادتِ اللہ ہے۔ کہ انسان جس طرف کو قدم اٹھاتا ہے اُسکے مخالف جانب سے وہ دور ہوتا جاتا ہے۔ اسلئے اگر انسان اللہ تعالیٰ سے الگ ہو کر اپنے ہواؤ ہوس نفسانی کا بندہ بن جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس سے دور ہو جاتا ہے۔ اور جوں جوں اوپر تعلقات بڑھتا ہے اور صدمہ ہوتے جاتے ہیں یہ مشہور بات ہے سہ کہ دل راہل رہے است۔ پس اگر اللہ تعالیٰ سے علی طور پر سببِ رسی ظاہر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ہمراز ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور پانی کی طرح اُسکی طرف جھکتا ہے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر مہربان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ محبت کرنے والے سے بہت بڑھ کر نصیب کرتا ہے۔ وہ خدا وہ ہے جو اپنے محبوبوں پر بڑی بڑی برکات نازل کرتا ہے اور اُن کو معلوم کرا دیتا ہے کہ وہ اُن کے ساتھ ہے یہاں تک کہ اُن کے کلام میں اُن کے لبوں میں برکت رکھ دیتا ہے اور لوگ اُسکے کپڑوں اور اُسکی ہر بات سے برکت پاتے ہیں۔ اُقتِ محمدؐ یہ ہیں اس کا تین ثبوت ہر زمانہ میں رہتا ہے اور اس وقت تک موجود ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی طرف اُنوالے کی سعی اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ ممکن ہے۔ کہ زمیندار اپنا

کھیت ضائع کرے۔ نوکرموتوں ہو کر اپنے آپ کو نقصان پہنچا دے۔ امتحان دینے والا کامیاب ہے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سعی کرنے والا کبھی بھی ناکام نہیں رہتا۔ اس کا وعدہ سچا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اَلَا يَتَذَكَّرُ اُولٰٓئِكَ لَمَّا جَاءَهُمْ مَقْصُودٌ
 پر پہنچا اور ضرور پہنچا۔ دنیوی امتحانوں کے لئے تیاریاں کرنے والے راتوں کو دن بنا دینے والے طالب علموں کی محنت اور حالت کو دیکھ کر ہم رحم کھا سکتے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ احسن کارجم اور فضل بھید و بے انتہی اپنی طرف آئیو الے کو ضائع کر دیگا۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْسِرُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ اور پھر فرماتا ہے مَنْ يَعْمَلْ
 مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (پارہ ۳) ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال ہزار طالب علم اپنی سالہا سال کی محنتوں اور مشقوں پر پانی پھرتا ہوا دیکھ کر روتے رہ جاتے ہیں اور خود کُشیاں کر لیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ایسا ہے۔ کہ وہ فوراً سے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ انسان دنیا میں ظنی اور وہمی باتوں کی طرف تو اس قدر گرویدہ ہو کر محنت کرتا ہے کہ آرام کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے اور صرف ایک خشک امید پر کشاید کامیاب ہو جاؤں۔ ہزار بج اور کھ اٹھا ہے۔ تاجر نفع کی امید پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتا ہے۔ مگر یقیناً اسے بھی نہیں ہوتا۔ کہ ضرور ہی نفع ہوگا۔ اسکے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف جائیو الے کی دجس کے وعدے یقینی اور حتمی ہیں اور جس کی طرف قدم اٹھائیو الے کی وراسی بھی محنت رائیگان نہیں جاتی، محنت کبھی اور کسی صورت سے ضائع نہیں جاتی۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جائیو الوں کی عین اس قدر دوڑو دھوپ اور سرگرمی نہیں پاتا۔ آخر یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے۔ وہ کیوں نہیں ڈرتے۔ کہ آخر کار ایک دن مرنا ہے کیا وہ دنیا کی ان ناکامیوں کو دیکھ کر بھی اس نفع والی تجارت کی فکر میں نہیں لگ سکتے جس میں خسارہ کا نام و نشان تک نہیں۔ اور نفع یقینی ہے۔ زمیندار کس قدر محنت سے کاشتکاری کرتا ہے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس محنت کا نتیجہ ضرور راحت ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کیسا جیم ہے اور وہ کیسا غزائے ہے کہ جہاں کوڑی بھی جمع ہو سکتی ہے اور روپیہ و اشرفی بھی نہ وہیں چرچکار کا اندیشہ اور نہ دو الا نکل جانے کا خطرہ۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ اگر کوئی ایک کانٹا راستہ سے ہٹا دے۔ تو اس کا بھی اس کو ثواب دیا جاتا ہے۔ اور پانی نکالتا ہوا اگر ایک شخص اپنے بھائی کے گھر میں ایک ڈول ڈال دے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی اجر ضائع نہیں کرتا۔ پس یاد رکھو۔ کہ وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔ اسکے

خلافت دنیا کی شاہ راہ ایسی ہے جہاں قدم قدم پر پھوکریں اور ناکامیوں کی چٹابین ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے سلطنتوں کو چھوڑ دیا۔ آخر بے وقوف تو نہ تھے۔ جیسے حضرت ابراہیم اہم بعد از شاہ شجاع۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ جو جد بھی کہلاتے ہیں ان سبے حکومتوں اور دنیا کی تمام شوکت کو چھوڑ دیا تھا۔ اُسکی یہی توجہ تھی۔ کہ دنیا کی راحت میں وہ ہر قدم پر پھوکر پڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ایک موتی ہے جس کی معرفت کے بعد انسان دنیاوی راحت و آرام کو ایسی حقارت اور ذلت سے دیکھتا ہے۔ کہ اُن کی طرف نظر کرنے کے لئے بھی اُس کی اپنی طبیعت پر ایک جیہ اور اکراہ کرنا پڑتا ہے۔ پس تم کو بھی چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت چاہو۔ اور اُسکی طرف ہی قدم اٹھاؤ۔ کہ کامیابی اور فلاح اسی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اصلاح چاہنا اور اپنی قوت خراج کرنا یہ ایمان کا طریق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص یقین کامل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا ہاتھ دُعا کے لئے اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسکی دُعا بھی رو نہیں کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے مانگو اور صدق نیت اور یقین سے مانگو میری نصیحت پھر یہی ہے۔ کہ اچھے اخلاق ظاہر کرنا ہی اپنی کرامت کو ظاہر کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ کر لاتی بننا نہیں چاہتا۔ تو وہ یہ بات یاد رکھے۔ کہ شیطان اُسے دھوکے میں ڈال رہا ہے۔ کرامت سے عجب اور پندار اور ادب نہیں ہے۔ بلکہ کرامت سے لوگوں کو اسلام کی سچائی اور حقیقت معلوم ہوتی ہے اور ہدایت ملتی ہے۔ میں تمہیں پھر کہتا ہوں۔ کہ عجب اور پندار اور اخلاقی کرامت میں داخل ہی نہیں۔ پس یہ شیطانی دوسرہ ہے اُس سے بچو۔ دیکھو کہ کونسا مسلمان جو روئے زمین کے مختلف حصص میں نظر آتے ہیں کیا یہ تلوار اور جیہ و اکراہ سے مسلمان ہوئے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہہ بالکل غلط بات ہے۔ بلکہ یہ سب اسلام کی کراماتی تاثیر ہے۔ جو اُن کو کھینچ لاتی ہے۔ کرامتیں انواع و اقسام کی ہوتی ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک اخلاقی کرامت بھی ہے۔ جو ہر میدان میں کامیاب ہوتی ہے۔ جو لوگ مسلمان ہوئے اُنہوں نے صرف راستبازوں کی کرامات ہی دیکھیں۔ اور انہیں کا اثر اُن پر پڑا۔ کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ ان لوگوں نے اسلام کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا۔ یہ نہیں کہ تلوار دیکھی ہو بڑے بڑے محقق انگیزوں کو بھی یہ بات ماننی پڑی ہے کہ اسلام کی سچائی کی نوع ہی ایسی دہرست ہے کہ جو غیر قوموں کو اسلام کا حلقہ بگوش بننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو اپنی حسن اخلاق کی تبدیلی دکھاتا ہے کہ وہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے۔ وہ گویا ایک کرامت دکھاتا ہے اس حسن اخلاق کا اثر ہمسایہ پر بہت اعلیٰ اور چمکا پڑتا ہے۔ ہماری جماعت پر اعتراض کیا جاتا ہے

کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا ترقی ہو گئی۔ اور تمہمت لگاتے ہیں کہ افتراء وغیظ وغضب میں مبتلا ہیں۔ کیا یہ امر ہماری جماعت کے لئے باعث ہدایت نہیں کہ جب انسان اس سلسلہ کو عمدہ سمجھ کر اس میں شامل ہوا ہو تو پھر اس کی نیک نامی کی شہرت نہ ہو جس طرح کہ ایک فرد نذر رشید اپنی باپ کی نیک نامی کو شہرت دیتا ہے اسی طرح بیعت کرنے والے کے لئے جو نیزہ فرزند کے حکم میں ہوتا ہے یہ لازمی امر ہے۔ کہ اپنے اُس بزرگ کی جس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ نیک نامی کا باعث ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو قرآن شریف میں اُنہما التوینین فرمایا ہے۔ گو یا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عاتہ التوینین کے باپ ہیں۔ کیونکہ جہانی باپ زمین پر لانے اور حیات ظاہری کا موجب ہوتا ہے مگر روحانی باپ آسمان پر لیجاتا اور اُس اصلی مرکز کی طرف رہنمائی کرتا ہے جیسے سمیٹہ کی دنگی ہے۔ اس لئے کیا آپ پسند کرتے ہیں۔ کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو بدنام کرے۔ طوائف کے ہاں جائے۔ یا قمار بازی کرتا پھرے اور شراب پیئے یا ایسے ہی دیگر افعال فحشہ کا مرتکب ہو جو اُس کے باپ کی بدنامی کا موجب ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ کوئی آدمی اس امر کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن اگر کوئی ناخلف بیٹا ایسا کرتا ہے۔ تو پھر خلقت کی زبان بند نہیں کی جاسکتی۔ لوگ اُس کے باپ کی طرف نسبت کر کے کہیں گے۔ کہ فلاں شخص کا بیٹا فلاں بُرا کام کرتا ہے۔ پس وہ ناخلف بیٹا خود ہی اپنے باپ کی بدنامی کا موجب ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح پر جب کوئی شخص ایک سلسلہ میں شامل ہوتا ہے مگر پھر اُس سلسلہ کی عظمت اور عزت کا خیال نہیں رکھتا اور اُس کے احکام کے خلاف کرتا ہے تو وہ عند اللہ مآخوذ ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی حرکات سے وہ نہ صرف اپنے آپ کو ہی ہلاکت میں ڈالتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایک بُرا نمونہ بن کر اُن کو سعادت اور ہدایت کی راہ سے محروم رکھتا ہے اس لئے جہاں تک آپ لوگوں کی طاقت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اور اپنی پوری طاقت اور تمہمت سے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ جس جگہ عاجز ہو جاؤ۔ وہاں صدق اور یقین کے ساتھ اُٹھو اُٹھاؤ۔ کیونکہ مشغوع اور مضغوع اور عاجزی سے اُٹھائے ہوئے ہاتھ جو صدق اور یقین کی تحریک سے اُٹھائے جائیں۔ خالی واپس نہیں ہوتے۔ ہم تجربہ سے کہتے ہیں کہ ہماری ہزار اَدائیں قبول ہوئی ہیں۔ اور ہو رہی ہیں۔

یہ ایک یقینی بات ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے اور اپنے ابنائے جس کے لئے سہر دی کا جوش نہیں پاتا وہ بخیل ہے۔ اگر تجھے ایک رستہ معلوم ہو چسپہر چلنے سے بھلائی اور خیر ہو۔ تو میرا فرض ہے کہ میں پکار پکار کر لوگوں کو بتاؤں۔ اس امر کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ کہ کوئی اس پر عمل کرتا ہے

یا نہیں سہ کس بے خود یا نشہ و من گفتگوئے میکم۔ اگر ایک شخص بھی زندہ طبیعت کا نکل آوے۔
جو ہمارے کہنے پر عمل کرنے والا ہو تو وہ بھی کافی ہے۔ میں یہ بات کھول کر بیان کر دینا چاہتا ہوں
کہ میرے مناسب حال یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ میں آپ لوگوں کو کہتا ہوں ثواب کی نیت سے کہتا
ہوں۔ نہیں۔ بلکہ میں اپنے نفس میں انتہا درجہ کا جوش اور درہماتا ہوں۔ گو اسکی وجہ نامعلوم
ہیں کیوں اسقدر جوش ہے۔ مگر اس میں اور بھی شک نہیں۔ کہ یہ جوش ایسا ہے۔ کہ میں سوک نہیں
سکتا۔ اسلئے آپ لوگ ان باتوں کو ایسے آدمی کی رضا یا سمجھ کر دیکھو نہ کہ بھڑکنا یا نصیب نہ ہونے
ان پر اس طرح سے کار بند ہوں۔ کہ دنیا کے لئے ایک نمونہ بن جاؤں اور اپنے قول اور فعل سے ان لوگوں کی
جوہم سے دور رہیں۔ ثابت کرو۔ کہ تم میں اسلام کے لئے اتنا جوش ہے۔ اگر آپ لوگ ان باتوں پر عمل
ہونے کی کوشش نہیں کرنا چاہتے تو پھر مجھے بتاؤ۔ کہ میرے پاس آنے سے کیا فائدہ اور کیا مطلب۔
میں مخفی تبدیلی نہیں چاہتا۔ بلکہ مجھے نمایاں اور ظاہری تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ مخالف شرمسار ہوں۔
اور لوگوں کے دلوں پر قہارے نور ایمان کی روشنی پڑے۔ اور دشمن تم سے نامید ہو جائیں اور ان کو
پتہ لگ جائے۔ کہ جس راہ پر وہ چل رہے ہیں وہ ضلالت کی راہ ہے۔ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے ہاتھ پر بڑے بڑے شرمیوں نے آکر توبہ کی۔ وہ کیوں؟ محض اس عظیم الشان تبدیلی کی وجہ سے جو آپ
کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں پیدا ہو گئی تھی۔ اور جبکہ واجب انقلاب نمونوں نے مخالفوں کو شرمندہ کر دیا تھا۔ عکرمہ کا
حال تم نے سنا ہوگا۔ یہ شخص اُحد کی مصیبت کا بانی مبنی تھا۔ اور اس کا باپ ابو جہل تھا۔ لیکن
آخر کار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے گرویدہ کر لیا۔ میرا مذہب یہی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے خواسق نے اسقدر اثر نہیں کیا۔ جتنا کہ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزوں اور
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاک نمونوں اور تبدیلیوں نے کیا۔ وہ لوگ آپ کے پاک نمونے سے اسقدر متاثر ہوئے
کہ آخر کار ان کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا۔ ایک وقت تھا۔ کہ عکرمہ نے حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
مقدس ذات پر حملہ کیا تھا۔ مگر پھر وہ مراوقت آیا کہ لشکر اسلام کی سرکردگی میں اسنے لشکر کفار کو وہم بہہم
کیا۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو پاک نمونے دکھائے۔ ہم آج بھی ان کو
نہایت غر کے ساتھ لائل اور آیات کے رنگ میں بیان کر سکتے ہیں۔ چنانچہ عکرمہ ہی کو دیکھو کفر کی
حالت میں وہ بہت سی بد خصلت رکھتا تھا۔ اور چاہتا تھا۔ کہ بس چلے تو اسلام کو نیست و نابود
کر دے۔ مگر جس وقت خدا تعالیٰ کے فضل نے اسکی دستگیری کی اور وہ مشرف باسلام ہو گیا۔
تو اس میں ایسے اخلاق حسنہ پیدا ہو گئے۔ کہ وہ پُرانے بد خصلت سے ایسا پاک ہو گیا کہ دوسروں کے لئے

قابلِ تقلید بنو بن گیا۔ کفر کے زمانے کا عجیب و پرتزار اُسین تام کو باقی نہ رہا۔ اور اُسین اس قدر فروتنی اور انکسار پیدا ہو گیا۔ کہ وہ انکسارِ حقیرِ الاسلام ہو گیا۔ اور اسلام کی صداقت کے لئے ایک دلیل بن گیا۔ ایک موقع پر جبکہ عکرمہ لشکرِ اسلام کا سپہ سالار تھا۔ کفار نے بڑا سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ لشکرِ اسلام شکست کھانے کے قریب ہو گیا۔ عکرمہ نے جب یہ حال دیکھا تو فوراً اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ لوگوں نے آپ سے کہا۔ کہ آپ کیوں گھوڑے سے اترتے ہیں کیونکہ شاید بھاگ دوڑ کی نوبت پہنچے تو گھوڑا آپ کو مدد دے گا۔ اس پر آپ نے جواب دیا۔ کہ اس وقت مجھے وہ زمانہ یاد آ گیا ہے۔ کہ جب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا کرتا تھا۔ اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اس وقت اپنی جان و دیگر اُن گناہوں کا کفارہ کروں۔ اسی واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُسکی حالت کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی تھی۔ کہ اسلامی دنیا اُس کو محامد سے یاد کرتی ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اُن لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے۔ جو اُسکی رضا پر چلتے ہیں۔ محامد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رضا کے پورے پورے تابع رہتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جابجا اُنکو صنی اللہ عنہ کہا ہے۔ اسلئے میری نصیحت آپ لوگوں کو یہ ہے۔ کہ تم میں سے ہر شخص کو لازمی ہے کہ محامد رضی اللہ عنہ کی پیروی کرے۔ علاوہ اخلاق کے وہ اور چیزیں بھی ہیں جنکو بغیر کھنا صدوق اور خلاص منہ شخص کا کام نہ چاہیے۔ اول اُن میں سے عقائد صحیحہ ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کمالِ فضل و کرم ہے کہ اُسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسالت سے۔ بلکہ عقائد صحیحہ کا مستقیم رستہ بدون محنت و مشقت کے دکھلایا ہے۔ اور وہ راہ یہی ہے جس سے اکثر عالم ابھی تک محروم ہیں پس تم لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و نعمت کا شکریہ ادا کرو۔ اور وہ شکر اس طرح سے ادا کیا جاسکتا ہے کہ سچے دل سے اُن اعمال صالحہ کو بجالاؤ۔ جو عقائد صحیحہ کے بعد دوسرے حصہ کی تخت میں آتے ہیں۔ اور اپنی عملی حالت سے مدد لیکر دعا مانگو۔ کہ اللہ تعالیٰ تمکو اُن عقائد صحیحہ پر ثابت قدم رکھے۔ اور اعمال صالحہ کی توفیق دے۔ عبادات کے حصہ میں صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ وغیرہ امور شامل ہیں۔ نماز پر ہی غور کرو۔ یہ دُنیا میں آئی ہے۔ لیکن دُنیا سے نہیں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تَحَرُّوْا عِندَیْ فِی الْمَصَلٰوۃِ۔ پھر یہ جو پارچہ وقت نماز کے لئے مقرر ہیں یہ کوئی محکم اور جبر کے طور پر نہیں بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دراصل انسان کی روحانی حالتوں کی ایک عکسی تصویر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذٰلِکَ الشَّمْسِ۔ یعنی قائم کرو نماز کو دوںِ شمس سے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے قیامِ صلوٰۃ کو دوںِ شمس سے لیا ہے۔ دوں کے معنی میں گرو

اختلاف ہے۔ لیکن دوپہر کے ڈھلنے کے وقت کا نام دلوک ہے۔ یہاں دلوک سے لیکر پانچ نمازیں ہیں اس میں یہی حکمت اور سبب ہے کہ قانون قدرت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ روحانی تدبیر اور انکسار کے مراتب بھی دلوک سے شروع ہوتے ہیں اور اس پر پانچ ہی حالتیں آتی ہیں۔ اسلئے یہ طبع نماز بھی اس وقت شروع ہوتی ہے کہ جب حزن اور ہم غم کے آثار شروع ہوتے ہیں۔ اور اس وقت کہ جب انسان پر کوئی آفت یا مصیبت آتی ہے تو وہ کس قدر زلزل اور انکساری کرتا ہے اگر اس وقت زلزلہ آجائے تو ہم سمجھو کہ طبعیت میں کس قدر زفت اور انکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پر سوچو کہ اگر انسان پر کوئی شخص نالش کر دے تو سمن یا وارنٹ آنے پر اسکو معلوم ہو جائیگا کہ دیوانی یا فوجاری کی فلاں دفعہ کے ماتحت اسپر نالش ہوئی ہے۔ گویا بعد مطالعہ وارنٹ اسکی حالت نصف انصرار کے بعد جیسے دو ال شروع ہو جائے وہ ہو جاتی ہے کیونکہ وارنٹ یا سمن کے مطالعہ کرنے تک تو اسے کچھ معلوم نہ تھا مگر بعد مطالعہ خیال پیدا ہوا کہ خدا جانے اوصہر وکیل ہو یا نہ ہو۔ اس قسم کے ترفعات اور تفکرات سے جو دال پیدا ہوتا ہے یہ دلوک کی حالت کے مشابہ ہے۔ اور یہ پہلی حالت ہے جو نماز ظہر کے قائم ہے یعنی اسکی عکسی حالت نماز ظہر ہے۔ اب دوسری حالت وہ آتی ہے جبکہ کفر عدالت میں کھڑا ہو۔ فریق مخالف اور عدالت کی طرف سے سوالات طرح ہو رہے ہوں۔ اس وقت ایک عجیب حالت ہوتی ہے۔ اور یہ وہ حالت اور وقت ہے جو نماز عصر کا نمونہ ہے۔ کیونکہ عصر گھونٹنے اور پورٹنے کو کہتے ہیں۔ جب غرق قرار و جرم لگ جاتی ہے اس وقت حالت اور بھی نازک ہو جاتی ہے۔ یاس اور ناامیدی بڑھ جاتی ہے کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ سزا دل جائے یہ وقت نماز مغرب کا عکس ہے پھر جب حکم سنایا گیا اور کنسبل یا کورٹ اسپیکر کے حوالہ کیا گیا۔ تو وہ روحانی طور پر نماز عشا کا عکس ہے نہایت تک کہ نماز صبح کا وقت آگیا اور ان مع العسہ سیرا کی حالت ہو گئی اور یہ نماز فجر کی عکسی تصویر ہے۔ القصہ میں پھر نرم کو جو میرے ساتھ ایک سچا تعلق پیدا کرنا چاہتے ہو۔ اس سے ہی غرض ہونی چاہیے کہ تم اپنے اخلاق و عادات میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرو۔ جو دوسرے لوگوں کے لئے ہدایت اور سعادت کا موجب ہو (جلد ۱۸ لائن ۸۹)۔ ص ۳

یوم فروری ۱۸۹۸ء۔ الہام ہوا۔ یوم تائینات الغاشیہ۔ یوم تنجوا کل نفس بما کسبت۔ یوم پنجویں کل نفس بما کسبت (ترجمہ) ایک خوفناک غش ڈالنے والا انسان کو چاروں طرف سے گھیرنے والا وقت آیا والا ہے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنے اعمال کے سبب سے سزات پائیگا۔ اس وقت ہم ہر شخص کو اس کے اعمال کے موافق جزا دینے کے زور سے ان الہامات کے بعد

اور یہاں دلوک سے لیکر پانچ نمازیں ہیں اس میں یہی حکمت اور سبب ہے کہ قانون قدرت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ روحانی تدبیر اور انکسار کے مراتب بھی دلوک سے شروع ہوتے ہیں اور اس پر پانچ ہی حالتیں آتی ہیں۔ اسلئے یہ طبع نماز بھی اس وقت شروع ہوتی ہے کہ جب حزن اور ہم غم کے آثار شروع ہوتے ہیں۔ اور اس وقت کہ جب انسان پر کوئی آفت یا مصیبت آتی ہے تو وہ کس قدر زلزل اور انکساری کرتا ہے اگر اس وقت زلزلہ آجائے تو ہم سمجھو کہ طبعیت میں کس قدر زفت اور انکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پر سوچو کہ اگر انسان پر کوئی شخص نالش کر دے تو سمن یا وارنٹ آنے پر اسکو معلوم ہو جائیگا کہ دیوانی یا فوجاری کی فلاں دفعہ کے ماتحت اسپر نالش ہوئی ہے۔ گویا بعد مطالعہ وارنٹ اسکی حالت نصف انصرار کے بعد جیسے دو ال شروع ہو جائے وہ ہو جاتی ہے کیونکہ وارنٹ یا سمن کے مطالعہ کرنے تک تو اسے کچھ معلوم نہ تھا مگر بعد مطالعہ خیال پیدا ہوا کہ خدا جانے اوصہر وکیل ہو یا نہ ہو۔ اس قسم کے ترفعات اور تفکرات سے جو دال پیدا ہوتا ہے یہ دلوک کی حالت کے مشابہ ہے۔ اور یہ پہلی حالت ہے جو نماز ظہر کے قائم ہے یعنی اسکی عکسی حالت نماز ظہر ہے۔ اب دوسری حالت وہ آتی ہے جبکہ کفر عدالت میں کھڑا ہو۔ فریق مخالف اور عدالت کی طرف سے سوالات طرح ہو رہے ہوں۔ اس وقت ایک عجیب حالت ہوتی ہے۔ اور یہ وہ حالت اور وقت ہے جو نماز عصر کا نمونہ ہے۔ کیونکہ عصر گھونٹنے اور پورٹنے کو کہتے ہیں۔ جب غرق قرار و جرم لگ جاتی ہے اس وقت حالت اور بھی نازک ہو جاتی ہے۔ یاس اور ناامیدی بڑھ جاتی ہے کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ سزا دل جائے یہ وقت نماز مغرب کا عکس ہے پھر جب حکم سنایا گیا اور کنسبل یا کورٹ اسپیکر کے حوالہ کیا گیا۔ تو وہ روحانی طور پر نماز عشا کا عکس ہے نہایت تک کہ نماز صبح کا وقت آگیا اور ان مع العسہ سیرا کی حالت ہو گئی اور یہ نماز فجر کی عکسی تصویر ہے۔ القصہ میں پھر نرم کو جو میرے ساتھ ایک سچا تعلق پیدا کرنا چاہتے ہو۔ اس سے ہی غرض ہونی چاہیے کہ تم اپنے اخلاق و عادات میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرو۔ جو دوسرے لوگوں کے لئے ہدایت اور سعادت کا موجب ہو (جلد ۱۸ لائن ۸۹)۔ ص ۳

حضرت مسیح موعودؑ نے جماعت کو ٹیری تاکید کی۔ کہ تیاری کرو۔ غادوں میں عاجزی کرو۔ تہجد کی عادت ڈالو تہجد میں رعد و گرد عینس مانگو۔ کہ خدا تعالیٰ گڑ گڑائیوں والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو صائغ نہیں کرنا۔ اصلاح اور تقویٰ پیدا کرو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تم میری راہ میں روک بجاؤ (خط مولوی عبد الکریم صاحب ۴ فروری ۱۹۹۵ء الحکم جلد ۲ ص ۷)۔

۲ فروری ۱۹۹۵ء کو وقت شام قادیان۔ بابو محمد افضل صاحب نے ہندوستان سے افریقہ کی طرف روانگی کے موقع پر حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کی۔ کہ بعض غفلت کے مقامات سے وہ شکوک و شبہات و نفسانی ظلمتوں کا ایک دریا ہمراہ لائے تھے اور اب پھر انہیں مقامات کو جاننا ہے۔ اسلئے دعا کی جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایسی مشکلات سے نکلنے کے لئے یہ علاج بتایا ہے۔ اول قرآن شریف کی تلاوت باقاعدہ ہر روز کرتے رہنا (۲۵) موت کو ہر وقت یاد رکھنا (۳) سفر کے حالات قلمبند کرتے رہنا (۴) اگر ممکن ہو۔ تو ہر روز ایک کارڈ لکھتے رہنا (الحکم جلد ۲ ص ۷)۔

دعا ئیہ کلمات فرمودہ حضرت مسیح موعودؑ۔ اے رب العالمین تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے۔ اور تیرے بے غایت مجسم احسان ہیں۔ میرے گنہ گنجش۔ تائیں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال دینا تجھے دنگی حاصل ہو۔ اور میری پردہ پوشی فرما۔ اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے۔ میں تیری وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں۔ کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما۔ اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا۔ کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین خدائے رب العالمین (الحکم جلد ۲ ص ۷)۔

یہیم مئی ۱۹۹۵ء۔ جناب مولوی عبدالکریم صاحب کے وہ میموریل پڑھ چکنے کے بعد جو حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن حمایت اسلام کے میموریل دربارہ اتہات المومنین کی اصلاح کی غرض سے لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ چونکہ یہ میموریل اسلام اور اہل اسلام کی حمایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی عزت اور قرآن کریم کی غلط فہم کرنے اور اسلام کی پاکیزہ اور اصطفیٰ عمل دکھانے کے لئے لکھا گیا ہے اسلئے اسکو آپ صاحبان کے سامنے پڑھ جانے سے صرف یہ غرض ہے کہ نا آپ لوگوں سے بطور مشورہ دریافت کیا جائے۔ کہ آیا مصلحت وقت یہ ہے۔ کہ کتاب کا جواب لکھا جاوے یا میموریل بھیج کر ریسٹ سے استدعا کی جائے۔ کہ وہ ایسے مصنفین کو سرزنش کرے اور اشاعت بند کرے۔ پس آپ لوگوں میں سے جو کوئی اس پر نکتہ چینی کرنا چاہے۔ تو وہ نہایت آزادی اور شوق سے

کر سکتا ہے۔“

(مجمعیس سے) ایک شخص بولا کہ اگر کتاب کی اشاعت بند نہ ہوئی تو ہمیشہ تک طبع ہوتی رہے گی؟ حضرت مسیح موعودؑ :- اگر ہم واقعی طور پر کتاب کی اشاعت بند نہ کریں جو اسکے روکنے کی صورت میں ہو سکتی ہے تو گورنمنٹ سے ایک بار نہیں ہزاروں قلم نویس کی اشاعت بند کیا کر وہ رک نہیں سکتی۔ اگر اس تھوڑے عرصہ کے لئے وہ برائے نام بند بھی ہو جائے۔ تو پھر بھی بہت سی کمزور طبیعت کے انسانوں اور بعض کمزور الی نسلوں کے لئے یہ تجویز زہر قاتل ہوگی۔ کیونکہ جب اُن کو یہ معلوم ہوگا کہ فلاں کتاب کا جواب جب مسلمانوں سے نہ ہو سکا۔ تو اُسکے لئے گورنمنٹ سے بند کرانے کی کوشش کی۔ اس سے ایک قسم کی بدظنی ہمارے مذہب کی نسبت پیدا ہوگی۔ پس میرا یہ اصول رہا ہے۔ کہ ایسی کتاب کا جواب دیا جائے۔ اور گورنمنٹ کی ایک سچی امداد یعنی آزادی سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور ایسا کافی جواب دیا جائے۔ کہ خود اُن کو اسکی اشاعت کرنے ہوئے ندامت محسوس ہو۔ دیکھو جیسے ہمارے مقدمہ ڈاکٹر کلارک میں اُن کو جب معلوم ہو گیا۔ کہ مقدمہ میں جان نہیں رہی۔ اور مصنوعی جادو کا ٹیلا ٹوٹ گیا۔ تو انہوں نے آئٹھم کی بیوی اور واداد جیسے گواہ بھی پیش نہ کئے پس میری رائے یہی ہے اور میرے دل کا فتویٰ یہی ہے کہ اسکا دلائل شکن جواب نہایت نرمی اور ملاحظت سے دیا جائے۔ پھر خدا چاہے گا۔ تو ان کو خود ہی جُرأت نہ ہوگی۔

(الانذار) *

۲۹ مئی ۱۸۹۰ء بروز عید مقام قادیان زیر دست پڑ۔ جانب شرقیہ بعد از نماز عید بتقریب جلسہ طاعون۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ذیل کی تقریر فرمائی :-

آپ سب ماحجوں کو معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بھی فرمایا ہے۔ کہ ایک زمانہ ایسا گذرا ہے۔ کہ انسان۔ حیوان۔ چرند۔ پرند۔ زمین۔ آسمان۔ اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔ کسی چیز کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف خدا ہی تھا۔ یہ اسلام کا عقیدہ ہے۔ و کہ تَکُنْ مَعًا شَیْئًا یعنی خدا کے ساتھ اور کوئی چیز نہ تھی۔ ہم کو آخری قرآن اور حدیث کے ذریعہ خبر دی ہے۔ کہ ایک زمانہ اور بھی آئینا لا ہے۔ جبکہ خدا کے ساتھ کوئی نہ ہوگا وہ زمانہ بڑا خوفناک زمانہ ہے۔ کیونکہ اُس پر ایمان لانا ہر مومن اور مسلمان کا کام ہے۔ جو شخص اُس پر ایمان نہیں لاتا۔ وہ مسلمان نہیں کافر ہے۔ اور بے ایمان ہے۔ جس طرح سے ہرشت۔ دوزخ۔ ابنیاء اور کتا بول و غیرہ پر ایمان لانا ایک کلمہ ہے۔ ویسا ہی اُس ساعت پر ایمان لانا لازم ہے جبکہ لفظ صَو

ہو کر سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ یہ سنت امداد و عادت اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس زمانہ کے سچھانے کے لئے تین طریق اختیار فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کو عقل دی ہے۔ کہ اگر وہ اُس سے ذرا بھی کام لے اور غور کرے تو یہ امر نہایت صفائی سے ذہن میں آسکتا ہے کہ انسان کی مختصر سی زندگی دو آدمیوں کے درمیان واقع ہے کبھی بھی ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہ سکتی۔ قیاس و محمولات کا پتہ لگ سکتا ہے اور انسان معلوم کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر ہم غور کریں کہ ہمارے باپ دادا کے کہاں ہیں۔ اور اسی ایک بات کو سوچیں تو ہمیں یہ مان لینا پڑیگا کہ ہم سب کو بھی اسی راستہ پر چلنا ہوگا۔ جس پر وہ گئے ہیں نا وہاں ہے وہ انسان جس کے سامنے ہزار ناموں نے ہوں اور پھر بھی وہ اُن سے سبق حاصل نہ کرے اور عقل نہ دیکھے۔ عموماً دیکھا گیا ہے اور یہ ایک مافی ہوئی بات ہے۔ کہ ہر گاؤں اور شہر میں زندہ لوگوں سے قبریں روز بروز زیادہ ہوتی جا رہی ہیں۔ اور بعض پُراٹے لوگوں کی قبریں مخفی اور بعض ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ جب کسی شہر میں کٹواں کھودا جاتا ہے۔ تو اسکی مٹی میں سے ہڈیاں نکلتی ہیں گو یا عام طور پر زمین کے نیچے ہر جگہ قبریں ہی قبریں موجود ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ظاہر طور پر نمودار نہ ہوں جس سے انسان کے نابود شدہ طبقہ کا پتہ لگتا ہے۔ دوسری دلیل اُس زمانہ کے وجود پر یہ ہے۔ کہ جس طرح پرکھیت میں سبز نکلتا ہے جو بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے مگر پھر ایک زمانہ اُسپر آتا ہے۔ کہ وہ رفتہ رفتہ زرد ہو کر خشک ہوئے لگتا ہے اور پھر اُسپر ایک دوسری حالت آتی ہے کہ وہ گرے لگتا ہے۔ تو اسوقت جب اسطرح نقصان ہونے لگتا ہے۔ تو بونے والا کسان اُسے خودی کاٹ ڈالتا ہے۔ تا ایسا نہ ہو۔ کہ وہ اس طرح پر اُڑا کر صنایع جائے۔ ایسا ہی دنیا خدا تعالیٰ کا کھیت ہے جس طرح زمیندار مصلحت اور انجام دینی سے کبھی اپنی کھیت کو کچا ہی کاٹ لیتا ہے اور کبھی ذرا پختہ ہونے پر کاٹتا ہے۔ اسی طرح سے ہم انسان بھی پرورش پا کر خداوندی مشیت اور ارادے کے موافق ٹھیک اپنے اپنے وقت پر کاٹے جاتے ہیں۔ زمیندار کے فعل سے سبق اور عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ کیونکہ انسان کی زندگی کا بھی ٹھیک یہی طرز ہے جس طرح سے بعض دانے اُگنے بھی نہیں پاتے بلکہ زمین کے اندر ہی اندر صنایع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض بچے شکم مادر ہی میں صنایع ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض دانے پیدا ہونے کے چند روز بعد صنایع ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی قانون اور عمل کے موافق انسان بھی بچہ۔ جوان اور بوڑھا ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی مرضی کی دانستی اُسے وقتاً فوقتاً مصلحت آگاہی سے کاٹتی رہتی ہے۔ کبھی بچے مرتے ہیں جنکو کہتے ہیں کہ اعشاء سے مر گئے صحیح البدن۔ تو انا اور تندرست جوان بھی مرتے ہیں۔ پھر عمر رسیدہ ہو کر پیر نا توان بھی آخر مرتے جاتے

ہیں غرض یہ سلسلہ قطع و برید کا دنیا میں ایسا جاری ہے۔ جو ہر آن انسان کو سبق دیتا رہتا ہے کہ دنیا ہمیشہ رہنمائی کی جگہ نہیں پس یہ بھی ایک دلیل اُس زمانہ کی آمد پر ہے۔ علاوہ ازیں اُس زمانہ کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور دلیل بھی پیش کی ہے۔ اور وہ انبیاء کے قہری معجزات ہیں جنکے باعث ایک ہی وقت میں دنیا کے تختے الٹ دیئے گئے اور خلقت کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ انسان اللہ تعالیٰ کے قہر کے ماتھوں میں ہے۔ وہ جب چاہے اُسے نابود کر دے۔ اسی امر کو اللہ تعالیٰ نے دلیل کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ بعض امراض اس مہیت اور شدت سے پھیلتی ہیں کہ جن لوگوں نے انکا دورہ دیکھا ہو گا وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قیامت کا نمونہ ہوتا ہے منجملہ اُن ہتیناک امراض کے ایک طاعون بھی ہے جو اس وقت ہمارے ملک میں پڑی ہوئی ہے۔ اور جس نے کراچی اور بمبئی میں بہت کچھ صفائی کر دی ہو اور اب پہاڑ پر سے پالم پور و نیر کلکتہ سے طاعون پھیلنے کی متوجش خبریں موصول ہوئی ہیں غرض یہ ایک بڑا بھاری خطرہ ہے۔ جو اس وقت سامنے ہے اسلئے میری اس تقریر کرنے سے غرض صرف یہ ہو کہ چونکہ انسان کو بڑے بڑے ابتلا پیش آتے رہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَنبَلِّغَنَّكُمْ أَشْيَئًا مِّنَ الْآيَاتِ** (پارہ ۲) یعنی ہم تمہیں لگاتار رہنمائی کیجیے اور کبھی مالوں میں نقصان کرنے سے اور کبھی ثمرات کو تلف کرنے سے۔ اُملات ثمرات سے مراد تفاسیر میں اولاد بھی لکھی ہے اور اسی میں کوششوں کا مندرجہ ہونا بھی شامل ہے مثلاً حصول علم کی کوشش تجارت میں کامیابی کی کوشش۔ زمینداری کی کوشش غرض ان کوششوں کا منافع ہونا ایک بڑی مصیبت ہوتی ہے۔ انسان کو ہر وقت خیال ہوتا ہے کہ کامیابی سے ہواؤں کا۔ مگر خدا تعالیٰ کے علم میں اسکی مصلحت کا تقاضا یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ ناکام رہے یا کھیتی پیدا نہیں ہوتی۔ یا تجارت میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے امتحان رکھے ہیں۔ اول خوف۔ دوم نقصان مال سوم نقصان جہان اور چہارم تلف ثمرات۔ مگر یہ ایک دہشتناک مقام اور خوف کی جگہ ہے کہ اس طاعون کی بیماری میں ہر چہار امتحان مجموعی طور پر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ جن لوگوں کو واقعات حاضرہ کی خبر ہے۔ کہ اس وقت کیا ہو رہا ہے اور انسان کیا کچھ جھگڑت رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وارات طاعون سے حقیقت یہ ہر چہار امتحان یکے بعد دیگرے پیش آ جاتے ہیں۔ یہی نہیں کہ آدمی مرجاتا ہے۔ بلکہ گورنٹ انکلیش نے ایک خاص اور اشد ضرورت کی وجہ سے اور پھر مصلحت کی بنا پر جیسا کہ ایک مادر مہربان کو بعض دفعہ اپنے بچوں کی غور و پرداخت اور نگہداشت میں پیش آ جاتی ہے۔ یہ

قانون پاس کیا ہے۔ کہ جس گھر میں طاعون کی واردات ہو اس گھر سے تمام رہنے والے باہر نکال دیئے جائیں۔ اور عند الضرورت ہمسائے اور محلہ دار بھی اور پھر اندر ضرورت کی صورت میں گاؤں کا حکاؤں ہی خالی کر دیا جائے۔ بیمار الگ رکھے جائیں اور تندرست الگ۔ اور وہ مقام جہاں ایسے لوگ رکھے جائیں کھلی ہوا میں ایسی جگہ پر ہو جس کے نشیب میں پانی نہ ہو۔ اور تازہ ہوا کی خوب آمد و رفت ہو سکے۔ اُسکے متصل ہی قبرستان بھی ہو تاکہ مرنے والے کو جلد ہی دفن کیا جاسکے۔ تا ایسا نہ ہو کہ اُن کے تعفن سے ہوا زیادہ زہریلی ہو جائے۔ یہ ایک ایسا شدید ابتلا ہو کہ جس کی وجہ سے یہی پونا اور بعض دیگر مقامات میں لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ غرض گورنمنٹ نے ان مذاہب کے اختیار کرنے میں جو نیکی سوچی ہے اور درحقیقت اُس میں نیکی ہی ہے۔ مگر اُسے بدی قرار دیا جاتا ہے۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہو۔ کہ جس شخص سے نیکی کی جائے وہ اُس نیکی کو بدی سمجھتا ہے۔ پھر اسپر مزید حیرت اور تعجب یہ ہے کہ گورنمنٹ نے یہ تدابیر انسداد مرض کچھ اپنے گھر سے وضع نہیں کیں بلکہ دینا ہی اطمینان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس گھر میں طاعون ہو جائے۔ وہ نہ صرف اُس گھر بلکہ شہر اور ملک تک کا صفایا کر دیتی ہے۔ اطمینان نے اسکی بہت سی نظیریں بھی دی ہیں۔ کہ طاعون جیسی خوفناک مرض نے بس نہیں کیا۔ جب تک کہ آبادی کو جنگل نہیں بنایا۔ اور اسو اجا لکر تھے نہیں دکھا دیا جس کی اکثر کو نگو خبر نہیں ہے مجھے افسوس ہے کہ باوجودیکہ یہ خطرناک مرض بہت بُری طرح پھیل رہی ہے۔ اور ملک کے ایک بڑے حصہ کو تباہ کر دینے کی دھمکی دی رہی ہے تاہم میں نہیں دیکھتا کہ لوگوں کو ایک کھا جائے والا غم پیدا ہوا ہو جس کی وجہ سے وہ توبہ اور استغفار میں مصروف ہوں۔ میں نہیں دیکھتا کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری کرتے ہوں۔ یا نادوں کی پابندی کا التزام کرتے ہوں۔ بلکہ جہان تک دیکھا جاتا ہے۔ ہر جگہ ظلم اور بد اخلاقی کے طریقے استعمال میں آ رہے ہیں۔ مرض طاعون کا قاعدہ ہے کہ وہ پرواز کر کے پرندے کی طرح دوسرے مقام پر جا پہنچتی ہے اُسکی رفتاریں ایسا نظام نہیں ہے کہ وہ منزل بہ منزل جائے بلکہ وہ چار سو کوس کا فاصلہ طے کر کے ایک لخت دوسرے مقام پر جا پہنچتی ہے۔ موجودہ حالات میں یہی اور جالندھر کے واقعات پر ہی غور کرو کہ ہر دو مقامات کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے۔ اب بتلاؤ کہ انسان اُسکے جالندھر پہنچنے کی بابت کیا نظام رفتار قائم کر سکتا ہے۔ الغرض اسکی رفتار کی نسبت کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آج عاقبت سے گزر رہی ہے۔ نہ معلوم کل کیا ہو۔ یہ نہایت خطرناک مرض ہے اور اسکے دورے بڑے لمبے ہوتے ہیں بعض اوقات ساٹھ ساٹھ سال تک اس کا دورہ رہتا ہو

جو ایک مسلمہ امر ہے، ہیضہ کی طرح نہیں کہ ساون بہاؤوں کے مہینے میں آگیا۔ اور بیس پچیس دن دورہ کر کے رخصت ہو گیا۔ طاعون کو حکیم یحییٰ نیزے سے مارنے والی لکھا ہے۔ طاعون سبالغہ کا ہیضہ ہے جو ککائشا نہ خطاء نہیں جاتا۔ اور اسکے باعث کثرت اموات بہت ہوتی ہے۔ تورات میں بھی اسکا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ ہرے وقت یہ مرض یہودیوں میں پڑی تھی۔ تورات میں یہاں خدا نے پھوڑوں کی مار سے ڈرایا ہے۔ اُس سے طاعون ہی نمراد ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہودیوں کو نافرمانی کی وجہ سے طاعون سے ہلاک کر دینا ذکر ہے۔ تورات اور قرآن کریم کے اُن مقامات پر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ یہ مرض انسان کی نافرمانی اور بدکاری سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ سنت اللہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ گذشتہ اقوام معصیت کے وقت اسی بیماری سے ہلاک ہوئیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک قہری نشان ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ یہ تفسیر نشان قیامت کا ہے۔ اس سے قیامت صغریٰ پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً وہ لوگ جنکو خبر نہیں اسکو ایک انسان سمجھیں کہ جب یہ مرض یورپ اور بلاد شام اور عراق عجم میں پھیلی تھی وہاں اسکا ڈیرہ جم گیا تھا۔ ابھی اس ملک میں نو وارد ہوئے۔ اسلئے یہاں کے لوگوں کو اسکے اخلاق اور عادات کی کچھ خبر نہیں۔ ایک طرف تو یہ لوگ خدا تعالیٰ سے بے خوف اور بے خیر ہیں اور توبہ استغفار نہیں کرتے اور دوسری طرف گورنمنٹ کی تجاویز پر بھی عملدرآمد نہیں کرنا چاہتے۔ اور ان تجاویز کو بظنی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور مخالفت کا شور مچاتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کیونکہ ماہنامہ کے طور پر کسی کی تعریف کرنا ہمارا کام نہیں۔ کہ یہ اصول کہ جس گاؤں میں طاعون کی بیماری ہو وہاں کے لوگ الگ کئے جائیں اور اسکی آمد و رفت کے راستے بند کئے جائیں۔ اور مریضوں کو ایک کھلے میدان میں رکھا جائے اور بسا اوقات سارے گاؤں کو الگ کر دیا جائے۔ گو یا اُس سرزمین سے سب کو نکال لیا جائے۔ نہایت مفید اور ضروری ہے۔ ہماری کتابوں سے بھی اور تورات سے بھی یہ پتہ لگتا ہے کہ اس مرض کے مواد زمین سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ یہ خیال کیا جانا چاہیے کہ یہ مرض جو ہو سکے ذلیعہ سے پھیلتی ہے۔ یہ بھی منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب ہے۔ دراصل جو زمین ہر کاریوں اور جفا کاریوں سے لعنتی ہو جاتی ہے اسیس یہ تمیت (زہر) پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بڑے بڑے خوفناک طریقوں پر وہ مبتلائے عذاب ہو جاتی ہے۔ مگر کوئی ہمیں یہ تو بتائے۔ کہ گورنمنٹ نے کیا پُرانی کی۔ جو یہ کہا۔ کہ بارہ مکان کو چھوڑ دو۔ جو کام ہماری بھلائی کے لئے ہو۔ اسیس پُرانی کا خیال پیدا کرنا دشمن انسان کا کام نہیں جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ کہ اگر گورنمنٹ یہ حکم دیدے کہ طاعون کی مرض میں کوئی شخص گھر سے نہ نکلے۔ تو لوگ اس حکم کو اُس سے بھی زیادہ ناگوار سمجھیں گے۔ کیونکہ جب گاؤں میں طاعون پھیلے گی

اور لوگ مرنے لگیں گے۔ تو کوئی شخص بھی بروہشت نہ کر دیا۔ کہ اُس گھر میں رہے۔ دیکھو جس گھر یا مکان سے کسی وقت سانپ نکلے۔ تو اُس گھر یا مکان میں داخل ہونے سے لوگ دہشت کھاتے ہیں۔ خواہ وہ سانپ مار بھی دیا جائے۔ تاہم تاریکی کے وقت اس مکان میں کوئی شخص داخل نہیں ہوتا۔ یہ انسان کی ایک طبعی عادت ہے۔ پھر حیرت ہے۔ کہ ایک انسان اندیشہ کی جگہ سے واقف ہو اور پھر امن و چین کے ساتھ اُس میں رہو۔ کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جس گھر سے مردہ پر مردہ نکلتا شروع ہو جائے۔ تو اہل خانہ اُس میں اس سے بیچے رہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ لوگ خود ہی اُس گھر کو فی الفور چھوڑ دینگے اور اُسے منوں سمجھ کر اُس سے کنارہ کر جائیں گے۔ اگر یہ لوگ اسی حالت میں چھوڑ دیتے جاتے اور گورنٹ کسی قسم کی مداخلت نہ کرتی۔ تو پھر بھی یہ لوگ خود بخود وہی کرتے جو آج گورنٹ کر رہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کو طاعون کی مرض کی خبر نہیں۔ اور وہ اُسکو نزلہ و زکام کی طرح ایک عام مرض سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام رجز رکھا ہے۔ رجز عذاب کو بھی کہتے ہیں۔ لعنت کی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ اونٹ کی ہن ران میں یہ مرض ہوتا ہے اور اُس میں ایک کثیر اڑھتا ہے۔ جسے ذقن کہتے ہیں۔ اس سے ایک لطیف نکتہ سمجھیں آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ چونکہ اونٹ کی فطرت میں ایک قسم کی سرکشی ہائی جاتی ہے جس کو یہ مرض ہوتی ہے۔ تو اُس سے یہ پایا گیا۔ کہ جب انسان میں بھی سرکشی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے تو اُس وقت اُن پر یہ عذاب الیم نازل ہوتا ہے۔ رجز کے معنی لعنت میں دوام کے بھی آتے ہیں۔ اور یہ مرض بھی دیر پا ہوتا ہے۔ اور گھر سے سب کو نصرت کر کے نکلتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ بلا گھروں کی صفائی کر دینے والی۔ بچوں کو متیم بناتی اور ہمیشہ ربکیس عورتوں کو بیوہ بنا دیتی ہے۔ پھر رجز کے معنی میں غور کرنے سے اس کا باعث بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہ مرض پلیدی اور ناپاکی سے پیدا ہوتا ہے۔ جہاں اچھی طرح صفائی نہیں ہوتی۔ اور مکان کی دیواریں بدتر اور قبروں کا نمونہ ہوتی ہیں نہ روشنی کا انتظام ہوتا ہے۔ نہ نازہ ہوا آسکتی ہے۔ وہاں عفونت کا زہر پھیلاؤ پیدا ہو جاتا ہے جس کے باعث یہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں جو آیا ہے وَالرُّجُزُ قَاتِلٌ مُّجْرِمٌ (بارہ ۲۹) ہر ایک قسم کی پلیدی سے پرہیز کرو۔ پھر دور چلے جانے کو کہتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوا۔ کہ روحانی پاکیزگی چاہئے والوں کے لئے ظاہری پاکیزگی اور صفائی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایک قوت کا اثر دوسری پر اور ایک پہلو کا اثر دوسرے پر ہوتا ہے۔ انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ جو شخص باطنی جہالت پر قائم ہونا چاہتا ہے وہ ظاہری پاکیزگی کا بھی لحاظ رکھے۔ پھر ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ

يُحِبُّ الشَّوَابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (پارہ ۲) یعنی جو لوگ باطنی اور ظاہری پاکیزگی کے طالب ہیں۔ میں اُن کو دوست رکھتا ہوں۔ ظاہری پاکیزگی باطنی طہارت کی حمد اور معاون ہے۔ اگر انسان اُسے ترک کر دے اور پافانہ پھر کر بھی طہارت نہ کرے۔ تو باطنی پاکیزگی پاس بھی نہیں چمٹکتی۔ پس یاد رکھو۔ کہ ظاہری پاکیزگی اندرونی طہارت کو مستلزم ہے۔ اسلئے ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ کہ کم از کم جمعہ کے دن ضرور غسل کرے۔ ہر نماز میں وضو کرے۔ جماعت کھڑی ہو تو خوشبو لگالے۔ عیدین اور جمعہ میں جو خوشبو لگانے کا حکم ہے۔ وہ اسی بنا پر قائم ہے۔ اصل وجہ یہ ہے۔ کہ لوگوں کے اجتماع کے وقت عفونت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسلئے غسل کینے اور صاف پٹڑے پہننے اور خوشبو لگانے سے سمیت (ذہر) اور عفونت سے رک ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں یہ قانون مقرر کیا ہے۔ ویسا ہی قانون مرنے کے بعد بھی رکھا ہے۔ اسی لئے مسلمان کو مرتے وقت کافور کا استعمال کرنا سنت ہے۔ یہ اسلئے کہ کافور ایک ایسی چیز ہے جو وبائی کیروں کو مارتی اور سمیت کو دور کرتی ہے۔ اور انسان کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے اور بہت سی عفونتی بیماریوں کو روکتی ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ مومنوں کو کافوری شربت پلایا جائیگا۔ کھل کی تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہوا ہے۔ کہ کافور جیسا کہ مفیدہ کے لئے مفید ہے۔ ویسا ہی طاعون میں بہت فائدہ بخش ہے۔ میں اپنی جماعت کو بتاتا ہوں کہ یہ بہت مفید چیز ہے۔ اور میرا اعتقاد ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے بتلایا ہے کہ یہ جلن کو روکتا ہے اور دل کو سکینٹ اور تفریح دیتا ہے اور یہیں رغبت دلاتی ہے کہ ہم کافور کا استعمال کیا کریں۔ آجکل ایک بات اور ثابت ہوئی ہے کہ کافور کے ساتھ جدوار استعمال کیا جائے تو اودھ مفید ہے۔ جدوار کو سرکہ میں ملا کر گولیاں بنالینی چاہئیں اور دو دو تلی کی گولیاں بنا کر تازہ لستی کے ساتھ استعمال کی جائیں۔ اگر عورتوں اور بچوں کو یہ گولیاں معدومہ استعمال کرائی جائیں تو بہت مفید ہیں۔ ہم بھی ایک دعائی طاعون کے لئے طیارہ کر رہے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے چاہا۔ تو بہت مفید ہوگی۔ دراصل یہ کجخت مرض ایسا ہے کہ کسی علی پر پھر و سر کرنا غلطی ہے۔ جینک اللہ تعالیٰ کا ہی فضل نہ ہو۔ مگر عام اسباب تندرستی اور قانون صحت میں سے حفظ ما تقدم بھی ایک عمدہ چیز ہے اور فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ پس مناسب ہے کہ سمیت اور عفونت والی چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور بعض تیز غذاؤں سے جو دوران خون کو تیز کرتی ہیں جیسا کہ بہت گوشت اور بہت میٹھا یا حد سے زیادہ دھوپ میں پھرنا یا سخت اور شدید محنت کو ناراض سے پرہیز کرنا

مناسبتاً۔ رعایت اسباب ہماری اسلامی شریعت میں منع نہیں ہے۔ کسی شخص نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہم دعا کریں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں دعا کرو۔ کوئی مرض ایسا نہیں جس کی دعا نہ ہو۔ اے یہ بالکل سچی بات ہے۔ کہ کوئی بید یا ڈاکٹر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسکی فلاں دوا ضرور فائدہ دے گی۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو پھر کوئی شخص کیوں مرنے والی بیماریوں اور ڈاکٹروں کو چاہیے کہ متقی بن جاویں۔ دوا بھی کریں اور دوا بھی۔ تنہائی میں بہت بہت دعائیں مانگیں۔ جن لوگوں نے گھنٹہ بگھنٹہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہی ذلیل کیا۔ لکھا ہے۔ کہ جالینوس کو اسپتال کے بند کرنے کا بڑا دعویٰ تھا۔ خدا کی شان ہے کہ وہ خود اُسی مرض کا شکار ہوا۔ اسی طرح بعض طبیب مدقوق ہو کر اور بعض مسلول ہو کر اس دنیا سے چل دیئے۔ اس بیان سے میری غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دعووں کی حقیقت کھول دی۔ اور اُنکی بیجا بیغی کا بھانڈا پھونک کر دکھا دیا۔ جس قسم کا دعویٰ کیا اُسی دعوے میں لپٹ اور ذلیل ہوئے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کو کسی قسم کا دعویٰ سزاوار نہیں۔ ہمارے والد صاحب مرحوم بھی مشہور طبیب تھے جن کا پچاس برس کا تجربہ تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ کبھی نسخہ کوئی نہیں۔ اور اصل حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ تصرف اللہ کا خانہ خالی رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے والا سعادت مند ہے۔ انسان مصیبت میں مبتلا نہیں نہ آئے اور غیر اللہ پر بھروسہ نہ کرے۔ ایک دفعہ ہی خفیت عوارض شدید ہونے لگ جاتے ہیں۔ کبھی قلب کا علاج کرتے کرتے دماغ پر آفت آ جاتی ہے۔ کبھی سرخی کے پہلو پر علاج کرتے کرتے گرمی کا زور چڑھ جاتا ہے۔ کون ان بیماریوں پر حاوی ہو سکتا ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرنا چاہیے۔ انسان ان حشرات الارض اور سمیات کو کب گن سکتا ہے۔ صرف بیماریوں کو بھی نہیں گن سکتا۔ لکھا ہے کہ صرف آنکھ ہی کی تین ہزار بیماریاں ہیں۔ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ایسے طور پر غلبہ کرتی ہیں کہ ڈاکٹر نسخہ نہیں لکھ چکتا جو بیمار کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آنا چاہئے۔ آج کل دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے سخت غفلت اور استغنا ہے۔ قبریں کھودی جا رہی ہیں۔ فرشتے ہلاکت کے مواد طیار کر رہے ہیں۔ اور لوگ کاٹے جا رہے ہیں مگر اسکے باوجود بھی نادان لوگ دھیان نہیں کرتے۔ یہ وباد قادیان سے ۵۳ کوس کے فاصلے پر ہے۔ گو شدت حرارت کی وجہ سے کم ہوتی جاتی ہے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شدت حرارت کے ایام میں کم ہو گئی تو آئندہ سال نہ آئیگی۔ مجھے چند مرتبہ ہذر لہجہ الہام اور رویا معلوم ہوا ہے۔ کہ یہ وباد اس ملک میں زور سے پھیلے گی۔ جسے میں پیشتر

ایسے شایع کر چکا ہوں۔ کہ سیاہ رنگ کے پودے لگائے جا رہے ہیں۔ لگانے والوں سے پوچھا
 تو انہوں نے طاعون کے درخت بتلائے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ایسا ہی میں یہ بھی بتلا چکا
 ہوں۔ کہ وعید کی پیشگوئیاں توبہ اور استغفار سے مل سکتی ہیں۔ یہاں تک کہ دوزخ کا وعید بھی مل
 سکتا ہے۔ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اُسکی طرف توجہ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ اس
 ملک اور خطہ کو چاہیگا تو محفوظ رکھ لیگا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ مگر فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْجَبُ
 بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (سپاہ ۱۹) ان لوگوں کو کہہ دے۔ کہ اگر تم میری بندگی نہ کرو۔ تو پرواہ
 کیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ گلی گلی میں حکیم ہیں۔ ہر جگہ ڈاکٹر موجود ہیں شفا خانے کھلے ہوئے ہیں
 اُنکا علاج کر کے فوراً تندرست ہو جائینگے۔ مگر ان کو معلوم نہیں کہ بیٹی اور کراچی میں کئی بڑے بڑے
 ڈاکٹر خود اس مرض میں مبتلا ہو کر چل بسے ہیں۔ اور جو لوگ مر لینیوں کی خدمت پر مامور ہو کر
 گئے تھے۔ وہ خود ہی اس مرض کا شکار ہو گئے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ اپنے تصرفات کا مشاہدہ
 کرتا ہے۔ کیونکہ محض اُکڑوں یا اُن کے علاج پر بھروسہ کرنا دانشمندی نہیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے
 کہ دوسرے عالم پر بھی ایمان پیدا ہو۔ اب لوگ دور لگا کر دکھائیں کہ کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی
 مشیت کو بدل سکتے ہیں جس طرح انسان ایک بالشت بھری زمین کے لئے مڑتا ہے۔ سازشیں کرتا
 اور مفدمات کی تکالیف ادا دیر باریاں برداشت کرتا ہے۔ وہ سوچے۔ کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے
 کسی حکم کی تعمیل نہ کرنے پر بھی ویسا ہی قلع اور کرب اپنے اندر پاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تاوان
 انسان جب شدید امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو اسوقت خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ جس پر
 اُسے بددینی آزمائشی طور پر مہلت مل جاتی ہے۔ لیکن بعد اسکے پھر وہ ایسی چالیں چلتا ہے۔ کہ
 گویا اُسے مرنا ہی نہیں معمولی امراض میں مبتلا ہو کر مرنے پر اب لوگوں کے دلوں پر بہت تھوڑا
 اثر ہوتا ہے۔ جو صرف دو چار ایم برائے نام قائم رہتا ہے۔ بعد اسکے پھر وہی منہی۔ محول اور
 مفرخات شروع ہو جاتے ہیں۔ قبرستان میں جاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے مرنے کا رتے
 ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں سوچتے کہ آخر اکیڈن مر کر رہنے بھی خدا کے حضور جانے ہے۔ اسلئے اب خدا تعالیٰ
 نے دیکھا۔ کہ معمولی اموات کچھ اثر انداز نہیں ہوتی ہیں۔ امر نسر لاہور میں روزانہ اموات کی تعداد
 ساٹھ ستر تک ہوتی ہوگی۔ اور کلکتہ و بمبئی میں اس سے بھی زیادہ لوگ مرتے ہونگے۔ گو نفس لامر
 میں یہ ایک خوفناک نظارہ ہے مگر کون اس پر غور کرتا ہے۔ کونا و اندیش انسان کہ اختتامِ کمال
 اموات آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ہیں۔ اسلئے انکی چنداں پرواہ نہیں کرتا۔ چونکہ وہ سرور کی

موت سے خود کچھ بھی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا نسخہ اختیار کیا ہے اور طاعون کے ذریعہ سے لوگوں کو متنبہ کرنا چاہا ہے۔ اسلئے میں تمکو نصیحت کرتا ہوں کہ یہ خیال کر کے کہ اب جو کچھ ہو نا ہے وہ تو ہو نا ہی ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ تم خدا تعالیٰ کو بھی ناراض کرو۔ اور گورنمنٹ کو خطا کا رشمہ راؤ۔ گورنمنٹ کو بدنام کرنے سے کیا حاصل۔ طاعون تمہاری اپنی شامت اعمال سے آئی۔ اسلئے گورنمنٹ پر بھی تمہاری بدولت آفت آئی۔ گورنمنٹ کو اگر تمہارے ساتھ بھی ہمدردی نہیں۔ تو تم خود ہی بتلاؤ۔ کہ وہ کیوں اسقدر پیسہ اس مرض کے تدارک پر خرچ کرتی ہے شفا خانے اور ڈاکٹر کیوں مقرر کئے جاتے ہیں۔ پولیس کے ہزاروں آدمی کیوں انتظام کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ کیا گورنمنٹ کو کچھ شوق ہے۔ کہ اسقدر اخراجات کثیر برداشت کرے۔ نہیں۔ بلکہ ملک کی یہ حالت دیکھ کر وہ اندر ہی اندر رونا دہرنا کی طرح بے چین ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ بھی رعایا ہی سے ہے۔ لوگوں کو شاید خبر نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں لوگ طاعون سے مارے جائینگے۔ بھجوں کی باتیں گو قابل ذکر نہیں۔ مگر منہ اور یورپ کے منجم کہتے ہیں کہ نومبر ۱۹۱۷ء میں ستائیس سو چھ ہونگے۔ اور خوفناک وقت آئیگا۔ ہمیں تو اسکی چنداں پرواہ نہ تھی۔ مگر ہم کو تو یہ غم ہے۔ کہ ہمارے الہامات میں بھی اسقدر دوچاروں کا سخت اندیشہ ہے بشرطیکہ لوگ راہ راست اختیار نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کریں۔ بدکاریاں زنا کاریاں۔ چوریوں اور ہر ایک قسم کے مکرو فریب اور بد اعمال چھوڑ کر نیکی اختیار کریں اور بد اعمالیوں سے کلی اجتناب کریں۔ ورنہ سخت خطو اور اندیشہ ہے۔ اور ایک نہایت سہم ناک اور ترسناک نظارہ ہمارے سامنے ہے۔ اب بتلاؤ۔ کہ ہم گورنمنٹ کو کیوں قصور وار ٹھہرائیں۔ پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ ہماری جماعت کے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔ کہ وہ جاہلوں کی روش اختیار کرے۔ اور احمقوں اور کوتاہ اندیشوں کے نقش قدم پر چلے۔ میں تمکو یقین دلاتا ہوں کہ گورنمنٹ نے جس قدر ہدایت جاری کی ہیں۔ وہ محنت کے لئے بہت مفید ہیں۔ ہماری تواضع کی کتابوں مثل طبری وغیرہ میں جو ہزار سال سے پہلے کی تصنیف ہو لکھا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب لشکر اسلام ملک شام میں تھا تو وہاں وہاں پڑی جیسے لشکر اسلام کو پہاڑ پر بیٹھنا پڑا۔ تو گویا یہ اس گورنمنٹ کا ہی مختصر نسخہ نہیں بلکہ گذشتہ اہل اسلام کے طرز عمل سے بھی یونہی ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح انہوں نے نشیب کو چھوڑ کر پہاڑ کی بلندی کو اختیار کیا۔ اسی طرح اب بھی مرطوب اور نشیبی مسکانات کو چھوڑ کر کھلے میدانوں میں مریضوں کو رکھا جاتا ہے۔ بلو علی سینا نے بھی اس امر پر زور دیا ہے کہ جن گھروں میں دبا، کا

مرض ہو گا کی صفائی کی جائے۔ کیونکہ ہیک سبب موجود ہے نتیجہ زائل نہیں ہو سکتا طبیب
کیا کر سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ماشہ دوا ماشہ دوائی دیکا مگر اُس عفونت کو جو سانس کے خدیجہ
سے انسان کے جسم میں چلی جاتی ہے اُسے دوائی کیا کرے گی اور ایسے گھریں رہ کر طاعون
کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے طاعون سے فوت شدہ لوگ نہیں دیکھے جس جگہ طاعون
کا مریض مر جاتا ہے وہ جگہ ایسی عفونت آمیز ہو جاتی ہے۔ کہ ناک نہیں دیا جاسکتا۔ اسلئے
گورنمنٹ کی تدابیر حفظ صحت کی نسبت بظنی کرنا ایک ناپاک خیال ہے۔ گورنمنٹ نے اس
مرض کے دفعیہ کے لئے جو کچھ سوچا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اسلئے ہاری جماعت کے لئے لازم ہے
کہ وہ اس بارہ میں گورنمنٹ کی مدد کریں اور اپنے دوستوں و ہم سایوں اور دوسرے لوگوں کو اطلاع
دہندہ ہوں یا مسلمان سمجھائیں اور غلط فہمیوں کو دور کریں جیسا کہ بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا
ہے۔ کہ گورنمنٹ نے رعایا کو مارنے کی یہ تجویز کی ہے۔ بھلا کوئی ان نادالوں سے بوجھے تو سہی۔ کہ کیا
گورنمنٹ یہ لکھو کھیا دیکھ صرف لوگوں کو مارنے پر صرف کر رہی ہے۔ اور اُسے اس قدر نکالیف
برداشت کر نیکا شوق ہے؟ نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ طاعون بہت مہلک مرض ہو سکتا
پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ طاعون کیا ہوتی ہے یہ ایک شدید تپ ہوتا ہے جس کے ساتھ غشی
شلی۔ درد سر اور سیان ہوتا ہے۔ لرزہ بہت ہوتا ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہی بے چینی اور
سراسیمگی ہوتی ہے۔ پھر چند روز کے بعد رن ران یا گون یا پس گوش ایک پھنسی نکل آتی ہے۔
جو کبھی نو چوٹی سی ہوتی ہے۔ اور کبھی بڑی۔ یہاں تک کہ سر سام ہو جاتا ہے اور غالباً یہ سب
علامات جو میں گھنٹہ کے اندر اندر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ عموماً ایسے مریضوں کا گورنمنٹ کو پتہ
بیشکل لگتا ہے۔ کیونکہ بیس بائیس گھنٹہ تک تو لوگ اُسے معمولی بخار سمجھ کر لاپرواہ رہتے ہیں۔
مگر بعد ازاں آثار طاعون دیکھ کر اُسے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض جب مرض کا
پورا پورا اثر ہو چکتا ہے تو کہیں جا کر گورنمنٹ کے عامل کو پتہ لگتا ہے۔ اب اس ایک و گھنٹہ
کے علاج سے کیا بن سکتا ہے۔ وہ ہسپتال میں مرکا نہیں تو اور کیا ہو گا۔ پس یہ لوگوں کی
اپنی نادانی اور حماقت ہے۔ کہ اپنے تصور کو گورنمنٹ کے سر پر ٹھوپا جاتا ہے۔ اگر اس گورنمنٹ
کا کچھ تصور یا غلطی ہے۔ تو تو میں حق پہنچتا ہے۔ کہ اُسے ظاہر کریں۔ ورنہ اپنی غلطی کے لئے
گورنمنٹ کو متہم کرنا واجب ہے۔ گورنمنٹ کی نیک نیتی اور غیر طلبی تو اس معاملہ میں یہاں تک ہے
کہ اُسے خود معزین سے مشورہ لئے۔ پھر کارروائی کی۔ مگر چونکہ ہمارا ملک واقعی نیم وحشی اور

جملہ ہے۔ اسلئے اُن کے ماتھے میں سوائے غصہ اور بدظنی کے اور کچھ نہیں۔ اپنی غلط کاریوں کا الزام گورنمنٹ پر دیتے ہیں۔ اور وہ نہیں سوچتے۔ کاش کہ یہ صدائے انجمنیں جو ہمارے ملک میں پھیل رہی ہیں اس کام کی طرف توجہ کریں اور جہلاء کے دلوں سے یہ بدظنیاں نکالنے کی کوشش کریں۔

تو جی فرغ کی کستقد بھلائی ہو۔ تم لوگ فحشیت کے لحاظوں میں پڑے سو رہے ہو۔ اور جن بے آرمیوں اور تکالیف میں تمہارے ہم جنس مبتلا ہیں۔ تمہیں انکی خبر تک نہیں۔ گورنمنٹ جسقدر روپیہ ان مصائب سے بچانے کے لئے اپنی پیاری رعایا کی خاطر صرف کر رہی ہو اگرچہ دکر کے وہ صرف کرنا پڑتا۔ اور یہ حکم ہوتا۔ کہ گاؤں گاؤں کے لوگ چندہ دیں تو کوئی شخص بھی ایک پیسہ دینے پر راضی نہ ہوتا۔ بیٹے بھی ایک ودائی طیارہ کرنی چاہی ہے۔ جس کی طیارہ میں میں مصروف ہوں۔ اللہ تعالیٰ شیخ رحمت اللہ صاحب کو جزائے خیر دے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے دوفند روپیہ اس کا رخیہ میں دیا ہے۔ بیٹے اس مرض کے اسباب کو خوب دیر نظر رکھ لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس مرض کے کئی حصہ ہوتے ہیں۔ اسلئے طبیب کے مناسب اور لازم ہے۔ کہ وہ ہر حصہ اور سبب کی رعایت کو ملحوظ رکھے۔ روئی غذا میں اور سستی ہو ایں اس مرض کو بہت زیادہ پھیلاتی اور خطرناک بنا دیتی ہیں۔ ربین کے نشیبی حصہ سے ایسی سستی ہوا میں تنفس کے ذریعہ یا غذا کے ذریعہ سے انسان کے خون میں سمیت اور غفوت پیدا کر دیتی ہیں۔ آجکل کی تحقیقات میں طاعون کی جڑ کیڑے یا اجرام صغیر ثابت ہوئے ہیں۔ میں ہی اس تحقیقات کو پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غفلت اور اسلام کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں جہاں طاعون کا ذکر آیا وہاں نعت اسکا نام رکھا گیا ہے۔ اولنظ اس کیڑے کو کہتے ہیں جو بکری اور اونٹ کی ناک سے نکلتا ہے اور اسے طاعون قرار دیا گیا ہے۔ آجکل کی تحقیقات پر بڑا فخر کیا جاتا ہے۔ مگر جس شخص نے مقدس اسلام کے بانی علیہ السلام کے پاک کلام کو پڑھا ہے۔ اسے کہ نہ رطوف اور مزا آتے جب وہ تیرہ سو برس پیشتر آپ کے پاک ہونٹوں سے نکلی ہوئی باتوں کو پورا ہوتے دیکھتا ہے۔ قرآن شریف نے بھی طاعون کو کیڑا ہی بتلایا ہے۔ اب اسے نئی تحقیقات پر اترنے والو۔ خدا کے لئے ذرا انصاف کو کام میں لاؤ۔ اور بتلاؤ۔ کہ کیا وہ مذہب انسانی افترا ہو سکتا ہے جس میں ایسے حقائق پہلے سے موجود ہوں۔ اور جو تیرہ سو سال کی محنتوں تحقیقاتوں اور جان کینوں کا بیجمہ ہوں۔ یہ قرآن کریم اور ہمارے مٹی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معقولی معجزات ہیں اور دیکھو

قلب دل کو کہتے ہیں۔ اور قلب گردش دینے والے کو بھی کہتے ہیں۔ دل پر مدار و دوران خون کا ہے۔ آجکل کی تحقیقات نے تو ایک عرصہ دراز کی محنت اور دماغ سوزی کے بعد دوران خون کا مسئلہ دریافت کیا۔ لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر ہی سے دل کا نام قلب رکھ کر اسی صداقت کو مرکوز اور محفوظ کر دیا۔

اب میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں۔ دوسرا سبب پلییدی تیسرا سبب سمیت۔ چوتھا سبب تپ۔ پانچواں پھوڑے۔ اب اس امر میں ایک اختلاف ہو کہ آیا اصل سبب پھوڑے ہیں یا تپ۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اصل تپ ہے۔ اور یونانی پھوڑے کو اصل سبب ٹھہراتے ہیں۔ میرے نزدیک بھی یونانیوں کی رائے صحیح ہے۔ کیونکہ توران میں بھی پھوڑوں ہی کا ذکر ہے۔ تپ لازمی ہے۔ بعض اوقات تپ قائم ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔ بلکہ ہمارے تپ ہونے سے پہلے ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ غرض اس مرض کا اصل تپ نہیں بلکہ پھوڑا ہے۔ پھوڑا اگر چیرا جائے اور اُس سے مواد نکال دیا جائے تو تپ بھی کم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مریض تندرست ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ مرض سخت مہلک اور خوفناک ہے۔ اسی لئے اسکے روکنے کی تدابیر بھی سخت ہونی لازمی ہیں۔ جگہ اجراء پر گورنمنٹ باوجود ویکہ وہ سچی سہمدی اور پوری غم خواہی کے ساتھ طبیعت کی بھلائی میں مصروف ہے۔ بدنام ہو گئی ہے۔ جہاں تک نیک نیتی اور خیر نفع انسان کی اُس غم خواہی کے خیال سے جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال رکھی ہے۔ میں نے اُن تمام تجاویز پر جو گورنمنٹ نے مریضان طاعون کے متعلق شائع کی ہیں غور کیا ہے۔ میں بلا خوف و لوم لائم کہتا ہوں کہ وہ تجاویز بہت ہی مناسب اور موزون ہیں۔ مثلاً یہ کہ اُس گھر کو یا بعض اوقات عند الضرورت محلہ کو خالی کر دیا جائے اور مریض کو الگ رکھا جائے۔ یہ بالکل درست اور عین مناسب ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایک بچہ طاعون سے بیمار ہوا اور اسے بموجب قواعد باپ سے علیحدہ کر دیا جائے تو وہ ضرور جانیگا۔ ایسے مقررین کو معلوم ہو کہ ایسی صورت میں باپ اس کے ہمراہ رہ سکتیگا۔ مگر وہ بھی طاعون کے مریض ہی شمار ہو کر اُن تمام پابندیوں کے ماتحت ہونگے۔ جو مبتلا شخص کے لئے ہیں۔ اِنکما الاعمال بالنیات۔ مراد یہ حالت میں گورنمنٹ کی نیت بالکل نیک ہو۔ اُسکی یہ منشاء ہرگز نہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جائے۔ اور میری تو سمجھ میں یہ ہرگز نہیں آتا۔ کہ لوگوں کو خواہ مخواہ ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے گورنمنٹ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ گورنمنٹ پر بظنی ہے۔ قرآن شریف میں حکم ہے اَطِيعُوا اللَّهَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (روہ)

یہاں اولی الامر کی اطاعت کا صاف طور پر حکم موجود ہے۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ منکھ میں گورنمنٹ داخل نہیں تو یہ اسکی میرج غلطی ہے۔ گورنمنٹ جو حکم شریعت کے مطابق دیتی ہے وہ اسے منکھ میں داخل کرتا ہے۔ مثلاً جو شخص ہماری مخالفت نہیں کرتا۔ وہ ہم میں داخل ہے۔ اشلۃ النص کے طور پر قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کی اطاعت کرنی چاہیے اور اس کے حکم مان لینے چاہئیں عام طور پر تو مسلمانوں کے لئے یہ لازم تھا کہ انسداد اطاعت کے متعلق شکر گزاری کے میموریل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجے۔ مگر یہاں بجائے شکر گزاری کے ناشکر گزاری ہو رہی ہے اور کوئی معقول نقطہ رافنگی کی چیز اس کے معلوم نہیں ہوتی۔ کہ محرماتوں کی بنفیس مرد و اکثر دیکھتے ہیں۔ سو اس بارہ میں یہ معلوم ہو۔ کہ اول تو اس نقص کے معلوم ہو جانے پر گورنمنٹ نے اس شکایت کو رفع کر دیا ہے۔ اور اثبات مقرر کر دی ہیں جو مستورات کا ملاحظہ کرتی ہیں مگر میں کہتا ہوں۔ کہ اگر ایسا دہ بھی ہوتا۔ تو بھی اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ ایسی صورت اور حالت میں کہ قہر خدا نازل ہوتا ہو اور ہزاروں لوگ مر رہے ہوں پر وہ کا اتنا تشدد و جار نہیں ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ کی بیوی مر گئی تو کوئی اس کا اٹھانے والا بھی نہ ملا۔ اب اس حالت میں پر وہ کیا کر سکتا تھا۔ مثل مشہور ہے۔ مرنے والے کو لڑا۔ مردوں نے ہی جنا دے اٹھایا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کچھ رحم میں ہو۔ تو کبھی مرد اس کو نکال سکتا ہے۔ دین اسلام میں تنگی و جحج نہیں۔ جو شخص خواہ مخواہ تنگی و جحج کرتا ہے وہ اپنی نئی شریعت بناتا ہے۔ گورنمنٹ نے بھی پر وہ میں کوئی تنگی نہیں کی اور اب قواعد بھی بہت آسان بنا دیئے ہیں۔ جو جو تجاویز و اصلاحات لوگ پیش کرتے ہیں گورنمنٹ انہیں توجہ سے سنتی اور ان پر مناسب اور مصحت و وقت کے موافق عمل کرتی ہے۔ کوئی شخص مجھے یہ تو بتائے۔ کہ پر وہ میں بعض دکھانا کہاں منع کیا ہے۔ اصل بات جو قابل غور ہو وہ یہ ہے کہ انسان کو نیک بختی اور تقویٰ کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور سعادت کی راہیں اختیار کرنی چاہئیں۔ تب ہی کچھ بتاتا ہے ان الله لا يَخْتَرُ مَا يَفْعَلُ حَتَّىٰ يُعَيِّرَ مَا لَا تُفْسِدُ (پارہ ۱۲) خدا تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ جب تک کہ خود وہ قوم اپنی حالت کو تبدیل نہ کرے۔ خواہ مخواہ کے ظن فاسد کرنے اور بات کو انتہائی بچانا بالکل بیوقوفہ امر ہے۔ سب سے ضروری بات یہ ہے۔ کہ لوگوں کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ غایز پر نہیں زکوٰۃ دیں۔ اتلاف حقوقی اور بدکاریوں سے باز آئیں۔ یہ امر بخوبی ثابت ہے۔ کہ بعض وقت جب صرف ایک شخص ہی بدی کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو وہ سارے گھر اور سارے شہر کی ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے۔ پس بدیوں کو چھوڑ دو۔ کہ وہ ہلاکت کا موجب ہیں۔ ضلع

جائیدہ اور ہوشیار پور کے اس وقت ۸۰ گاؤں طاعون میں مبتلا تھے۔ پھر ہماری کے اسناد سے کیوں غفلت کی جائے۔ گورنمنٹ پر جاننا طور سے بدگمانی نہ کرو۔ اور اگر تمہارا ہمسایہ ہو گا تو کرتا ہے۔ تو اسکی بدگمانی رفع کرنے کی کوشش کرو۔ اولاً سے سمجھاؤ۔ انسان کہاں تک غفلت کرتا جائیگا۔ اس دن سے ڈرنا چاہیئے۔ جب ایک دفعہ ہی ورنہ آپرے اور سیکو تباہ کر ڈالے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مصیبت کے وادہ ہونے سے پہلے جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے کیونکہ خوف و خطر میں مبتلا ہونے کے وقت تو ہر شخص دعا اور رجوع الے اللہ کر سکتا ہے۔ سعادت مندی یہی ہے کہ امن کے وقت دعا کی جائے۔ انسان کو چاہیئے کہ ان لوگوں کی حالت سے عبرت حاصل کرے جو اس خطرہ میں مبتلا ہیں۔ یہاں سے تو بہت قریب گاؤں میں یہ بیماری پھیلی ہوئی ہے وہاں کے حالات دریافت کر کے ہر شخص قبل از وقت عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ اس وقت تک ضلع جالندھر میں یہ مرض بہت ترقی پر ہے۔ گو ضلع ہوشیار پور میں کچھ کمی ہے۔ تاہم میں یقین نہیں کرتا کہ وہ بالکل لاپید ہو جائیگی۔ ابھی جاڑا آجیوا لائے۔ اسلئے پہلے ہی سے اللہ کی پناہ میں آ جاؤ۔ نمازوں کو باقاعدہ التزام سے پڑھو۔ بعض لوگ صرف ایک ہی وقت کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ نمازیں معاف نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ پیغمبروں تک کو معاف نہیں ہوئیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نئی عبات آئی۔ انہوں نے نماز کی معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے یہ عمل نہیں کیا۔ وہ مذہب کچھ نہیں۔ اسلئے اس بات کو خوب یاد رکھو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنے عمل کرو۔ اللہ تم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک یہ بھی نشان ہے۔ کہ آسمان اور زمین اسکے امر سے قائم رہ سکتے ہیں۔ بعض دفعہ وہ لوگ جسکی طبعی طبیعت کی طرف مائل ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ پیغمبری مذہب قابل اتباع ہے۔ کیونکہ اگر حفظ صحت کے اصولوں پر عمل نہ کیا جائے۔ تو تھوڑی اور طہارت سے کیا فائدہ ہوگا؟ سو واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے یہ بھی ایک نشان ہے۔ کہ بعض وقت ادویات بیکار رہ جاتی ہیں اور حفظ صحت کے اسباب بھی کسی کام نہیں آ سکتے۔ ادویات کام آ سکتی ہے نہ طبیب حاؤقی۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا امر ہو تو انسان سیدھا ہو جایا کرتا ہے دیکھو حضرت ابراہیمؑ کا ابتلا کہ بچے اور اسکی ماں کو کھان سے بہت دور لیجانے کا حکم ملا۔ اور وہ ایسی جگہ تھی۔ جہاں نہ وہ تھا نہ پانی۔ وہی بچہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کے حضور عرض کی کہ اے اللہ میں اپنی ذریت کو ایسی جگہ چھوڑتا ہوں جہاں دانہ پانی نہیں ہے۔ حضرت سارہؑ کا ارادہ

یہ تھا کہ کسی طرح سے اسماعیل مرجائے اسلئے اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اُسے ایسی بے آب و گیاہ جگہیں چھوڑا۔ حضرت ابراہیم کو یہ بات بُری معلوم ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ سارہ کہتی ہے وہی کرنا ہوگا۔ اسلئے نہیں کہ خدا تعالیٰ کو سارہ رحم کا پاس تھا۔ حضرت سارہ نے اس واقعہ سے پہلے ہی ایک دفعہ حضرت ہاجرہؑ کو گھر سے نکالا تھا۔ اُس وقت بھی خدا تعالیٰ کا فرشتہ اُس سے ہم کلام ہوا تھا۔ کیونکہ منیوں کے سوا غیر نبیاء سے بھی اللہ تعالیٰ بذریعہ فرشتہ کلام کیا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت ہاجرہؑ سے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ ہوا۔ غرض حضرت ابراہیمؑ نے ویسا ہی کیا۔ اور کچھ تھوڑا سا پانی اور تھوڑی سی کجھیریں ہمراہ لیکر حضرت ہاجرہؑ اور اس کے بچے کو لیا کر وہاں چھوڑ آئے۔ جہاں اب مکہ آباد ہے۔ چند روز کے بعد نہ وادہ رہا اور نہ پانی۔ حضرت اسماعیلؑ شدت پیاس سے بچپن ہونے لگے۔ تو اُس وقت حضرت ہاجرہؑ نے نہ چاہا کہ اپنے بچے کی ایسی بے بسی کی موت اپنی آنکھوں سے دیکھوں اسلئے آپ چند مرتبہ اُس پہاڑ پر اوپر اوپر دوڑیں۔ کہ شاید کوئی قافلہ ہو۔ پہاڑ پر چڑھ کر یہ وزاری کرنے لگیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ اُن کے پاس صرف ایک ہی بچہ تھا۔ خداوند سے الگ تھیں۔ دوسرا بچہ پیدا ہونے کی امید نہیں تھی۔ گویا بیوہ کی مانند آپکا حال تھا۔ اچھی گریہ وزاری پر فرشتہ نے اُکوادوسی۔ ہاجرہ۔ ہاجرہ۔ جب آپ نے اوپر اوپر دیکھا۔ تو کوئی شخص نظر نہ آیا۔ بچہ کے پاس جب آئیں تو دیکھا کہ اُس کے پاس پانی کا چشمہ بہ رہا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مردہ سے اُن کو زندہ کر دیا۔

حضرت بنی کریمؑ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اُس چشمہ کا پانی نہ روکتا۔ تو وہ تمام ملک میں پھیل جاتا۔ اس قصہ کے بیان کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ایسی جگہوں پر جہاں آب و وادہ کچھ نہ ہو۔ اس طرح اپنی قدرت کے کرشمے دکھایا کرتا ہے۔ چنانچہ پانی کے اس پہلے کرشمہ نے حضرت اسماعیلؑ کو زندہ کیا۔ مگر وہ پانی جو حضرت بنی کریمؑ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پھیلا یا گیا۔ اُسکی شان میں فرمایا۔ (اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْيِي الْكَافِرَ وَيَحْدُ مَوْتَهُمْ) اُکو یا اس پانی سے دُنیائے زندہ ہوئی۔ بدعا یہ ہے کہ جہاں ظاہری اسباب موجود نہ تھے اللہ تعالیٰ نے بچاؤ کی ایک راہ نکال دی۔ اور اللہ تعالیٰ جو یہ فرماتا ہے کہ اُس کے امر سے زمین و آسمان قائم رہ سکتے ہیں۔ منور کر دے کہ وہ جھگل جہاں اُتھد گری پڑتی تھی۔ اور جہاں انسان کا نام و نشان نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکو ایسا بابرکت بنا دیا کہ کروڑوں مخلوق وہاں جانی ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ وہاں موجود ہوتے ہیں۔ وہ میدان جہاں حج کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ وہی جگہ ہے۔ جہاں

نہ داندہ تھانہ پانی۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ویرانہ کو آبادی اور آبادی کو ویرانہ بنا دیتا ہے۔ شہر بابل کے ساتھ کیا کیا؟ جس جگہ انسان کا منصوبہ تھا۔ کہ آبادی ہو۔ وہاں مشیتِ ایزدی سے ویرانہ بن گیا۔ اور لوگوں کا مسکن ہو گیا۔ اور جس جگہ انسان چاہتا تھا کہ ویرانہ ہو وہ دنیا بھر کے لوگوں کا مرجع ہو گیا۔ پس خوب یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دو اور تہذیب پر مجبور نہ کرنا حاققت ہے۔ اپنی زندگی میں ایسی تبدیلی پیدا کر لو۔ کہ معلوم ہو کہ گویا نئی زندگی ہے۔ استغفار کی کثرت کرو۔ جن لوگوں کو کثرتِ اشغال دنیا کے باعث کم فرصتی ہے۔ اُن کو سب زیادہ ڈرنا چاہیے۔ ملازمت پریشانیوں سے اکثر فرائضِ خداوندی فوت ہو جاتے ہیں۔ اسلئے مجبور ہی کی حالت میں فطری عطر و مغرب و عشا کی ناز و نعم کا حجب کر کے پڑھ لیکھا پڑھتے ہیں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر حکام سے ناز پڑھنے کی اجازت طلب کر لی جائے تو وہ اجازت دیدار کرتے ہیں۔ نیز اعلیٰ لوگام کی طرف سے ماتحت افسروں کو سہارہ میں خاص مہایات ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ ترک نماز کے لئے ایسے بیجا عذر بجز اپنے نفس کی کمزوری کے اور کوئی نہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ظلم و زیادتی نہ کرو۔ اپنے فرائض منصبی نہایت دانتہ سے بجالاؤ۔ گورنمنٹ پر ایک سیکنڈ کے لئے بھی بدظنی نہ کرو۔ کیا تمہیں سکھوں کے عہد حکومت کے واقعات معلوم نہیں۔ جس وقت مسجدوں میں اذان دینی موقوف ہو گئی تھی۔ گائے کو ذرا سی تکلیف دینے پر سخت ایذا میں اور بھی ظلم ہوتے تھے۔ پس ایسی مصیبت سے نکلو خلاصی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ بہت فاضل و مہربان ہے۔ اسلئے ہمیں کس قدر شکر ہے اس گورنمنٹ کا کہنا چاہئے۔ خوب یاد رکھو۔ کہ جو شخص انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا۔ یہ قاعدہ ہے۔ کہ اگر انسان اپنے کسی عضو سے کام نہ لے تو وہ ایک عرصہ کے بعد بیکار ہو جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ اگر اکھ کو چالیس دن بند رکھا جائے تو وہ بالکل اندھی ہو جائے۔ اسلئے میں تم کو تاکید نصیحت کرتا ہوں۔ کہ گورنمنٹ کے احسان ہم پر بہت ہیں۔ حقائق اور معارف کی کثیر تعداد کتب کہاں کہاں سے ہمیں میسر آتی ہیں۔ انکی سلطنت کی آزادی سے ہم بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ ہمارے مذہب پر حملے ہوئے اور دیگر مشکلات کا سامنا ہوا۔ مگر ہم نے کس طرح آزادی سے اُن کا دفعہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (پارہ ۲۱) ہم پر کس قسم کے معارف کھولے۔ جنہیں ہم نے وہ دونوں ایک شائع کیا۔ گورنمنٹ کی آزادی بھی ایک باعث اُن کے کھلنے کا ہے۔ بالآخر میں پھر یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ

سے سچا رشتہ قائم کرو۔ اور گورنمنٹ کی نسبت بدظنی مت کرو۔ بلکہ اُسکی ہدایات کی تعمیل کرو اور اُسے مدد دو۔ (الانذار)۔

۲۵ جولائی ۱۸۹۸ء۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنا رسالہ اشاعت السنۃ نمبر پنجم لغایت دوازدهم جلد ہفتم بابت ۱۸۹۵ء بدست محمد ولہ جو خطہ قوم اعوان ساکن ہتوں گلگر ضلع سیالکوٹ بھیجا جس میں حضرت مسیح موعود پر بہت ناواجب حملے کئے گئے تھے۔ آپ نے ۲۵ جولائی ۱۸۹۵ء کی سہ پہر کو اہل مرسلہ رسالہ کی پیشانی پر مندرجہ ذیل عبارت لکھ کر فاصلہ کویدیا دیتاں کہ: **هَذَا الرَّجُلُ صَادِقٌ قَائِلٌ قَوْلِهِ فَإِكْرَمُهُ وَارْتِكَانَ كَاذِبًا فَخَذَهُ** امین (الحکم جلد ۲ صفحہ ۲۷)۔

۱۰ مارچ ۱۸۹۹ء۔ صبح سیر کو جاتے ہوئے حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ مبارکہ پنجابی زبان میں بول رہی ہے کہ: ”میںوں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایسی آئی۔ جسے ایہ مصیبت پائی۔“

آپ نے فرمایا کہ: بہت نہیں ہارنی چاہیئے۔ بہت اخلاق فاضلہ میں سے ہے۔ اور مومن بڑا بات بہت ہوتا ہے اور اُسے ہر وقت خدا تعالیٰ کے دین کی نصرت اور تائید کے لئے طیار رہنا چاہیئے۔ اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرنی چاہیئے۔ بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے۔ مگر شجاعت سے بیٹرا وہ نہیں ہے کہ اُس میں موقع شناسی نہ ہو۔ موقع شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے وہ تہور ہو سکتا ہے۔ مومن میں شتابکاری نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرت دین کے لئے طیار رہتا ہے۔ اور بزدل نہیں ہوتا۔ انسان سے بعض وقت کوئی ایسا فعل سرزد ہو جاتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے۔ اور وہ اُسے ناپسند کرتا ہے۔ مثلاً اگر کسی سائل کو دھکا دیا۔ تو وہ سختی کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے اور اسلئے اُسے تو مومن نہ ملیگا کہ وہ اُسے کچھ دے سکے۔ لیکن اگر اُس سے نرمی اور اخلاق سے پیش آئیگا تو خواہ اُسے پیالہ پانی کا ہی دیدے۔ تو وہ بھی ازالہ قبض کا موجب ہو جائیگا۔

انسان پر قبض اور ضبط کی حالت آتی رہتی ہے۔ ضبط کی حالت میں ذوق اور شوق بڑھ جاتا ہے اور قلب میں ایک انشراح پیدا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ بڑھ جاتی ہے۔ نمازوں میں لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بعض وقت ایسی حالت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذوق اور شوق جاتا رہتا ہے۔ اور دل میں ایک تنگی کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ جب ایسی حالت ہو جائے

تو اسکا علاج یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ استغفار کرے اور پھر درود شریف بہت پڑھے۔ ناز بھی بار بار پڑھیں۔ قبض کے وہ رہنے کا یہی علاج ہے۔

علم سے مراد منطق یا فلسفہ نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اعظم نے فضل سے عطا کرتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس سے خشیت الہی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** اگر علم سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ترقی نہیں ہوتی۔ تو یاد رکھو کہ وہ علم ترقی معرفت کا ذریعہ نہیں ہے (الحکم جلد ۱ ص ۲۷)۔
۹ اسی ۱۹۹۹ء کو حضرت مسیح موعود الہام ہوا: **اِنَّا لَنَعْلَمُ الْاُمَمَ وَاِنَّا لَعَالَمُونَ**۔ سیدی الامرو ونیسفکت نسفا (خط مولوی عبدالکریم صاحب ۲۳۔ جون ۱۹۹۹ء حکم جلد ۱ ص ۲۷)۔
۷ جون ۱۹۹۹ء کو حضرت مسیح موعود نے روایا دیے: کہ آگ اور دھواں ہے اور چنگاریاں اڑ کر آپ کی طرف آتی ہیں مگر ضرر نہیں دینیں اس حال میں میں یہ پڑھ رہا ہوں یا حی یا قیوم برحمتك استغیث ان دبی دب السموات والارض (خط مولوی عبدالکریم صاحب

۲۳ جون ۱۹۹۹ء حکم جلد ۳ ص ۲۷) +

۲۳ جون ۱۹۹۹ء: حضرت مسیح موعود نے فرمایا: کہ کل دینی ۲۲ جون ۱۹۹۹ء کو بہت دفعہ خدا کی طرف سے الہام ہوا۔ کہ تم لوگ متقی بن جاؤ اور تقویٰ کی بابیک راہوں پر چلو تو خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا۔ اس سے میرے دل میں بڑا اور پیدا ہوتا ہے کہ میں کیا کروں کہ ہماری جماعت تقویٰ و طہارت اختیار کر لے۔ میں اتنی دعا کرتا ہوں کہ دعا کرتے کرتے صفت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات غشی اور ہلاکت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ جب تک کوئی جماعت خدا تعالیٰ کی نگاہ میں متقی نہ بن جائے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت اُسکے شامل حال ہو نہیں سکتی تقویٰ خلاصہ ہے تمام صوفیہ مفسرہ اور تورات و انجیل کی تعلیمات کا۔ قرآن کریم نے ایک ہی لفظ میں خدا تعالیٰ کی عظیم الشان مرضی اور پوری رضا کا اظہار کر دیا ہے۔ میں اس فکر میں بھی ہوں کہ اپنی جماعت میں سے کچھ متقیوں۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والوں اور منقطعین الی اللہ کو الگ کر دل۔ اور بعض دینی کام انہیں سپرد کروں۔ اور پھر میں دنیا کے ہمہ غم میں مبتلا رہنے والوں اور راندن مرقور دنیا ہی کی طلب میں جان کھپانے والوں کی کچھ بھی پروا نہ کروں گا۔
۲۲ جون کی رات کو حضرت مسیح موعود نے فرمایا: اب تو خدا کے سوا کوئی بھی ہمارا نہیں اپنی پرائے سب ہی اسپرنگے ہوئے ہیں کہ ہیں دلیل کروں۔ رات دن ہماری نسبت مصائب اور گرد و خوں کے

انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اب اگر خدا تعالیٰ ہمارے مدد کرے تو ہمارا ٹھکانہ کہاں دھڑمولوی عبدالکلیم صاحب مورخہ ۲۳ جون ۱۸۹۹ء از احکم جلد ۳ ص ۲۷۷۔

۳۰ جون ۱۸۹۹ء بروز جمعہ حضرت مسیح موعود و مہدے مولیٰ مہدی (رحا) سروڈاڑھی میں لگاٹھو بیٹھے تھے کہ الہام ہوا۔ ”بیہوشی پھر شعی پھر موت“ اسکی تشریح میں آپ نے فرمایا کہ یہ کسی ایسے دوست کی نسبت خبر سنائی گئی ہے جس کی نسبت سلفے سے ہمیں حزن ہو دھڑمولوی عبدالکلیم صاحب یکم جولائی ۱۸۹۹ء از احکم جلد ۳ ص ۲۷۷۔

۳۰ جون ۱۸۹۹ء و یکم جولائی ۱۸۹۹ء کی درمیانی رات : امراض و بائیسہ کا حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں ذکر ہوا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا :۔ یہ ایام برسات کے معمولاً خطرناک ہوا کرتے ہیں۔ منہد کے طبیب کہتے ہیں کہ ان تین مہینوں میں جو بچ رہی وہ گویا نئے سرے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جاڑا بھی خوفناک ہی نظر آتا ہے۔ اطباء بڑے بڑے پریزیوں اور حفظ ماقدم کے لئے احتیاطیں کرتے ہیں۔ اگرچہ سلسلہ اسباب کا اور انکی رعایت درست ہے مگر میں کہتا ہوں۔ محدود العلم ضعیف انسان کہانتک سچا رہی کر غذا اور پانی کا استعمال کیا کرو میرے نزدیک تو ہتھنغار سے بڑھکر کوئی تعویذ و جرز اور کوئی احتیاط و دوا نہیں۔ میں تو اپنی دوستوں کو کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے صلح و موافقت پیدا کرو۔ اور دعاؤں میں مصروف رہو۔ میں تو بڑی آرزو رکھتا ہوں اور دعائیں کرتا ہوں کہ میرے دوستوں کی عمریں لمبی ہوں تاکہ اُس حدیث کی خبر پوری ہو جائے۔ جس میں لکھا ہے کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں چالیس برس موت دینا سے اٹھ جائیگی جس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام جانداروں سے اس عرصہ میں موت کا پیالہ ٹل جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو نافع الناس اور کام کے آدمی ہونگے اللہ تعالیٰ اُن کی زندگی میں برکت بخشنیگا دھڑمولوی عبدالکلیم صاحب یکم جولائی ۱۸۹۹ء از احکم جلد ۳ ص ۲۷۷۔

۲۵ جون ۱۸۹۹ء۔ بروز اتوار صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کا یوم عقیقہ مقرر تھا۔ مگر اُس دن صبح صادق سے پہلے بارش شروع ہو گئی۔ صبح کی نماز داسویرے پڑھکر بابت تارکی و ٹھنڈی ہوا سب لوگ جمعہ حضرت مسیح موعودؑ سو گئے۔ جب دن چڑھے حضرت مسیح موعودؑ بیدار ہوئے اور منہم کام منشی بنی بخش صاحب سے دریافت کیا کہ عقیقہ کا کوئی سامان نظر نہیں آتا۔ گاؤں کے لوگوں کو دعوت کی گئی تھی۔ اور باہر سے بھی کچھ احباب تشریف لائے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ

کو فکر ہوئی کہ جہانوں کو ناحق تکلیف ہوئی۔ مہتمم صاحب مضطرب و ناوم تھے۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”اچھا فعل ما قدر“ کیا مہتمم صاحب ہاربا معذرت کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں دوڑے جانے۔ ان کے اس حال کو دیکھ کر حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی ایک ربیہ جو چودہ سال ہو چکی تھی یاد آگئی اور جو یہ تھی کہ ایک چوتھا بیٹا ہوگا جس کا عقیقہ سوموار کو ہوگا۔ اس ربیہ کے اس طرح خود بخود پورا ہو جانے پر آپ کو بڑی خوشی ہوئی۔ چنانچہ دوسرے دن صاحبزادہ مبارک اللہ صاحب کا عقیقہ ہوا۔ اور عین سر موڈے جانے کے وقت اپنے یہ ربیہ اپنے اصحاب کو سنائی (مظ مولوی عبدالکریم صاحب یکم جولائی ۱۸۹۹ء الحکم جلد ۳ ص ۲۷)۔

۶ جولائی ۱۸۹۹ء عمر کی رات کو خدا تعالیٰ نے بہشت و دوزخ کا نظارہ آپ کو دکھایا۔ اول بہشت دکھائی گئی اور اس کے ہر قسم کے ثمرات و نفعاء دکھائی گئیں۔ اتنے میں الہام ہوا یا تبارک من کل قم عینی میں پھر دوزخ دکھایا گیا۔ وہ سخت مکروہ اور پاخانہ کی شکل تھا۔ اتنے میں الہام آدیان پر جاری ہوا۔ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ وَرَحْمَتُهُ عَلَيَّ لَأَلْقَى دَائِسِي فِي هَذَا الْكَيْفِ يَعْنِي اِگر خدا کا فضل و رحمت مجھ پر نہ ہوتی تو میرا سر اس پاخانہ میں ڈالاجاتا (مظ مولوی عبدالکریم صاحب ۱۰ جولائی ۱۸۹۹ء الحکم جلد ۳ ص ۲۷)۔

۱۰ جولائی ۱۸۹۹ء سے قبل۔ جس دن ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس گورنر اسپور حضرت مسیح موعودؑ کے مکان کی تلاشی لینے کامیاب آئے۔ اس دن کی صبح میر ناصر فواب صاحب نے کہیں سے سن لیا کہ آج وارنٹ گرفتاری مہتمم صاحب کے آئیگا۔ اس حشتناک خبر سے متاثر ہو کر میر صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں جا کر اطلاع کی۔ آپ اس وقت رسالہ خود القرآن لکھ رہے تھے۔ اپنے سرگٹھا کر نہایت متانت سے مسکرا کر میر صاحب کو جواب دیا۔ کہ میر صاحب لوگ دنیا کی خوشیوں میں چاندی سونے کے نگین پہنا ہی کرتے ہیں ہم سمجھ لینگے۔ کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوہے کے نگین پہن لئے دھیر دھاتال کے بعد فرمایا، مگر ایسا نہ ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی اپنی گورنمنٹ کے مصلح ہوتے ہیں وہ اپنے خلفائے ماموین کی ایسی رسوائی پسند نہیں کرتا (مظ مولوی عبدالکریم صاحب ۱۰ جولائی ۱۸۹۹ء الحکم جلد ۳ ص ۲۷)۔

بہشتہ مخمتمہ ۱۰ جولائی ۱۸۹۹ء عہدہ کابل کے علاقہ سے ایک خط آیا جس میں لکھا تھا کہ جلال آباد (ملک افغانستان) کے علاقہ میں بوز آسف بنی کا ایک چوبوڑہ موجود ہے اور وہاں مشہور ہے کہ وہنر ادریس ہوئے۔ یہ بنی ملک شام سے یہاں آیا تھا۔ سرکار کابل کی طرف سے

کچھ جاگیر بھی اس چبوترہ کے نام پر وقف ہے۔ وغیرہ۔ اس خط سے حضرت مسیح موعود بہت خوش ہوئے اور فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ گواہ اور علیم ہے کہ اگرچے کوئی شخص کروڑوں روپے لاویتا۔ تو میں کبھی اتنا خوش نہ ہوتا جیسا کہ اس خط نے مجھے خوشی بخشی ہے۔“ ظہر کے وقت یہ خط آیا اور اسی صبح حضرت مسیح موعود نے رویا دیکھی۔ کہ حضرت ملکہ معظمہ صبرہ منہا آپ کے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں۔ اور رویا میں ہی آپ مولوی عبدالکریم صاحب جو آپ کے پاس بیٹھے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت ملکہ معظمہ کمال شفقت سے ہمارے ہاں قدم رنجہ فرما ہوئی ہیں اور دو روز قیام فرمایا ہے۔ اُن کا کوئی شک یہ بھی ادا کرنا چاہیئے۔

حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ: میں حیران ہوتا ہوں کہ اُن کا فرضی مسیح اور کام کیا کرنا یا کرے گا اُسکی اوقات زندگی کی یہی تقسیم بتاتے ہیں۔ دن کا ایک حصہ ٹولکری یا لوہے یا پتیل یا سونے جاندی کی صلیبوں کے توڑنے میں بسر کرے گا۔ اور ایک حصہ سوڑوں کے قتل کرنے میں صرف کرے گا۔ بس یہی کچھ اور بھی؟ یہ لوگ نہیں سوچتے۔ کہ وہ بات کیا ہو جس سے اتنے کروڑ نصابے پر نجات حق پوری ہو۔ کیونکہ اگر نری تلواد ہو۔ تو وہ تو احقاق حق کے لئے کبھی آلہ بن نہیں سکتی۔ کیا ایمان کبھی ورثتی سے دلوں میں اتر سکتا اور نجات اللہ اکراہ سے کسی کے دل کو فریفتہ کر سکتی ہے؟ وہ تو ادب بھی الزام کا موجب ہو۔ کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں بجز لٹھ لٹھا ہونے کے دلیل کوئی نہیں۔ پہلے ہی ناحق کا الزام لگاتے ہیں کہ اسلام ہر دُشمن پر پھیلایا گیا۔ اور اب یوں اُسے سچا کر دینا چاہتے ہیں معمولی کلمات و معجزات سے بھی یورپ و دیگر نصائے پراثر نہیں پڑ سکتا۔ اس لئے کہ اُنکی کتاب میں لکھا ہے کہ بہت سے جھوٹے بنی آئینے جو نشان دکھائینگے۔ پھر اب کیا ہے۔ بجز اسکے کہ کوئی ایسی نجات ظاہر ہو۔ جس کے آگے گردنیں خم ہو جائیں۔ اور وہ وہی راہ ہے۔ جو خدا میرے ہاتھ سے پوری کرے گا۔“ اسی ہفتہ ایک لاہوری لہم کا خط آیا جس میں اُسے حضرت مسیح موعود ۱۲ اور آپ کے سلسلہ کے خلافت ایک دو پیشگوئیاں کی تھیں۔ اسکے متعلق آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کہ ان لوگوں کی بہداری کے لئے کس قدر میرے دل میں تڑپ اور جوش ہے۔ اُمید میں حیران ہوں کہ کس طرح ان لوگوں کو بھماؤں۔ یہ لوگ کسی طرح بھی مقابلہ میں نہیں آتے۔ تین ہی راہیں ہیں۔ یا گذشتہ زمانہ کے نشاںوں سے میرے اپنے نشاںوں کا مقابلہ کر لیں۔ یا آئندہ نشاںوں میں مقابلہ کر لیں۔ یا اور نہیں تو یہی دعا کریں۔ کہ جس کا وجود نافع الناس ہے۔ وہ بموجب وعدہ الہی دراز زندگی پا چکے ہوں تو یہی دعا کریں۔ کہ خدا کی نگاہ میں کون مقبول و منظور ہے۔ افسوس یہ لوگ چھوٹے چھوٹے

معمولی الہامی ٹکڑوں اور خواہشوں پر اترائے بیٹھے ہیں اور سمجھ نہیں سکتے۔ کہ کسی الہام کے خدا کی طرف سے ہونے اور دخل شیطان سے پاک ہونے کا معیار کیا ہے؟ اس کا معیار یہی ہے۔ کہ خدائی الہام کے ساتھ نصرت الہی ہو اور اقتداری علم غیب اور قابض پشیمونی اور سکے ساتھ ہو ورنہ وہ فضول باتیں ہیں۔ جو نافع الناس نہیں ہو سکتیں۔ اگر کوئی شخص کسی مجلس میں دُور بیٹھا ہو کسی عظیم الشان بادشاہ کی باتیں معمولاً سن لے اور لوگوں کے سامنے آکر کہے کہ میں نے فلاں بادشاہ کی باتیں سنی ہیں تو اُس کے اس کہنے سے اُسے اور دوسرے لوگوں کو کیا حاصل؟

تقرب سلطانی کے بعد کی باتوں کے نشان اُنہی ہوا کرتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ایک عالم پکار اٹھتا ہے۔ کہ فلاں شخص درحقیقت بادشاہ کا بہت کلام و سلام ہے۔ اگر میرے الہامات بھی ویسے ہی معمولی اور فضول ٹکڑے ہوتے اور ہر ایک میں علم غیب اور اقتداری پشیمونیاں نہ ہوتیں۔ تو میں انہیں محض بیچ بھرتا۔ بھلا کوئی شخص لیکچرار والی پشیمونی کے برابر کوئی ایک ہی الہام بتائے۔ میرے الہاموں سے قوم کا فائدہ اور اسلام کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور یہی معیار بڑا بھاری معیار ہے۔ جو میرے الہامات کے بجانب اللہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ میرے ساتھ خدا تعالیٰ کے معاملات اور تصرفات اور اُس کے نشان میری تائید میں عجیب ہیں کچھ تو میری ذات کے متعلق ہیں۔ کچھ میری اولاد کے متعلق ہیں۔ اور کچھ میرے اہل بیت کے متعلق ہیں اور کچھ میرے دوستوں کے متعلق ہیں۔ اور کچھ میرے مخالفوں کے متعلق ہیں۔ اور کچھ عامۃ الناس کے متعلق ہیں۔ اور لاہوری ملہم کے دوستوں میں سے ایک کا پیغام پہنچا۔ کہ وہ گزشتہ نشانوں کا حوالہ سُنا نہیں چاہتے (اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا اے افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی بات بھی ناقدر دانی کے قابل نہیں ہوتی۔ کیا ایک قوم کو ان سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا اولم یکھم انا انزلنا علیک الکتب ینتلی علیہم۔ کیا یہ گزشتہ نشان کا حوالہ نہیں اب ایسا وقت ہے کہ ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ بہت دفعہ ملاقات کیا کریں تاکہ نئے نئے نشانوں کے دیکھنے سے جو مدبر و روز نازل ہوتے ہیں۔ ان کے ایمان و تقویٰ میں ترقی ہو و خط مولوی عبد الکریم صاحب ۱۰۔ جولائی ۱۸۹۹ء

الحکم جلد ۲ نمبر ۲۴)۔
ہفتہ مختتمہ ۱۱۔ اگست ۱۸۹۹ء۔ بعض لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں دُعا کے لئے لکھا کرتے تھے جس کے جواب میں انکو تحریر کیا جاتا تھا کہ دُعا کی گئی۔ مگر بعد ازاں

وہ دوبارہ لکھ دیا کرتے۔ کہ دُعا سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اور یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اپنے دُعا نہیں کی۔ یا اگر کی ہے تو توجہ سے نہیں کی۔ مولوی عبدالکَریم صاحب نے اس بارہ میں اُمیدین عرض کی۔ تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: سخت ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کہ دعا کے مضمون پر پھر قلم اٹھایا جائے۔ کیونکہ پہلے مضامین اس بارہ میں کافی ثابت نہیں ہوئے۔ دعا نہایت نازک امر ہے اور اُس کے لئے شرط ہے کہ مستدعی اور داعی میں۔ ایسا مستحکم رابطہ ہو جائے۔ کہ ایک کا درد دوسرے کا درد ہو جائے۔ اور ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی ہو جائے۔ جس طرح شیر خوار بچہ کا رونا ماں کو بے اختیار کر دیتا اور اُسکی چھاتیوں میں دودھ اُتادیتا ہے۔ ویسے ہی مستدعی کی حالت دار اور استغاثہ پر داعی سراسر وقت اور عقد ہمت بن جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب اُمور خدا تعالیٰ کی موہبت ہیں۔ اکتساب کو اُنہیں فضل نہیں توجہ اور رقت بھی خدا تعالیٰ کے ہاں سے نازل ہوتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ کسی کے لئے کامیابی کی راہ نکال دے۔ تو وہ داعی کے دل میں توجہ اور رقت و الدیتا ہے۔ مگر سلسلہ اسباب میں ضروری ہوتا ہے۔ کہ داعی کو کوئی محرک غدیہ جنبش دے سکے والا ہو۔ اسکی تدبیر بخیر اسکے اور کوئی نہیں۔ کہ مستدعی اپنی حالت ایسی بنائے۔ کہ اصطرار داعی کو اُسکی طرف توجہ ہو جائے۔ جو حالت میری توجہ کو جذب کرتی۔ اور جسے دیکھ کر میں دعا کے لئے اپنے اندر تحریک پاتا ہوں۔ وہ ایک ہی بات ہے۔ کہ میں کسی شخص کی نسبت معلوم کر لوں۔ کہ یہ خدمت دین کے سزاوار ہے اور اُسکا وجود خدا تعالیٰ کے لئے خدا کے رسول کے لئے۔ خدا کی کتاب کے لئے اور خدا کے بندوں کے لئے نافع ہے۔ ایسے شخص کو جو وہ عالم پہنچے وہ درحقیقت مجھے پہنچتا ہے۔ اسلئے ہمارے دوستوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے اپنے دلوں میں خدمت دین کی نیت باندھ لیں۔ جس طرز اور جس رنگ کی خدمت جس سے بن پڑے کرے۔ پس سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اُس شخص کی قدر و منزلت ہے۔ جو دین کا خادم اور نافع الناس ہے۔ ورنہ وہ کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ کہ لوگ کتنوں اور بھیڑیوں کی موت مر جائیں“

دُعا مولوی عبدالکَریم صاحب ۱۱۔ اگست ۱۹۹۹ء الحکم جلد ۳ صفحہ ۲۹۷۔

ایک دن حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: کہ دو دوستوں میں دوستی اُسی صورت میں نہج سکتی ہے۔ کہ کبھی وہ اُسکی ماں لے اور کبھی یہ اُسکی ماں لے اگر ایک شخص سدا اپنی ہی منوانے کے دپے ہو جائے۔ تو معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ یہی حال خدا تعالیٰ اور بندہ کے رابطہ کا ہونا چاہیئے۔ کبھی اللہ تعالیٰ اُسکی سُن لے اور اُسپر فضل کے دروازے کھول دے اور کبھی بندہ اُسکی قضا و قدر پر راضی ہو جائے حقیقت

یہ ہے۔ کہ حق خدا تعالیٰ کا ہی ہے کہ وہ بندوں پر امتحان ڈالے اور یہ امتحان اسکی طرف سے انسان کے فوائد کے لئے ہوتے ہیں۔ اس کا قانون قدرت ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ کہ امتحان کے بعد جو اچھے نکلیں انہیں اپنے فضلوں کا وارث بناتا ہے اور خط مولوی عبدالکریم صاحب ۱۱۔ اگست ۱۸۹۹ء (الحکم جلد ۳ ص ۲۹)۔

ہفتہ مختمہ ۱۱۔ اگست ۱۸۹۹ء۔ ایک نوجوان شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر دنیاوی مصائب کی کہانی شروع کی اور اپنے طح طرح کے ہم و غم بیان کئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بہت سمجھایا۔ اور فرمایا۔ ”کہ ہمہ تن دنیاوی امور میں کھویا جانا خسارت آخرت کا موجب ہوتا ہے اور اس قدر جرح و فرج مومن کو نہیں چاہیے۔“ مگر وہ زور زور سے رونے لگا۔ جیسر اپنے سخت ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر کہا ”کہ میں کرو۔ میں ایسے رونے کو جہنم کا موجب جانتا ہوں۔ میرے نزدیک جو آتش و دنیا کے ہم و غم میں گرائے جاتے ہیں۔ وہ آگ ہیں جو بہانے والے کو ہی جلا دیتے ہیں میرا دل سخت ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کے حال کو دیکھ کر جو حیثہ دنیا کی ترپ میں گرفتار ہے۔“

ہفتہ مختمہ ۱۱۔ اگست ۱۸۹۹ء۔ ایک دن مجلس مسیح موعودؑ میں توکل کی بات چل پڑی جیسر اپنے فرمایا۔ ”میں اپنے قلب کی عجیب کیفیت پاتا ہوں جیسے سخت حبس ہونا اور گری محال شدت کو پہنچ جاتی ہے۔ تو لوگ و ثوق سے اُمید کرتے ہیں۔ کہ اب بارش ہوگی۔ ایسا ہی جیسے میں اپنی صندھ و تچی کو خالی دیکھتا ہوں۔ تو مجھے خدا کے فضل پر یقین و اُثق ہوتا ہے کہ اب یہ بھرے گی۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ خدا کی قسم جب میرا کبیبہ خالی ہوتا ہے تو جو ذوق و سرور اللہ تعالیٰ پر توکل کا اُس وقت مجھے حاصل ہوتا ہے۔ میں اسکی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ اور وہ حالت بہت ہی زیادہ راحت بخش اور طمانیت انگیز ہوتی ہے بہ نسبت اسکے کہ کبیبہ بھرا ہوا ہو۔ ان دنوں میں جبکہ دنیوی مقدمات کی وجہ سے والد صاحب اور بھائی صاحب طح طرح کے ہجوم و محوم میں مبتلا رہتے تھے وہ بسا اوقات میری حالت دیکھ کر رشک کھاتے اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ بڑا ہی خوش نصیب آدمی ہے۔ اسکے نزدیک کوئی غم نہیں آتا“ خط مولوی عبدالکریم صاحب ۱۱۔ اگست ۱۸۹۹ء (الحکم جلد ۳ ص ۲۹)۔

ہفتہ مختمہ ۱۱۔ اگست ۱۸۹۹ء۔ ایک دفعہ ایک دوست نے جو محبت مسیح موعودؑ میں مناشہ غمے آپکی خدمت میں عرض کی کہ کیوں نہ ہم آپکو ملاج میں شیخین سے افضل سمجھا کریں۔ اور

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب قریب مائیں۔ اس بات کو سنکر آپ کا رنگ اُڑ گیا اور آپ سخت مضطرب و بیتاب ہو گئے۔ اور برابر چھ گھنٹہ تقریر کر کے اُسیں حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و فضائل اور اپنی غلامی و کفّش پرورداری کی نسبت آنحضرت صلعم سے اور جناب شیخین رضی اللہ عنہما کے فضل بیان فرمائے اور فرمایا: ”میرے لئے یہ کافی تحریک کریں اُن لوگوں کا مدّاح اور خاکپاء ہوں۔ جو جزوی فضیلت خدا تعالیٰ نے اُنہیں بخشی ہے وہ قیامت تک کوئی اور شخص پا نہیں سکتا۔“ کتب دوبارہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں پیدا ہوں اور پھر کسی کو ایسی خدمت کا موقع ملے جو جناب شیخین رضی اللہ عنہما کو ملا۔ (خط مولوی عبدالکریم صاحب ۱۱۔ اگست ۱۹۹۹ء) احکم جلد ۳

۲۹۷
ہفتہ مختتمہ ۱۱۔ اگست ۱۹۹۹ء۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”کہ ہم اسپر قادر ہیں۔ کہ ایسی تقریریں کریں۔ اور ایسی تحریریں شائع کریں۔ کہ لوگوں کی مصطلح صلح کل کے ڈھانچے میں ڈھلی ہوئی ہوں۔ اور سب قوانین علی اختلاف البشائب خوش ہو جائیں۔ اور حکام و رعایا میں سے کسی کو بھی کبھی اپنی نکتہ چینی کا موقع نہ مل سکے۔ مگر اس جیس دینا کو خوش کر کے اپنے خدا کی دستکار کی طاعت ہم کہاں رکھ سکتے ہیں؟“ (احکم جلد ۳ ص ۷۷ خط مولوی عبدالکریم صاحب)۔

۱۱۔ نومبر ۱۹۹۹ء (تقریر جلستہ الوداع)۔ حضرت مسیح موعودؑ کو معلوم ہوا تھا کہ نصیبین واقعہ ملک عراق عرب میں حضرت مسیح نامری کے بعض آثار موجود ہیں جو اپنے ملک شام سے ملک کشمیر کو ہجرت کرنے کے موقع پر چھوڑے تھے۔ اپنے انکی دریافت کے لئے ایک وفد کا بھیجا سوچو کیا۔ جو بعد ازاں کسی وجہ سے ملتوی ہو گیا۔ اپنے احباب و فدکی رعائگی کی تقریب پر ایک جلستہ الوداع کیا۔ جس میں آپ نے یہ تقریر فرمائی، حضرت عیسیٰ کے صلیب پر سے زندہ اُتر آنے اور اس حادثہ سے بچ جائیں کا قرآن شریف میں صیح و یقینی علم یا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ کچھ ہزار برس میں جہاں اسلام پر اور بہت سی آفتیں آئیں وہاں یہ مسئلہ بھی تاریکی میں گر گیا۔ اور بدتمتی سے مسلمانوں میں یہ خیال رائج ہو گیا۔ کہ حضرت مسیحؑ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ اور وہ قیامت کے قریب آسمان سے اترینگے۔ مگر اس چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا۔ تاکہ میں مبنی طور پر جو غلطیاں مسلمانوں میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اُنکو دور کروں۔ اور اسلام کی حقیقت دنیا پر ظاہر کروں۔ اور بیرونی طور پر جو اعتراضات اسلام پر کئے جاتے ہیں۔ اُن کا جواب دوں۔ اور دوسری مذاہب باطلہ کی حقیقت کھوکھلاؤں خصوصیت کے ساتھ وہ مذہب جو صلیبی مذہب ہے

یعنی عیسائی مذہب اُسکے غلط اعتقادات کا استیصال کروں۔ جو انسان کے لئے خطرناک
 طور پر مضر ہیں۔ اور انسان کی روحانی قوتوں کے نشوونما اور ترقیات کے لئے ایک روک ہیں
 منجملہ نئے ایک ہی مسئلہ ہے۔ جو مسیح کے آسمان پر جانے کے متعلق ہے۔ اور جب میں قدمتی سے
 مسلمان بھی اُن کے شریک ہو گئے ہیں۔ اسی ایک مسئلہ پر عیسائیت کا دار و مدار ہے۔ کیونکہ
 عیسائی مذہب کی نجات کا دار و مدار اسی صلیب پر ہے۔ اور اُن کا عقیدہ ہے۔ کہ مسیح ہمارے
 لئے مصلوب ہوا۔ اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلا گیا۔ جو گویا اُسکی فدائی کی دلیل ہے جن مسلمانوں
 نے اپنی غلطی سے ان لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔ وہ یہ تو نہیں مانتے۔ کہ مسیح صلیب پر مر گیا۔ مگر وہ
 اتنا ضرور مانتے ہیں۔ کہ وہ زندہ جبکہ عنصری آسمان پر اٹھا گیا ہے۔ لیکن جو حقیقت اللہ تعالیٰ
 نے مجھ پر کھولی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسیح اُس میرٹم اپنے معاصر یہودیوں کے ہاتھوں سخت ستایا گیا جس طرح
 پر استبداد لوگ اپنے زمانہ میں نادان مخالفوں کے ہاتھوں ستائے جاتے ہیں۔ اور آخر ان
 یہودیوں نے اپنی منصوبہ بازی اور شرارتوں سے یہ کوشش کی۔ کہ کسی طرح پر آپکا خاتمہ کر دیں۔
 اور آپکو مصلوب کر دیں۔ بظاہر وہ اپنی ان تجاویز میں کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم کو
 صلیب پر چڑھائے جائیکا حکم دیدیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو اپنے راستبازوں اور ماموروں کو
 کبھی صانع نہیں کرتا۔ اُن کو اس لعنت سے جو صلیب کی موت کے ساتھ وابستہ تھی بچا لیا۔ اور
 ایسے اسباب پیدا کر دیئے۔ کہ وہ اس صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ اس امر کے ثبوت کے لئے
 بہت سے دلائل ہیں۔ جو خاص اِجیل سے ہی مل سکتے ہیں۔ لیکن اسوقت اُن کا بیان کرنا
 میری غرض نہیں۔ جو شخص ان واقعات پر جو صلیب کے متعلق اِجیل میں درج ہیں۔ غور کرے گا۔
 تو ان کے پڑھنے سے اُسے صاف معلوم ہو جائیگا۔ کہ حضرت مسیح ابن مریم صلیب پر سے
 زندہ اُتر آئے۔ اور پھر یہ خیال کر کے کہ اُس ملک میں اُن کے بہت سے دشمن تھے۔
 اور دشمن بھی وہ جو اُن کے جانی دشمن تھے۔ اور جیسا کہ وہ پہلے کہہ چکے تھے۔ کہ نبی بے عزت نہیں ہوتا
 مگر اپنے وطن میں۔ جس سے اُنکی ہجرت کا پتہ چلتا ہے۔ کہ اُنہوں نے ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اس ملک کو
 چھوڑ دیں۔ اور اپنے فرض رسالت کو پورا کرنے کے لئے وہ بھی اسرائیل کی گمشدہ بیٹیوں کی تلاش میں
 نکلے اور نصیبین کی طرف سے ہوتے ہوئے افغانستان کے راستہ کشمیر میں آکر بنی اسرائیل کو جو کشمیر
 میں موجود تھے تبلیغ کرتے رہے۔ اور اُنکی اصلاح کی۔ اور آخر کار اُن میں ہی وفات پائی۔ یہ امر ہے
 جو مجھ پر کھولا گیا ہے۔ اس ایک مسئلہ سے ہی عیسائیت کا ستون بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ جب

صلیب پر مسیح کی موت ہی نہیں ہوئی۔ اور وہ تین دن کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر گئے ہی نہیں تو المومنین اور کفارہ کی عمارت تو بیخ و بنیاد سے گر پڑی اور مسلمانوں کا غلط خیال جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین ہوتی تھی۔ کہ حضرت مسیحؑ تو زندہ آسمان پر چلے گئے؟ اور پھر دوبارہ نازل ہونگے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبیا یا پُرانا نبی نہیں آ سکتا۔ جسکی نبوت پر آپکی مہر نہ ہو، بھی وعدہ ہو گیا۔ اور قرآن شریف کی اصل اور پاک تعلیم سچی ثابت ہو گئی۔ کیونکہ قرآن مجید میں تو مسیح کا صاف اقرار فلما توفیتہ فی کا موجود ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ ہم وفات مسیح کے مسئلہ پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ کیونکہ اسی موت کے ساتھ عیسائی مذہب کی بھی موت ہو۔ اور اسی غرض سے سینے کتاب مسیح منہرستان میں لکھنی شروع کی ہے۔ اور اس کتاب کے بعض مطالب کی تکمیل کے لئے یہ مناسب سمجھا ہے کہ اپنی جماعت میں سے چند آدمیوں کو بھیجوں جو ان علاقہ جات میں جا کر ان آثار کا پتہ لائیں۔ جنکا وہاں موجود ہونا بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس غرض کو مد نظر رکھ کر ہم نے یہ جلسہ کیا ہے تاکہ ان دوستوں کو رخصت کرنے کے لئے پہلے ہم سب ملکر ان کے لئے دُعائیں کریں۔ کہ وہ خیر و عافیت کے ساتھ اس مبارک سفر کے لئے رخصت ہوں۔ اور کامیاب ہو کر واپس آئیں۔ اگرچہ میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ سفر جو تجویز کیا گیا ہے۔ اگر تبھی کیا جاتا۔ تو بھی خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے استفادہ اور دلائل ہم کو اس امر کے لئے دیدیئے ہیں جنکو مخالف کا قلم اور زبان تو نہیں کہتی۔ لیکن مومن ہمیشہ ترقیات کی خواہش کرتا ہے۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ حقائق اور معارف کا بھوکا پیاسا ہوتا ہے۔ کبھی ان سے سیر نہیں ہوتا۔ اسلئے ہماری بھی یہی خواہش ہے۔ کہ جس قدر ثبوت اور دلائل اور مل سکیں وہ اچھے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے یہ تقریب پیش آئی ہے۔ کہ ہم اپنے دوستوں کو نصیبین کی طرف بھیجتے ہیں جس کے متعلق ہمیں پتہ ملا ہے۔ کہ وہاں حاکم نے حضرت مسیحؑ کو دھیکہ وہ اپنی ناشکر گذار قوم کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھا رہے تھے، لکھا تھا۔ کہ آپ میرے پاس چلے آئیے۔ اور واقعہ صلیب پہنچ جانے کے بعد اس مقام پر پہنچ کر انہوں نے بدقسمت قوم کے ہاتھ سے نجات پائی۔ وہاں کے حاکم نے یہ بھی لکھا تھا۔ کہ آپ میرے پاس جائینگے تو آپکی خدمت کی سعادت حاصل کروں گا۔ اور میں بیمار ہوں۔ میرے لئے دُعا بھی کریں۔ اگرچہ یہ امر ہمیں ایک انگریزی کتاب سے معلوم ہوا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ روضۃ الصفاء جو ایک اسلامی تاریخ ہے۔ اس قسم کا مفہوم اس سو بھی پایا جاتا ہے۔ اسلئے یہ یقین ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ نصیبین

میں ضرور آئے۔ اور اسی راستے سے وہ مہدوستان کو چلے آئے۔ سارا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن ہمارا دل تو گواہی دیتا ہے کہ اس سفر سے انشاء اللہ حقیقت کھل جائیگی اور اہل معاملہ صاف ہو جائیں گے۔ ممکن ہے کہ اس سفر میں ایسی تحریریں پیش ہو جائیں۔ یا ایسے کئے نکل آویں۔ جو حضرت مسیحؑ کے اس سفر کے متعلق بعض امور پر روشنی ڈالنے والے ہوں۔ یا حواریوں میں سے کسی کی قبر کا کوئی پتہ مل جائے۔ یا اور اس قسم کے بعض امور نکل آویں۔ جو ہمارے اس مقصد میں مویہ ثابت ہو سکیں۔ اسلئے میں نے اپنی جماعت میں سے تین آدمیوں کو اس سفر کے لئے طیار کیا ہے۔ ان کے لئے ایک عربی تصنیف بھی میں کرنی چاہتا ہوں۔ جو بطور تبلیغ کے ہو۔ اور جہاں جہاں وہ جائیں اسکو تقسیم کرتے ہیں اس طرح اس سفر سے یہ بھی فائدہ ہو گا کہ ہمارے سلسلہ کی اشاعت بھی ہوتی جائیگی اور میں خدا تعالیٰ کا شکر کرنا ہوں کہ اُس نے مجھے ایک غلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس کام اور مقصد کے لئے میں اُنکو بلاتا ہوں نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے پہلے اپنی محنت اور ذوق کے موافق آگے بڑھتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ان میں ایک صدق اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ میری طرف سے کسی امر کا ارشاد ہوتا ہے اور وہ تعمیل کے لئے طیار حقیقت میں کوئی قوم اور جماعت طیار نہیں ہو سکتی جنتیک کہ اُس میں اپنے امام کی اطاعت اور اتباع کے لئے اس قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو۔ حضرت مسیحؑ کو جو مشکلات اور مصائب اٹھانے پڑی ان کے عوارض اور اسباب میں سے جماعت کی کمزوری اور بیدلی بھی تھی۔ چنانچہ جب اُنکو گرفتار کیا گیا۔ تو پطرس جیسے عظیم الحواریں نے اپنے آقا اور مرشد کے سامنے انکار کر دیا۔ اور نہ صرف انکار کیا۔ بلکہ تین مرتبہ لعنت بھی بھیج دی۔ اور اکثر حواری اُن کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے برخلاف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے وہ صدق و وفا کا نمونہ دکھایا جسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ انہوں نے آپؐ کی خاطر قریم کا دکھ اٹھا نا سہل سمجھا۔ یہاں تک کہ عزیز وطن چھوڑ دیا۔ اپنے املاک و اسباب اور احباب سے الگ ہو گئے اور بالآخر آپؐ کی خاطر جان تک دینے سے تامل اور افسوس نہیں کیا۔ یہی صدق اور وفا تھی جسے اُنکو آخر کار بامراد کیا اسی طرح میں اب دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری جماعت کو بھی اسکی قدر اور مرتبہ کے موافق ایک جوش بخشا ہے اور وہ وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ جس دن سے بنو نعیمین کی طرف ایک جماعت کے بھیجنے کا ارادہ کیا ہے۔ ہر ایک شخص کو شمش کر لے ہے۔ کہ اس خدمت پر وہ مامور کیا جائے۔ اور دوسرے کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور آرزو کرتا ہے۔ کہ

اُسکی جگہ اگر اُسکو بھیجا جائے۔ تو اُسکی بڑی ہی خوش قسمتی ہے۔ بہت سے احباب نے اس سفر پر جانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ لیکن میں ان درخواستوں سے پہلے مرزا خداجعلیٰ صاحب کو اس سفر کے واسطے منتخب کر چکا تھا۔ اور مولوی قطب الدین اور میان جمال الدین کو اُنکے ساتھ جانے کے واسطے تجویز کر لیا تھا۔ اس واسطے مجھے ان احباب کی درخواستوں کو واپس دینا پڑا۔ تاہم میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ جنہوں نے بعد مشکل اور سچے اخلاص کے ساتھ اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی پاک نیتوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور وہ اپنے اخلاص کے موافق اجر پائیں گے۔ دور و مار بلا و اور ممالک غیر کا سفر آسان امر نہیں ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے۔ کہ اس وقت سفر آسان ہو گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ کسکو علم ہو سکتا ہے۔ کہ اس سفر سے کون رنہ آئیں گا۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور بیویوں اور دوسرے عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر جانا کوئی سہل بات نہیں۔ اپنے کاروبار اور معاملات کو استبری اور پریشانی کی حالت میں چھوڑ کر ان لوگوں نے اس سفر کو اختیار کیا ہے۔ اور ان شرع صدر سے اختیار کیا ہے جس کے لئے میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ بڑا ثواب ہے۔ ایک تو سفر کا ثواب ہے۔ کیونکہ یہ سفر محض خدا تعالیٰ کی عظمت اور توحید کے اظہار کے واسطے ہے۔ دوسرے اس سفر میں جو جو شقیں اور تکالیف ان لوگوں کو اُٹھانی پڑیں گی۔ اُن کا ثواب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ جبکہ مَسْنِیٰ عَمَلٍ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرٌ لَّكَ اَمْ وَكَفَىٰ لَكَ اُتْرُوقًا کے موافق وہ کسی کی ذرہ بھر نیکی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ تو اتنا بڑا سفر جو اپنے اندر ہجرت کا نمونہ رکھتا ہے۔ اس کا اجر کبھی ضائع ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ صدق اور اخلاص ہو۔ ریا اور دوسرے اغراض شہرت و نمود کے نہ ہوں۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ بروجر کے شہداء و مصائب کو برداشت کرنا۔ اور ایک موت کا قبول کر لینا سحر صدق کے نہیں ہو سکتا۔ بہت سے بھائی اُن کے لئے دعا میں کرتے رہیں گے۔ اور میں بھی اُن کے واسطے دعاؤں میں مصروف رہوں گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اس مقصد میں کامیاب کرے۔ اور غیر عافیت سے واپس لاوے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ملائکہ بھی اُن کے واسطے دعا میں کریں گے اور وہ اُن کے ساتھ ہوں گے۔

اب میں یہی ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اس موقع پر ہماری جماعت نے دو قسم کی مروت اور ہمت دکھائی ہے۔ ایک تو یہ گروہ جو جنہوں نے سفر اختیار کیا ہے اور اپنے آپ کو سفر کے خطرات میں ڈال دیا اور ان مصائب اور شہداء کے برداشت کرنے کو طیار ہو گئے ہیں۔ جو اس راہ میں اُنہیں پیش

آئینگی۔ دوسرا وہ گروہ ہے۔ جنہوں نے میری دینی اغراض و مقاصد میں ہمیشہ دل کھول کر چندے دیئے ہیں
 میں کچھ ضرورت نہیں سمجھتا۔ کہ تفصیل کروں کیونکہ ہر شخص کم و بیش اپنی استطاعت اور قدرت
 کے موافق حصہ لیتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس اخلاص اور وفاداری سے ان چندوں
 میں شریک ہوتے ہیں میں یہ خوب جانتا ہوں کہ ہماری جماعت نے وہ صدق اور وفا دکھایا ہے
 جو صحابہ رضہ سماعت العصر میں دکھاتے تھے۔ اگرچہ اشتہار میں بے چند دوستوں کے نام لکھے ہیں
 جنہوں نے اپنے صدق و مہمت کا نمونہ دکھایا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ میں دوسروں
 سے بے خبر ہوں یا ان کی خدمات کو قابل قدر نہیں سمجھتا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ کون سرگرمی اور
 اخلاص کے ساتھ میری راہ میں دوڑتا ہے میں چونکہ بیمار تھا۔ اور ابھی تک طبیعت ناساز ہو اسلئے
 میں پوری تفصیل نہ دے سکا اور نہ مختصر سے اشتہار میں اتنی تفصیل ہو سکتی تھی۔ پس جن
 لوگوں کے نام درج نہیں ہوئے۔ ان کو افسوس نہیں کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ ان کے صدق اور
 اخلاص کو خوب جانتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس غرض کے لئے چندہ دیتا ہے۔ یا ہماری دینی ضروریات
 میں شریک ہوتا ہے۔ کہ اس کا نام شائع کیا جائے تو یقیناً سمجھو کہ وہ دنیا کی شہرت اور نام و نمود کا
 خواہشمند ہے۔ لیکن جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لئے اس راہ میں قدم رکھتا ہے اور خدمت دین کے
 لئے کمر بستہ ہوتا ہے اس کو اس بات کی کچھ بھی پروا نہیں ہوتی۔ دنیا کے نام کچھ حقیقت اور اثر اپنے
 اندر نہیں رکھتے ہیں نام مری بہتر ہوتے ہیں جو آسمان پر رکھے جاویں۔ کاغذات کا کیا اثر ہے۔
 ایک دن ہوتے ہیں اور ایک وقت ضائع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو کچھ آسمان پر لکھا جاتا ہے وہ کبھی محو
 نہیں ہو سکتا۔ اس کا اثر ابد الابد کے لئے ہوتا ہے۔ میرے بہت سے غمخوار احباب ایسے ہیں جن کو
 حتم میں سے شاید بہت ہی کم جانتے ہوں۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے۔ مثلاً میں نظیر کے
 طور پر کہتا ہوں کہ میرزا یوسف بیگ صاحب میرے بہت ہی غمخوار و صدق دوست ہیں۔ میں
 ان کا ذکر اس واسطے کیا ہے۔ کہ اس طرح پر بھائیوں میں باہم تعارف بڑھتا ہے۔ اور محبت پیدا ہوتی ہے
 میرزا صاحب اس وقت سے میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا
 میں دیکھتا ہوں۔ کہ ان کا دل محبت اور اخلاص سے بھرا ہوا ہے۔ اور وہ ہر وقت سلسلہ کی خدمت
 کے لئے اپنے اندر ایک جوش رکھتے ہیں۔ ایسا ہی اور بہت سے عزیز دوست ہیں اور سب اپنی اپنی
 ایمان اور معرفت کے موافق اخلاص اور جوش محبت سے لبریز ہیں۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اعمال کی توفیق
 رفتہ رفتہ ملتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک ایمان قوی نہ ہو۔ کچھ نہیں ہوتا۔

جس قدر ایمان قوی ہوتا ہے۔ اسی قدر اعمال میں بھی قوت آتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ قوت ایمانی پورے طور پر نشوونما پا جاوے۔ تو پھر ایسا مومن شہید کے مقام پر ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی امر اس کے سدا رہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی عزیز جان تک دینے میں بھی تامل اور دیر لینہ نہ کریگا۔

یعنی کئی دفعہ اس سے پہلے بھی بیان کیا ہے۔ اور اب بھی اس کا بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے میں پھر کہنا چاہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ ابو انبیاء کو بھیجتا ہے اور آخر انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے دنیا کی ہدایت کے واسطے بھیجا۔ اور قرآن مجید کو نازل فرمایا۔ تو اس کی غرض کیا تھی؟ ہر شخص جو کام کرنا ہے اس کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ ایسا خیال کرنا کہ قرآن شریف نازل کرنے یا انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض اور مقصد نہیں ہے کمال درجہ کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ کیونکہ اس میں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف ایک فعل عبت کو منسوب کیا جائیگا۔ حالانکہ اس کی ذرت پاک ہو (سبحانہ و تعالیٰ شائد) پس یاد رکھو کہ کتاب مجید کے بھیجنے اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہے کہ تاؤ دنیا پر عظیم الشان رحمت کا نزول دکھائے۔ جیسے فرمایا۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ اور ایسا ہی قرآن مجید کے بھیجنے کی غرض بتائی۔ کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ یہ ایسی عظیم الشان اعزاز ہیں۔ کہ انکی نظیر نہیں پائی جاسکتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ جیسے تمام کمالات متفرقہ جو انبیاء میں تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں جمع کر دئے اور تمام خوبیاں اور کمالات جو متفرق کتابوں میں تھے وہ قرآن شریف میں جمع کر دیئے۔ اور ایسا ہی جس قدر کمالات تمام امتوں میں تھے۔ وہ اس امت میں جمع کر دیئے۔ پس خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم ان کمالات کو پالیں۔ اور یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہیے۔ کہ جیسے وہ عظیم الشان کمالات سکھو دینا چاہتا ہے۔ اسی کے موافق اسے ہمیں قوی بھی عطا کئے ہیں۔ کیونکہ اگر اس کے موافق تو اسے نہ دیئے جاتے۔ تو پھر ہم ان کمالات کو کسی صورت اور حالت میں پائی نہیں سکتے تھے۔ اسکی مثال ایسی ہی کہ جیسے کوئی شخص ایک گروہ کی دعوت کرے تو ضرور ہے کہ وہ اگر گروہ کی تعداد کے موافق کھانا تیار کرے۔ اور اسی کے موافق ایک مکان ہو یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ دعوت تو ایک ہزار آدمی کی کر دے اور ان کے بٹھانے کے واسطے ایک چھوٹی سی کھانا بنا دے۔ نہیں۔ بلکہ وہ اس تعداد کا پورا لحاظ رکھے گا۔ اسی طرح ہر خدا تعالیٰ کی کتاب بھی ایک دعوت اور منیافت ہے جس کے لئے کل دنیا کو بلایا گیا ہے اس دعوت کے لئے خدا تعالیٰ نے ہر مکان طیار کیا ہے۔ وہ انسانی تو ہے ہیں۔ جو ان لوگوں کو

دیکھ گئے ہیں۔ جو اس امت میں ہیں۔ تو ہی کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اب اگر ویل گئے یا کبھی جانور کے سامنے قرآن کی تعلیمات کو پیش کریں۔ تو وہ نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے کہ انہیں وہ قوی نہیں ہیں جو قرآن کریم کی تعلیمات کو برداشت کر سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کوہ توڑ دیئے ہیں۔ کہ ہم اُن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ بھی دیا۔ جو خاتم النبیین خاتم العارین اور خاتم النبیین اولیٰ طح پر۔ وہ کتاب اسپر نازل کی جو جامع الکتب اور خاتم الکتب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں اور آپ پر نبوت ختم ہو گئی۔ تو یہ نبوت اس طرح ختم نہیں ہوئی۔ جیسے کوئی گلا گھونٹ کر ختم کر دے۔ ایسا ختم قابلِ فخر نہیں ہوتا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ طبعی طور پر آپ پر کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ یعنی وہ تمام کمالات منفرقہ جود و کم سے لیکر مسیح ابن مریم تک نبیوں کو دیئے گئے تھے۔ کسی کو کوئی اور کسی کو کوئی وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے۔ اور اس طرح ہر طرح آپ خاتم النبیین ٹھہرے۔ اور ایسا ہی وہ جمع تعلیمات و وصایا۔ اور معارف جو مختلف کتابوں میں چلے آتے ہیں۔ وہ قرآن شریف پر اکٹھا ہو گئے اور قرآن شریف خاتم الکتب ٹھہرا۔

اسکے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ محمد پر امیریری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ ہم پر افسوسناک ہے۔ ہم جس قوت یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں۔ اسکا لاکھواں حصہ بھی لوگ نہیں مانتے۔ اور اُن کا ایسا ظرافت ہی نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت اور راز کو جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں ہے سمجھتے ہی نہیں ہیں انہوں نے صرف باپ و داد سے ایک لفظ سنا ہوا ہے مگر اسکی حقیقت سے بے خبر ہیں اور نہیں جانتے کہ ختم نبوت کیا ہوتا ہے۔ اور اسپر ایمان لانے کا مفہوم کیا ہے؟ گھر پر بعیرت نام سے (جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ہم پر ختم نبوت کی حقیقت کو ایسے طور پر کھول دیا ہے کہ اس عرفان کے شریعت سے جو ہمیں پلایا گیا ہے۔ ایک خاص لذت پاتے ہیں جس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بخیران لوگوں کے جو اس چمنہ سے یہ راب ہوں۔ دنیا کی مثالوں میں سے ہم ختم نبوت کی مثال اصر ہر دوسرے ہیں۔ کہ جیسے چاند بلال سے شروع ہوتا ہے۔ اور چودہویں تاریخ پر آکر اسکا کمان ہر جانا ہے۔ جبکہ اُسے ہر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ جو لوگ یہ مذہب رکھتے ہیں۔ کہ نبوت زبونی ختم ہو گئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یونس بنی

بھی ترجیح نہیں دیتی چاہتے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھا ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے فضائل اور کمالات کا کوئی علم ہی ان کو نہیں ہے۔ باوجود اس کمزوری فہم اور کم علمی کے یہ لوگ کہتے
 ہیں کہ ہم ختم نبوت کے منکر ہیں۔ میں ایسے مریضوں کو کیا کہوں اور ان پر کیا افسوس کروں۔ اگر انکی
 یہ حالت نہ ہو گئی ہوتی اور وہ حقیقت اسلام سے بکلی مدور نہ جا پڑے ہوتے۔ تو پھر میرے آنے
 کی ضرورت کیا تھی؟ ان لوگوں کی ایمانی حالتیں بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ اور وہ اسلام کے مفہوم
 اور مقصد سے محض ناواقف ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اہل حق سے عداوت کرتے
 جس کا نتیجہ کافر بنا دیتا ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم میں کونسی بات اسلام کے خلاف ہو۔ ہم
 کَلَّا لَہٗ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں اور نماز میں بھی پڑھتے ہیں اور روزے کے دنوں میں روزے بھی رکھتے
 ہیں اور زکوٰۃ بھی مسیتہ ہیں مگر یہ کہتا ہوں کہ انکو تمام اعمال اعمال صالحہ کے رنگ میں نہیں ہیں۔ بلکہ
 محض آب و پوست کی طرح ہیں جنہیں مغز نہیں ہے۔ ورنہ اگر یہ اعمال صالحہ ہیں تو پھر ان کے پاک نتائج
 کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ اعمال صالحہ تو تب ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ہر قسم کے فساد اور بلاؤں سے پاک
 ہوں۔ لیکن انہیں یہ باتیں کہاں ہیں؟ میں کبھی یقین نہیں کر سکتا۔ کہ ایک شخص مومن اور متقی
 ہو اور اعمال صالحہ کرنے والا ہو۔ اور وہ اہل حق کا دشمن ہو۔ حالانکہ یہ لوگ ہم کو بے قید اور ہر پر کہتے
 ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کیا۔ کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے
 مامور کر کے بھیجا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی کچھ عظمت ان کے دل میں ہوتی۔ تو وہ انکار نہ کرتے۔ اور
 اس سے ڈرتے۔ کہ ایسا نہ ہو۔ ہم خدا تعالیٰ کے نام کی تحفیف کرنے والے ٹھہریں۔ لیکن تب ہوتا
 جبکہ ان میں حقیقی اور اصل ایمان اللہ تعالیٰ پر ہوتا۔ اور وہ یوم النحر اوستے ڈرتے اور لا تَقْفُ
 ہ الدیکس لاک علیہ ہمان کا عمل ہوتا۔ انکی دعاغی قوت امایا قی طاقت نے تزیان تک
 انہیں پہنچا دیا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ بنی کا منکر تو کافر ہوتا ہے مگر ولی کے انکار سے کفر کیونکر لازم آتا
 ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے انکار سے کیا جج؟ (الحکم جلد ۸ صفحہ ۲۱) یہ لوگ انکار و اولیاء اللہ
 کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے کیا بگڑتا ہے؟ مگر حقیقت یہ ہے کہ اولیاء اللہ کا انکار
 سب ایمان کا موجب ہو جاتا ہے۔ جو شخص اس معاملہ میں غور کریگا۔ اُسے اچھی طرح نظر آ جائیگا
 بلکہ ایسے طور پر نظر آ جائیگا جیسے شیشہ میں کوئی شکل دیکھ لیتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ سب ایمان
 دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک تو انبیاء کے انکار سے۔ جس سے کسی کو بھی انکار نہیں اور یہ مسلم بات ہو
 اور سارا دنیا و اللہ اور مومنین کے انکار سے سب ایمان ہوتا ہے۔ انبیاء کے انکار سے سب ایمان

تو بالکل واضح امر ہے اور سب جانتے ہیں لیکن پھر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انبیاء ص کے انکار سے سلب ایمان اسلئے ہوتا ہے۔ کہ نبی کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں یہ میرا قول ہے۔ یہ میرا نبی ہے۔ اسپر ایمان لاؤ۔ میری کتاب کو مانو اور میرے احکام پر عمل کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان نہیں لاتا۔ اور ان وصایا اور حدود پر جو اس میں بیان کئے گئے ہیں عمل نہیں کرتا ہے وہ اُسے منکر ہو کر کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ صورت جس سے اولیاء اللہ کے انکار سے سلب ایمان ہوتا ہے اور ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ عَادَ إِلَىٰ وَلِيَّتَاكَ فَإِنَّهُ لِلْحَرْبِ يَعْنِي جُوْشْخُنْ میرے ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ گویا میرے ساتھ جنگ کرنے کو طیار ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہو اور محبت بھی ایسی جیسے کوئی اپنی اولاد سے کرتا ہے۔ اور ایک دوسرا شخص بار بار کہے کہ یہ شخص مر جائے۔ یا اُسکی نسبت اور ایسی قسم کی دل آزاری کی باتیں کہے اور اُسے تکلیف دے۔ تو وہ شخص الہی باتوں سے کیونکر خوش ہو سکتا ہے۔ اور وہ باپ جس کے بچے کے لئے کوئی شخص بد عا میں کر رہا ہو یا دیگر سجدہ کلمات اُسکے بچے کی نسبت استعمال کر رہا ہو۔ ایسی شخص سے کب محبت کر سکتا ہے؟ اسی طرح پر اولیاء اللہ بھی اطفال اللہ کا رنگ رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جسمانی بلوغ کا چولہا نہ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں پرورش پاتے ہیں وہ خود ان کا متولی و متکفل اور اُنکے لئے غیرت رکھنے والا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص دغواہ وہ کیسا ہی نماز روزہ رکھنے والا ہو اُنکی مخالفت کرتا ہے اور اُن کے دکھ دینے پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُنکی غیرت جوش مارتی ہے۔ اور ان مخالفت کرنے والوں پر اُسکا غضب بھڑکتا ہے۔ اسلئے کہ انہوں نے اُسکے ایک محبوب کو دکھ دینا چاہا ہے۔ اسوقت پھر نہ وہ نماز کام آتی ہے اور نہ روزہ کیونکہ نماز اور روزہ کے ذریعہ سے اُسی ذات کو خوش کرنا تھا جس کو ایک دوسرے فعل سے ناراض کر لیا ہے۔ پھر وہ رضا کا مقام کیونکر ملے۔ جب تک غضب اُپھی دودن ہو وہ اولیاء اللہ کا مخالفت نادم ان اسباب غضب سے ناواقف ہوتا ہے۔ بلکہ اپنے نماز روزہ پر اُسے ایک نماز اور گھنڈہ ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا غضب دن بدن بڑھتا جاتا ہے اور وہ بجائے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے دن بدن اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بالکل راندہ و رگا ہوجاتا ہے۔ وہ شخص جو بالکل فنا کی حالت میں ہے اور استائید الوہیت پر گرا ہوا ہے اور آغوش ربوبیت میں پرورش پا رہا ہے اور خدا تعالیٰ کی رحمت نے اُسے دُکھ پہنچا لیا ہے۔ یہاں تک کہ

اُسکات کرنا خدا تعالیٰ اسکا بات کرنا ہوتا ہے۔ اور اُسکا دوست خدا کا دوست اور اُسکا دشمن خدا کا دشمن ہو جاتا ہے۔ پس ایسے مومن کامل کا دشمن نہ کر کوئی شخص کیونکہ مومن کامل ہو سکتا ہے۔ اور ایسے ہی مومن کامل کی دشمنی سے اسکا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور اُسے مغضوب علیہم میں سے بنا دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ماموروں اور اولیاء اللہ کی مخالفت اور انکی ایذا رسانی کبھی اچھا پھل نہیں دے سکتی۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں اُن کو ستا کر اور دکھ دیکر بھی آرام پاسکتا ہوں۔ وہ سخت غلطی کرتا ہے۔ اور اُسکا نفس اُسے دھوکا دے رہا ہے۔ پھر دوسری وجہ سلب ایمان کی یہ ہوتی ہے۔ کہ ولی اللہ خدا تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ولی کے معنی قریب کے ہیں۔ یہ لوگ گویا اللہ بصر کو سامنے دیکھتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ ایک محبوب کی طرح ہوتے ہیں۔ جنکے سامنے ایک دیوار حائل ہو۔ اب یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک تو انہیں سے ایسا ہے۔ کہ جس کے سامنے کئی پر وہ ہی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُسے آنکھیں کھول دی ہیں۔ اور اُسے ایسی بصیرت عطا کی ہے۔ کہ اُسکا ہر قول و فعل اُسے وجہ البصیرت ہوتا ہے۔ اُسے کی طرح نہیں۔ جو ٹھوکریں کھانا سہتا ہے اور گریں مارتا رہتا ہے۔ بلکہ اُسکے دل پر تو خدا تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے اور ہر قدم پر وہی اُسکا رہنما اور مشکمل بن جاتا ہے۔ شیطان کی شرارت کی تاریکی اُسکے نزدیک نہیں آسکتی۔ بلکہ ظلمت جل کر بالکل بھسم ہو جاتی ہے۔ اور اُسے سب کچھ روشن نظر آتا ہے۔ وہ جو کچھ بیان کرتا ہے۔ وہ حقائق اور معارف ہوتے ہیں۔ وہ احادیث شریفہ کی جو تاویل کرتا ہے وہ صحیح ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ براہ راست بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لیتا ہے اور اسطرح وہ اُسکی اپنی روایت ہوتی ہے۔ حالانکہ دوسرے لوگوں کو ۱۳۳۳ برس کے وسائل سے کہنا پڑتا ہے۔ پھر ان ہر دو میں کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ ولی اللہ کا سارا ذخیرہ پاک معارف اور نور ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اس سے عداوت کرتا ہو وہ اُسکی ہر بات کی تکذیب کرتا ہے گویا کہ وہ یہ شرط کر لیتا ہے کہ وہ ولی اللہ کے ہر کلمہ معرفت کا انکار کرے گا۔ پھر وہ اُسکی ہر بات کا انکار کرتا رہتا ہے۔ اسطرح پر اُسکی ایمانی عرفانی دیوار کی انیسٹیں گرنی شروع ہو جاتی ہیں۔ جب ایک شخص صراط مستقیم تیار رہا ہے۔ اور معارف اور حقائق کھول کھول کر بیان کر رہا ہے اور دوسرا شخص اُسکی تکذیب کرتا ہے۔ ایسے مقابلہ میں انجام کار کیا ہوگا؟ یہی کہ مؤخر اللہ کر قرآن شریف کے عقائد کے مجموعہ کی تکذیب میں بڑھتا چلا جائیگا۔ اور بت یہاں تک پہنچ جائیگی۔ کہ وہ خدا کا بھی منکر ہو جائیگا۔ اور اسطرح اُسکا ایمان سلب ہو جائیگا۔ غرض اس بات میں فراموشی شکستہ نہیں ہے کہ اولیاء اللہ کے انکار سے سلب ایمان ہو جاتا ہے۔ اسلئے اولیاء اللہ کے انکار سے

ہمیشہ بچنا چاہیے۔ یہودیوں پر جو آفت آئی اور وہ مغضوب ہو گئے۔ اسکی بھاری وجہ یہی تھی کہ وہ خدا تعالیٰ کے ناموروں اور مسلمانوں سے انکار کرتے رہے۔ اور ہمیشہ انکی مخالفت اور ایذا رسانی میں حصہ لیتے رہے۔ جس کا انجام یہ ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا غضب انپر نازل ہوا۔

پھر میں اپنے پہلے کلام کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس امت میں بڑی بڑی ہتھکڑیاں رکھ دی ہیں۔ یہاں تک کہ عسکماء اُمّیّہ کا نبیاء بھی اسرائیل بھی حدیث میں آیا ہے اگرچہ حدیثین کو اس پر حرج ہو۔ مگر ہمارے انور قلب اس حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے اور ہم بغیر چون و چرا کے اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ اور کسی بزرگ نے بذریعہ کشف بھی اس حدیث کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ اگرچہ کیا ہے تو تصدیق ہی کی ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی نہیں۔ کہ میری امت کے علماء ظاہری بنی اسرائیل کے بنیوں جیسے ہیں۔ علماء کے لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ بعض لوگ الفاظ پراڑ بٹھتے ہیں۔ اور انکے معانی کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ قرآن شریف کی تفسیر میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یا دیکھو کہ عالم ربانی سے یہ مراد نہیں ہوا کرتی۔ کہ وہ صرف و نحو یا منطق میں بے مثل ہو۔ بلکہ عالم ربانی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دُور رہے۔ اور اسکی زبان بیہودہ نہ چلے۔ مگر موجودہ زمانہ اس قسم کا اگیا ہے کہ وہ مشو تک بھی اپنے آپکو علماء کہتے ہیں۔ اور اس لفظ کو اپنی ذات میں داخل کر لیا ہے۔ اس طرح ہر اس لفظ کی بڑی تحقیق ہوئی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے منشاء اور مقصد کے خلاف اس کا مفہوم لے لیا گیا ہے۔ ورنہ قرآن شریف میں تو علماء کی یہ صفت بیان کی گئی ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (پارہ ۲۲) یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اللہ تعالیٰ کے وہ بندے ہیں جو علماء ہیں۔ اب یہ دیکھنا ضروری ہوگا۔ کہ جن لوگوں میں یہ صفات خوف و خشیت اور تقویٰ اللہ کی نہ پائی جائیں وہ ہرگز ہرگز اس خطاب سے پکڑے جانے کے مستحق نہیں ہیں۔ اصل میں علماء عالم کی جمع ہے اور علم اس چیز کو کہتے ہیں جو یقینی اور قطعی ہو۔ اور سچا علم قرآن شریف سے ملتا ہے۔ یہ نہ یونانیوں کے فلسفہ سے ملتا ہے۔ نہ حل کے انگلستانی فلسفہ سے۔ بلکہ یہ سچا ایمانی فلسفہ قرآن کریم کی طفیل سے ملتا ہے۔ مومن کا کمال اور معراج یہی ہے۔ کہ وہ علماء کے درجہ پر پہنچے۔ اور اسے حق الیقین کا وہ مقام حاصل ہو جو علم کا انتہائی درجہ ہو۔ لیکن جو لوگ علوم حقہ سے بہرہ ور نہیں ہیں اور معرفت اور بصیرت کی راہیں چھوڑ کر کھلی ہوئی نہیں ہیں۔ وہ گواہ اپنے منہ سے اپنے آپ کو عالم کہیں مگر فی الحقیقت ایسے لوگ علم کی

خوبیوں اور صفات سے بالکل بے بہرہ ہیں اور وہ روشنی اور نور جو حقیقی علم سے ملتا ہے اُن میں بالکل پایا نہیں جاتا۔ بلکہ ایسے لوگ سرسرخسارہ اور نقصان میں ہیں۔ یہ اپنی آخرت و خان اور تاریکی سے بھر لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَن كَانَ فِي هَذِهِ لَعْنَةً فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ لَعْنَةً (دُپارہ) جو آدمی اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا بنایا جائیگا۔ یعنی جس کو یہاں علم بصیرت اور معرفت نہیں دی گئی اُسے وہاں کیا علم ملیگا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والی آنکھ اسی دنیا سے لی جاتی پڑتی ہے۔ جو آدمی یہاں ایسی آنکھ پیدا نہیں کرتا اُسے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو آخرت کے دن دیکھ لیگا۔ لیکن جن لوگوں کو سچی معرفت اور بصیرت دی جاتی ہے۔ اور وہ علم جس کا نتیجہ خشیتہ اللہ ہے۔ عطا کیا جاتا ہے۔ وہ وہی لوگ ہیں جنکو اس حدیث میں انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچے علوم کا منبع اور سرچشمہ قرآن شریف میں اس اُمت کو دیا ہے۔ جو شخص ان حقائق اور معارف کو پالیتا ہے جو قرآن شریف میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور جو محض حقیقی تقویٰ اور خشیتہ اللہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اُسے وہ علم ملتا ہے جو اُسکو انبیاء بنی اسرائیل کا مثیل بنا دیتا ہے۔ اُن یہ بات بالکل سچ ہے کہ ایک شخص کو جو ہتھیار دیا گیا ہے۔ اگر وہ اس سے کام نہ لے تو یہ اُسکا اپنا قصور ہے۔ نہ کہ اس ہتھیار کا۔ اسوقت دنیا کی یہی حالت ہو رہی ہے۔ مسلمانوں نے باوجودیکہ قرآن شریف جیسی بے مثل نعمت اُن کے پاس تھی۔ جو اُنکو ہر گز ایسی سے نجات بخشتی اور ہر تاریکی سے نکالتی ہے۔ لیکن انہوں نے اُسکو چھوڑ دیا۔ اور اُسکی پاک تعلیموں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ اسلام سے بالکل چھوڑ دیا۔ پڑے ہیں۔ یہاں تک کہ اب اگر حقیقی اسلام اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تو چونکہ اُس سے بالکل بے خبر اور غافل ہیں۔ اسلئے حقیقی مومن کو بھی کافر کہہ دیتے ہیں (الحکم جلد ۸ صفحہ ۲۶)۔

بہت سے لوگ ہیں جو اوباشانہ اور عیاشانہ حالات زندگی رکھتے ہیں۔ اور وہ دنیا کا فخر و دنیا کی عزت اور املاک و دولت چاہتے ہیں۔ اس قسم کی آدمیوں اور تمتاؤں اور اُن کے پورا کرنے کی تدبیروں اور تجویزوں میں ہی اپنی عمر کو بٹھیتے ہیں۔ اُنکی آندوؤں کی انتہا نہیں ہوتی کہ پیغام موت آجاتا ہے۔ اب اُن کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے قوے تو دےئے تھے اگر اُن تو قوے سے کام لیتے تو حق کو پالیتے۔ اللہ تعالیٰ نے تو کسی سے بخل نہیں کیا۔ لیکن ایسے لوگ خود تو قوے سے کام نہیں لیتے یہ اُنکی اپنی بدبختی ہے۔ نیک بخت اور مبارک ہے وہ شخص جو ان خداداد قوہ سے کام لے۔ بہت آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ جب اُنکو کہا جاتا ہے کہ تم خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ اور اُسکے اوامر کی پیروی

کرو۔ اور لوہی سے پرہیز کرو۔ تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ہم نے کیا ولی بننا ہے۔ اس قسم کا کلمہ میرے نزدیک کلمہ کفر ہے۔ یہ خدا تعالیٰ پر بدگمانی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور کیا کمی ہے اُسکے پاس سرکار کی طرح کوئی محدود و ناکرہاں تو نہیں ہیں جو ختم ہو جائیں۔ بلکہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلقات پیدا کر لے وہ ان فیوض سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ جو پہلے راستبازوں کو دیئے گئے تھے۔ یہ برکریاں کارۂ دشوار نیست۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے محبوب بندوں کا نام ولی رکھا ہے۔ ان کو کیا ولی بنانا خدا تعالیٰ کے نزدیک مشکل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ اُسکے نزدیک بہت سہل امر ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ انسان راستی کے ساتھ اُسکی راہ میں قدم رکھنے والا ہو۔ اور اُسکے رستے میں مہلر استقلال اور وفاداری کے ساتھ چلنے والا ہو۔ کوئی دُکھ اور تکلیف اور مصیبت اُسکے قدم کو دنگا نہ سکے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرتا ہے۔ اور اُن باتوں سے الگ ہو جاتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی نارضا مندی کا موجب ہوتی ہیں۔ اور سچی پاکیزگی اور طہارت اختیار کر لیتا ہے اور گندی باتوں سے پرہیز کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ بھی اُسکے ساتھ ایک تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اور اُسکے قریب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دوسری اختیار کرے اور گندگی سے نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ تو پھر خدا تعالیٰ بھی اُسکی پرواہ نہیں کرتا۔ جیسے کہ فرمایا فَكَمَا ذَاغُوا اِذَا غَ اللّٰهُ قُلُوْبُهُمْ (پارہ ۷)

ہماری جماعت کو چاہیے۔ کہ محنت نہ کرے۔ نیچے یہ بڑی مشکلات نہیں ہیں۔ میں تمہیں یقیناً کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے ہماری مشکلات آسان کر دی ہیں۔ کیونکہ ہم اُسے سلوک کی رہیں اور ہیں۔ ہمارے ہاں یہ حالت نہیں ہے۔ کہ گریں جھکنا جائیں۔ یا ناخن بڑھائیں یا پانی میں کھڑے رہیں۔ اور چلک شیاں کریں۔ یا اپنے ہاتھ خشک کر لیں۔ اور یہاں تا۔ نوبت پہنچے کہ اپنی صورتیں بھی مسخ ہو جائیں۔ ان صورتوں کے اختیار کرنے سے بعض لوگ بخیال خویش با خدا بننا چاہتے ہیں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ ایسی ریاضتوں سے خدا کو کیا ملتا ہے۔ انسانیت بھی جاتی رہتی ہے۔ لیکن ہمارے سلوک کا یہ طریق ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اسلام نے اُسکے لئے نہایت آسان راہ رکھ دی ہے اور وہ کشادہ راہ وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یہ دُعا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے تو ایسے طور پر نہیں۔ کہ دُعا تو سکھا دی لیکن سامان کچھ بھی مہیا نہ کیا ہو نہیں بلکہ جہاں دُعا سکھائی ہے۔ وہاں اُسکے لئے سامان بھی مہیا کر دینے میں۔ چنانچہ اس سے اگلی سورت میں اس قبولیت کا اشارہ ہے۔ جہاں فرمایا اِنَّكَ لَتَكُنْتَ

لَا تَبْتَغِ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ یہ گویا ایسی دعوت ہو جس کی سامان پہلے سے طہار کر رکھا
 ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ جو قویٰ انسان کو دے گئے ہیں۔ اگر وہ اُن سے کام لے۔ تو یقیناً دلی پہنچنا
 ہے۔ یقینی بات ہو کہ اس اہمیت میں بڑی قوت کے لوگ آتے ہیں۔ جو نور اور صدق اور وفا سے
 بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسلئے کوئی شخص اپنے آپ کو ان قویٰ سے محروم نہ سمجھے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے
 کوئی فہرست شائع کر دی ہے جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہمیں ان برکات سے حصہ نہیں ملے گا۔
 خدا تعالیٰ بڑا کریم ہے اُسکی کریمی کا بڑا گہرا سمندر ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جس کو تلاش
 کرنے والا اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہا۔ اس لئے تملک چاہیئے۔ کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر عابث
 مانگو اور اُسکے فضل کو طلب کرو۔ ہر ایک نمازیں و عاکے لئے کئی مواقع ہیں۔ رکوع۔ قیام۔ قعدہ۔
 سجدہ وغیرہ۔ پھر کھڑے ہونے میں پانچ مرتبہ نماز پڑھی جاتی ہے۔ فجر۔ ظہر۔ عصر۔ شام اور عشاء
 ان پر ترقی کر کے اشراق اور تہجد کی نمازیں ہیں۔ یہ سب دعا ہی کے لئے موقع ہیں۔ نماز کی اصلی
 غرض اور مغز دعا ہی ہے اور دعا مانگنا اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت کے عین مطابق ہے۔ مثلاً
 ہم عام طور پر دیکھتے ہیں کہ جب بچہ رونا دھونے لگتا ہے اور اضطراب ظاہر کرتا ہے تو ماں کس قدر بیقرار ہو کر
 اُسکو دودھ دیتی ہے۔ الوہیت اور عبودیت میں اسی قسم کا ایک تعلق ہے۔ جس کو ہر شخص سمجھ
 نہیں سکتا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے اور نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع
 کے ساتھ اُسکے حضور اپنے حالات کو پیش کرتا ہے۔ اور اُس سے اپنی حاجات کو مانگتا ہے۔ تو
 الوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے۔ اور ایسے شخص پر رحم کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا
 دودھ بھی ایک گریہ کو چاہتا ہے۔ اس لئے اُسکے حضور رونے والی آنکھ پیش کرنی چاہیئے۔
 بعض لوگوں کا یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کے حضور رونے دھونے سے کچھ نہیں ملتا۔ بالکل غلط اور
 باطل ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُسکے صفات قدرت و تصرف پر ایمان نہیں
 رکھتے۔ اگر ان میں حقیقی ایمان ہوتا۔ تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ جب کبھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ
 کے حضور آیا ہے اور اُسے سچی توبہ کے ساتھ رجوع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اُس پر اپنا فضل کیا
 ہے۔ یہ کسی نے بالکل سچ کہا ہے عاشق کہ شد بجالش نظر نہ کرو + اوی خواجہ درویش و گرنہ
 طیب مہت۔ خدا تعالیٰ تو چاہتا ہے۔ کہ تم اُسکے حضور پاک دل لیکر آ جاؤ۔ صرف شرط اتنی ہے
 کہ اُسکے مناسب حال اپنے آپ کو بناؤ۔ اور وہ سچی تبدیلی جو خدا تعالیٰ کے حضور جانے کے قابل بنا دیتی
 ہے اپنے اندر کر کے دکھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ میں عجیب و محجیب قدرتیں ہیں

اور اُس میں لا انتہا فضل و برکات ہیں مگر اُن کے دیکھنے اور پانے کے لئے محبت کی آنکھ پیدا کرو
 اگر سچی محبت ہو۔ تو خدا تعالیٰ بہت دُعائیں سنتا ہے اور نائیدیں کرتا ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ محبت
 اور اخلاص خدا تعالیٰ سے ہو۔ خدا کی محبت ایک ایسی شے ہے۔ جو انسان کی فعلی دغدغہ کی کوہلا کر
 اُسے ایک نیا اور مصفا انسان بنا دیتی ہے اُس وقت وہ وہ کچھ دیکھتا ہے۔ جو پہلے نہیں
 دیکھتا تھا۔ اور وہ کچھ سنتا ہے جو پہلے نہیں سنتا تھا۔ غرض خدا تعالیٰ نے جو کچھ ماندہ فضل
 کرم کا انسان کے لئے طیار کیا ہے۔ اُسکے حاصل کرنے اور اُس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے استعداد
 بھی عطا کی ہے۔ اگر وہ استعدادیں تو عطا کرتا لیکن سامان نہ ہوتا۔ تب بھی ایک نقص تھا یا اگر سامان
 نہ ہوتا لیکن استعدادیں نہ ہوتیں۔ تو کیا فائدہ تھا۔ مگر نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اُسے استعداد
 بھی دی اور سامان بھی جہت کیا۔ جس طرح پر ایک طرف روئی کا سامان پیدا کیا۔ تو دوسری طرف
 آنکھ زبان۔ دانت اور معدہ دیدیا۔ اور فکر اور معاد کو کام میں لگا دیا۔ اور ان تمام کاموں کا مدار
 غذا پر رکھ دیا۔ اگر پیٹ کے اندر ہی کچھ نہ جائیگا تو دل میں خون کہاں سے آئیگا۔ کیلوں کہاں سے
 بنے گا۔ اسی طرح پر سب کے اول اُس نے یہ فضل کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام حبیب
 مکمل دین دیکر بھیجا۔ اور آپ کو خاتم النبیین ٹھہرایا۔ اور قرآن شریف حبیبی کامل اور خاتم الکتاب عطا
 فرمائی۔ جس کے بعد قیامت تک نہ کوئی کتاب آئیگی۔ اور نہ کوئی نبی نبی نبی نبی شریعت لیکر آئیگا۔ پھر جو
 تو نے سچ اور فکر کے ہیں۔ اُن سے اگر ہم کام نہ لیں اور خدا تعالیٰ کی طرف قدم نہ اٹھائیں۔ تو کس قدر
 سُستی اور کاہلی اور ناشکری ہے۔ غور کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہلی ہی سورت میں ہمارے لئے
 کس قدر مبسوط طریق پر فضل کی راہ بتا دی ہے۔ اس سورت میں جس کو کام خاتم الکتاب اور ام الکتاب
 بھی ہے۔ صاف طور پر بتا دیا ہے۔ کہ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے۔ اور اُسکے حصول کی کیا راہ ہے
 اِنَّا لَكَ نَعِيْدُ۔ گویا انسانی فطرت کا اصل تقاضا اور منشا ہے۔ اور وہ (اِنَّا لَكَ نَسْتَعِيْنُكَ بِرَفْعِ
 کر کے یہ بتایا ہے کہ پہلے ضروری ہے۔ کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت۔ ہیئت اور سمجھ میں ہو۔ خدا تعالیٰ
 کی رضا مندی کی راہوں کے اختیار کرنے میں سعی اور مجاہدہ کرے۔ اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے
 پورا کام لے۔ اور اسکے بعد پھر خدا تعالیٰ سے اُسکی تکمیل اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے دُعائے انسانی
 زندگی کا مقصد اور غرض صراطِ مستقیم پر چلنا اور اُسکی طلب ہی۔ جس کو اس سورہ میں ان الفاظ میں
 بیان کیا گیا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ يَا اللّٰهُ ہم کو
 سیدھی راہ دکھا۔ اُن لوگوں کی راہ چن کر انعام ہو۔ اور وہ دُعائے جو ہر نمازیں اور ہر رکعت

میں مانگی جاتی ہے۔ اس دعا کا استعداد گزار ہی اس کی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہماری جماعت یا دوسرے
 کہ یہ معمولی سی بات نہیں ہے۔ اور صرف زبان سے طوطے کی طرح ان الفاظ کا رٹ دینا اصل مقصود
 نہیں ہے۔ بلکہ یہ دعا انسان کو انسان کا مل بنانے کا ایک کارگر اور خطا نہ کرنے والا نسخہ ہے۔
 جسے ہر وقت نصیب العین رکھنا چاہیے۔ اور تعویذ کی طرح مد نظر رکھنا چاہیے۔ اس آیت میں چار قسم
 کے کمالات کے حاصل کرنے کی التجا ہے۔ اگر انسان ان چار قسم کے کمالات کو حاصل کر لے گا۔ تو گو یاد دعا مانگی اور
 خلق انسانی کے حق کو ادا کر دے گا۔ اور ان استعدادوں اور تقویٰ کے بھی کام میں لایکا حق ادا ہو جائیگا
 جو اسکو دیکھی ہیں۔ اس بات کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ قرآن طریقت کے بعض حصے دوسرے حصوں
 کی تفسیر اور شرح ہیں ایک جگہ ایک امر بطریق اجمال بیان کیا جاتا ہے۔ تو دوسری جگہ وہی امر کھول کر بیان
 کر دیا گیا ہے۔ مگر یاد دوسرا پہلے کی تفسیر ہے۔ پس اس جگہ جو یہ فرمایا صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔
 تو یہ بطریق اجمال ہے۔ لیکن دوسرے مقام پر ہم کی خود ہی تفسیر کر دی ہے۔ مِنَ الْبَشَرِ وَالْغَائِبِ
 الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ منعم علیہم لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں بنی صلیق
 شہید۔ صالح۔ انبیاء میں چاروں شاہین جمع ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ اعلیٰ کمال ہے۔ ہر ایک
 انسان کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ ان کمالات کے حاصل کرنے کے لئے جہاں تک مجاہدہ سمجھ کی ضرورت
 ہو اس طریق پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے۔ کو شش کرے۔
 میں یہ بھی مانتا ہوں۔ کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے تراشے ہوئے وظائف
 اور اراد کے ذریعہ سے ان کمالات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یا خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرنا
 چاہتے ہیں۔ لیکن میں نہیں کہتا ہوں کہ جو طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار نہیں کیا۔
 وہ محض فضول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر منعم علیہ کی راہ کا سچا تجربہ کار اور کون
 ہو سکتا ہے۔ جن پر نبوت کے بھی سارے کمالات ختم ہو گئے۔ آپ نے جو راہ اختیار کی وہ بہت ہی صحیح
 اور اقرب ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ ایجاد کرنا خواہ وہ بظاہر کتنی ہی خوش کن معلوم ہوگی ہو۔
 میری رائے میں ہلاکت ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے سچے اتباع سے خدا ملتا ہے۔ اور آپ کے اتباع کو چھوڑ کر خواہ کوئی سادہ بی علم لکڑی مارتا رہے۔
 گوہر مقصود اسکے ہاتھ میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ سجدی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہیں الفاظ
 بتاتا ہے۔ یہ بڑھد و مع کوش و صدق و صفا۔ و لیکن میفرمائے بر مصطفیٰ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم کی راہ کو ہرگز نہ چھوڑو۔ میں دیکھتا ہوں کہ قسم قسم کے وظیفے لوگوں نے ایجاد کر لئے ہیں۔ اُلٹے

سیدھے لٹکتے ہیں۔ اور جو گیوں کی طرح راہبانہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب بیفائدہ ہیں۔ انبیاء کی یہ سنت نہیں کہ وہ اُلٹے سیدھے لٹکتے رہیں یا لُغی اثبات کئے کر کریں اور ارادہ کے ذکر کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے اسوہ حسنہ فرمایا۔ **وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** (دیارہ)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلو۔ اور ایک ذرہ بھر بھی اور یا اوپر ہونے کی کوشش نہ کرو۔

غرض نعم علیہم لوگوں میں جو کمالات ہیں اور **صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** میں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اُنکو حاصل کرنا ہر انسان کا اصل مقصد ہے۔ اور ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کے قائم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی عبادت تیار کرے جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طیار کی تھی۔ تاکہ اس آخری زمانہ میں یہ جماعت قنوان شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور عظمت پر بطور گواہ ٹھہرے۔ ان کمالات میں سے جو نعم علیہم گروہ کو دئے جاتے ہیں پہلا کمال نبوت کا کمال ہے۔ جو بہت ہی اعلیٰ مقام پر واقع ہے ہمیں افسوس ہے کہ وہ الفاظ نہیں ملتے جنہیں اس کمال کی حقیقت بیان کر سکیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر کوئی چیز اعلیٰ ہوا سکے بیان کرنے کے واسطے اسی قدر الفاظ کمزور ہوتے ہیں۔ اور نبوت تو ایسا مقام ہے کہ انسان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی وجہ اور مرتبہ نہیں ہے۔ تو پھر یہ الفاظ میں کیونکر بیان ہو سکے۔ مختصر اور ناکافی طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان جب عقلی زندگی کو چھوڑ دیتا ہو اور بالکل سادہ کی پہچانی کی طرح اس زندگی سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی حالت (اور ہو جاتی ہے وہ بظاہر اسی زمین پر چلتا پھرتا۔ کھانا پیتا ہے۔ اور اسپر تافون قدرت کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسو دوسرے لوگوں پر۔ لیکن باوجود اسکے بھی وہ اس دنیا سے الگ ہوتا ہے۔ اور وہ ترقی کرتے کرتے اس مقام پر جا پہنچتا ہے جو لفظ نبوت کہلاتا ہے۔ اور جہاں وہ خدا نے تعالیٰ سے مکالمہ کرتا ہے۔ یہ مکالمہ یوں شروع ہوتا ہے۔ کہ جب وہ نفس اور اسکے تعلقات سے الگ ہو جاتا ہے تو پھر اس کا تعلق محض اللہ تعالیٰ سے ہی ہوتا ہے اور اُسی سے وہ مکالمہ کرتا ہے۔ انسان کی حالت ایسی واقع ہوئی ہے کہ یہ کبھی کہتا اور بیکار نہیں رہتا ہے اور نفس کلام سے بھی کبھی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ نفس اور شیطان سے اسی اس کا مکالمہ شروع رہتا ہے۔ اگر کوئی اور بات کرنے والا نہ ہو۔ بعض اوقات لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک انسان بالکل خاموش ہو۔ لیکن درحقیقت وہ خاموش نہیں ہوتا۔ اس کا سلسلہ کلام اپنے نفس سے شروع ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ بہت ہی لمبا ہوتا ہے اور شیطانی رنگ میں اسے خود لمبا کرتا ہے۔ اور بشری سے

سے اُسے لبا ہونے دیتا ہے۔ یہ سلسلہ کلام کبھی خیالی فسق کے رنگ میں ہوتا ہے اور کبھی بہبود اور
جھوٹی تمنائوں کے رنگ میں۔ اور اس سے وہ کبھی فارغ نہیں رہتا۔ جب تک کہ اس غلی زندگی کو چھوڑ دے
یہ بھی یاد رکھو۔ کہ اس قسم کے خطرات اور خیالات کا سلسلہ جسے انسان لبا نہیں ہونے دیتا۔ اور ایک
معمولی خیال کی طرح اکروٹل سے محو ہو جاتا ہے وہ معاف ہیں۔ لیکن جب اس سلسلہ کو لبا کرنا ہے۔ اور اُس پر
غریت کرنا ہے تو وہ گناہ ہے۔ اور اُنکی جواب دہی کرنی پڑیگی۔ (الحکم جلد ۸ ص ۷۲)۔

جب انسان اُن خیالات کو جو اُسکے دل میں پیدا ہوتے ہیں دور کر دیتا ہے اور اُنکو لبا نہیں ہونے دیتا۔
تو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ معافی کے قابل ہیں لیکن جب اُنکے سلسلہ کی درازی میں ایک لذت پاتا ہو
اور اُن کو بڑا تاجلا جاتا ہے۔ تب وہ قابل مواخذہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں غریت شامل ہو جاتی ہے
جیسا کہ پہلے ہی بیان کیا ہے۔ اس بات کو خوب یاد رکھو۔ کہ کلام نفسی دو قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی
شیطانی۔ جو خیالی فسق و فجور کے سلسلہ میں چلا جاتا ہے اور اُنکو لوگوں کے ایک بے سلسلہ

میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب تک انسان ان دونوں سلسلوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اسے شیطانی
دول کا بہت اندیشہ ہوتا ہے۔ اور اس امر کا زیادہ امکان ہوتا ہے کہ وہ اس طرح سے نقصان اٹھائے
اور شیطان اُسے زخمی کرے۔ مثلاً کبھی کوئی منصوبہ باندھتا ہے۔ کہ فلاں شخص میری فلاں غرض
اور مقصد میں بڑا غفل ہو اُسے مار دیا جائے یا فلاں شخص نے مجھے لڑکر کے بلایا ہے اسکا بدلہ لیا جائے اور
اُسکی ناک کاٹ دی جائے۔ غرض اسی قسم کے منصوبوں اور اصراروں میں لگا رہتا ہے۔ یہ مرض سخت
خطرناک ہو۔ وہ نہیں سمجھتا کہ ایسی باتوں سے نفس کا کیا نقصان کر رہا ہوں۔ اور اس سے میری اخلاقی
اور روحانی قوتوں پر کس قسم کا بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ اسلئے اس قسم کے خیالات سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ جب
کبھی کوئی ایسا بہودہ سلسلہ خیالات شروع ہو۔ تو فوراً اُسکے رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے
استغفار پڑھو۔ لا حول کے فوراً سے خدا تعالیٰ کی مدد اور توفیق چاہو اور خدا تعالیٰ کی کتاب کے پڑھنے
میں اپنے آپکو مصروف کرو۔ اور یہ سمجھ لو۔ کہ اس قسم کے خیالی سلسلہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں۔ بلکہ
سراسر نقصان ہی نقصان ہے اگر دشمن مر بھی جاوے تو کیا اور زندہ رہے تو کیا۔ نفع و نقصان کا پہنچانا
خدا تعالیٰ کے قبضہ مافیتا میں ہے۔ کوئی شخص کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ سعدی نے گلستاں میں
ایک حکایت لکھی ہے کہ نوشیرواں بادشاہ کے پاس کوئی شخص خوشخبری لیکر گیا کہ تیرا فلاں دشمن مارا گیا
ہے اور اسکا لنگ اور قلعہ ہمارے قبضہ میں آگیا ہے۔ نوشیرواں اسکا کیا اچھا جواب دیا۔
مرا بزرگ مدد جائے شادمانی نیست + کہ زندگانی مایہ نیر جاودانی نیست -

پس انسان کو چاہئے کہ اس امر پر غور کرے کہ اس قسم کے منصوبوں اور اوصیٰ بن سے کیا فائدہ اور کیا خوشی۔ یہ سلسلہ تو بہت ہی خطرناک ہے۔ اور اسکا علاج ہے۔ توبہ۔ استغفار۔ لاجل اور خدا تعالیٰ کی کتاب کا مطالعہ۔ بیکارسی اور بے شغلی میں اس قسم کا سلسلہ بہت لمبا ہو جایا کرتا ہے۔ دوسری قسم کلام نفس کی لانی ہے۔ یہ سلسلہ بھی چونکہ بجا خواہشوں کو پیدا کرتا ہے۔ اور طرح حسد۔ اور خود غرضی کے امر ان اس سے پیدا ہوتے ہیں اسلئے جو بہی کہ یہ سلسلہ پیدا ہو۔ فوراً اسکی صف لیٹ دو۔ میں نے تقسیم کلام نفس کی جو کی ہے۔ یہ دونو قسمیں انجام کار انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ لیکن بنی ان دونو قسم کے سلسلہ کلام سے پاک ہوتا ہے۔ **مہجوت** کیا ہے؟ یہ ایک جو ہر خدا واد ہے۔ اگر کرے ہوتا تو سب لوگ بنی ہوجاتے بنیوں کی فطرت ہی اس قسم کی نہیں ہوتی۔ کہ وہ ان بجا سلسلہ کلام میں مبتلا ہوں۔ وہ نفسی کلام کرتے ہی نہیں حالانکہ دوسرے لوگوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ان سلسلوں میں کچھ ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا خانہ ہی خالی رہ جاتا ہے۔ برضات اسکے بنی ان دونو سلسلوں سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ میں کچھ ایسے کم ہوتے ہیں۔ اور اسکے مخاطبہ و مکالمہ میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ ان سلسلوں کے لئے اُنکے دل و دماغ میں سہائی اور گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے دل و دماغ میں صرف خدا تعالیٰ کا ہی سلسلہ کلام رہ جاتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس صرف وہی حصہ باقی ہوتا ہے۔ اسلئے خدا تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو مخاطب کرنے رہتے ہیں۔ تنہائی اور بیکارسی میں بھی جب ایسے خیالات کا سلسلہ ایک انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اسوقت اگر کوئی شخص نبی کو بھی ویسی ہی حالت میں دیکھے تو شاید غلطی اور ناواقفی سے سمجھ لیگا کہ اب اسکا سلسلہ کلام بھی خدا تعالیٰ سے نہ ہوگا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا بنی ہر وقت خدا تعالیٰ ہی سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اور یہی دعا کرتا رہتا ہے کہ اے خدا میں تجھ سے پیار کرتا ہوں۔ اور تیری ہی رضا کا طالب ہوں۔ مجھ پر ایسا فضل کر کہ میں اس نقطہ اور مقام تک پہنچ جاؤں جو تیری رضا کا مقام ہے مجھے ایسے اعمال کی توفیق دے جو تیری نظر میں پسندیدہ ہوں۔ دنیا کی آنکھ کھول کر وہ تجھے پہچانے۔ اور تیرے آستانہ پر گرے۔ یہ اُنکے خیالات ہوتے ہیں۔ اور یہی اُنکی آرزوئیں۔ اور اُن میں وہ ایسا محو اور فضا ہوتا ہے کہ دوسرا آدمی اسکو شناخت نہیں کر سکتا بنی اس سلسلہ کو ذوق کے ساتھ دہرا کرتا ہے۔ اور پھر اس میں اُس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ اُسکا دل پگھل جاتا ہے اور اُسکی روح بہ نکلتی ہے۔ وہ پورے زور اور طاقت کے ساتھ آستانہ الہی پر گر جاتی اور **اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ رَبِّیْ** کہہ نکارتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم جوش میں آتا ہے۔ اور وہ اُسکو مخاطب کرتا اور اپنے کلام سے اُسکو جواب دیتا ہے۔ یہ ایسا لذیذ سلسلہ ہے کہ ہر شخص

اسکو سمجھ نہیں سکتا۔ اور یہ لذت ایسی ہے۔ کہ الفاظ اسکو ادا نہیں کر سکتے۔ پس وہ بار بار تسبیح کی طرح باب ربوبیت کو ہی کھٹکا کر رہتا ہے۔ اور دلوں ہی اپنے لئے راحت و آرام پاتا ہے۔ وہ دنیا پس ہوتا ہے۔ لیکن دنیا سے الگ ہوتا ہے۔ وہ دنیا کی کسی چیز کا آرزو مند نہیں ہوتا۔ لیکن دنیا اسکی خادم ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اسکے قدموں پر دنیا کو لاؤالتا ہے۔ یہ ہے مختصر حقیقت نبوت کے مقام کی۔

یہاں کلام نفسی کے دونوں سلسلے مجسم ہو جاتے ہیں۔ اور تیسرا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جس کا مبداء اور منتھا خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے اسوقت وہ خدا تعالیٰ کے مقام کو جذب کرتا ہے اور اس میں اس قسم کے وظائف اور افغاٹ احلام نہیں ہوتے۔ جو نفسی کلام میں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ دنیا سے انقطاع کلی کئے ہوئے ہوتا ہے۔ جیسے کہ ایک نفسانی خواہشوں کو اسیر رہتی محبوبہ سے تعلق پیدا کر کے ہمہ گوش ہو کر تصور کرتا ہے اور اسے نفسانی لذت کا معراج پاتا ہے۔ اور قطعاً نہیں چاہتا کہ وہ کسی دوسرے کو

لے۔ اسی طرح پر نبی خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات کو یہاں تک پہنچاتا ہے۔ کہ وہ اس تنہائی اور خلوت میں کسی دوسرے کا دخل ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ اپنے محبوب کو محکام ہوتا ہے اور اسی میں لذت اور راحت پاتا ہے۔ وہ ایک دم کے لئے بھی اس خلوت کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن خدا تعالیٰ اسکو دنیا کے سامنے لاتا ہے۔ تاکہ وہ دنیا کی اصلاح کرے اور خدا نامائیتہ ٹھہرے۔ بنی طبعاً ایک لذت اور کیفیت پاتا ہے اور اسے خدا تعالیٰ ہی میں چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ میں اس کیفیت و حقیقت کو بیان نہیں کر سکتا۔ اگرچہ دل اس لذت سے بھرا ہوا ہے۔ اور اس فکر کی درازی اور بھی لذت بخش ہے مگر وہ الفاظ کہاں سے لاؤں میں اسکو ظاہر کر سکوں۔

بعض نادان لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ جبکہ انبیاء ایسے فنا فی اللہ ہوتے ہیں اور دنیا اور اسکی لذت دور بھاگتے ہیں پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ وہ بیباں اور بچے بھی رکھتے ہیں؟ ایسے متفرنین اتنا نہیں سمجھتے۔ کہ ایک شخص تو ان باتوں کا اسیر اور ان فانی لذتوں میں فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے خلاف انبیاء کا گروہ ان باتوں سے پاک ہوتا ہے۔ یہ چیزیں ان کے لئے محض خادم کے طور پر ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں انبیاء ہر قسم کی اصلاح کے لئے آتے ہیں پس اگر وہ بیوی بچے نہ رکھتے ہوں تو اس پہلو میں تکمیل اصلاح کیونکر ہوتی۔ اسی لئے ہیں کہتا ہوں کہ عیسائی لوگ معاشرت کے متعلق حضرت مسیحؑ کا دنیا کے دہرو کیا نمونہ پیش کر سکتے ہیں؟ کچھ بھی نہیں۔ جب وہ اس راہ سے ہی ناواقف ہیں اور راجح سوچ بچار تو وہ کیا اصلاح کر سکیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی کمال ہے کہ ہر پہلو میں آپکا نمونہ کامل ہے دنیا اور اسکی چیزیں انبیاء پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں۔ اور وہ فانی لذتوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں

کیا کرتے۔ بلکہ انکا دل خدا تعالیٰ کی طرف اُس دریا کی ایک تیز دھار کی طرح جو پہاڑ سے گرتی ہے بہتا ہی
 اور اسکی تہ میں ہر خس و خاشاک بہ جاتا ہے۔ عرَض من انبیاء علیہم السلام ان چیزوں کے غلام نہیں ہوتے
 بلکہ یہ چیزیں اُن کے لئے بطور خادم ہوتی ہیں اور اُن کے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی کمالات کا نمونہ اُن کے ہاں
 نوکرا و رفیق میں جو خدا تعالیٰ کے تصور اور محبت میں اُنہیں ملتا ہے کچھ ہیج پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کچھ
 ایسے محو اور فنا ہوتے ہیں کہ دُنیا سے بالکل الگ ہوتے ہیں جب اس قسم کی ربودگی ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ
 کی طرف سے آوازیں آتی نکلتی ہیں اور کمالات الہیہ ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب جذب
 کی قوت کسی چیز میں ہوتی ہے تو وہ دوسرے کو اپنے اندر جذب کرتی ہے۔ انبیاء کے جذب میں اس قدر
 قوت ہوتی ہے کہ دُنیا اور مینہا کی ساری باتیں اُس میں بھسم ہو جاتی ہیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل
 اور فیض کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہے اور اس سلسلہ کو باقی تمام سلسلوں پر تقدم اور فوق ہو جاتا ہے۔
 لیکن اُس کے لئے جگہ بھرہ و سچھ کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر یہ راہ نہیں چل سکتی۔ جیسا کہ فرمایا وَاللّٰہِکِ جَاہِدُنَا
 فِیْ سَنَآئِمَہِمْ سُبُّکَا دِیَارِہٖ اور اسی کی طرف اشارہ ہے اَیَاکَ نَعْبُدُہٗ۔ اگرچہ
 اَیَاکَ نَعْبُدُکَ کو اَیَاکَ نَسْتَعِیْنُ پر تقدم ہے۔ لیکن پھر بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے
 کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت نے سبقت کی ہوئی ہے اَیَاکَ نَعْبُدُکَ بھی کسی قوت نے کہلوا یا ہے اور
 وہ قوت جو پوشیدہ ہی پوشیدہ اَیَاکَ نَعْبُدُکَ کا اقرار کرتی ہے۔ کہاں سے آئی۔ کیا خدا تعالیٰ
 نے ہی وہ عطا نہیں فرمائی ہے؟ بیشک وہ خدا تعالیٰ کا ہی عطیہ ہے۔ جو اُس نے محض رحمانیت
 سے عطا فرمائی ہے۔ اسکی شریک اور توفیق سے یہ اَیَاکَ نَعْبُدُکَ بھی کہتا ہے۔ اس پہلو سے اگر غور
 کریں تو اُسکو تاخر ہے اور دوسرے پہلو سے اُسکو تقدم ہے۔ یعنی جب یہ قوت اُسکو اسباب کی
 طرف لاتی ہے تو یہ تاخر ہو گیا۔ اور بصورت اول تقدم۔ اسی طرح ہر سلسلہ نبوت کی فلاسفی کا خلاصہ
 یا مفہوم ہے (الحکم جلد ۹ ص ۷۷) یہ تو ممکن ہے کہ ہزار انسان ملہم ہوںیکا دعویٰ کریں اور ثبات
 نبوت اور کلام الہی کی حجت قائم کرنے کے واسطے یہ ضروری امر ہے۔ لیکن امر نبوت پیشِ قصود بالذات
 ایک اور امر ہوتا ہے جو خاص نبیوں سے مخصوص ہوتا ہے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی
 شے آتی ہے تو اُس کے لوازم اُس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ لوازم سے الگ ہو۔ مثلاً جب کھانا
 اُٹھیکا۔ تو اُس کے لوازم ساتھ ہی ہونگے۔ ہر قسم کے برتن۔ پانی۔ یہاں تک کہ ضلال بھی ویدینگے۔ اسی طرح
 پر نبوت کے ساتھ لوازمات نبوت بھی ساتھ ہوتے ہیں اور منجملہ اُن لوازمات کے ایک یہ بھی ہے
 کہ کلام نفسانی کا سلسلہ بالکل ختم ہو جاتا ہے اور یہ امر اہل کیفیت کے لوازم میں سے ہے۔

اور اُسکے آثار اور علامات کی دلیل وہ پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔ جو خدا تعالیٰ انہیں عطا کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو۔ کہ فیصل کا ایک اور نام آسمان پر ہوتا ہے جس سے دوسرے لوگ آشنا بھی نہیں ہوتے اور بعض وقت جب وہ آسمانی نام دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے تو لوگوں کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ مثلاً میرے ہی معاملہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام سید ابن مریم بھی رکھا ہے۔ جس پر بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارا نام تو غلام احمد ہے۔ مگر وہ اس راہ کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ اسرار نبوت میں سے ایک بات ہے۔ غرض جب دو نو قسم کے جھوٹے مکملے ختم ہو جاتے ہیں تو پھر اُس کا دل بولتا ہے۔ اور ہر وقت بولتا رہتا ہے۔ حرکت کرتا ہے۔ تب بھی اُس سے آواز آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں ہزار لوگ اُسکے پاس اور اور قسم کی باتوں میں مشغول ہوں مگر یہ اپنے اس سلسلہ میں لذت پاتا ہے اور اپنے محبوب کے کلام کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ یہی وجہ اسکی جمعیت قلب کی ہوتی ہے۔ کوئی مشور و شر اور سکو پر اکتندہ نہیں کر سکتا۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ ایک عاشق چاہتا ہے کہ وہ اپنے معشوق اور محبوب کے حسن و جمال پر پوری اطلاع پالے۔ اور ہر وقت اُس سے کلام کرتا رہے۔ مگر ایسا نہیں ہو کرنا اور اس قسم کی دنیاوی خواہشیں میل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والا اور اُسکے عشق میں گرم شدہ قوم یعنی انبیاء و آلان جھوٹے اور فانی عاشقوں کے عشق سے کہیں بڑھ کر اپنے اندر جوش رکھتی ہے۔ کیونکہ اُن کا خدا وہ خدا ہے جو ٹھیکنے والوں کی طرف جھکتا ہے۔ اور وہ اُن پر بہت زیادہ توجہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف آئیوا لا اگر معمولی چال سے چلتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُسکی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ پس جس شخص کی توجہ ایسے خدا کی طرف ہو جائے اور وہ اسکی محبت میں کھویا جائے تو اُس محبت اور عشق الہی کی آگ اُسکی امانی اور نفسانی خیالات کو جلا دیتی ہے۔ اور اُسکے اندر روح ناطق بھر جاتی ہے۔ اور وہ پاک نطق جو اُسکے اندر شروع ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا نطق ہوتا ہے۔ جسے دوسرے رنگ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ خدا تعالیٰ سے دھما کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے۔ پس یہ ایک کمال نبوت ہے۔ جسے اَلْعَمَّتْ عَلَیْہِمْ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری بات ہے۔ کہ حبیب انسان اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی دعا مانگے۔ تو اُسکے پیش نظر یہ رہنا چاہئے۔ کہ وہ اس کمال نبوت کو حاصل کرے۔

پھر دوسرا کمال صدیقیوں کا کمال ہے۔ صدیقِ سالوہ کا صیغہ ہے۔ یعنی جو بالکل استنبازی میں فنا شدہ ہو۔ اور کمالِ درجہ کا پابندِ استنبال اور عاشقِ صامق ہو۔ یہ ایک ایسا مقام ہے کہ جب ایک شخص اس درجہ پر پہنچتا ہے۔ تو وہ ہر قسم کی صداقتوں اور استنبازیوں کا مجموعہ اور

ان کو کشش کر دیا لہذا ہوتا ہے جس طرح پر صدیق کمالات صداقت کا جذب کرنے والا ہوتا ہے۔ بقول
 شمسہ روز رکشہ جہاں گنج گنج۔ جب ایک شے بہت بڑا ذخیرہ پیدا کر لیتی ہے تو اس میں اپنی
 قسم کی اشیاء کو جذب کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ صدیق کے کمال کے حصول کا فلسفہ یہ ہے
 کہ جب وہ اپنی کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر اپنی طاقت اور حیثیت کے موافق اپنا ک نعبہ کہتا اور
 صدق اختیار کرتا اور جھوٹ کو ترک کر دیتا ہے اور ہر قسم کے حبس اور پلیدی سے جو جھوٹ کے ساتھ
 وابستہ ہوتی ہے دور بھاگتا ہے اور عہد کر لیتا ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ جھوٹی گواہی نہ دوں گا۔ اور
 نہ ہند نہ فسائی کے رنگ میں کوئی جھوٹی کلام نہ کروں گا۔ نہ لغو طور پر نہ کسب خیر اور نہ دفع شر کے لئے یعنی
 کسی رنگ اور حالت میں بھی جھوٹ کو اختیار نہیں کروں گا۔ جب اس حد تک وعدہ کرتا ہے۔ تو گویا
 اِنَّا كَ نَعْبُدُ پر وہ ایک خاص عمل کرتا ہے۔ اور اس کا وہ عمل اعلیٰ اور جب کی عبادت ہوتی ہے۔
 اِنَّا كَ نَعْبُدُ سے آگے اِنَّا كَ نَسْتَعِينُ ہے۔ خواہ یہ اُس کے منہ سے نکلے یا نہ نکلے۔ لیکن
 اللہ تعالیٰ جو مبداء فیوض اور صدق اور راستی کا سر شہ ہے۔ اُس کو ضرور مدد دیگا اور صداقت کے
 اعلیٰ اصول اور حقائق اُس پر کھول دیگا۔ مثلاً جیسے کہ یہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ جو تا جہاں چھے اصولوں پر چلتا
 ہے۔ اور استبازی اور ناداری کو کھتہ سے نہیں دیتا۔ اگر وہ ایک پیسہ سے بھی تجارت کرے۔ تو
 اللہ تعالیٰ اُسے ایک پیسہ کے بدلے لاکھوں روپے دیدیتا ہے۔ اسی طرح جب عام طور پر ایک انسان
 راستی اور استبازی سے محبت کرتا ہے اور صدق کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ تو وہی راستی اس عظیم الشان
 صدق کو کھینچ لاتی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کو دکھا دیتی ہے۔ صدق مجسم تو ان شریف ہے اور صدق آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی مہاک ذات ہے۔ اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے مامور و مرسل حق اور صدق ہوتے ہیں۔
 پس جب اس صدق تک پہنچ جاتا ہے تب اُسکی آنکھ کھلتی ہے۔ اور اُسے ایک خاص بصیرت ملتی ہے
 جس سے معارف قرآنی اُس پر کھلنے لگتے ہیں۔ میں اس بات کے ماننے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہوں۔ کہ وہ
 شخص جو صدق سے محبت نہیں رکھتا اور استبازی کو اپنا شعار نہیں بناتا۔ وہ قرآن کریم کے معارف
 کو سمجھ بھی سکے۔ اس لئے کہ اُس کے قلب کو اس سے مناسبت ہی نہیں۔ کیونکہ یہ تو صدق کا چہرہ ہے اور اس سے
 وہی پی سکتا ہے جس کو صدق سے محبت ہو۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ معارف قرآنی صرف اسی
 بات کا نام نہیں۔ کہ کبھی کسی نے کوئی کلمہ بیان کر دیا۔ اُسکی تو وہی مثال ہے۔ گاہہ باشد کہ کو د کے
 ناعاں و بخلط بہر بہت مذہبیرے۔ نہیں قرآنی حقائق و معارف کے بیان کرنے کے لئے قلب کو
 مناسبت اور کشش اور تعلق حق اور صدق سے ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہاں تک اس میں ترقی اور کمال ہوتا ہے

کہ وہ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اسکی نگاہ جیب پڑتی ہے۔ صدق پر ہی پڑتی ہو
 اور اسکو ایک خاص قوت اور امتیازی طاقت دی جاتی ہے جس سے وہ حق و باطل میں فی الفور امتیاز کر لیتا
 ہے۔ یہاں تک کہ اسے مول میں ایک قوت آ جاتی ہے۔ جس کی ایسی تیز حس ہوتی ہے۔ جو اسے دور سے ہی
 باطل کی بو آ جاتی ہے۔ یہی وہ ستر ہے جو لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ میں رکھا گیا ہے حقیقت
 میں جب تک انسان جھوٹ کو ترک نہیں کرتا۔ وہ مہتر نہیں ہو سکتا۔ تاہم اگر وہ نیا دار کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹ
 کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک بیہودہ گوئی ہے۔ اگر سچ سے گزارہ نہیں ہو سکتا۔ تو پھر جھوٹ سے
 ہرگز گزارہ نہیں ہو سکتا۔ افسوس کہ یہ بوجہ لوگ خدا تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے۔ وہ نہیں جانتے کہ خدا
 کے فضل کے ہرگز گزارہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنا معبود اور شکل کث جھوٹ کی تجاسٹ کو ہی سمجھتے ہیں۔
 اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جھوٹ کو بتوں کی تجاسٹ کے ساتھ وابستہ کر کے بیان
 فرمایا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ ہم ایک آدم کیا ایک سانس بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں لے سکتے ہمارا
 جسم میں کیا کیا قوی ہیں لیکن کیا ہم اپنی طاقت ہوا ان سے کام لے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں جو لوگ اپنی
 قوت باند پر بھروسہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیتے ہیں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ پر
 بھروسہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ تھپڑ توڑ کر بیٹھ رہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ اسباب سے کام
 لینا۔ اور اس کے عطا کردہ قوی کو کام میں لگانا۔ پھر نتیجہ کے لئے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنا یہی حقیقی راہ ہے
 اور خدا تعالیٰ کی قدر ہے۔ جو لوگ خدا واد توئے سے کام نہیں لیتے اور صرف منہ سے کہہ دیتے ہیں
 کہ ہم خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ
 کو آزماتے ہیں۔ اور اسکی عطا کردہ قوتوں اور طاقتوں کو لغو قرار دیتے ہیں۔ اسطرح طرح پر اس کے حضور
 شغنی اور گستاخی کرتے ہیں۔ اور اِنِ الْاَنفُسِ الْكَافِرَةِ کے مفہوم سے دور جا پڑتے ہیں۔ اور اس پر عمل نہیں
 کرتے۔ بلکہ بغیر اس پر عمل کرنے اِنِ الْاَنفُسِ الْكَافِرَةِ کا ظہور چاہتے ہیں۔ یہ ہرگز مناسب نہیں۔ بلکہ
 جہان تک ہو سکے اور انسان کے اسکان اور طاقت میں ہو۔ رعایت اسباب ضرور کرنی چاہیئے۔ لیکن
 ان اسباب کو اپنا معبود اور مشکل کشا قرار نہ دے بلکہ ان سے کام دیکر پھر انجام تفویض الے اللہ
 کرے اور اس بات پر حیرات شکر نہ بجالائے۔ کہ خدا نے اسکو وہ طاقتیں اور قوتیں عطا فرمائے
 ہیں راجحہ جلد ۴ عطا خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ جب
 اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کھینچا جاتا ہو۔ اور خدا تعالیٰ میں فنا ہو جاتا ہے۔ تو اس سورہ کام صاف پہنچتی
 ہیں۔ جو فرائض کام کہلاتے ہیں اور اس پر اس کے اعلیٰ اوار ظاہر ہونے لگتے ہیں انسانی کمزوری کا

تو کچھ بھی ٹھکانا نہیں ہے۔ وہ ایک قدم بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید کے بغیر نہیں چل سکتا۔ میں تو یہاں تک یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے مدد ملے۔ تو وہ رفع حاجت کے بعد آزاد رہے۔
 ایک بھی باندھنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ طبیعوں نے ایک مرض بھی ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ انسان جب چھینک لے تو اُسکے ساتھ ہی ہلک ہو جاتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ انسان کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **خَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا**۔ انسان کا اپنا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ سر سے لیکر پاؤں تک اتنے اعضاء نہیں رکھتا۔ جمہود کہ اُسکو امراض لاحق ہوتے ہیں۔ جب وہ اتنی کمزوریوں کا نشانہ اور مجموعہ ہے۔ تو پھر اُسکے لئے امن اور عافیت کی یہی سبیل ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اُسکا معاملہ صاف ہو۔ اور وہ اُسکا سچا اور مخلص بندہ بن جائے۔ اُسکے لئے مرضی ہے کہ وہ صدق کو اختیار کرے۔ جب جانی نظام کی کل بھی صدق ہی ہے۔ جو لوگ صدق کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور خیانت کر کے کھراٹم کو پناہ میں لائے۔ الی سپر کذب کو خیال کرتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اتنی اور عارضی طور پر ممکن ہے اس سے کسی انسان کو کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔ لیکن فی الحقیقت کذب کے اختیار کرنے سے انسان کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ اور اندر ہی اندر اُسے ایک دیکھ، لگ جاتی ہے۔ ایک جھوٹ کے لئے پھر اُسے بہت سے جھوٹ تراشنے پڑتے ہیں۔ کیونکہ کس جھوٹ کو سچائی کا رنگ دینا ہوتا ہے۔ اسی طرح اندر ہی اندر اُسکے اخلاقی اور روحانی توبے زائل ہو جاتے ہیں اور پھر اُسے یہاں تک جرات اور دلیری ہو جاتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ پر بھی افترا کر لیتا اور خدا تعالیٰ کے مرسلوں اور مومنین کی تکذیب بھی کر دیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک مظلوم ٹھہر جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ** (پارہ) یعنی اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا باندھے یا اُسکی آیات کی تکذیب کرے۔ یقیناً یاد رکھو کہ جھوٹ بہت ہی بُری بلا ہے۔ جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر جھوٹ کا خطرناک نتیجہ اور کیا ہو گا۔ کہ انسان خدا تعالیٰ کے مرسلوں اور اُسکی آیات کی تکذیب کر کے سزا کا مستحق ہو جاتا ہے پس تمہارے لئے یہ ضروری بات ہے کہ صدق اختیار کرو۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں درج ہے۔ کہ جب وہ اپنے گھر سے طلب علم کے لئے نکلے۔ تو آپکی والدہ صاحبہ نے اُن کے حصہ کی انشی اشرفیاں اُنکی اُغل کے نیچے پیراہن میں سبی ہیں۔ اور یہ نصیحت کی۔ کہ بیٹا جھوٹ ہرگز نہ بولنا۔ حضرت سید عبدالقادر رحم جب گھر سے رخصت ہوئے تو پہلی ہی منزل میں ایک جنگل میں سے اُن کا گذر ہوا۔ جہاں چوڑی اور تر قنوں کا ایک بڑا

قافلہ رہتا تھا۔ جہاں آنکھوں پر مل کا ایک گروہ ملا۔ انہوں نے آپکو پکڑ کر دھچکا۔ کہ تمہارے پاس کیا
 ہے؟ آپ نے دیکھا۔ کہ یہ تو پہلی ہی منزل میں امتحان و پریش آیا۔ اپنی والدہ صاحبہ کی آخری نصیحت
 پر غور کی۔ اور فوراً جواب دیا۔ کہ میرے پاس انہی اشرفیاں ہیں۔ جو میری بخل کے نیچے میری والدہ صاحبہ
 نے بنی دی ہیں۔ وہ چور یہ سن کر سخت حیران ہوئے۔ کہ یہ فقیر کیا کہتا ہے۔ ایسا راستہ ہر گز نہیں
 نہیں دیکھا۔ وہ آپکو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ اور سارا قصہ بیان کیا۔ اُس نے بھی جب آپ سے
 سوال کیا۔ تب بھی آپ نے وہی جواب دیا۔ آخر جب آپ کے پیروں کے اُس حصہ کو بچاؤ کو دیکھا گیا۔ تو واقعی
 اسیں انہی اشرفیاں موجود تھیں۔ ان سب کو حیرانی ہوئی۔ اس پر ان کے سردار نے پوچھا کہ یہ کیا بات
 ہے۔ اس پر آپ نے اپنی والدہ صاحبہ کی نصیحت کا ذکر کو یا اور کہا۔ کہ میں طلبہ میں سے لے کر گھر سے نکلا
 ہوں۔ اگر پہلی ہی منزل پر جھوٹ بولتا تو پھر کیا حاصل کر سکتا۔ اسلئے میں نے سچ کو نہیں چھوڑا۔ جب آپ کو
 یہ بیان فرمایا۔ تو قزاقوں کا سوار چنگ ناکرہ پڑا اور آپ کے قدموں پر گر گیا۔ اور اپنے سابلہ گناہوں سے
 توبہ کی۔ کہتے ہیں۔ کہ آپ کا سب سے پہلا مرید یہی شخص تھا۔ غرض صدق ایسی شے ہے جو انسان کو
 مشکل سے مشکل وقت میں بھی نجات دلا دیتی ہے۔ سعدی رح نے سچ کہا ہے کہ سہ کس مہیم
 کہ گم شد از رو راست پس حسب قدر انسان صدق کو اختیار کرتا ہے اور صدق سے محبت کرتا ہے۔
 اُسی قدر اُس کے دل میں خدا تعالیٰ کے کلام اور انبیاء کی محبت اور معرفت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تمام
 راستہ بازوں کے نمونے اور حشمے ہوتے ہیں۔ کُوْنُ اَمَّا الْعَصَادِ قِسْمٌ کا ارشاد اسی اصول پر ہو
 مختصر یہ کہ دوسرا کمال اَلْمَعْرِفَةِ عَلِيمٌ میں صدیقوں کا کمال ہے اور اس کمال کے حاصل ہونے
 پر قرآن شریف کے حقائق اور معارف کھلتے ہیں۔ لیکن یہ فضل اور فیض بھی محض تائید الہی سے آتا ہے۔
 ہمارا توبہ مذہب ہو۔ کہ خدا تعالیٰ کی تائید اور فضل کے بغیر ایک انگلی کا بلانا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ انسان
 کا فرض ہے۔ کہ سعی اور مجاہدہ کر کے اور جہالتک اس سے ممکن ہو کہ شمش کرے اور اُسکی توفیق بھی
 خدا تعالیٰ سے ہی چاہے۔ کبھی اُس سے یابوس ہو۔ کیونکہ میں کبھی یابوس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے
 نے خود بھی فرمایا ہے۔ لَا يَنْفِئُ مِنْ دَوِّجِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (پارہ ۱۳) اللہ تعالیٰ
 کی رحمت سے کافراں اُنبہ ہوتے ہیں۔ نا اُمیدی بہت ہی بُری بلا ہے۔ اہل میں نا امید وہ ہوتا ہے۔ جو
 خدا تعالیٰ پر بدظنی کرتا ہے۔ یہ خوب یاد رکھو۔ کہ ساری خرابیاں اور بُرائیاں بدظنی سے پیدا ہوتی ہیں
 اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت منع فرمایا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اِنْ تَبْغِضِ الظَّنَّ اِنَّهُ كَرْمُولُ
 لوگ ہم سے بدظنی نہ کرتے اور صدق اور استقلال کے ساتھ اگر ہماری باتیں سننے۔ ہماری کتابیں پڑھتے

اور ہمارے پاس دیکر ہمارے حالات کا مشاہدہ کرتے تو وہ الزامات مجھ پر لگاتے ہیں مگر گنہ لگاتے۔
 لیکن جب انہوں نے خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کی غفلت نہ کی۔ اور اُس پر کاربند نہ ہوئے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا
 کہ مجھ پر بدظنی کی اور میری جماعت پر بھی بدظنی کی۔ اور بھوٹے الزامات اور اتہامات لگانے شروع کر دیئے
 یہاں تک کہ بعض نے بڑی بے باکی سے یہ لکھ دیا۔ کہ یہ تو ہر یوں کا گروہ ہے اور یہ لوگ نمازیں نہیں پڑھتے
 روزه نہیں رکھتے وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر وہ اس بدظنی سے بچتے تو انکو جھوٹ کی لعنت کے نیچے نہ آنا پڑتا
 اور وہ اس سے بچ جاتے۔ میں سوچ کہتا ہوں کہ بدظنی بہت ہی بُری بلا ہے جو انسان کے ایمان کو تباہ کر دیتی
 ہے۔ اور صدق اور راستی سے دور پھینک دیتی ہے۔ دوستوں کو دشمن بنا دیتی ہے۔ صدیقیوں کے
 کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان بدظنی سے بہت ہی بچے۔ اور اگر کسی کی نسبت کوئی
 سوء ظن پیدا ہو تو کثرت کے ساتھ استغفار کرے۔ اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرے تاکہ اس معصیت
 اور اس کے بُرے نتیجے سے بچ جائے۔ جو اس بدظنی کے پیچھے آئے والا ہے۔ اسکو کبھی معمولی چیز نہیں
 سمجھنا چاہیے یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے جس سے انسان بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔ (الحکم
 جلد ۹ ص ۷۷۷)

غرض بدظنی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ لکھا ہے۔ کہ جس وقت دوزخی لوگ جہنم میں ڈالے
 جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے یہی فرما بیگا۔ کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے بدظنی کی۔ بعض لوگ اس خیال کے
 بھی ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اخطا کا عدل کو معاف کر دینا اور نیکو کا عدل کو عذاب دینا۔ ایسا
 خیال بھی اللہ تعالیٰ پر بدظنی ہے۔ اسلئے کہ اوسکی صفت عدل کے سر اسر خلافت ہو گویا نیکی اور اوستے
 نتائج کو جو قرآن شریف میں اُسے مقرر فرمائے ہیں بالکل منقطع کر دینا اور بے سود ٹھہرانا ہے۔ پس
 خوب یاد رکھو کہ بدظنی کا انجام جہنم ہے اسکو معمولی مرض نہ سمجھو۔ بدظنی سے ناامیدی اور ناامیدی سے جراثیم
 اور جراثیم سے جہنم ملتا ہے۔ بدظنی صدق کی جڑ کاٹنے والی چیز ہے۔ اسلئے تم اُس سے بچو۔ اور صدیق کے
 کمالات حاصل کرنے کے لئے دعائیں کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو
 صدیق کا خطاب دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی بہتر جانتا ہے۔ کہ آپ میں کیا کیا کمالات تھے۔ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اُس چیز کی وجہ سے ہے
 جو اُسکے دل کے اندر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو صدق دکھایا
 اُسکی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہر زمانہ میں جو شخص صدیق کے کمالات حاصل کرنے کی خواہش کرے
 اُسکے لئے یہ ضروری ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور فطرت کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے جہان تک ممکن ہو

مجاہدہ کرے۔ اور پھر حق المقدور دعا سے کام لے۔ جیتک ابو بکرؓ فطرت کا سایہ اپنے اوپر ڈال نہیں
 لیتا اور اُسی رنگ میں رنگین نہیں ہو جاتا۔ صدیقی کالات حاصل نہیں ہو سکتے۔ ابو بکرؓ فطرت کیا
 ہے؟ اس پر مفصل بحث اور کلام کا یہ موقع نہیں کیونکہ اس کے تفصیلی بیان کے لئے بہت وقت درکار ہے
 میں مختصراً ایک واقعہ بیان کر دیتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اظہار
 فرمایا۔ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ شام کی طرف سوداگری کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے جب واپس
 آئے تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ایک شخص آپ سے ملا۔ آپ نے اُس سے کئے کے حالات دریافت فرمائے
 اور پوچھا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ جیسا کہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان سفر سے واپس آتا ہے
 تو راستہ میں اگر کوئی اہل وطن لمباٹے تو اُس سے اپنے وطن کے حالات دریافت کرتا ہے۔ اُس شخص نے
 جواب دیا کہ نئی بات یہ ہے کہ تیرے دوست محمدؐ نے ہنیری کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے یہ سنتے ہی
 فرمایا کہ اگر اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے تو بلا شک وہ سچا ہے۔ اسی ایک واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کا کس قدر حسن ظن تھا۔ معجزے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور حقیقت بھی
 یہی ہے کہ معجزہ وہ شخص لکھتا ہے جو دعویٰ کے حالات سے ناواقف ہو۔ اور جہاں غیرت ہو۔ اور
 مزید تسلی کی ضرورت ہو۔ لیکن جس شخص کو حالات سے پوری واقفیت ہو۔ تو اسے معجزہ کی ضرورت ہی کیا
 ہے۔ الغرض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ راستہ میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت سن کر ایمان لائے
 پھر جب مکہ میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپ نے نبوت
 کا دعویٰ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں یہ درست ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا
 کہ آپ کو اہ نہیں کہیں آپ کا پہلا مصدق ہوں۔ آپ کا ایسا کہنا محض قول ہی قول نہ تھا۔ بلکہ آپ نے اپنے
 افعال سے اسے ثابت کر دکھایا اور مرتے دم تک اسے بھنایا۔ اور بعد مرنے کے بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ ^{حقیقت} ورنہ
 اس امر کی بہت بڑی ضرورت ہو کہ انسان کا قول اور فعل باہم مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر انہیں مطابقت
 نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا: **آءَا مَرُؤُونَ النَّاسَ بِالْكَزِبِ**
وَتَتَّقُونَ آلَهُنَّسُكُ (پارہ ۱۷۱) یعنی تم لوگوں کو تو نہ کی کا امر کرتے ہو مگر اپنی جانوں کو اس نیکے امر کا
 مخاطب نہیں بناتے۔ بلکہ بھول جاتے ہو۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا **لَهُ تَقْوُؤُنَ مَا لَا تَفْعَلُونَ**۔
 (پارہ ۱۷۲) مومن کو دورنگی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ بزدلی اور نفاق ہر دو مومن سے دور رہتے ہیں ہمیشہ
 اپنے قول اور فعل کو درست اور مطابق رکھو جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں کر کے
 دکھا دیا۔ ایسا ہی تم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے صدق اور وفا کے نمونے دکھاؤ۔ حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غم نہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس زمانہ پر غور کرو کہ جب دشمن قریش ہر طرف سے شہرِ مکہ پر تلے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ کیا۔ وہ زمانہ بڑے ابتلا کا زمانہ تھا۔ اسوقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو حق رفاقت ادا کیا اسکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ یہ طاقت اور قوت جو صدق ایمان کے ہرگز نہیں آسکتی۔ آج جس قدر غم لوگ بٹھے ہوئے ہو۔ اپنی اپنی جگہ پر سوچو کہ اگر اس قسم کا کوئی ابتلا ہم پر آجائے۔ تو کتنے ہیں جو ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ مثلاً گورنمنٹ کی طرف سے ہی یہ بغض شروع ہو جائے۔ کہ کس کس شخص نے اس شخص کی بیعت کی ہے۔ تو کتنے ہونگے۔ جو دلیری کے ساتھ یہ کہہ دیں کہ ہم ہابیہ میں داخل ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بات سُنکر بعض لوگوں کے دھڑے پاؤں سُن ہو جائینگے۔ اور انکو فوراً اپنی جائیدادوں اور رشتہ داروں کا خیال آجائیکا۔ کہ ان کو چھوڑنا پڑے گا۔ مشکلات ہی کے وقت ساتھ دینا ہمیشہ کامل ایمان لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ اسلئے جب تک انسان علی طور پر ایمان کو اپنے اندر داخل نہ کرے محض قول سے کچھ نہیں بنتا۔ اور یہاںہ سازمی اسوقت تک دور ہی نہیں ہوتی۔ علی طور پر جب مصیبت کا وقت ہوتا اسوقت ثابت قدم نکلنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح ماری کے حواری اُس آخری گھڑی میں جو انکی مصیبت کی گھڑی تھی انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بعض نے قومہ کے سامنے ہی آپ پر لعنت کر دی۔

حقیقت میں یہ بڑی عبرت کا مقام ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بھی ایک ایسا وقت آیا تھا۔ کہ جب مسلم بن ہشام ہزار آدمیوں کو نماز پڑھائی اور ان سے حضرت امام حسین کی رفاقت کا عہد لیا۔ مگر جب کسی شخص نے یزید کے آنے کی خبر دی۔ تو سب آپکو تنہا چھوڑ گئے۔ اس قسم کے واقعات بہت دُراتے ہیں اسلئے اپنے ایمانوں کو وزن کرو۔ عمل ایمان کا زیور ہے۔ اگر انسان کی علی حالت درست نہیں ہے تو ایمان بھی نہیں ہے۔ مومن ایک خوبصورت ہوتا ہے جس طرح ایک خوبصورت انسان کو معمولی اور ہلکا سا زیور بھی پہنا دیا جائے تو وہ اُسے زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک ایمان دار کو اُسکا عمل نہایت خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اگر وہ بد عمل ہے تو بھر کچھ بھی نہیں۔ انسان کے اندر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو اُسکو اعمال میں ایک خاص لذت آتی ہے اور اُسکی معرفت کی آنکھ کھل جاتی ہے وہ اس طرح نماز پڑھتا ہے جس طرح نماز پڑھنے کا حق ہوتا ہے۔ گناہوں اُسے سبزی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ ناپاک مجالس سے نفرت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول کی عظمت اور جلال کے اظہار کے لئے اپنے دل میں ایک خاص جوش اور تڑپ پاتا ہے۔ ایسا

ایمان اُسے حضرت مسیح کی طرح صلیب پر چڑھ جانے سے بھی نہیں سوتلنا۔ وہ خدا کے لئے اور صرف خدا تعالیٰ کے لئے حضرت ابراہیم کی طرح آگ میں بھی پڑ جانے سے راضی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی رضا کو رضا الہی کے ماتحت کر دیتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہے اسکا محافظ اور نگران ہو جاتا ہے اور اُسے صلیب پر سے بھی زندہ اُتار لیتا ہے اور آگ میں سے بھی صحیح و سلامت نکال لیتا ہے۔ مگر ان عجائبات کو وہی لوگ دیکھا کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ غرض حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدق اُس مصیبت کے وقت ظاہر ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حرمہ کیا گیا۔ گو بعض کفار کی رائے اخراج کی بھی تھی۔ مگر اصل مقصد امد کثرت رائے آپ کے قتل پر تھی۔ ایسی حالت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صدق اور وفا کا وہ نمونہ دکھلایا جو ابداً الکاہد تک کے لئے نمونہ رہیگا۔ اس مصیبت کی گھڑی میں آنحضرت صلیم کا یہ انتخاب ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت اور اعلیٰ وفاداری کی ایک دروست دلیل ہے۔ دیکھو اگر وائسرائے منہ کسی شخص کو کسی خاص کام کے لئے انتخاب کرے۔ تو اُسکی رائے صاحب اور بہتر ہوگی۔ یا ایک چمکیدار کی ماننا پڑیگا۔ کہ وائسرائے کا انتخاب پر حال موزون اور مناسب ہوگا۔ کیونکہ جس حال میں کہ وہ سلطنت کی طرف سے نائب السلطنت مقرر کیا گیا ہے۔ اور اُسکی وفاداری۔ فراست اور پختہ کاری پر سلطنت نے اعتماد کیا ہے تب ہی تو زمام سلطنت اُسکے ہاتھ میں دی ہے۔ پھر اُسکی صائب تبیری اور معاملہ فہمی کو پس پشت ڈالکر ایک چمکیدار کے انتخاب اور رائے کو صحیح سمجھ لینا نامناسب امر ہے۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کا تھا۔ اُسوقت آپ کے پاس ۷۰۔ ۸۰ صحابہ موجود تھے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مگر ان سب میں سے آپ نے اپنی رفاقت کے لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی انتخاب کیا۔ اسیں ستر کیا ہے ۹ بات یہ ہے کہ بنی خدا تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اسکا فہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتا ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کشف اور الہام سے بتا دیا۔ کہ اس کام کے لئے سب سے بہتر موزون حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ (الحکم جلد ۹ صفحہ ۷۱)۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس ساعت عسرس آپ کے ساتھ ہوئے۔ یہ وقت خطرناک آزمائش کا تھا۔ حضرت مسیح پر جب اس قسم کا وقت آیا۔ تو ان کے شاگرد ان کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور ایک نے محنت بھی کی۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک نے پوری وفاداری کا نمونہ دکھایا۔ غرض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا پورا ساتھ دیا۔ اور ایک غار میں جس کو غار ثور کہتے ہیں۔ آپ جا چھپے۔ شریک کفار جب آپ کی ایذا رسانی کے لئے منصوبے کر چکے

تھے تلاش کرتے ہوئے اُس غارتگ پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ کباب تو یہ بالکل سر پہی آپہنچے ہیں اور اگر کسی نے ذرا پیچھے نگاہ کی۔ تو وہ دیکھ لیکھا۔ اور ہم پکڑے جائینگے۔ اس وقت آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کچھ غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اس لفظ پر غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لائے ہیں۔ یہ فرمایا إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ مَعَنَا میں آپ دونوں شریک ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تیرے اور میرے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پلہ پر آنحضرت کو اور دوسرے پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو۔ اس وقت دونوں بتلا میں ہیں۔ کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے یاقوتِ اسلام کی بنیاد پڑنے والی ہے یا فائزہ ہو جانے والا ہے۔ دشمن غار پر موجود ہیں۔ اور مختلف قسم کی رائے زبان ہو رہی ہیں بعض کہتے ہیں۔ کہ اس غار کی تلاشی کرو۔ کیونکہ نشان پایا تاکہ ہی اگر ختم ہو جانا ہے۔ لیکن ان میں سے بعض کہتے ہیں۔ کہ یہاں انسان کا گذر اور دخل کیسے ہوگا۔ سحری نے جالتا ہوا ہے۔ کہبوز نے اندسے دیئے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی باتوں کی آواز میں اندر پہنچ رہی ہیں۔ اور آپ بڑی صفائی سے اُن کو سن رہے ہیں۔ ایسی حالت میں دشمن آئے ہیں کہ وہ فائزہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور دیوانے کی طرح بڑھے آئے ہیں۔ لیکن آپ کی کمال شجاعت کو دیکھو۔ کہ دشمن سر پر ہے اور آپ اپنے رفیق صادق صدیق رضی اللہ عنہ کو فراتے ہیں۔ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ یہ الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ مرنے زبان ہی سے فرمایا۔ کیونکہ یہ آواز کو چاہتے ہیں۔ اشارہ سے کام نہیں چلتا۔ باہر دشمن مشورہ کر رہے ہیں۔ اور اندر غامیس خاتمِ محمدؐ میں لگے ہوئے ہیں اس امر کی پرواہ نہیں کیجیگی کہ دشمن آواز سن لینگے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کمال ایمان اور معرفت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا بھروسہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کے لئے تو یہ نمونہ کافی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے لئے ایک دوسرا گواہ اس واقعہ کے سوا اور بھی ہے۔ جب آنحضرت ص نے رحلت فرمائی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار کھینچ کر نکلتے۔ کہ اگر کوئی کہیگا۔ کہ آنحضرت ص نے انتقال فرمایا ہے۔ تو میں اُسے قتل کروں گا۔ ایسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت اور دلیری سے کلام کیا۔ اور کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ یعنی محمدؐ بھی اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہی ہیں۔ اور آپ سے پہلے جتنا نبی ہو گذرے ہیں سب نے وفات پائی۔ اس پر وہ جوش فرو ہوا۔ اسکے بعد باوہر نشین اعراب مرتد ہو گئے۔ ایسے نازک وقت کی حالت کو حضرت عائشہ صابہ رضی اللہ عنہا کے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کا

استقلال ہو چکے ہیں اور بعض جھوٹے مدعی نبوت کے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور بعضوں نے نمازیں چھوڑ دیں اور رنگ بدل گیا ہے۔ ایسی حالت میں اور اس مصیبت میں میرا باپ آنحضرت صلعم کا خلیفہ اور جانشین ہوا۔ میرے باپ پر ایسے ایسے غم آئے کہ اگر بیاروں پر آتے۔ تو وہ بھی نابود ہو جاتے۔ اب غور کرو کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے پر بھی ہمت اور حوصلہ کو نہ چھوڑنا کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔ یہ استقامت صدق ہی کو چاہتی تھی۔ اور صدیق نے ہی دکھائی۔ ممکن نہ تھا۔ کہ کوئی دوسرا اس خطرہ کو بھال سکتا۔ تمام صحابہ رفہ اس وقت موجود تھے۔ کسی نے نہ کہا۔ کہ میرا حق ہے وہ دیکھتے تھے۔ کہ آگ لگ چکی ہے۔ اس آگ میں کون کون سے۔ حضرت عمر رفہ نے اس حالت میں ہاتھ بڑھا کر اپنے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور پھر سب نے یکے بعد دیگرے بیعت کر لی۔ یہ اُن کا ہی صدق تھا کہ اس فتنہ کو روک دیا۔ امدان موفیوں کو ہلاک کیا۔ میلہ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھا۔ اور اسکے مسائل اباحت کے مسائل تھے لوگ اسکی اباحتی باتوں کو دیکھ دیکھ کر اسکے مذہب میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی معیت کا ثبوت دیا۔ اور ساری مشکلات کو اسان کر دیا۔

خون مسیح پر ایمان لانا بھی سہل اُٹھا ہے۔ کیونکہ سپر ایمان لانے سے ایک تو روٹی مل جاتی ہے دھکر اباحت کی زندگی اسلام میں تو اشد اکبر کی آواز سننے ہی ناز کے لئے اُٹھنا پڑتا تھا۔ مگر اب یہ حال کہ خون مسیح پر ایمان لاکر ان کو شراب پی کر سوتے۔ اور جب جی چاہا۔ اُٹھے۔ کوئی باز پرس نہیں ایسی حالت میں لوگوں کا رجوع عیسائیت کی طرف ہونا لازمی امر ہے۔ لوگوں کی حالت کچھ اس قسم کی ہو گئی ہے۔ کہ کہتے ہیں۔ اے جہان بھٹا۔ اگلا کس نے ڈٹھا۔ اس جہان میں بد معاشریاں کرلو۔ آگے دیکھا جائیگا۔ اس قسم کے لوگ روٹی۔ بے قیدی اور آرام کی زندگی عیسائیت ہی میں پا سکتے ہیں۔ اُن کے لئے کوئی ضروری امر نہیں۔ خواہ دس برس تک بھی غسل جنابت نہ کریں۔ پس اُن لوگوں کو جو عیسائی ہوئے ہیں دیکھ کر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ یہ دہریہ منش جو مذہب ہوئے ہیں اگر عیسائی نہ ہوتے تو باطنی طور پر بھی تو مرتد ہی تھے۔ چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک اذنی کا ق۔ جو بے قیدی اور باہت کی زندگی کو چاہتے ہیں۔ اور دین قسم کے موصوف۔ ظالم النفسہ مقصد۔ سابق الخیرات۔ پہلی قسم کے مومن وہ ہیں جو ظالم ہیں۔ یعنی اُن پر کچھ جذبات نفس غالب آ جاتے ہیں۔ دوسرے میانہ رو۔ اور تیسرے خیر مجسم۔ اب اذنی کا فوجوں کے غلام اور بندے ہیں۔ چکی غرض و فایز بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ بے قیدی کی زندگی بسر ہو اور وہ پیہ بھی برباد۔ اُن کو سلام سے کیا مناسبت۔ چوتھا عیسائیت کو پسند کرینگے۔ جو ان تنخواہ لچائے اور کسی چیز کی ضرورت نہ رہی۔ اگر جائیں گے۔ تو وہ بھی محض

اس غرض سے کہ صد اخو بصورت عورتیں اچھے لباس پہن کر جاتی ہیں۔ وہاں بد نظری کے لئے جا بیٹھے غرض اس قسم کی اباحتی زندگی والوں کو اسلام سے کوئی مناسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ اُس زمانہ میں بھی میلہ نے اباحتی رنگ میں لوگوں کو جج کر رکھا تھا۔ ایسے وقت میں حضرت ابو بکر رضی خلیفہ ہوئے تو انسان خیال کر سکتا ہے کہ کس قدر مشکلات پیدا ہوئی ہو گی۔ اگر وہ قوی دل نہ ہوتا۔ اور حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا رنگ اُس کے ایمان میں نہ ہوتا۔ تو بہت ہی مشکل پڑتی۔ اور گھبرا جاتا۔ لیکن صدیق بنی کا ہمایہ تھا۔ آپ کے اخلاق کا اثر اُس پر پڑا ہوا تھا۔ اور دل یورپین سے پھرا ہوا تھا۔ اسلئے وہ شجاعت اور استقلال دکھایا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ انکی موت اسلام کی زندگی تھی۔ یہ ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اسپر کسی لمبی بحث کی حاجت ہی نہیں۔ اُس زمانہ کے حالات پڑھ لو۔ اور پھر جو اسلام کی خدمت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کی ہے اُس کا اندازہ کر لو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس اسلام کے لئے آدم ثانی ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلعم کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وجود نہ ہوتا تو اسلام بھی نہ ہوتا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ کہ اُس نے اسلام کو دوبارہ قائم کیا۔ اپنی قوت ایمانی سے کل باغیوں کو سزا دی۔ اور امن کو قائم کر دیا۔ اسی طرح پر جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا امد وعدہ کیا تھا۔ کہ میں سچے خلیفہ پر مومن کو قائم کروں گا۔ یہ پیشگوئی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پوری ہوئی۔ اور آسمان نے اور زمین نے علی طور پر شہادت دیدی۔ پس یہ صدق کی تعریف ہو۔ اسی صدق اس مرتبہ اور کمال کا ہٹ چاٹو نظائر سے مسائل بہت جلد حل ہو جاتے ہیں۔ اگر کہ ششہ زمانہ میں اسکی نظیر دیکھی جائے۔ تو پھر یوسف صدیق ہے۔ جس نے ایسا صدق دکھایا۔ کہ یوسف صدیق کہلایا۔ ایک خوبصورت مغربہ۔ اور جو ان عورت جو بڑے بڑے دعوے کرتی تھیں۔ عین تنہائی اور تخلیہ میں ان کا ب نعل بد چاہتی تھیں۔ لیکن آخرین ہیں۔ اُس صدیق پر کہ خدا تعالیٰ کے حدود کو توڑنا پسند نہ کیا اور اُس کے بالمقابل ہر قسم کی آفت اور دکھ اٹھانے کو آمادہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ قہدی کی زندگی بسر کرنی منظور کر لی۔ چنانچہ کہا۔ ذبت الشجن احب الی مما یدعوک الیک۔ یعنی یوسف نے دُعا کی کہ اور ب جکو قید پسند ہے اس بات سے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہے۔ اس سے حضرت یوسف م کی پاک عظمت اور غیرت بڑوت کا کیسا پتہ لگتا ہے۔ کہ دوسرے امر کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا مطلب کہ اس کا نام نہیں لیا۔ یوسف اللہ تعالیٰ کے حسن و احسان کے گرویدہ اور عاشق زار تھے۔ انکی نظر میں اپنے محبوب کے سوا دوسری کوئی بات چم نہ سکتی تھی۔ وہ ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔ کہ حدود اللہ کو توڑیں۔ کہتے ہیں کہ ایک لمبا زمانہ

جو بارہ برس کے قریب بتایا جاتا ہے۔ وہ جیل میں رہے۔ لیکن اس عرصہ میں کبھی حرف شکایت زبان پر نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ اور اُسکی تقدیر پر پوری راضی رہے۔ اس عرصہ میں بادشاہ کو کوئی عرفی بھی نہیں دی۔ کہ ان کے معاملہ کو سوچا جائے۔ یا انہیں رخصتی دی جائے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس لیلِ مومن عورت نے تکالیف کا سلسلہ بڑھا دیا۔ کہ کسی طرح پرہ پھل جاویں۔ مگر اُس حدیث نے اپنا صدق نہ چھوڑا۔ جس نے انکو حدیقہ طہر پایا۔ یہ بھی صدق کا ایک مقام ہے کہ دنیا کی کوئی آفت کوئی تکلیف اور کوئی ذلت اُسے حدودِ اللہ کے نور طے پر آدہ نہیں کر سکتی جب قدرِ غیبی اور بلائیں بڑھتی جاویں وہ اُسکے مقام صدق کو زیادہ مضبوط اور بلند بناتی جاتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حبیبِ اکرام میں بیان کر چکا ہوں کہ جب انسان اپنا لکھ تعبیر کرے کہ صدق اور وفاداری کے ساتھ قدم اٹھاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ ایک بڑی نہر صدق کی کھول دیتا ہے۔ جو اُسکے قلب پر گزرتی ہے اور اُسے صدق سے بھر دیتی ہے۔ وہ اپنی طرف سے بے شمار نجات لاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی مگر انقدر جنس کے کمی مٹا کر تا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مقام میں انسان پہان تک قدم ما ہے۔ اگر وہ صدق اُسکے لئے ایک خارقِ عادت نشان ہو۔ اس پر اس قدر معارف اور حقائق کا دیباچہ لکھتا ہے۔۔۔ یعنی قوتِ دہجانی ہے کہ ہر شخص کی طاقت نہیں ہے۔ کہ اسکا مقابلہ کرے۔ الحکم جلد ۹ نمبر ۱، تیسرا کمال شہد اکابر ہے۔ عام لوگ تو شہید کے لئے اتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ شہید ہوتا ہے۔ جو تیرہ بندوں سے آیا جائے یا کسی اور اتفاقی موت سے مر جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت کا یہی مقام نہیں ہے۔ میں افسوس سے ظاہر کرنا ہوں۔ کہ سرحد کے میٹھاؤں کو یہ بھی ایک خط سایا ہوا ہے کہ وہ اگر نرا افسروں پر اگر حملے کرتے ہیں۔ اور اپنی شہیدہ سری سے اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا ہے۔ کہ اگر کیم کسی کافر یا غیر مذہب والے کو ہلاک کر دیئے۔ تو ہم غازی ہونگے۔ اور اگر کامے جائینگے تو شہید ہونگے۔ مجھے ان کینہِ فطرت ملاؤں پر بھی افسوس ہے۔ جو ان شہیدہ سرچھاؤں کو اکساتے ہیں وہ انہیں نہیں بتاتے۔ کہ تم اگر کسی شخص کو بلا وجہ قوی قتل کرتے ہو۔ تو غازی نہیں ظالم شہرتے ہو۔ وہ اگر دلوں ہلاک ہو جاتے ہو تو شہید نہیں بلکہ خود کشی کر کے حرام موت مرتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔ وہ اپنے آپکو خود ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ اور فساد کرتے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ سخت سزا کے مستوجب ہیں۔ غرض عام لوگوں نے تو شہادت اسنی سمجھ رکھی ہے۔ اور شہید کا یہی مقام ٹھہرایا ہے۔ مگر میرے نزدیک شہید کی حقیقت قطع نظر اس کے کہ اسکا جسم کاٹا جائے کچھ اور یہی ہے اور وہ ایک کیفیت ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔ یاد رکھو کہ صدیق

بنی سے ایک ترب رکھنا ہے۔ اور وہ اُسکے دوسرے درجے پر ہوتا ہے۔ اور شہید مدین کا مہایہ ہوتا ہے۔ بنی میں تو سارے کمالات ہوتے ہیں۔ یعنی وہ مدین بھی ہوتا ہے اور شہید بھی ہوتا ہے۔ صلح بھی ہوتا ہے۔ لیکن مدین اور شہید ایک الگ الگ مقام ہیں۔ اس بحث کی بھی حاجت نہیں۔ کہ آیا مدین شہید ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ مقام کمال جہاں ہر ایک امر خالق عادت اور عجز سمجھا جاتا ہے۔ وہ ان دلوں مقاموں پر اپنے رتبہ اور درجہ کے لحاظ سے جُدا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اُسے ایسی قوت عطا کرتا ہے کہ جو عمدہ اعمال ہیں۔ اور جو عمدہ اخلاق ہیں۔ وہ کامل طور پر اور اپنے اصلی رنگ میں اُس سے صادر ہوتے ہیں اور بلا تکلف صادر ہوتے ہیں کوئی خوف اور رجحان اعمال صالحہ کے صدور کا باعث نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اُسکی فطرت اور طبیعت کا ایک جزو ہو جاتے ہیں۔ تکلف اُسکی طبیعت میں نہیں رہتا۔ جیسے ایک سائل کسی شخص کے پاس آئے تو خواہ اُسکے پاس کچھ ہو یا نہ ہو۔ تو اُسے دینا ہی پُرگیا اگر خدا کو خوف سے نہیں تو خلقت کے لحاظ سے ہی یہی۔ مگر شہید میں اس قسم کا تکلف نہیں ہوتا۔ اور یہ قوت اور طاقت اُسکی بڑھتی جاتی ہے۔ اور جوں جوں بڑھتی ہے۔ اُسی قدر اُسکی تکلیف کم ہوتی جاتی ہے اور وہ بوجہ کا احساس نہیں کرتا۔ مثلاً تھی کے سر پر ایک چوٹی ہو تو وہ اُس کا کیا احساس کرے گا۔

فتوحات میں اس مقام کی طرف اشارہ کر کے ایک لطیف بات لکھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب انسان کامل درجہ پر پہنچتا ہے۔ تو اُسکے لئے نماز صلاطین ہو جاتی ہے۔ جاہلوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ نالہ ہی معاف ہو جاتی ہے جیسا کہ بعض بے قیہر فقیر کہتے ہیں۔ اُن کو اس مقام کی نیر نہیں اور اس لطیف نکتہ کی اطلاع نہیں۔ اہل بات یہ ہیں کہ ابتدائی علاج سلوک میں نماز اور دوسرے اعمال صالحہ ایک قسم کا بوجہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور طبیعت میں ایک کسل اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب انسان خدا تعالیٰ سے قوت پا کر اس مقام شہید پر پہنچتا ہے تو اُسکو ایسی طاقت اور ہتھکانت دی جاتی ہے کہ اُسے ان اعمال میں کوئی تکلیف محسوس ہی نہیں ہوتی۔ گویا وہ ان اعمال پر سوار ہوتا ہے۔ اور صوم۔ صلوة۔ زکوٰۃ۔ ہمدردی بنی فروع۔ صروت۔ فتوت۔ سفر من تمام اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کا صدور قوت ایمانی سے ہوتا ہے۔ کوئی مصیبت۔ گناہ۔ اور تکلیف خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھانے سے اُسے روک نہیں سکتی شہید اُسی وقت کسی شخص کو کہیں گے۔ جب اُسکی قوت ایمانی اس سرفہ عمل دکھاتی ہے کہ کام سے اُن افعال کا صدور ہو۔ جیسے پانی اوپر سے نیچے گر رہا ہے۔ اسی طرح پر شہید سے اعمال صالحہ کا صدور ہوتا ہے۔ شہید اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھتا ہے اور اُسکی طاقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جب یہ مقام کامل درجہ پر پہنچے۔ تو یہ ایک نشان ہوتا ہے

بعض آدمی دیکھ گئے ہیں۔ کہ جب کوئی ابتلا آجائے تو کھراٹھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتے ہیں۔ انکی طبیعت میں ایک افسرو کی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ صلح جوئی طور پر خدا تعالیٰ سے ہونی چاہیے انکو حاصل نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ سے انسان کی اسی وقت تک صلح رہ سکتی ہے کہ جب تک اسکی مانتا رہے یہ بھی یاد رکھو۔ کہ خدا تعالیٰ کا معاملہ ایک دوست کا معاملہ ہے۔ کبھی ایک دوست دوسرے دوست کی مان لیتا ہے اور دوسرے وقت اسکو اس دوست کی ماننی پڑتی ہے۔ اور یہ تسلیم خوشی اور انشراح صدر سے ہونی چاہیے نہ کہ مجبوراً؟۔

اللہ تعالیٰ ایک جگہ قرآن شریف میں فرمانا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَاللَّيْلِ بِمَنَازِلٍ مِّنَ الْبَلَاءِ وَآيَاتِنَا لَشَدِيدٌ۔ یعنی ہم آزماتے رہیں گے کبھی ڈکا کر کبھی بھوک سے کبھی مالوں اور ثمرات وغیرہ کا نقصان کر کے۔ یہاں ثمرات میں اولاد بھی داخل ہے۔ اور یہ بھی کہ بڑی محنت سے کوئی فصل تیار کی۔ اور یکایک اسے آگ لگ گئی۔ اور وہ تباہ ہو گئی یا دیگر امور کے لئے محنت اور مشقت کی۔ مگر نتیجہ میں ناکام رہ گیا۔ معرض مختلف قسم کے ابتلا اور عوارض انسان پر آتے ہیں۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی آزمائش ہے۔ ایسی صورت میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی اور اسکی تقدیر کے لئے تسلیم خم کرتے ہیں وہ بڑی شرح صدر سے کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ۔ کسی قسم کا شکوہ اور شکایت یہ لوگ نہیں کرتے۔ ایسی لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرمانا ہے اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَٰوٰتٌ اَزَ الْوَالِدِ۔ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنکے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو مشکلات میں راہ دکھا دیتا ہے یا دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی کریم و رحیم اور بامروت ہو۔ جب کوئی شخص اسکی رضا کو مقدم کر لیتا ہے۔ اور اسکی مرضی پر راضی ہو جاتا ہے تو وہ اسکو اسکا بدلہ دے بغیر نہیں چھوڑتا۔ عرض یہ تو وہ مقام اور مرحلہ ہے۔ جہاں وہ اپنی بات منوانی چاہتا ہے۔ دوسرا مقام اور مرحلہ ہے۔ جو اُسے اُدْحُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں فرمایا ہے۔ یہاں بندہ کی بات ماننے کا وعدہ فرمانا ہے۔ پس شہید اس پہلے مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔ یعنی انشراح صدر کے ساتھ خدا تعالیٰ کی بات مانتا ہے۔ وہ دوست کے ایلام کو بزرگ انعام مشاہدہ کرتا ہے۔

چوتھا درجہ صالحین کا ہے۔ یہ بھی جب کمال کے درجہ پر ہو۔ تو ایک نشان اور معجزہ ہوتا ہے۔ کامل صلاح یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی بھی حسد باقی نہ رہے۔ بدن صلح میں کسی قسم کا کوئی خراب اور لہر بلا مادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ جب صاف اور موثر وقت مواد اسیں ہو۔ تو اسوقت صلح کہلاتا ہے۔ جیتک صلح مادہ نہیں تب تک اُسکے لوازم بھی صلح نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ مٹھاس بھی اُسے کمری معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح پر جب تک انسان صلیح نہیں بنتا اور ہر قسم کی بدیوں سے نہیں بچتا اور جواب دہی نہیں نکلتے۔ اُس وقت تک عبادتِ کرہوی معلوم ہوتی ہے۔ نماز پڑھتا ہے لیکن اُسے کوئی لذت اور مسرت نہیں آتا۔ وہ ٹکریں مار کر محسوس نہیں کرتا۔ لیکن عبادت میں مزا اُسی وقت آتا ہے۔ جب گندے موادِ اندر سے نکل جاتے ہیں۔ پھر اُس اندوہ و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اصلاحِ انسانی اسی درجہ سے شروع ہوتی ہے۔ (اس قدر تقریر کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے دُعا فرمائی اور علیہِ برخواست ہو گیا)

الحکم جلد ۹ صفحہ ۲۰۶

۱۸۹۹ء - ہمارے گھر میں مرزا صاحب (مراد اپنے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضیٰ خان صاحب مرحوم) پچاس برس تک علاج کرتے رہے۔ وہ اس فنِ طبابت میں بہت مشہور تھے۔ مگر اُن کا قول تھا کہ کوئی طبعی نسخہ نہیں ملا۔ حقیقت میں اُنہوں نے سچ فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ جو انسان کے اندر جاتا ہے۔ کوئی اثر نہیں کر سکتا (الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶)۔

۱۸۹۹ء - ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ سے دریافت کیا کہ حکام اور برادری کے ساتھ کیسا سلوک کریں؟ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی اطاعت اور وفاداری ہر مسلمان کا فرض ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ اور اُنہوں نے ہمارے ہر قسم کی غریبی آزادی سے رکھی ہے۔ میں اسکو بڑی بُری بات سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری سچے دل سے نہ کی جائے۔

برادری کے بھی حقوق ہیں۔ اُن سے بھی نیک سلوک کرنا چاہئے۔ البتہ ان باتوں میں جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے خلاف ہیں اُن سے الگ رہنا چاہیے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو۔ اور خدا تعالیٰ کی کل مخلوق سے احسان کرو (الحکم جلد ۸ صفحہ ۲۵)۔

۱۸۹۹ء - جب اللہ تعالیٰ کا فضل قریب آتا ہے۔ تو وہ دعا کی قبولیت کے اسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ دل میں ایک رقت اور سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب دعا کی قبولیت کا وقت نہیں ہوتا تو دل میں اطمینان اور رجوع پیدا نہیں ہوتا۔ طبیعت پر کتنا ہی زور ڈالو۔ مگر طبیعت متوجہ نہیں ہوتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کبھی خدا تعالیٰ اپنی قضا و قدر متوکل بنا چاہتا ہے اور کبھی دُعا قبول کرتا ہے۔ اسلئے میں تو جب تک اذنِ الہی کے آثار نہ پاؤں۔ قبولیت کی کم امید کرتا ہوں۔ اور اسکی قضا و قدر پر اس سے زیادہ خوشی کے ساتھ جو قبولیت دعا میں ہوتی ہے راضی ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ

اس رضا با تفضلہ کے ثمرات اور برگشتہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔ (الحکم جلد ۸ صفحہ ۲۵)۔

۱۸۹۹ء۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو پسند نہیں کرتا۔ وہ نورو عاقبت اور مغز کو قبول کرتا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں فرمایا لَنْ يَتَّكِلَ اللَّهُ لِحُكْمِهَا وَلَا دِيَارُهَا وَلَكِنْ يَتَّكِلُ الْتَّقْوَىٰ۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ۔ حقیقت میں یہ بڑی نازک جگہ ہے یہاں تو پیغمبر زادگی بھی کام نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ سے بھی ایسا ہی فرمایا۔ اور قرآن شریف میں بھی صاف الفاظ ہیں۔ اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ۔ یہودی بھی تو پیغمبر زادے ہیں۔ کیا صدقہ پیغمبران میں نہیں آئے تھے۔ مگر اس پیغمبر زادگی نے ان کو کیا فائدہ پہنچایا۔ اگر ان کے اعمال اچھے ہوتے۔ تو وہ صِرَبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَالَةُ وَالْمَسْكَنَةُ کے مصداق کیوں ہوتے۔ خدا تعالیٰ تو ایک پاک تبدیلی کو چاہتا ہے۔ بعض اوقات انسان کو بیکار نسب بھی نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے۔ اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ میں اسی سے نجات پاؤں گا۔ جو بالکل خیال خام ہے۔ کبیکر کہتا ہے۔ کہ اچھا ہوا۔ ہم نے چاروں کے گھر جنم لیا۔ کبیکر اچھا ہوا۔ ہم نیچے بھلے سب کو کریں سلام۔ خدا تعالیٰ وفاداری اور صدق سے پیار کرتا ہے۔ اور اعمال صالحہ کو چاہتا ہے۔ لاف و گزاف سے اُسے راضی نہیں کر سکتے۔ (الحکم جلد ۸ صفحہ ۲۵)۔

۱۸۹۹ء۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ تو ان شریف تو رفع اخلاف کے لئے آیا ہے اگر ہمارے مخالف دار فِعْلُكَ اِلَی کے یہ سننے کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح جہم حیات آسمان پر چھ گئے۔ تو وہ میں یہ بتائیں۔ کہ کیا یہودی یہ عرض تھی؟ اور وہ یہ کہتے تھے۔ کہ حضرت مسیح آسمان پر نہیں چڑھا بلکہ انکار عرض کر رہا تھا۔ کہ حضرت مسیح کا رُوح الی اللہ نہیں ہوا۔ یعنی اُسے قرب الی اللہ لصبیب نہیں ہوا۔ اگر دَا فِعْلُكَ اِلَی اس اعتراض کا جواب نہیں۔ تو پھر چاہیئے۔ کہ ان کے اس اعتراض کا جواب دیا اور دکھایا جائے (الحکم جلد ۸ صفحہ ۲۵)۔

۱۸۹۹ء۔ ایک مرتبہ کسی دوست نے عرض کی۔ کہ وہ تجارت کے لئے قادیان آنا چاہتا ہے۔ سپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ یہ نیت ہی فاسد ہے۔ اس سے تو بہتر کرنی چاہیئے۔ یہاں تو دین کے واسطے آنا چاہیئے اور اصلاح عاقبت کے خیال سے یہاں رہنا چاہیئے۔ اصل نیت یہی ہو۔ اور اگر پھر اُس کے ساتھ کوئی تجارت وغیرہ یہاں رہنے کے غرض کو پرکار کرنے کے لئے ہو۔ تو وجہ نہیں ہے۔ اصل مقصد دین ہو۔ نہ دنیا۔ کیا بخاروں کے لئے اور شہر مودون نہیں؟ یہاں آنے کی اصلی غرض کبھی دین کے سوا اور نہ ہونی چاہیئے۔ پھر جو کچھ حال ہو جائے وہ خدا کا فضل سمجھو۔ (الحکم جلد ۸ صفحہ ۲۵)۔

۱۰۔ دسمبر ۱۸۹۹ء۔ بروز اتوار۔ ۹ بجے صبح۔ قادیان۔ مفتی محمد صافق صاحب کے جولاہوں سے تین سال کے اندر طلب نشان والی پیشگوئی کے استہوار کا انگریزی ترجمہ کر کر سہراہ لائے تھے سیر پر جانے سے پہلے فرمایا :- آپنے اس کام میں خوب بہت کی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مکت ہو۔ کہ ہم نے انگریزی نہیں پڑھی۔ کہ آپ لوگوں کو ثواب میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ اگر ہم انگریزی پڑھے ہوئے ہونے تو اردو کی طرح اُسکے بھی دو چار نسخے ہم ہر روز لکھ دیا کرتے۔ مگر خدا نے چاہا۔ کہ جیسے آپ ہیں اور مولوی محمد علی صاحب ہیں۔ آپ لوگوں کو بھی ثواب دیا جائے۔ اس پر مفتی محمد صافق صاحب نے عرض کی کہ یہ بہت اور ثواب تو مولوی محمد علی صاحب کا ہی ہے۔ آپنے فرمایا کہ مالگیر کے زمانہ میں مسجد شاہی کو آگ لگ گئی تو لوگ دوڑے دوڑے بادشاہ سلامت کے پاس پہنچے۔ اور عرض کی۔ کہ مسجد کو تو آگ لگ گئی۔ اس خبر کو سُنکر وہ فوراً مسجد میں گرا اور شکر کیا۔ حاشیہ نشینوں نے تعجب سے پوچھا۔ کہ حضور سلامت یہ کونسا وقت شکر گزار رہی کا ہے۔ کہ خانہ خدا کو آگ لگ گئی ہے اور مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہونچا ہے۔ تو بادشاہ نے کہا کہ میں بدت سے سوچتا تھا۔ اور آہ سرد بھرتا تھا۔ کہ اتنی بڑی عظیم الشان مسجد جو جیتی ہے اور اس عمارت کے درجہ سے ہزار مخلوقات کو فائدہ پہونچتا ہے۔ کاش کوئی ایسی تجویز ہوتی کہ اس کا زخم میرا بھی کوئی حصہ ہوتا۔ لیکن چاروں طرف سے میں اُسکو ایسا مکمل اور بے نقص دیکھتا تھا کہ مجھے کچھ سوچ نہ سکتا۔ کہ میں میرا ثواب کیسے پہونچاؤں۔ سو آج خدا تعالیٰ نے میرے واسطے حصول ثواب کی ایک راہ نکال دی۔ واللہ سمیع العلیلہ۔

پھر لیکھرام کی متعلق گفتگو پر فرمایا :-

اسلام پر حملہ کرنے میں اور مسلمانوں کے بجا دل دکھانے میں اربوں کے ویدیان ایک طرح کی ترمیم تھی۔ جنہیں سے سب بڑے بڑے لیکھرام تھا۔ اور اُسکے بعد اندرس اور الکھ وھاری تھے۔ ویا نند بھی تھا۔ مگر اُسکو ایسا موقع نہیں تھا۔ اور نہ وہ اس طرح سے کتابیں لکھتا تھا۔ ان تینوں نے اور خصوصاً لیکھرام نے بڑی اوسیل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اللہ تعالیٰ کا طریق ہے۔ کہ جس راہ سے کوئی بدی کرے اُسی راہ سے گرتا کر کیا جاتا ہے۔ چونکہ لیکھرام نے زبان کی چھری کو اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے صدمہ سے بڑھ کر چلایا۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے اُسکو چھری سے سزا دی۔ لیکھرام کے معاملہ میں غیب کا ہاتھ کام کرنا ہوا صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اُس شخص یعنی قاتل کا شہد ہونے کے لئے اُسکے پاس آنا۔ اُسکا اسپر بھروسہ کرنا۔ یہاں تک کہ اپنے گھوڑے بلا تکلف اُسکو لیجا نا۔ شام کے وقت دیگر ملاقاتیوں کا چلا جانا۔ اُن کا اکیلا رہ جانا۔ عین عید کے دوسرے دن اُسکا اس کام کے لئے عازم ہونا۔ لیکھرام

کا کھتے کھتے کھڑے ہو کر انگریزی لینا اور اپنے پیٹ کو سامنے نکالنا اور پھری کا وارکاری پڑنا۔ مرتے
وہ تھک سکی زبان کو خدا کا ایسا بند کرنا۔ کہ باوجود ہوش کے اور اس علم کے کہ کہنے اُسکے برضات پیشگیئی کی
ہوتی ہے۔ ایک سیکنڈ کے واسطے اس شبہ کا اظہار بھی نہ کرتا۔ کہ مجھ مرزا صاحب پر شک ہے۔ پھر
آج تک اُسکے قاتل کا پتہ نہ چلنا۔ یہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں۔ جو بہت ناک طور پر اُسکی قدرت اور
طاقت کا جلوہ دکھا رہے ہیں۔ لیکر ہم بڑا ہی زبان دراز تھا۔ اور اُسکے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں
ہوا۔ کیونکہ اذا هلك كسر عه فلا كسر بعدہ۔ اب اللہ تعالیٰ زمین کو ایسے لوگوں سے
پاک رکھے گا۔

دنیا کے اندر جو نشانات حضرت موسیٰ یا دیگر انبیاء نے اس طرح کے دکھائے۔ جیسا کہ سوئے سے رسی کا
بنانا۔ یہ سب شبہ میں ڈالنے والی باتیں ہیں۔ خصوصاً اس موجودہ زمانہ میں جبکہ ہر طرح کی شبہ بازیاں
مادی لوگ دکھاتے ہیں کہ انسان کی سمجھ میں ہرگز نہیں آتا۔ کہ یہ امر کس طرح سے ہو گیا۔ انگریز لوگ ایسے
ایسے کتب شعبہ بازی کے دکھاتے ہیں کہ مرابطہ آدمی واپس آ جاتا ہے۔ اور ٹوٹی ہوئی چیزیں ثابت دکھائی
دیتی ہیں جیسا کہ آئین اکبری میں بھی ابو الفضل نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص بڑا آسمان
پر لوگوں کے سامنے چڑھ گیا اور اوپر سے اُسکے اعضاء ایک ایک ہو کر گرے۔ اور اس نے اپنی بیوی کے
لئے مطالبہ کیا۔ اور ایک وزیر پر شبہ کیا۔ کہ اُسے چھپا رکھی ہے اور یہ اُسپر عاشق ہے۔ اور پھر اُسکی تماشائی
کی اجازت بادشاہ سے لیکر اُسکی بغل سے نکال لی۔ ایسی صورتوں میں پھر سوائے اُسکے اور کچھ بات
باقی نہیں رہتی ہے کہ انسان ایمان سے کام لے اور انبیاء کے کاموں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھے۔
اور شعبہ بازوں کے کاموں کو دھوکا اور غریب خیال کرے اور اس طرح سے یہ معاملہ بہت نازک ہو جاتا ہے
لیکن خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو جو معجزہ عطا فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم اور اصول تمدن اور
اسکی فصاحت و بلاغت کا ہے جس کی مقابلہ کوئی انسان ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور ایسا ہی معجزہ غیب کی
خبروں اور پیشگوئیوں کا ہے۔ اس زمانہ کا کوئی شعبہ بازی کا استاد ایسا کر فیکا ہرگز دعویٰ نہیں کرتا۔ اور
اس طرح خدا تعالیٰ نے ہمارے نشانات کو ایک صاف تمیز عطا فرمائی ہے تاکہ کسی شخص کو حیلہ محبت بازی
کا نہ رہے۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کھول کھول کر دکھائے ہیں جنہیں کوئی شک و شبہ
پیدا نہیں کر سکتا۔

ایک شخص نے عرض کی کہ ایک معترضین اعتراض کرتا تھا کہ مرزا صاحب نے لیکر ہم کو خود مراد والا ہے۔ آج
جواب میں اپنے فرمایا کہ یہ ایک یہود اور جھوٹ بات ہے مگر ان لوگوں کو یہ تو خیال کرنا چاہیے۔ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع اور کعب کو کیوں قتل کروا دیا تھا۔ ہماری سب پیشگوئیاں اقتدار کی پیشگوئیاں ہیں اور یہ اسباب کا نشان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں لوگوں کی فصاحت اور بلاغت الفاظ کے ماتحت ہوتی ہے۔ اور اُس میں ہوائے قافیہ بندی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک عرب نے لکھا ہے کہ سافرت الی دہر وانا علی جمل مأقور میں دم کو روانہ ہوا۔ اور میں ایک ایسے ادب پر سوار ہوا جس کا پیشاب بند تھا۔ یہ الفاظ صرف قافیہ بندی کے واسطے لائے گئے ہیں۔ مگر یہ قرآن شریف کا اعجاز ہے کہ اس میں سارے الفاظ ایسے موتی کی طرح پروئے گئے ہیں۔ اور اپنے اپنے مقام پر رکھے گئے ہیں کہ کوئی ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا جاسکتا۔ اور کسی کو دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جاسکتا۔ لیکن باوجود اسکے قافیہ بندی اور فصاحت اور بلاغت کے تمام لوازم موجود ہیں۔

ایک شخص نے کسی معنی کی نشیں کی تعریف کی۔ کہ وہ بظاہر نیک آدمی معلوم ہوتا ہے اور اگر اُس کو سمجھایا جائے تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس بات کو پا جائے۔ اور عرض کی کہ میرا اسکے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ اگر حصہ رچے ایک خط اُنکے نام لکھیں۔ تو میں نے جاؤنگا اور اُمید ہے کہ اُنکو فائدہ ہو۔ اس پر آپؐ فرمایا۔ کہ آپ دو چار دن اور یہاں ٹھہریں۔ میں انتظار کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ خود بخود استقامت کے ساتھ کوئی بات دل میں ڈال دے۔ تو میں آپ کو دکھا دوں۔ جب تک ان لوگوں کو استقامت حسن نیت کے ساتھ چند دن کی محبت حاصل نہ ہو جائے۔ تب تک مشکل ہے۔ چاہیے کہ نیکی کے واسطے دل جوش مارے اور خدا کی رضا کے حصول کے لئے دل ترساں ہو۔

اُس شخص نے پھر عرض کی کہ ان لوگوں کو اکثر یہ حجاب بھی ہوتا ہے۔ کہ شاید کسی کو معلوم ہو جائے۔ تو لوگ ہمارے پیچھے پیچھاٹیں اسکے جواب میں آپؐ نے فرمایا اسکا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل نہیں ہوتے۔ اور سچے دل سے اس کلمہ کو زبان سے نکالنے والے نہیں ہوتے جب دہر و بکر کا خوف درمیان میں ہے تب تک لا الہ الا اللہ کا نقش دل میں جم نہیں سکتا۔ یہ جرات دل مسلمانوں کو کلمہ طیبہ کہنے کے واسطے تائید و تاکید ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ بغیر اسکے کوئی شجاعت پیدا نہیں ہو سکتی جب آدمی لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔ تو تمام انسانوں اور چیزوں اور حاکموں اور افسروں اور دشمنوں اور دوستوں کی قوت اور طاقت ہیچ ہو کر انسان صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور اُس کے سوائے سب اسکی نظروں میں ہیچ ہو جاتے ہیں پس وہ شجاعت اور بہادری کے ساتھ کام کرتا ہے اور کوئی ڈرانے والا اس کو ڈرا نہیں سکتا۔

فرست بھی ایک چیز ہے۔ جیسا کہ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ میں اُن میں نبوت کے نشان پاتا ہوں اور ایسا ہی مباہلہ کے وقت عیسیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر نہ آئے۔ کیونکہ اُن کے مشیر نے اُنکو کہہ دیا تھا۔ کہ میں ایسے مُنہ دیکھتا ہوں کہ اگر وہ پہاڑ کو کہیں گے۔ کہ یہاں سے ٹل جا تو وہ ٹل جائیگا۔ اگر کسی کے باطن میں کوئی حصہ روحانیت کا ہے تو وہ مجھ کو قبول کر لینگا۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں۔ اور مولوی محمد علی صاحب اُس کا ترجمہ کریں اس کتاب کے تین حصے ہونگے۔ ایک یہ کہ امتحان لے کے حضور میں بہار کیا فرمائیں ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہمپر کیا کیا حقوق ہیں اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہمپر کیا کیا حقوق ہیں زمانہ نبوت تو نور علی نور تھا۔ اور ایک آفتاب تھا۔ لیکن اسکے بعد کے اولیاء کے جو خوارق و کمالات بتلائے جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ انکشاف نہیں رکھتے۔ اور اُنکی تاریخ کا صحیح پتہ نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کرامات اُنکی وفات کے دو سو سال بعد لکھے گئے اور علاوہ اسکے ان لوگوں کو یہ موقع دشمن کے مقابلہ کا نہیں ملا۔ اور نہ اُن کو ایسا فتنہ درپیش آیا جیسا کہ ہم کو ابھی ہمارے مخالفوں میں سے بہت سے ایسے آدمی بھی ہیں جنکا ہماری عجات میں داخل ہونا مقدر ہے وہ مخالفت کرتے ہیں پر فرشتے اُنکو دیکھ کر کہتے ہیں کہ تم بالآخر اپنی لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ وہ ہماری مخفی جماعت ہی جو کہ ہمارے ساتھ ایک نل جائیگی۔ X

سیر سے واپس اگر آپ اندر تشریف لیگئے اور کھانے کے وقت دوبارہ تشریف لائے اور ملاوٹوں کی نفس پرستیوں اور طلاق و حلالہ کی مخوس رسومات پر مختلف گفتگو فرماتے رہے۔ ظہر و عصر کی نمازوں میں جماعت کے ساتھ شریک ہو پھر شام کی نماز پڑھ لینے کے بعد سے نماز عشاء سے فراغت حاصل کر لینے تک اجاب میں تشریف فرما رہی۔ ایک دوست کا خط اور دیگر وہ اخبارات بعد نماز شام سنیں۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے میر جاہد شاہ صاحب کی ایک نظم سنائی جس سے آپ بہت خوش ہوئے۔ اور اُسے اخبار میں چھپوا دینے کا حکم دیا۔ وہ نظم یہ تھی سہ دُنک بوجہاں میں میحاکے نام کا مفاہوم ہے دین پاک رسول امام کا۔ الخ۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے کی سیر میں ٹوٹا کے ذکر پر جس کا بیان سیالکوٹ کی ایک اخبار میں سے گذشتہ دن سنایا گیا تھا جس میں مریم عیسیٰ کے ضمن میں لکھا گیا تھا جس نے یہ مریم تیار کیا تھا۔ آپ نے نفی میں فرما دیا صاحب اور مولوی اذہب دیوانوی کو مزید تحقیقات کا حکم دیا۔ کہ امام کیا جائے۔ کہ آیا انسانی الحقیقت اُنط تھا۔ اس امر پر بڑا تنگ گفتگو رہی۔ آپ نے دوران گفتگو میں فرمایا :-

عربی میں لیں چٹنی کو کہتے ہیں جس پر مفتی محمد صادق صاحب نے کہا کہ انگریزی میں لقم چائے کو کہتے ہیں اس پر اپنے فرمایا۔ کہ چٹنی تک تو بات پہنچ گئی ہے امید ہے کہ مرہم بھی تک بھی بات تکل آئیگی۔ انگریزی کتابوں اور تاریخ کلیسیا سے اُسکے حالات کے متعلق تحقیقات کرنی چاہئے یہ ایک نئی بات نکلی ہے۔ یہ کچھ مشکل امر نہیں ہو۔ اگر ہم چاہیں تو لوقا پر توجہ کریں اور اُس سے سب حال دریافت کریں۔ مگر ہماری طبیعت اس امر سے کراہت کرتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور کی طرت توجہ کریں۔ خدا تعالیٰ آپ ہمارے سب کام بناتا ہے۔ یہ لوگ جو کشف قبور لئے پھرتے ہیں یہ سب جھوٹ اور لغو اور بیہودہ باتیں ہیں اور شرک ہی بننے سنا ہے کہ اس طرت ایک شخص پھرتا ہے اور اُسکو بُرا دعویٰ کشف قبور کا ہے۔ اگر اُسکا علم سچا ہو تو چاہئے کہ وہ ہمارے پاس آئے اور ہم اُسکو ایسی قبروں پر لے جائیں گے جسے ہم خوب واقف ہیں۔ مگر یہ سب بیہودہ باتیں ہیں۔ اور اُن کے پیچھے پُرنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ سعید آدمی کو چاہئے کہ ایسوی خیالات میں اپنے اوقات کو خراب نہ کرے اور اس طریق کو اختیار کرے جو اللہ اور اُسکے رسول اور اُسکے صحابہؓ نے اختیار کیا۔

اُسکے بعد مختلف گدی نشینوں کے حالات پر افسوس ہوتا رہا۔ جو سرود و پیغمبر بدعات میں گرفتار ہیں۔ اس پر اپنے فرمایا۔ کہ انسان میں ایک بلکہ احتفاظ کا ہونا ہے کہ وہ سرود سے خط اٹھاتا ہے اور اُسکے نفس کو دھوکا لگتا ہے کہ میں اس مضمون سے سرور پارتا ہوں مگر وہ اہل نفس کو صرف حظ و کار ہوتا ہے خواہ اُسیں شیطان کی تعریف ہو۔ یا خدا کی جب یہ لوگ اسیں گرفتار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کے واسطے شیطان کی تعریف یا خدا کی سب برابر ہو جاتے ہیں۔

پھر کھانا کھانے کے وقت آپ باہر تشریف لائے اور بعد از غنت از طعام ذیل کی تقریر فرمائی :-
ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے درمیان جو فتنہ اسلام پر پڑا ہو اپنے اُسکے دُور کرنے میں کچھ حصہ لے۔ بڑی عبادت یہی ہے کہ اس فتنہ کے دُور کرنے میں ہر ایک مسلمان کچھ نہ کچھ حصہ لے۔ اس وقت جدیدیاں اور گستاخیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ چاہئے کہ اپنی تقریر اور علم کے ذریعہ سے اور ہر ایک قوت کے ساتھ جو اُسکو دی گئی ہے۔ مخلصانہ کوشش کے ساتھ یہ باتوں کو دُنیا سے اٹھا دے۔ اگر اسی دنیا میں کسی کو آرام اور لذت مل گئی تو کیا فائدہ۔ اگر دُنیا میں بھی دھبہ پالیا۔ تو کیا حاصل۔ عقبتہ کا ثواب ہو جس کا انتہا نہیں ہر ایک مسلمان کو خدا تعالیٰ کی توحید و کفریہ کے لئے ایسا جوش ہونا چاہئے جیسا کہ خود اللہ اگر اپنی توحید کا جوش ہو غور کرو۔ کہ دُنیا میں اس طرح کا مظلوم کہاں ملیگا۔ ایسا مظلوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی گند اور گالی اور دشنام نہیں جو آپ کی طرف نہ پھینکی گئی ہو۔

کیا یہ وقت ہے کہ مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ رہیں۔ اگر اس وقت کوئی شخص کھڑا نہیں ہوتا اور حق کی گواہی دیکر جھوٹے کلمہ کو بند نہیں کرتا۔ اور جائز رکھتا ہے۔ کہ کافر لوگ بے حیائی سے ہمارے بنی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اتھام لگاتے جائیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے جائیں۔ تو یاد رکھو کہ وہ بیشک بڑی باز پرس کے نیچے ہے۔ چاہئے کہ جو کچھ علم اور واقفیت تمہیں حاصل ہے وہ اس راہ میں خرچ کرو۔ اور لوگوں کو اس مصیبت سے بچاؤ۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر تم جلال کو نہ مارو تب بھی وہ نور ہی جائیگا مثل مشہور ہے ہر کلمے کا راز والے تیرھویں صدی سے یہ آفتیں شروع ہوئیں اور اب وقت قریب ہی کہ اسکا خاتمہ ہو جائے۔ اسلئے ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہانتک ہو سکے پوری کوشش کرے۔ دواور روشنی لوگوں کو دکھائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولی اللہ اور صاحب برکات وہی شخص ہے جسکو یہ جوش حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسکا جلال ظاہر ہو۔ نمازیں جو سبحان بنی العظیم اور سبحان بنی الاعلیٰ کہا جاتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کے جلال کے ظاہر ہو چکی ہیں مثلاً کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عظمت ہو جس کی نظیر نہ ہو سکے۔ نمازیں تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے یہی حالت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مرغیوں کی طرح جوش کے ساتھ اپنی کاموں سے اور اپنی کوششوں سے دکھا دیا کہ اسکی عظمت کے بر خلاف کوئی شے مجہر غالب نہیں آ سکتی۔ یہ بڑی عبادت ہے جو لوگ اسکی مرضی کے مطابق جوش رکھتے ہیں وہی مؤید کہلاتے ہیں اور وہی برکتیں پاتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور تقدیس کو لئے جوش نہیں رکھتے ان کی نمازیں جھوٹی ہیں۔ اور انکے سجدے بیکار ہیں جب تک خدا تعالیٰ کے لئے جوش نہ ہو۔ یہ سجدہ صرف سرخیز ہٹھرنیکے۔ جنکے ذریعہ سے یہ ہیئت کو لینا چاہتا ہے۔ یاد رکھو کوئی جسمانی بات جو کچھ ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے ایسا ہی تمہارے رکوع اور سجدہ بھی نہیں پہنچتے جب تک انکے ساتھ کیفیت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو چاہنا ہے اور ان لوگوں کو محبت کرتا ہے جو اسکی عزت اور عظمت کے لئے جوش رکھتے ہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے گذرتے ہیں اور کوئی دوسرا شخص انکے ساتھ نہیں جاسکتا جب تک کیفیت نہ ہو۔ انسان ترقی نہیں کر سکتا۔ گو یا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اسکے لئے جوش نہ ہو کوئی لذت نہیں دیگا۔ ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک قصہ ہونی ہے۔ لیکن کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ ساری تمنائوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کو مقدم نہ کر لے زندگی قریب اور دوست کو کہتے ہیں جو دوست چاہتا ہے وہی یہ چاہتا ہے تب یہ ولی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمانا ہے ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون (پاؤ ۲۷) انسان کو چاہیو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جوش رکھو۔ تب وہ

اپنے ابنائے جنس ہو بڑھ جائیگا اور خدا تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے بن جائیگا۔ مڑوؤں کی طرح نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ مڑوہ کے منہ میں ایک شے ایک طرف سے نکلتی جاتی ہے تو دوسری طرف سے نکل آتی ہے۔ اسی طرح شقاوت کی حالت میں کوئی اچھی چیز اندر نہیں جاسکتی۔ یاد رکھو کہ کوئی عبادت اور عبادت قبول نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ذاتی جوش نہ ہو جس کے ساتھ کوئی ملوثی ذاتی فوائد اور منافع کی نہ ہو۔ اور ایسا جوش ہو۔ کہ خود بھی نہ جان سکے۔ کہ یہ جوش مجھ میں کیوں ہے۔ بہت ضرورت ہے کہ ایسے لوگ بکثرت پیدا ہوں۔ مگر سوائے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے کچھ ہو نہیں سکتا۔ اور جو لوگ اس طرح دینی عزائم میں مصروف ہوئے ہیں۔ وہ یاد رکھیں۔ کہ وہ خدا تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ جب تک کہ ہر ایک فصل کے کاٹنے کا وقت ابھاتا ہے۔ ایسا ہی اب مفساد کے دور کو نیچے کا وقت آگیا ہے۔ تمثیل پرستی مد کو پہنچ گئی ہے۔ مصداق کی توہین اور گستاخی انتہا تک کی گئی ہے۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدر رکھی اور زبور و تبتا نہیں کیا گیا۔ زبور سے بھی انسان فائدہ ہے اور صیونٹی سے بھی اندیشہ کرتا ہے۔ لیکن حضرت بنی کریم صلعم کو برا کہنے میں کوئی نہیں جھکتا۔ کذب و باطلت کے مصداق ہو رہی ہیں۔ جتنا سنہ انکا کھل سکتا ہی انہوں نے کھولا اور سنہ پھار پھار کرب و شتم کہیں اب واقعی وہ وقت آگیا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ انکا تدارک کری۔ ایسے وقت میں وہ ہمیشہ ایک آدمی کو پیدا کیا کرتا ہے جو اسکی غفلت اور جلال کے لئے بہت جوش رکھتا ہو ایسے آدمی کو باطنی مدد کا سہارا ہوتا ہے۔ درمحل اللہ تعالیٰ سب کچھ آپ ہی کرتا ہے مگر اسکا پیدا کرنا ایک شے کا پورا کرنا ہوتا ہے ولن تجد لسنة الله تبدیلاً اب وہ وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں عیسائیوں کو نصیحت فرمائی تھی۔ کہ اپنے دین میں غلو نہ کریں۔ پراہنوں اس نصیحت پر عمل نہ کیا۔ اور پہلے وہ صالین تھے مگر اب مضلین بھی بن گئے خدا تعالیٰ کے صحیفہ قدرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب بات حد سے گذر جاتی ہے تو آسمان پر تیاری کی جاتی ہے یہی اسکا نشان ہے کہ یہ تیاری کا وقت آگیا ہے۔ سچے بنی و رسول و مجدد کی بڑی نشانی یہی ہے۔ کہ وہ وقت پراہنوں اور ضرورت کے وقت آدمی۔ لوگ شتم کھا کر کہیں کہ کیا یہ وقت نہیں کہ آسمان پر کوئی تیاری ہو۔ مگر یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ آپ ہی کیا کرتا ہے۔ ہم اور ہماری جماعت اگر کچھ سب بچوں میں چھ جایشیں تب بھی کام ہو جائیگا۔ اور دجال کو زوال آجائے گا۔ ثلاث الايام دند اولها بین الناس۔ اس کا کمال بتاتا ہے کہ اب اسکے زوال کا وقت قریب ہے۔ اس کا ارتفع ظاہر کرنا ہے کہ اب وہ بنچا دیکھیگا۔ اسکی آبادی اسکی بربادی کا نشان ہے۔ ماں ٹھنڈی ہو اہل پڑی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے کام آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اگر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہ ہوتی۔ تاہم زمانہ کے حالات پر نظر کر کے مسلمانوں پر واجب تھا۔ کردہ دیوانہ وار پھرتے اور تلاش کرتے۔ کہ مسیح اب تک کیوں نہیں کسر صلیب کے لئے آیا۔ اُن کو یہ نہ چاہئے تھا کہ اُسے اپنے جھگڑوں کے لئے بلاتے کیونکہ اُس کا کام کسر صلیب ہے۔ اور اُسی کی زمانہ کو ضرورت ہی اسی لئے اُس کا نام مسیح موعود ہی۔ اگر ملاؤں کو سببی نوع انسان کی بھلائی اور یہودی مد نظر ہوتی۔ تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ جیسا ہم سے کر رہے ہیں۔ اُن کو سوچنا چاہئے تھا۔ کہ انہوں نے ہمارے خلاف فتویٰ لکھ کر کیا بنا لیا ہے جسے خدا تعالیٰ نے کہا۔ کہ ہو جائے اُسے کون کہہ سکتا ہے کہ نہ ہو۔ یہ لوگ جو ہمارے مخالف ہیں یہ بھی ہمارے نوکر چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی رنگ میں ہماری بات مشرق و مغرب تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہنر بھی سنا ہے۔ کہ پیر کو لڑوی ہمارے خلاف ایک کتاب لکھنے والا ہے۔ اسپر ہم خوش ہوئے کہ اُس کے مریدوں میں سے جس کو ہمارے نام و دعویٰ کی خبر نہ تھی اُس کو بھی خبر ہو جائیگی اور اس طرح انہیں ہماری کتابیں دیکھنے کی ایک تحریک پیدا ہوگی (دبر جلد ۷ نمبر ۱۱)۔

صاحبزادہ سراج الحق صاحب جو پہلے مسئلہ وحدت وجود کا قائل تھا۔ جب حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پہلے پہل حاضر ہوا۔ تو اُن مسائل کے بارہ میں آپسے استفسار کیا۔ اسپر کو اپنے فرمایا۔ کہ ایک سمندر ہے جس سے سب شاخیں نکلتی ہیں مگر ہمیں شہودیوں والی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے شروع میں ہی جو کہا گیا ہے الحمد للہ رب العالمین عالمین کا رب تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رب اُدھر ہے اور عالمین اُدھر۔ ورنہ اگر وحدت وجود والی بات صحیح ہوتی۔ تو رب العالمین کہا جاتا۔ دبر جلد ۷ نمبر ۱۱)۔

۱۸۹۹ء۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ قد افلح من ذکرکما سنے بنات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ تزکیہ نفس کے واسطے محبت صالحین اور نیکوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنا بہت مفید ہے۔ جھوٹ وغیرہ اخلاق ربویہ فہر کرنے چاہئیں۔ اور جو راہ پر چل رہا ہو اُس سے راستہ پوچھتا چاہئے۔ اپنی غلطیوں کو ساتھ ساتھ درست کرنا چاہئے۔ جیسا کہ غلطیاں نکالنے کے بغیر املا درست نہیں ہوتا ویسا ہی غلطیاں نکالنے کے بغیر اخلاق بھی درست نہیں ہوتی۔ اسی ویسا جانور ہے کہ اُس کا تزکیہ ساتھ ساتھ ہوتا رہے۔ تو سیدھی راہ پر چلتا ہے ورنہ بہک جاتا ہے (دبر جلد ۱۰ نمبر ۲۴)۔

۱۸۹۹ء۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ رات کے وقت جب سب طرف خاموشی ہوتی ہے۔ اور ہم اکیلے ہوتے ہیں۔ اُس وقت بھی خدا کی یاد میں دل ڈرتا رہتا ہے۔ کہ وہ بے نیاز ہے۔

جب انسان کو کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور عجز و معیبت کی حالت نہیں رہتی۔ تو جو شخص اُس وقت اُنکس کو اختیار کرے اور غدا کو یاد کرے وہ کامل ہے۔ چوں بدولت برسی مست نگرہ می مردی۔

مفتی محمد صادق صاحب نے اپنے گزشتہ رات کے خواب کا ذکر کیا۔ جو صبح پورا ہوا۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ جس چیز کا وجود نہیں۔ اور وہ چیز موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلے سے اُسکی خبر دیتا ہے۔ دہریہ لوگ کیوں اسپر غور نہیں کرتے۔

آپ نے فرمایا:- مجھے الہام ہوا ہے۔ ”گورنر جنرل کی دُعاؤں کی قبولیت کا وقت آگیا۔ اس میں گورنر جنرل سے مراد روحانی عہدہ ہے (بد ر جلد) (عید ۱۳۰۳)۔

۶۔ جنوری ۱۳۰۳ء۔ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:-
فحشاء کے سوا باقی تمام کچھ خلیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں۔ ہمیں تو کمالِ بشری معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ بلکہ وہ ان سے مرد بنایا ہے۔ و حقیقت ہم پر تمام نعمت ہی اسکا شکر یہ ہے کہ ہم عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔

بلکہ ایک دوست کی شکایت ہوئی۔ کہ وہ اپنی بیوی سے سختی سے پیش آتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا:- ہمارا احباب کو ایسا نہ پڑنا چاہیے۔

اسی طرح ایک اور دوست کی بد مزاجی کی شکایت ہوئی۔ تو آپ نے بہت دیر تک معاشرت نہواں پر گفتگو فرمائی اور اخیر میں فرمایا:-

میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی پر آواز نہ کساتھا اور میں محسوس کرتا تھا۔ کہ وہ بانگ بلند دل کے صبح سے ملی ہوئی ہے اور باہینہ کوئی دل آزار اور درشت کلمہ منہ سے نہیں نکالتا تھا۔ اسکے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا۔ اور بڑے خشوع اور خضوع سے نفلیں پڑھیں۔ اور کچھ صدقہ بھی دیا۔ کہ یہ درشتی زردہ پر کسی پہنائی مصیبت لاکھی کا نتیجہ ہے۔

ایک دفعہ بچپن میں میاں محمود احمد صاحب نے کھیلے کھیلے کچھ مسودات جلا دیے۔ اسپر آپ نے فرمایا خوب ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی۔ امداب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔

اسی طرح ایک دفعہ مولوی نور الدین صاحب نے ایک مضمون حضرت مسیح موعودؑ کو بھیجا۔ جس کی تلاش میں انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ جب آپ کو خبر ملی۔ تو آپ نے اکر مولوی صاحب سے بڑا غصہ کیا کہ کاغذ کے

گم ہو جانے سے اُنہیں اتنی تشویش ہوئی۔ پھر فرمایا: ”مجھے افسوس ہے کہ اُسکی جستجو میں اسقدر دوزادوں کی اور تنگاپوں کی کیا گیا۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر ہیں عطا فرمائے گا۔“

ایک دفعہ آپکو سخت سرد تھا پاس بچوں اور عورتوں کا شور و غل بہا تھا۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کی کہ جناب کو اس شور سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ حضور نے فرمایا: ”ہاں اگر چپ ہو جائیں۔ تو آرام ملتا ہے۔“ مولوی صاحب نے عرض کی کہ پھر جناب کیوں حکم نہیں فرماتے آپنے فرمایا: ”آپ انکو نرمی سے کہیں۔ میں تو کہہ نہیں سکتا۔“

ایک خادمہ نے گھر سے چاول چُرا لئے۔ اور پکڑی گئی۔ گھر کے سب لوگوں نے اُسے ملامت شروع کر دی۔ اتفاقاً حضرت صاحب کا بھی اُس طرف سے گزر ہوا۔ واقعہ سُنائے جانے پر آپنے فرمایا: ”محتاج ہے کچھ تھوڑے سے اسے دیدو۔ اور صفحہ نکرو۔ اور خدا تعالیٰ کی ستاری کا شیوہ اختیار کرو۔“ دہقانی عورتیں ابکدن بچوں کے لئے دعائی وغیرہ لیتے ہیں آپ انکو دیکھنے اور دوائی دینے میں عرصہ تک مصروف رہے۔ اسپر مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کی کہ حضرت یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے۔ اور اس طرح آپکا قیمتی وقت ضائع جاتا ہے۔ اسکے جواب میں آپنے فرمایا:۔

”یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں۔ میں ان لوگوں کی خاطر طرح کی انگریزی اور یونانی دواؤں میں تنگوار کھاتا ہوں جو وقت پر کام آجاتی ہیں۔ یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں شست اور بے پرواہ نہ ہونا چاہیے۔“

ایک دفعہ ایک دوست نے اپنے بچے کو مارا۔ آپ اُس سے بہت متاثر ہوئے اور اُنہیں بلا کر بڑی حد تک انگیزہ تقیر فرمائی اور فرمایا: ”میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بد مزاج مارنے والا ہے۔ اور بلوہیت میں اپنے تئیں صدمہ دار بنانا چاہتا ہے ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی ہاک کو قابو سے ندینے والا اور پورا متعل اور جُردار اور با سکون اور با وقار ہو۔ تو اُسے البتہ حق پہنچتا ہے۔ کہ کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم غالی کرے مگر مغلوب الغضب اور سبک سر اور طغش العقل ہرگز سزا دہ نہیں کہ بچوں کی تربیت کا شغل ہو جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے۔ کاش دُعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوز دل سوز دہا کرنے کو ایک حزب مقرر کر لیں۔ اسلئے کہ والدین کی

دُعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔ میں الزاماً چند عایش برورد مانگا کرتا ہوں۔

اول۔ اپنے نفس کے لئے دُعا مانگنا ہوں کہ خدا مجھ سے وہ کام لے جس سے اُسکی عزت و جلال ظاہر ہو۔
 اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دُعا مانگتا ہوں۔ کہ ان پر قوتِ عین
 عطا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ چلیں۔ پھر اپنے بچوں کے لئے دُعا مانگتا ہوں کہ یہہ
 سب دین کے خادم بنیں۔ پھر اپنے غلمن و مستوں کے لئے نام بنام اور پھر ان سب کے لئے
 جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے ہیں۔

حرام ہے میٹھی کی گدی پر بیٹھنا اور پیر بننا اُس شخص کو جو ایک منٹ بھی اپنے متوسلین کے غافل
 رہے۔ ہدایت اور نرسین حقیقی خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ سخت سچا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو صحت
 گذار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں
 اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے۔ اس سے
 ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیے۔ ہم تو اپنے بچوں کے لئے دُعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد
 اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں پس اس سے زیادہ نہیں۔ اور پھر اپنا پورا بھر دوسرے اللہ تعالیٰ
 پر رکھتے ہیں جیسا کسی میں سعادت کا ختم ہو گا وقت پر سرسبز ہو جائیگا۔

مہانوں کی ضرورت کے لئے مکان بنوانے کی حاجت ہوئی تو اپنی تاکید تھی۔ کہ اینٹوں اور پتھروں
 پر روپیہ خرچ کرنا عبث ہے۔ اتنا ہی کام کرو جس سے چند روزہ زندگی بسر ہو جائے۔ شجار۔ تیرنڈیاں
 اور ٹخنے زندہ سے صاف کر دے تھا۔ آپنے اُسے روک دیا اور فرمایا یہ محض تکلف ہی اور ناحق کی
 دیر لگانا ہے۔ مختصر کام کرو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہمیں کسی مکان سے اُس نہیں۔ ہم اپنے
 مکانوں کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک جلتے ہیں۔ اور بڑی آرزو ہے۔ کہ ایسا مکان ہو
 کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میرا گھر ہو۔ اور ہر ایک گھر میں میری ایک
 کھڑکی ہو۔ کہ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ درابطہ رہی۔

تکلفات میں وقت ضائع کرنا آپ کو نا پسند تھا۔ اسکے متعلق آپنے فرمایا:۔ میرا تو یہ حال ہے۔ کہ پاخانہ
 پیشاب پر بھی بچے افسوس کرتے کہ اتنا وقت ضائع جاتا ہے۔ یہ بھی کسی دینی کام میں لگ جاتا۔ کوئی
 مشغولی اور تصرف جو دینی کاموں میں حاج ہو اور وقت کا کوئی حصہ لے۔ مجھے سخت ناگوار ہے۔ جب
 کوئی دینی ضروری کام آپرے تو میں اپنے اوپر کھانا پینا اور سونا حرام کر لیتا ہوں۔ جب تک وہ کام
 نہ ہو جائے ہم دین کے لئے ہیں اور دین کی خاطر دنگ کی بے سر کرتے ہیں۔ بس دین کی راہ میں ہمیں

کوئی روک نہ ہوئی چاہیے۔“

ایک دفعہ جون میں آپ اکیلے تھے کیونکہ اہل عیال دھیانہ گئے ہوئے تھے۔ مولوی عبدالکیم صاحب نے مکان میں ایک چادر پائی پڑی تھی اس پر سو رہے۔ آپ ٹہل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جاگے تو دیکھا کہ آپ فرش پر چادر پائی کے نیچے لیٹے ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب ادب سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے محبت سے پوچھا کہ کیوں اٹھ بیٹھے؟ انہوں نے پاس ادب کا عدد کیا۔ اس پر کہنے فرمایا۔ میں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا لڑکے شور کرتے تھے انہیں روکتا تھا۔ لڑکی نیند میں غلط نہ آوے گا۔

لوگوں کو آپ کے گفتگو کرنے میں کمال آزادی تھی۔ اور ہر شخص بلا روک ٹوک آپ سے بات چیت کر سکتا تھا۔ اس بارہ میں آپ نے فرمایا۔ میرا یہ مسلک نہیں کہ میں ایسا تند خو اور بھیاناک بنکو بیٹھوں۔ کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں جیسے دندہ سے ڈرتے ہیں اور میں بُت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ میں تو محبت پرستی کے رد کرنے کو آیا ہوں۔ نہ یہ کہ میں خود محبت بنوں اور لوگ میری پوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا۔ میرے نزدیک متکبر سے زیادہ کوئی بُت پرست اور ضیافت نہیں۔ متکبر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنی پرستش کرتا ہے۔“

حضرت صاحب خلوت کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اس بارہ میں فرمایا۔ اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تو کس کو پسند کرتا ہے تو اُس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں۔ مجھے تو کشاں کشاں میدان عالم میں انہوں نے نکالا ہے۔ جو لذت مجھو خلوت میں آتی ہے اُس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف ہو۔ میں قریب ۲۵ سال تک خلوت میں بیٹھا رہا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا۔ کہ دہلی شہر کی کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے کراہت ہی ہے کہ لوگوں میں ملکہ بیٹھوں مگر امرِ امر سے مجبور ہوں۔ میں جو باہر بیٹھتا ہوں۔ یا سیر کرنے جاتا ہوں اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے۔“

تاہم حق پر اگر کوئی قلم اٹھائے یا کوشتش کرے تو آپ بڑی قدر کرتے تھے۔ اس بارہ میں فرمایا۔ اگر کوئی تائیدِ دین کے لئے ایک لفظ نکال کر نہیں دے تو ہمیں موتیوں اور شرفیوں کی جھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص چاہے کہ ہم اُس سے پیار کریں اور ہماری دعا میں نیاز مندی اور سوز سے اُس کے حق میں آسان پر جائیں وہ ہمیں اس بات کا یقین دلائے کہ وہ خادمِ دین ہونے کی صلاح رکھتا ہے۔ ہم سے ایک شخص سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے پیار کرتے ہیں۔ بیوی ہو بچے ہوں دوست

ہوں۔ سب ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔“

اپنے خدام سے تعلق کے بارہ میں فرمایا:-

میرا یہ مذہب یہ ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مجھ سے عہد دوستی باندھے مجھے اُس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جیسے اُس سے قطع نہیں کر سکتا۔ مان اگر وہ خود قطع تعلق کرے تو ہم لاچار ہیں ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا پڑا ہو اور لوگوں کا جوم اُس کے گرد ہو تو بلا خوف و تہ لائم کے اُسے اٹھا کر لے آئیں گے۔ عہد دوستی بڑا قیمتی چیز ہے اُس کو آسانی سے منقطع کر دینا نہ چاہیے اور دوستوں سے کیسی ہی ناگوار بات پیش آئے اُسے اغماض اور تحمل کے محل میں اُتارنا چاہیے۔“

۱۰۔ جنوری ۱۹۷۹ء۔ سیٹھ عبدالرحمن صاحب مدراسی نے اپنے کسی ضروری کام کے لئے مدراس واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ کیونکہ انکو واپسی کے لئے تاجی آیا تھا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ آپ کا اس مبارک مہینہ (رمضان) میں یہاں رہنا از بس ضروری ہے۔ ہم آپ کے لئے وہ دعا کرنا کو تیار ہیں جس سے باذن اللہ پہاڑ بھی ٹپک جائے۔ میں آپ کے پاس کم مٹھینا ہوں اور زیادہ حصہ اکیلا رہتا ہوں۔ یہ احباب کے حق میں از بس معینہ ہے۔ میں تنہائی میں بڑی فراغت سے دعائیں کرتا ہوں۔ اور رات کا بہت سا حصہ بھی دعاؤں میں صرف ہوتا ہے۔“

گذشتہ دسمبر ۱۹۷۹ء کے جلسہ پر لوگ بہت کم آئے۔ اس پر بعد اظہار افسوس حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:- معجز لوگ ہمارے اغراض سے واقف نہیں۔ کہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ کیا بجائیں وہ غرض جو ہم چاہتے ہیں اور جس کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے وہ پوری نہیں ہو سکتی جب تک لوگ یہاں بار بار نہ آئیں اور آنے سے ذرا بھی نہ اکتائیں۔ جو شخص لیا خیال کرتا ہے کہ آنے میں اُس پر بوجھ پڑتا ہے یا ایسا سمجھتا ہے کہ یہاں ٹھہرنے میں ہم پر بوجھ ہو گا اُسے ڈرنا چاہیے۔ کہ وہ شرک میں مبتلا ہے۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر سارا جہان ہمارا عیال ہو جائے تو ہمارے مہمات کا تکفل خدا ہے۔ ہم پر ذرا بھی بوجھ نہیں ہیں تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے۔ یہ دوسو ہے جسے دلوں سے دور پھینکنا چاہئے۔ میں نے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر کیوں حضرت صاحبؑ کی تکلیف دیں۔ ممتونگے ہیں۔ یوں ہی ردی بیٹھ کر کیوں توڑا کریں۔ وہ یاد رکھیں۔ یہ شیطان دوسو ہے۔ جو شیطان نے اُن کے دلوں میں ڈالا ہے۔ کہ اُن کے پیئر یہاں جتنے نہ پائیں۔“

حکیم فضل الدین صاحب نے عرض کی کہ حضور میں یہاں نکمے ہوں۔ حکم ہو تو بھرہ چلا جاؤں۔ وہاں

دس وغیرہ دو ٹکڑا نکما بیٹھنے میں مصیبت نہ ہو۔ اسپر آپ نے فرمایا: آپ کا یہاں بیٹھنا ہی جہاد ہے اور یہ بیکاری ہی بڑا کام ہے ۛ

جو لوگ قادیان میں نہیں آیا کرتے تھے، ان کے بارہ میں فرمایا: یہ عذر کرنے والے وہی ہیں جنہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عذر کیا تھا اِنْ بُوْتُنَا عَوْدَةً اور خدا تعالیٰ نے انکی تکذیب کر دی کہ ان پر دیوت اکافر ادا۔ ہمارے دوستوں کو کہنے بتایا ہے کہ زندگی بڑی لمبی ہے۔ موت کا کوئی وقت نہیں کہ کب سر پر ٹوٹ پڑے اسلئے مناسب ہو کہ جو وقت ملے اُسے غنیمت سمجھیں۔ یہ آرام بھر نہ ملیں گے۔ اور یہ کہانیاں نہ جائیں گی ۛ

اپنے نفس کے قابو پر فرمایا: میں اپنے نفس پر اتنا قابو رکھتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ نے میرے نفس کو ایسا مسلمان بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سال پھر میرے سامنے میرے نفس کو گندی سے گندی گالی دیتا رہے۔ آخر وہی شرمندہ ہوگا۔ اور اُسے اقرار کرنا پڑیگا۔ کہ وہ میرے پاؤں مگہ سے اٹھاؤ نہ سکا ۛ لوگوں کی تکالیف اور شرارتوں سے آپ کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ اس بارہ میں فرمایا: کوئی معاملہ زمین پر واقعہ نہیں ہوتا۔ جب تک پہلے آسمان پر طے نہ ہو جائے۔ اور خدا تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور وہ اپنے بندہ کو ذلیل اور ضائع نہیں کریگا ۛ

جائزہ میں ایک ابتلا پیش آجائے پر فرمایا: ابتلا کے وقت میں بلاشبہ اپنی جماعت کے بعض ضعیف حلوں کا ہوتا ہے میرا تو یہ حال ہے کہ اگرچہ صاف آواز کے کہ تو غصہ دل ہے اور تیری کوئی مراد ہم دہری نہ کرئیگی۔ تو مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس عشق اور محبت الہی اور خدمت دین میں کوئی کمی و کثرت نہ ہوگی اسلئے کہ میں تم سے دیکھ چکا ہوں۔ ہل تعلیم لہ سمیٹا۔

فوکروں پر مہربانی و نرم سلوک :- اپنے خادم حامد علی کو اپنی ڈاک ڈاکتا نہ میں ڈالنے کو دی۔ اُسے وہ کہیں فراموش ہو گئی۔ ایک ہفتہ کے بعد کوڑی کرکٹ کے ڈھیر سے اُن کے برآمد ہونے پر حامد علی کو بلوا کر اور خطوط دکھا کر کہا: ”حامد علی تمہیں نسیان بہت ہو گیا ہے۔ فکر سے کام کیا کرو ۛ“

حرامات اللہ کی ہتک آپ کو گوارا نہ تھی۔ اس بارہ میں فرمایا: میری جائداد کا تباہ ہونا اور سبکدوشی کا آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہونا مجھ پر آسان ہے بہ نسبت دین کی ہتک اور استخفاف کے دیکھو اور اُس پر صبر کرنے کے ۛ

انراجات کے بارہ میں احباب کے خیالات پر آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اہل بیت جانتا ہے۔ کھانے کے متعلق میں اپنے نفس میں اتنا تحمل پاتا ہوں۔ کہ ایک پیسہ پر دو وقت پڑے آرام سے بسر کر سکتا ہوں۔ ایک دفعہ

میرے دل میں آیا کہ انسان کہاں تک بھوک کی برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے امتحان کے لئے چھ ماہ تک میں نے کچھ نہ کھایا کبھی کوئی ایک آدھ لقمہ کھالیا۔ اور چھ ماہ کے بعد میں نے اندازہ کیا کہ چھ سال تک بھی یہ حالت لمبی کی جاسکتی ہے۔ اس اثنا میں دو وقت کھانا گھر سے باہر آتا تھا۔ اور مجھے اپنی حالت کا اخفا منظور تھا۔ اس اتفاق کی تدابیر کے لئے جو زحمت مجھے اٹھانی پڑتی تھی شاید وہ زحمت اور ونکو بھوک سے نہ ہوتی ہوگی۔ میں دو وقت کی روٹی دو تین مسکینوں میں تقسیم کر دیتا۔ اس حال میں نماز پانچوں وقت مسجد میں پڑھتا اور کوئی میرے آشناؤں میں سے کسی نشان سے پہچان نہ سکا۔ کہ میں کچھ نہیں کھایا کرتا خدا تعالیٰ نے جس کلام کے لئے کسی کو پیدا کیا ہے اس کی تیارسی اور لوازم اور اس کے سر انجام اور مہمات کے طے کے لئے اُس میں تو نے بھی مناسب حال پیدا کئے ہیں۔ دوسرے لوگ جو حقیقتِ فطرت کے متفقین سے وہ تو نے نہیں رکھتے اور ریاضتوں میں پڑ جاتے ہیں آخر کار دیوانے اور مجنوں الحواس ہو جاتے ہیں طبیعتِ نیند کے لئے طبعی اسباب مقرر کئے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ ہم سے کلام کرے اس وقت پوری بیداری میں ہوتے ہیں اور یکدم ربودگی اور غنودگی وار دکر دیتا ہے اور اس جہاں عالم سے قطعاً باہر لے جاتا ہے۔ اس لئے کہ اُس عالم سے پوری مناسبت ہو جائے پھر یوں ہوتا ہے۔ کہ جب ایک مرتبہ کلام کر چکنا ہے پھر ہوش وحواس واپس دیتا ہے۔ اس لئے کہ ملہم اُس کو محفوظ کر لے اسکے بعد پھر ربودی طاری کرتا ہے۔ پھر یاد کرنے کے لئے بیدار کر دیتا ہے۔ عرض اس طرح کبھی پچاس دفعہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ وہ ایک تصرفِ الٰہی ہوتا ہے۔ اس طبعی نیند سے اُس کو کوئی تعلق نہیں اور اطباء اور ڈاکٹر اس کی ماہیت کی سمجھ ہی نہیں سکتے۔“

لیکن ایک سائل نے بعد فراغتِ نازجیکہ آپ اندرونِ خانہ تشریف لے جا رہے تھے۔ سوال کیا۔ مگر ہجوم کے باعث اُسکی آواز اچھی طرح نہ سنی جاسکی۔ اندر جا کر جلد واپس تشریف لائے اور خطاب کو سوالی کے ہکانے کے لئے ادھر ادھر دوڑایا۔ مگر وہ نہ ملا۔ شام کو وہ پھر آیا۔ اس کے سوال کرنے پر آپ نے اپنی جیب سے نکال کر کچھ دیا۔ چند یوم بعد کسی تقریب پر فرمایا:۔ کہ اس دن جو وہ سائل نہ ملا۔ میرے دلیر ایسا بوجھ تھا کہ جس نے مجھے سخت ریکرار کر رکھا تھا۔ اور میں ڈرتا تھا۔ کہ مجھ سے مصیبت سرزد ہوئی ہے۔ کہ میں نے سائل کی طرف دھیان نہ کیا۔ اور یوں جلدی اندر چلا گیا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ شام کو واپس آگیا۔ ورنہ خدا جانے میں کس اضطراب میں پڑ رہتا۔ اور میں نے دعا بھی کی تھی کہ خدا تعالیٰ اُسے واپس لائے۔ (از ملفوظات مولوی عبدالکرم صاحب ۶۔ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء) *

۱۱۔ اپریل ۱۹۰۶ء عظیم العزات کو علی الصبح حضرت مسیح موعودؑ نے بدرجہہ ایک خط کے

حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب کو اطلاع دی۔ کہ میں آج کا دن اور رات کا کسی قدر حصہ اپنے اور اپنے دوستوں کے لئے دعائیں گزارنا چاہتا ہوں۔ اس لئے تمام دوست جہاں موجود ہیں۔ اپنا نام معجائے سکونت لکھ کر میرے پاس بھیج دیں تاکہ دعا کرتے وقت مجھے یاد رہے۔ اس کی تعمیل میں ایک نہرست احباب کی بنا کا آپ کی خدمت میں بھیج دی گئی۔ اسکے بعد کئی اور احباب باہر سے آ گئے جنہوں نے زیارت و دعا کے لئے بقیہ رات کی اطلاع کی اور رات بھر کے لئے شروع کر دیئے آپ نے دوبارہ اطلاع بھیجی۔ کہ میرے پاس کوئی رقعہ غیر نہ بھیجے اس طرح پختہ ہوا۔ یہی وہ تھا جس میں آپ تشریف لائے جو جمع کر کے پڑھی گئیں بعد فراغت آپ نے فرمایا۔ چونکہ میں خدا تعالیٰ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آج کا دن اور رات کا حصہ دعاؤں میں گزاروں اس لئے میں جاتا ہوں تاکہ خلف وعدہ نہ ہو۔ یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے اور دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔ دوسری صبح عید کے دن مولوی عبدالکریم صاحب نے اندر جا کر تقریر کرنے کے لئے منصوبیت سے عرض کی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ خدا نے ہی حکم دیا ہے۔ اور پھر فرمایا۔ کہ رات الہام ہوا ہے کہ حج میں کچھ عربی فقرے پڑھو۔ میں کوئی اور حج سمجھتا تھا۔ شاید یہی حج ہو۔ یہ عربی تقریر خطبہ الہامیہ کے نام سے حضرت صاحب نے شائع فرمادی ہے۔ جو بعد نماز عید حضرت صاحب نے پڑھی تھی جس سے پہلے ایک اردو خطبہ پڑھا جو ملفوظات احمدیہ حصہ اول ص ۱۱۱ میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اس کے بعد جماعت کی باہمی محبت پر تقریر فرمائی۔ عربی خطبہ پڑھنے سے پہلے آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب و مولوی نور الدین صاحب کو حکم دیا۔ کہ وہ قریب تر بیٹھ کر اسے کھتے جائیں۔ اثناء خطبہ میں ہی فرمایا کہ اب یہ الفاظ لکھ لو۔ پھر یہ لفظ چلے جائینگے۔ یہ خطبہ دو گھنٹہ میں ختم ہوا۔ بعد ازاں احباب کے اصرار سے مولوی عبدالکریم صاحب اس کا ترجمہ سنانے لکھ رہے ہوئے مگر ان کے شروع کرنے سے پہلے حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ اس خطبہ کو کل عرفہ کے دن اور عید کی رات میں جو میں نے دعائیں کی ہیں۔ ان کی قبولیت کے لئے نشان رکھا گیا تھا۔ کہ اگر میں یہ خطبہ عربی زبان میں اور سنا لا پڑھ گیا۔ تو وہ ساری دعائیں قبول بھی جائیں گی الحمد للہ کہ وہ ساری دعائیں بھی خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق قبول ہو گئیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب ترجمہ سننا ہی رہے تھے۔ کہ حضرت مسیح موعود و فوط جوش سے سجدہ شکر میں جا پڑے جس کے ساتھ جہلا جانے بھی سجدہ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اٹھا کر حضور نے فرمایا۔ کہ ابھی میں نے نسخہ الفاظ میں لکھا دیکھا ہے کہ مبارک۔ یہ گویا قبولیت کا نشان ہے۔“ (الحکم جلد ۱۷ ص ۱۹)۔

۱۴۔ مئی ۱۹۰۷ء شام کے وقت سید محمد رفیع صاحب کبیل ڈاٹی کورٹ حیدر آباد کن نے حضرت مسیح موعود سے عرض کی کہ کیا مردوں سے استعانت مانگنی جائز ہے؟ اس کے جواب

میں اپنے فرمایا۔ بات یہ ہے کہ مومنوں سے دعا گئے کے طریق کو ہم نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ ضعیف الایمان لوگوں کا کام ہے۔ کہ مومنوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور زندوں سے دُور بھاگتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب کہ حضرت یوسفؑ کی زندگی میں لوگ انہی نبوت کا انکار کرتے رہے۔ اور جس روز استقلال کر گئے تو کہا کہ آج نبوت ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی مومنوں کے پاس جانے کی ہدایت نہیں فرمائی، بلکہ کونوا مع الصادقین کا حکم دیکر زندوں کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو بار بار یہاں آنے اور رہنے کی تاکید کرتے ہیں اور ہم جو کسی کو یہاں رہنے کے واسطے کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ محض اُسکی حالت پر رحم کر کے ہمدردی اور خیر خواہی سے کہتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ایمان درست نہیں ہوتا جب تک کہ انسان صاحب ایمان کی صحبت میں نہ رہے۔ اور یہ اس لئے کہ چونکہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ہی وقت میں ہر قسم کی طبیعت کے موافق حال تقریرنا صبح کے منہ سے نہیں نکلا کرتی۔ کوئی وقت ایسا آجاتا ہے کہ اُسکی سمجھ اور فہم کے مطابق اُسکے مذاق پر گفتگو ہو جاتی ہے جس سے اُسکو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر آدمی بار بار نہ آئے اور زیادہ دنوں تک نہ رہے۔ تو ممکن ہے کہ ایک وقت ایسی تقریر ہو جو اُسکے مذاق کے موافق نہیں ہے اور اُس سے اُسکو بددلی پیدا ہو اور وہ حسن ظن کی راہ سے دور جا پڑے اور ہلاک ہو جاوے۔

عزمن قرآن مجید کے منشاء کے موافق تو زندوں ہی کی صحبت میں رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اور ہمتعانت کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے۔ کہ اہل استدوا کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہو اور اسی پر قرآن کریم نے نذر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین پہلے صفات الہی رب رحمن رحیم اور مالک یوم الدین کا اظہار فرمایا۔ پھر سکھایا۔ کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ یعنی عبادت اسی تیری کرتے ہیں۔ اور استدوا بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل حق استدوا کا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے کسی انسان حیوان جزئی پرند غرضیکہ کسی مخلوق کے لئے نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ حق ہو۔ گمراہ دوسرے درجہ پر ظلی طور سے یہ حق اہل اللہ اور مردان خدا کو دیا گیا ہے۔ ہر کو نہیں چاہئے کہ کوئی بات اپنی طرف سے بنالین بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے اندر امداد رہنا چاہئے۔ اسی کا نام صراط مستقیم ہے۔ اسیہ امر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے بھی بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اسکے پہلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا محبوب معبود اور مطلوب اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہئے اور دوسرے حصے سے رسالت محمدیہ کی حقیقت کا اظہار ہے۔ یہ بات یاد

رکھتی چاہئے کہ رسالت میں ایک امرطاہر ہوتا ہو اور ایک مخفی رہتا ہے۔ مثلاً لا الہ الا اللہ ایک کلمہ ہے جسے رسالت نے
 بایں الفاظ کوڑو کوڑو پہنچایا ہے۔ لوگ نیش یا نہ بایش یعنی رسالت کا کام صرف پہنچانا تھا مگر رسالت کے
 یہ ظاہری بعض ہیں ہم جب غور و فکر کر کے بطون کی طرف جاتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
 علیہ وسلم جو لا الہ الا اللہ کیساتھ بطور ایک جزو لا ینفک کے شامل ہوئی ہے۔ یہ صمد اہل خلق تک ہی محدود نہیں بلکہ
 اس خفرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوت قدسیہ کے بعد سے اس تبلیغ کو با اثر بنانے میں لاناظیر نمونہ
 دکھلایا ہے اور قرآن کریم سے یہ بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ آپ کو کفدر سفدرش افکدر ایش لگی ہوئی تھی چنانچہ فرمایا
 لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ اَلَا یَكُوْنُ اَمْوِیْنٌ (سورہ شعراء) یعنی کیا تو اپنی جان کو ہلاک کر دینگا
 اس فکر میں کہ مومن کیوں نہیں بنتے یہ سچی بات ہے کہ ہر نبی صرف لفظ لے کر نہیں آتا۔ بلکہ اپنے
 اندر وہ ایک درد اور سوز و گداز بھی رکھتا ہے جو اپنی قوم کی اصلاح کے لئے ہوتا ہو اور درد اور اضطراب
 کسی بناوٹ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ فطرتاً اضطرابی طبع پر اس سے صادر ہوتا ہے جیسے کہ ایک ماں اپنے
 بچے کی پرورش میں مصروف ہوتی ہے اگر بادشاہ کی طرف سے اس کو حکم بھی دیا جائے کہ اگر وہ اپنے بچے کو
 دودھ نہ بھی دے اور اس طرح پر اس کے ایک دوسرے مر بھی جاویں تو اسے معاف ہیں۔ اور اس سے کوئی
 باز پرس نہ ہوگی۔ تو کیا بادشاہ کے ایسے حکم پر کوئی ماں خوش ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ بادشاہ کو
 نکالیاں دیگی۔ وہ بچے کو دودھ پلانے سے رُک ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ یہ بات اس کی طبیعت میں طبعاً
 موجود ہے اور بچے کو دودھ پلانے میں اس کو کبھی بھی ہرشت میں جانا یا اس کا معاوضہ پانا مر کو ضرور ملحوظ
 نہیں ہوتا۔ اور یہ جوش طبعی ہے جو اس کو فطرت نے دیا ہے۔ مثلاً اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو چاہیے تھا۔ کہ
 جانوروں کی مائیں۔ بکری بھینس یا گائے یا پرندوں کی مائیں اپنے بچوں کی پرورش سے علیحدہ ہو جائیں
 ایک فطرت ہوتی ہے ایک عقل ہوتی ہے اور ایک جوش ہوتا ہے۔ ماؤں کا اپنے بچوں کی پرورش میں
 مصروف ہونا یہ فطرت ہے۔ اسی طرح ماموین جو آتے ہیں ان کی فطرت میں بھی ایک بات ہوتی ہے۔ سو کیا؟
 خلق کے لئے دل سوزی اور مہربانی نوع انسان کی خیر خواہی کے لئے ایک گزارش و طبعی طور پر چاہتے ہیں
 کہ لوگ ہدایت پا جائیں اور خدا تعالیٰ میں زندگی حاصل کریں پس یہ وہ سب سے جو لا الہ الا اللہ
 محمد رسول اللہ کے دوسرے حصہ میں یعنی اظہار رسالت محمدیہ میں لکھا ہوا ہے جیسے پیغام
 پہنچا دیوالے عام طور پر پیغام پہنچا دیتے ہیں۔ اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اسپر عمل ہو۔
 یا نہ ہو۔ گویا وہ تبلیغ صرف کان ہی تک محدود ہوتی ہے۔ برضلاف اسکے مامدان آبی کان تک بھی
 پہنچاتے ہیں۔ اور اپنی قوت قدسی کے زور اور ذریعہ سے دل تک بھی پہنچاتے ہیں۔ اور یہ بات کہ

جذب اور عقد بہت ایک انسان کو اس وقت دیا جاتا ہے۔ جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آجاتا ہو اور ظل اللہ بنتا ہے۔ پھر وہ مخلوق کی سہمدی اور بہتری کے لئے اپنے اند ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کل انبیاء سے بڑے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عن نبی علیہ ما عنتم صوۃ التوہم یعنی یہ رسول تمہاری تکلیف کو دیکھ نہیں سکتا۔ وہ اپنے سخت گراں ہے۔ اور اُسے ہر وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تمکو ٹھوڑی مٹاؤں سے بچاؤں۔ ان ساری باتوں کو کجا بٹی طور پر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اول خدا تعالیٰ مدد دیتا ہو پھر دوسرے درجہ پر مامورین اللہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں جوش ڈالا ہے اور وہ اسی جوش اور تقاضائے فطرت کے ساتھ مخلوق کی بہتری میں ہر ایک قسم کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے مال اپنے بچے کو دودھ دیتی ہے۔ بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ والد کا نفس نرکی نہیں ہے۔ اور یہ نرکی نفس لوگ ہوتے ہیں انہیں کو آیت کو نواع الصادقین میں صادق ٹھہرایا گیا ہے۔ اب میں سورہ فاتحہ کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ اھدانا الصراط المستقیم میں انعمت علیہم کی راہ طلب کی گئی ہے۔ اور میں نے کئی مرتبہ یہ بات بیان کی ہے کہ انعمت علیہم میں چار گروہوں کا ذکر ہے۔ بنی۔ صدیق۔ شہید۔ صالح۔ پس جبکہ ایک مومن یہ دُعا مانگتا ہے تو ان کے اخلاق اور عادات اور علوم کی درخواست کرتا ہے۔ اس پر اگر ان چار گروہوں کے اخلاق حاصل نہیں کرتا تو یہ دُعا اس کے حق میں بے ثمر ہوگی۔ اور وہ بیجا ن لفظ بولنے والا حیوان ہے یہ چار طبقے ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ سے علوم عالیہ اور مراتب عظیمہ حاصل کئے ہیں۔

نبی وہ ہوتے ہیں جو کا قتل الے اللہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ خدا سے کلام کرتے اور وحی پاتے ہیں۔ اور صدیق وہ ہوتے ہیں جو صدق سے پیار کرتے ہیں۔ سب سے بڑا صدق لا الہ الا اللہ ہے اور پھر دوسرا صدق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ صدق کی تمام راہوں سے پیار کرتے ہیں۔ اور صدق ہی چاہتے ہیں تیسرے وہ لوگ ہیں جو شہیدین کہلاتے ہیں وہ کو یا خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ شہید وہی نہیں ہوتا۔ جو قتل ہو جائے یا کسی لڑائی اور دوائی امراض میں مر جائے بلکہ شہید ایسا قوی الایمان انسان ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہ ہو۔ صالحین وہ ہوتے ہیں جنکے اندر سے ہر قسم کا فساد جاتا رہے۔ جیسے آدمی جب تندرست ہوتا ہے تو اس کی زبان کا مزہ بھی درست ہوتا ہے پورے اغتسل کی حالت میں تندرست کہلاتا ہے۔ کسی قسم کا فساد اندر نہیں رہتا۔ اسی طرح ہر صالحین کے اندر کسی قسم کی روحانی مرض

نہیں ہوتی۔ اور کوئی مادہ فساد کا نہیں ہوتا۔ اسکا کمال اپنے نفس میں نفی کے وقت ہے۔ اور شہید اور صدیق ادب ہی کا کمال بنتی ہے۔ شہید ایمان کو ایسا قوی کرتا ہے۔ گویا خدا کو دیکھتا ہے۔ صدیق علی طور پر صدق سے پیار کرتا اور کذب سے پرہیز کرتا ہے۔ اور نبی کا کمال یہ ہے۔ کہ وہ روئے الہی کے سچے آجاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کمال کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور مولوی یا علماء کہتے ہیں۔ کہ بس ظاہری طور پر کلمہ پڑھ لے اور نماز روزہ کے احکام کا پابند ہو جائے۔ اس سے زیادہ ان احکام کے ثمرات اور نتائج کچھ نہیں۔ اور ان میں کچھ حقیقت ہے۔ یہ بڑی بھاری غلطی ہے اور ایمانی کمزوری ہے۔ انہوں نے رسالت کے مدعا کو نہیں سمجھا۔ اللہ تعالیٰ جو ماموروں اور مرسلوں کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجتا ہے۔ کیا اسلئے بھیجتا ہے کہ لوگ انکی پرستش کریں؟ نہیں بلکہ ان کو نمونہ بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اسکی ایسی ہی مثال ہو۔ جیسے بادشاہ اپنی ملک کے کاریگروں کو کوئی تلوار دے۔ تو اسکی مراد یہی ہے۔ کہ وہ بھی ویسی ہی تلوار بنانے کی کوشش کریں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو مامور اور مرسل ہوتے ہیں۔ اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ سے متصف بناتا ہے۔ اور دنیا کی طرف مامور کرتا ہے۔ تاکہ ان کے اخلاق اور کمالات سے حصہ لیں۔ اور اسی طرز و روش پر چلیں کیونکہ یہ لوگ اسوقت تک فائدہ پہنچاتے ہیں۔ جب تک زندہ ہوں انکے کدربجانے کے بعد تب تبیل ہو جاتا ہے۔ اسواسطے صوفی لوگ کہتے ہیں۔ کہ زندہ بقی مردہ شہر سے بہتر ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ **الو کتب احکمت ایتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر** (سورہ ہود) الف سے مراد اللہ اور لام سے مراد جبرائیل اور ح سے مراد مرسل ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں یہی بیان ہے۔ کہ کوئی چیز میں انسانوں کے ملنے کے لئے ضروری نہیں۔ اسلئے فرمایا کتاب احکمت۔ یہ کتاب ایسی ہے۔ کہ اسکی آیات ہی اول استوائیں۔ قرآن کریم کی تعلیموں کو اللہ تعالیٰ نے کئی طرح پر مستحکم کیا تاکہ کسی قسم کا شک نہ رہی۔ اور اسی لئے شریعہ قرآن شریف میں ہی فرمایا۔ **لا دیب فیہ**۔ یہ اسحکام سند جبریل طریقوں پر کیا گیا ہے۔

اکلام و قدرت سے استوائی اور استحکام قرآنی تعلیموں کا کیا گیا۔ یعنی جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ قانون قدرت اسکو پوری مدد دیتا ہے۔ گویا جو کچھ قرآن کریم میں ہے وہی کتاب ممکنوں میں ہے۔ اس کا راز انبیاء کی پیروی کے بدون سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اور یہی وہ سترہ جو لایستہ الا مطہقرون میں رکھا گیا ہے۔ غرض پہلے قرآنی تعلیم کو قانون قدرت سے مستحکم کیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفت وحدہ لا شریک بتلائی جب ہم قانون قدرت میں

نظر کرتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ ضرور ایک ہی خالق مالک ہے۔ کوئی اسکا شریک نہیں۔ دل بھی اسے ہی مانتا ہے اور لائل قدرت سے بھی اسکا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز جو دنیا میں موجود ہے۔ وہ اپنے اندر کمزوریت رکھتی ہے۔ جیسے پانی کا قطرہ اگر قطرہ سے چھوڑیں تو وہ گردی شکل کا ہوگا۔ اور گردی شکل توحید کو مستلزم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پادریوں کو بھی ماننا پڑا۔ کہ جہاں تثلیث کی تعلیم نہیں پہنچی۔ وہاں کے بنیو والوں سے توحید کی پرستش ہوگی۔ چنانچہ پادری فنڈر نے اپنی قضیہ قات میں اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر قرآن کریم دنیا میں نہ بھی ہوتا۔ تب بھی ایک ہی خدا کی پرستش ہوتی جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بیان صحیح ہے۔ کیونکہ اسکا نقش انسانی فطرت اور دل میں موجود ہے۔ اور لائل قدرت اسکی شہادت ملتی ہے۔ برخلاف اسکے انجیلی تثلیث کا نقش دل میں ہے۔ نہ قانون قدرت اسکا مؤید ہے۔ یہی معنی ہیں کتاب احکمت کے یعنی قانون قدرت سے اسکی تعلیموں کو ایسا محکم اور استوار کیا گیا ہے۔ کہ مشرک و عیسائی کو بھی ماننا پڑا۔ کہ انسان کے مادہ فطرت سے توحید کی بازیگری ہوگی۔

دوسری وجہ استحکام کی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں۔ کوئی بنی کوئی مامور دنیا میں ایسا نہیں آتا جس کے ساتھ تائیدات الہی شامل نہ ہوں۔ اور یہ تائیدات اور نشانات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت پر شکوک اور پر قوت تھے۔ آپ کے حرکات و سکنات میں۔ کلام میں نشانات تھے گویا آپ کا وجود از سر تا پا نشانات الہی کا پتلا تھا۔

تیسرا۔ استحکام۔ انبیاء کا پاک چال چلن اور راستبازی ہے۔ یہ منجھدان ہاتھوں کے ہے جو عقلمندوں کے نزدیک قابل قبول ہیں۔ کیونکہ ان کا امین ہونا بھی ایک دلیل ہے۔ جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل پکڑی۔

چوتھا۔ استحکام بنی کی قوت قدسیہ ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جس طرح سو کہ طبیب خواہ کتنا ہی دعوے کرے کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں اور خواہ اسے سیدی ڈکٹر بان کیوں یاد نہ ہو۔ لیکن اگر کو کو اس کے علاج سے فائدہ نہ ہو۔ تو وہ یہی کہیں گے۔ کہ اس کے ہاتھ میں شفا نہیں ہے۔ اسی طرح پر بنی کی قوت قدسی جھوٹا رہبر دست ہوگی اسی قدر اسکی شان اعلیٰ اور بلند ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے استحکام کے لئے یہ پشتیبان بھی سب سے بڑا پشتیبان ہے۔

ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اس وجہ پر پہنچی ہوئی ہے۔ کہ اگر تمام انبیاء علیہ السلام کے مقابلہ میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ کسی نے آپ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا۔ یہی دُنیا کے کتے ہیں عیسائیوں کے

دیکھو تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے چٹنے سے دو بھاڑے۔ کوئی حضرت مریم کی پرستش کرتا ہے۔ کوئی مسیح کو خدا جانتا ہے اور دنیا پرستی ہی شب و روز اسکا مشغل و کام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت کو اگر دیکھا جائے تو وہ ہمہ تن خدا ہی کے لئے نظر آتے ہیں اور اپنی علی زندگی میں کوئی نظر نہیں کھتے۔ آنحضرت معلم کی مبارک اور کامیاب زندگی کی تصویر یہ ہے کہ آپ ایک کام کے لئے آئے اور اسے پورا کر کے دنیا سے رخصت ہوئے جس طرح جنرولست کرنے والے پوری کاغذات پانچ برس میں مرتب کر کے آخری رپورٹ کرتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح پر رسول اللہ معلم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ اسلئے سے لیکھ جب تم فائدہ کی آواز دہائی۔ اور پھر ادا جانا نصو اللہ اور اللہ یوم اکملت لکم دینکم کے دن تک نظر کریں تو آپ کی لائفلنکامیابی کا پتہ لگتا ہے۔ ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاص طور پر مامور تھے۔ حضرت موسیٰ کو اپنی زندگی میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ جو ان کی رسالت کا منتہا تھی۔ وہ ارض مقدس اور موعودہ سرزمین کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ بلکہ راہ ہی میں فوت ہو گئے۔ کافر کب مان سکتا ہے۔ اور ایک بے ایمان آدمی راستہ میں فوت ہو جائے اور وعدہ کی زمین میں نہ پہنچ سکے کے وجوہات کب سننے لگا۔ تو وہ یہی کہیںکا۔ کہ اگر مامور تھے تو عدسے زندگی میں کیوں پورے نہ ہوئے۔ سچی بات یہی ہے کہ سب انبیاء کی نبوت کی پردہ پوشی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی۔

ایسا ہی حضرت مسیح کی زندگی پر نظر کرو۔ ساری رات خود غما کرتے رہے۔ دوستوں سے دعائیں کرتے رہے۔ آخر مشکوہ پر اتر آئے اور ایللی ایللی لے کر سبقتنی بھی کہہ دیا۔ یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اب ایسی حسرت پھری حالت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ مامور من اللہ ہے۔ پھر جو نقشہ پادریوں نے مسیح کی آخری حالت کا کھینچ کر دکھایا ہے وہ تو بالکل مایوسی بخشتا ہے۔ لائیں تو اتنی تھیں کہ خدا کی پناہ۔ مگر کام کچھ بھی نہ کیا۔ ساری عمر میں کل ایک سو بیس آدمی تیار کئے۔ اور وہ بھی ایسے پست خیال اور کم فہم جو خدا کی بادشاہت کی باتوں کو سمجھ ہی نہ سکتے تھے۔ اور سب بڑا صاحب جس کی بابت یہ فتویٰ تھا۔ کہ وہ جہنم پر کرے آسمان پر ہوتا ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں بہشت کی کھجیاں وہی گئی تھیں اسی نے سب سے پہلے لعنت کی۔ اور وہ جو امین اور خزانچی بنایا ہوا تھا جسکو چھاتی پر لٹاتے تھے اُس نے تیش دم لیکر پکڑ دیا۔ ایسی حالت میں کب کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسیح نے واقعی ماموریت کا قیام کیا۔ اُس کے مقابل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیسا بڑا کام ہے۔ کہ اسوقت سے جبکہ کہ فرمایا۔ کہ میں ایک کام کرنے کے لئے آیا ہوں جب تک یہ

نہیں لیا۔ کہ الیوم اکملت لکم دینکم آپ دنیا سے نہ اٹھے۔ جسے یہ دعویٰ کیا تھا کہ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ اس دعویٰ کے مناسب حال یہ فردی تھا کہ کل دنیا کے مکرو مکائد متفق طور پر آپ کی مخالفت میں استعمال کئے جاتے۔ آپ نے کس عرصے اور ولیری کے ساتھ مخالفوں کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ فکید و فی جمیعاً سورہ ہود یعنی کوئی دقیقہ ترک باقی نہ کرکھو ساری مکرو فریب استعمال کرو قتل کے منصوبے کرو۔ اخراج اور تہد کی تدبیریں کرو۔ مگر یاد رکھو۔ سپہ زمراج و یولون الدبر (سورہ قمر) آخر فتح میری ہے تمہارے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ تمہاری ساری جماعتیں منتشر اور پرگندہ ہو جائیں گی۔ اور پیٹھ دھونک لیں گی۔ جیسے وہ عظیم الشان دعویٰ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً سورہ عرفہ کسی اور نبی نے نہیں کیا۔ اور جیسے فکید و فی جمیعاً کہنے کی کئی بہت نہ ہوئی۔ یہ بھی کسی کے منہ سے نہ نکلا سپہ زمراج و یولون الدبر۔ یہ الفاظ اسی منہ سے نکلے جو خدا تعالیٰ کے سامنے کے نیچے الوہیت کی جامد میں لپٹا ہوا پڑا تھا۔

غرض ان وجوہات پر ایک اجنبی آدمی بھی نظر ڈالے تو اسکو معلوم ہو جائیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے متا اعداء منع طور پر کتاب اللہ کو مضبوط اور محکم فرمادیا ہے اگر کوئی شخص قانون قدرت پر نظر کرتا ہے۔ تو قول او فیعل بائیں باہم مطابق پاتا ہے۔ پھر اگر خوارق پر نظر کرتا ہے تو انکی اس قدر کثرت پاتا ہے جو حد شمار سے باہر ہے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فعل۔ حرکات و سکنات سب خوارق ہیں۔ قوت تدبیر کو دیکھ کر وہ صواب کلام نہ کی پاک تبدیلی حیرت میں ڈالتی ہے۔ پھر کامیابی کو دیکھ کر وہ دنیا بھر کے ماموروں اور مسلوں سے بڑھ کر نظر آتی ہے۔ ان وجوہات استحکام آیات کے علاوہ میرے نزدیک اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ بخدا ان کے ایک الز کے حرف سر سے پتہ لگتا ہے۔ کہ یہ حرف مجہدوں اور مرسلوں کے سلسلہ جاریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو قیامت تک جاری ہے۔ اب اس سلسلہ میں آنے والے مجہدوں کے خوارق ان کی کامیابیوں ان کی پاک تاثیروں وغیرہ وجوہات استحکام آیات کو گن بھی نہیں سکتے۔ اور یہ سب خوارق اور کامیابیاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آچکے متبعین مجہدین کے ذریعہ سے ہوئیں اور قیامت تک ہونگی وہ وحیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی کامیابیاں ہیں غرض ہر صدی کے سر پرچہ کا آنا صاف طوطا پر تہلارہے۔ کہ مردوں سے استمداد خدا تعالیٰ کی منشا کے موافق نہیں۔ اگر مردوں سے مدد کی ضرورت ہوتی تو پھر زندوں کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہزاروں ہزار اولیاء اللہ جو ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہے ہیں اسکا کیا مطلب تھا؟ مجہدین کا سلسلہ کیوں جاری کیا جاتا؟ اگر اسلام مردوں کے حوالے کیا جاتا۔ تو یقیناً سمجھو کس کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا

یہودیوں کا مذہب مُردوں کے حوالے کیا گیا بنتو کیا ہوا؟ عیسائیوں نے مُردہ پرستی سے متلاذذ کیا یا یا؟
مُردوں کو پہچتے پہچتے خود مُردہ ہو گئے۔ مذہب میں زندگی کی روح رہی اور نہ ماننے والوں میں زندگی کے
آثار باقی رہے۔ اول سے لیکر آخر تک مُردوں ہی کا حج ہو گیا۔

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام کا خداجی و قیوم خدا ہے۔ پھر وہ مُردوں سے پیار کیوں کرنے لگا۔
وہ جی و قیوم خدا تو بار بار مُردوں کو جلا تا ہے۔ یحییٰ (الاحیاء) بعد موت ہوتا (سورہ دوم) تو کیا مُردوں کے
ساتھ تعلق پیدا کر کر جلا تا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں؟ اسلام کی حفاظت کا ذمہ اسی جی و قیوم خدا نے
اناللہ لحاظون (سورہ حجر) کہہ کر اٹھا یا ہوا ہے۔ پس ہر زمانہ میں یہ دین زندوں سے زندگی پاتا
ہے اور مُردوں کو جلا تا ہے یا دیکھو۔ اس میں قدم قدم پر زندے آتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ تھم فصلت
ایک تودہ تفصیل ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ دوسری یہ کہ قرآن کریم کے معارف و حقائق کے اظہار کا
سلسلہ قیامت تک دراز کیا جگا ہے۔

ہر زمانے میں نئے معارف و اسرار ظاہر ہوتے رہتے ہیں فلسفی اپنے رنگ میں طیبیلو مذاق پر مصونی
اپنے طرز پر بیان کرتے ہیں اور پھر یہ تفصیل بھی حکیم و ضعیف دانے لکھی ہے حکیم اسکو کہتے ہیں۔ کہ جن چیزوں
کا علم مطلوب ہو۔ وہ اسے کامل طور پر ہو۔ اور پھر عمل بھی ایسا کامل ہو کہ ہر ایک چیز کو اپنے اپنی محل و
موقع پر رکھ سکے حکمت کے معنی وضع الشئی فی محلہ اور خبیثو مبالغہ کا میغہ ہے۔ یعنی ایسا
وسیع علم کہ کوئی چیز اسکی خبر سے باہر نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مجید کو خاتم الکتاب ٹھہرایا
تھا۔ ادا اسکا زمانہ قیامت تک وراثت تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر تعلیمین بن نشین کرنی چاہئیں
چنانچہ اسی کے مطابق تفصیل بیان فرمائی ہیں۔ پھر اسکا سلسلہ جاری رکھا کہ جو محمد و مصلح احیاء و دین
کے لئے آئے ہیں۔ وہ خود مفضل آئے ہیں۔ اسکے بعد ایک عجیب بات سوال مقدر کے جواب کے طور
پر بیان کی گئی ہے یعنی استفادہ تفصیل جو بیان کی جاتی ہیں۔ اُن کا خلاصہ اور مغز کیا ہے؟ الا
تعبدوا الا اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی
پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری خاک فرماتا ہے۔ وما خلقت الجن والانس
الا ليعبدن (سورہ زاریا) عبادت اہل میں اسکو کہتے ہیں۔ کہ انسان ہر قسم کی قسامت اور کجی
کو دور کر کے دل کی زمین کو ایسا صاف بنائے جیسا کہ زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عجب کہتے ہیں
مورعہ جیسے سرمہ کو باریک کر کے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنالیتے ہیں اسی طرح جب دل کی زمین
میں کوئی کنکر۔ پتھر۔ وغیرہ ناہمواری نہ ہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا روح ہی روح ہو۔ اسکا نام

عبادت ہی۔ چنانچہ اگر آئینہ کی درستی اور صفائی کی جائے۔ تو اس میں شکل نظر آ جاتی ہے۔ اور اگر زمین کی کی جائے تو اس میں انواع و اقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس انسان جو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر دل صاف کرے۔ اور اس میں کسی قسم کی کجی یا فساد ہواری۔ کنکر۔ پتھر وغیرہ نہ بنوئے تو اس میں خدا نظر آئیگا۔ جس پر کھڑا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے فرحت میں پیدا ہو کر نشوونما پائینگے اور وہ آثار شریں و طیبہ میں لکینگے جو اکہما داد اللہ کا مصداق ہونگے۔ یاد رکھو۔ کہ یہ وہی مقام ہے جہاں صوفیوں کے سلوک کا خاتمہ ہے۔ جب سالک یہاں پہنچتا ہے تو خدا ہی خدا کا جلوہ دکھتا ہے اس کا دل عرش الہی بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُس پر نازل فرماتا ہے۔ سلوک کی تمام منزلیں یہاں آ کر ختم ہو جاتی ہیں کہ انسان کی حالت تعب و محنت ہو جس میں روحانی بارے لگ جاتے ہیں اور آئینہ کی طرح خدا نظر آتا ہو۔ اسی مقام پر پہنچ کر انسان دنیا میں جنت کا نمونہ پاتا ہے۔ اور یہاں ہی ہذا الذی ردقنا من قبل و التوا بہ منتشا ہما (سورہ لقو) کہنے کا خطا و لطف اٹھاتا ہے۔ غرض حالت تعبد کی درستی کا نام عبادت ہے۔

پھر فرمایا۔ اتنی لکھ منہ نذیر و بشیر۔ چنانچہ یہ تعبد تمام کا عظیم الشان کام انسان بدوں کسی اُسوہ حسنہ اور نمونہ کامل کے۔ اور کسی قوت قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کہلوانا ہے۔ کہ تو کہہ کہ میں اُسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں اگر میری اطاعت کرو گے اور مجھے قبول کرو گے۔ تو تمہارے لئے بڑی بڑی باتیں ہیں کیونکہ میں بشیر ہوں اور اگر مجھے رد کرو گے تو یاد رکھو کہ میں نذیر ہو کر آیا ہوں۔ پھر تم کو بڑی بڑی عقوبتوں اور دکھوں کا سامنا ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمیشہ زندگی اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پرکورانہ زیست جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے بالکل الگ ہو کر سب کچھ اپنے چہنی زندگی کا نمونہ ہے۔ اور وہ بہشت جو مرنے کے بعد جیسا کہ اسی بہشت کا اصل ہو۔ اور اسی لئے تو ہمیشہ لوگ نما و جنت کا خطا ٹھٹھاتے وقت کہینگے ہذا الذی ردقنا من قبل۔ دنیا میں انسان کو جو بہشت ملتا ہے وہ قد افلح من ذکرہا (سورہ اشس) پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ جب انسان عبادت کا اصل مفہوم اور مغز حاصل کر لیتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے افہام و اکرام کا پاک سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور جو تعبد کی عیدہ بعد مردن ظاہری مرنے اور عیسوس طیسوس جینیکی بعد اب روحانی طور پر پاتا ہے۔ پس یاد رکھو۔ کہ جب تک ہمیشہ زندگی اسی جہان سے شروع نہ ہو (اصل عالم میں اس کا خطہ اٹھاؤ۔ اس وقت تک میر نہ ہو۔ اور تسلی نہ کیڑو کہ وہ جو اس دنیا میں

کچھ نہیں پاتا اور آئندہ جنت کی امید کر لیتے۔ وہ طبع حرام کرتے ہیں۔ اصل میں وہ منکات فی ہذا اعمیٰ
 فہو فی الآخرۃ اعمیٰ (سورہ) کا مصداق ہے۔ اس لئے جنتک ماسوی اللہ کے کند و سنگر نہ رہے
 زمین دل سے دور نہ کر لو۔ اور اسے جہنم کی طرح مصفا اور سرمد کی طرح ہار یک نہ بنا لو۔ صبر نہ کرو۔ ۱۸ میری
 ہے کہ انسان کسی مزی کی نفس کی امداد کے بغیر اس سلوک کی منزل کو طے نہیں کر سکتا اسی لئے اُسکے
 انضام و انصرام کے لئے اللہ تعالیٰ نے کامل نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا۔ اور پھر ہمیشہ
 کے لئے آپ کے سچے جانشینوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ تاکہ ان عاقبت اندیش بڑا ہوں کا رہبر جیسے یہ
 ہر ایک ثابت شدہ صداقت ہے۔ کہ جو کسان کا پیچہ نہیں ہے۔ ملائی (گڈی کرنا) کے وقت اصل وخت
 کو کاٹ دیگا۔ اسی طرح پر یہ زمینداری جو روحانی زمینداری ہے۔ کامل طور پر کوئی نہیں کر سکتا۔ جب تک
 کسی کا دل انسان کے ماتحت نہ ہو۔ جو حجم نری۔ آب پاشی۔ ملائی کے تمام مرحلے طے کر چکا ہو۔ اسی سے
 معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کامل کی ضرورت انسان کو ہے۔ مرشد کامل کے بغیر انسان کا عبادت کرنا اسی سنگ کا
 ہے جیسا ایک نادان و نادان فکیر ایک کھیت میں بیٹھا ہی اصل پودوں کو کاٹ رہا ہے۔ اور اپنے
 خیال میں وہ سمجھتا ہے۔ کہ وہ گڈی کر رہا ہے۔ یہ گمان ہرگز نہ کرے۔ کہ عبادت خود ہی آجائے گی نہیں۔ جنتک
 رسول نہ سکھائے۔ انقطاع الی اللہ اور تبتل نام کی راہیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ پھر طبعاً سوال پیدا
 ہوتا ہے کہ مشکل کام کیونکر حل ہو۔ اسکا علاج خود ہی بتایا۔ وان استغفرہوا دیکھتے تو بوا الیہ
 دومہ نوح یا مد کھو و پھیریں اس امت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے دیکھو استغفار
 ہے جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ مومنوں نے لکھا ہے۔ کہ جیو و مذہب
 کرنے سے مثلاً گدے اور موگروں کے اٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے۔ اسی
 طرح پر روحانی گدے استغفار ہے۔ اسکے ساتھ روح کو ایک قوت ملتی ہے۔ اور دل میں ہتھامت
 پیدا ہوتی ہے۔ جسے روحانی قوت یعنی مطلوب ہو وہ استغفار دکرے۔ غفر ڈیکھنے اور دبانے
 کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان اُن جذبات اور خیالات کو حل اپنے اور دبانے کی کوشش
 کرتا ہے جو خدا تعالیٰ سے روکتے ہیں۔ پس استغفار رکھے ہی معنی ہیں کہ ہر ایسا مادہ جو حکم کے انسان
 کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اُن پر غالب آوے اور خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کی راہ کی رکھوں
 چکلا نہیں علی رنگیں دکھائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قسم کے مادے رکھے ہیں۔ ایک مٹی دہریلی
 مادہ ہے۔ جس کا مصل شیطان ہے۔ اور دوسرا تہاتی مادہ ہے۔ جب انسان تکبر کرنا ہو۔ اور اپنے تئیں

کچھ سمجھتا ہے۔ اور تریاتی چشمہ سے مد نہیں لیتا۔ تو سنی قوت غالب جاتی ہے۔ لیکن جب اپنی نیکی
ذیل و حقیر سمجھتا ہے اور اپنا اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس وقت اللہ
کی طرف سے ایک چشمہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی روح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے اور یہی استغفار کے
معنی ہیں یعنی یہ کہ اس تریاتی قوت کو پاک کر دہریلے مواد پر غالب آجائے۔

غرض اسکے یہ معنی ہیں کہ عبادت پر یوں قائم رہو۔ اول رسول کی اطاعت کرو۔ دوسرا ہر وقت خدا
مدد چاہو۔ ماں پٹے اپنے رب سے مدد چاہو۔ جب قوت مل گئی تو۔ تو بول الیہ یعنی خدا کی طرف
رجوع کرو۔

استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدم ہے کیونکہ استغفار
مدد اور قوت ہے جو خدا تعالیٰ سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادت اللہ
یہی ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا۔ تو خدا تعالیٰ ایک قوت ویدیکا اور پھر
اس نوت کے بعد ان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائیگا۔ اور نیکیوں کے کرنے کے لئے اس میں
ایک قوت پیدا ہو جائیگی جس کا نام قبول الیہ ہے۔ اس لئے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں
ایک طریق ہے جو سالکوں کے لئے رکھا ہے کہ ہر حالت میں خدا تعالیٰ سے استمداد چلے۔ سالک
جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائیگا۔ کیا کر سکیگا۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے اگر
استغفار نہ ہو۔ توفیق یا دیکھو کہ توبہ کی قوت نہ جاتی ہے۔ پھر اگر اس طرح استغفار کرو گے اور اسکے بعد توبہ کرو گے تو توبہ پر
کہ جنتکم متاعاً حسناً الی اجل مسمیٰ (سورہ صافات) اسی طرح یہ جاری ہے۔ کہ اگر استغفار
اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پالو گے۔ ہر ایک شخص کے لئے ایک لڑہ ہے جس میں وہ طبع ترقی کو حاصل کرتا ہے ہر ایک آدمی
بنی۔ رسول۔ صدیق۔ شہید نہیں ہو سکتا۔ اس میں ابھی شک نہیں کہ توفیق و عبادت
امرق ہے۔ اس سے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان امور پر مواصلت کرنے سے ہر ایک سالک اپنی اپنی
استعداد کے موافق درجات و مراتب کو پائیگا۔ یہی مطلب و اسات کا و قوت کل ذی فضل
فضلہ (سورہ) لیکن اگر زیادہ استعداد لیکر آیا ہے تو خدا تعالیٰ اس جہادہ میں اس کو زیادہ عطا
فرمائیگا اور اسے اپنا فضل عطا کریگا۔ جو طبعی طور پر اس کا حق ہے۔ ذی فضل کی اصافت ملتی ہے مطلب
یہ کہ خدا تعالیٰ اسے محرم نہ رکھیگا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیاں نے ملی بنا ہے۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں۔
وہ دنیاطبع کا فروں انسان کو مناسب ہے کہ قانون قدرت کو ہاتھ میں لیکر کام کرے۔

میں ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں سے مدد مانگنے کا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کہیں فرمایا نہیں

کیا۔ بلکہ زندوں ہی کا ذکر فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا۔ جو اسلام کو زندوں کے سپرد کیا۔ اگر اسلام کو
مردوں پر ڈالتا۔ تو ہمیں معلوم کیا آفت آتی۔ مردوں کی قبریں کہاں کم ہیں۔ کیا لٹان میں تھوڑی قبروں
ہیں سہ گروہ گرا گداؤ گورستان۔ اسکی نسبت مشہور ہو میں بھی ایک بار لٹان گیا تھا۔ جہاں کسی
قبر پر چادر مجاور پکڑے اتارنے کو گرہو جاتے ہیں۔ پاک پٹن میں مردوں کے فیضان سے دیکھ لو کیا ہوا
ہے۔ اجیڑوں جاکو کھو۔ بدعات اور محدثات کا بازار کیسا گرم ہے۔ غرض مردوں کو دیکھو گے۔ تو اس
نتیجہ پر پہونچو گے کہ ان کے پاس سوا بدعات اور ادب کا بے مناسبتی کے کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو صراطِ مقیم
مقرر فرمایا ہے وہ زندوں کی راہ ہے۔ مردوں کی راہ نہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پائے
اصحی و قبیح خدا سے ملے تو وہ مردوں کو تلاش کریں۔ کیونکہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے۔ نہ مردہ۔ بھنکا خدا
مردہ ہے۔ جبکہ کتاب مردہ ہی۔ وہ مردوں سے برکت چاہیں۔ تو کیا تعجب ہے؟ لیکن اگر سچا مسلمان
حسب کا خدا زندہ جس کی کتاب زندہ ہے اور جس کے دین میں ہمیشہ زندوں کا سلسلہ
جاری ہو۔ اور ہر زمانہ میں ایک زندہ انسان خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا کرنے والا آتا ہو۔
وہ اگر اس زندہ کو چھوڑ کر بوسیدہ ہڈیوں اور قبروں کی تلاش میں سرگروان ہو۔ تو البتہ تعجب اور حیرت
کی بات ہے۔

پس نکل چاہیئے۔ کہ تم زندوں کی صحبت تلاش کرو۔ اور بار بار اُس کے پاس اگر بیٹھو۔ اُن ہم یہ بھی کہتے
ہیں کہ ایک دو مرتبہ صحبت میں بیٹھنے سے تاثیر نہیں ہوتی۔ سنت اللہ اسی طرح ہر جاری ہے کہ ترقی
تدریجاً ہوتی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوئی۔ اسی طرح جو
سلسلہ منہج نبوت پر قائم ہوگا۔ اُس میں بھی تدریجی ترقی کا قانون کام کرتا ہوگا۔ پس چاہیئے کہ صحابہ رضی
کی طرح اپنے کاروبار چھوڑ کر یہاں آکر بار بار اور عرصہ تک صحبت میں رہو۔ تاکہ تم دیکھو۔ جو صحابہ رضی
دیکھا۔ اور وہ پاؤ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر
صحابہ رضی اللہ عنہم نے پایا کسی نے کیا سچ کہا ہے سہ یا توں لوڑ مقدسے یا توں اللہوں لوڑ۔ تم دیکھتے ہو کہ میں
بیعت میں یہ اقرار لیتا ہوں۔ کہ میں کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ یہ اسلئے تاکہ میں دیکھوں کہ بیعت کنندہ
اس پر کیا عمل کرتا ہے۔ وہ سنی سنی زمین کسی کو مل جائے۔ تو وہ گھر بار چھوڑ کر واپس جا بیٹھتا ہے۔ اور
حضور ہی ہوتا ہے کہ وہ وہاں رہے۔ تاکہ وہ زمین آباد ہو۔ محمد حسین جیسے کو بھی باریں جا کر شہر نے کی ضرورت
آپڑی۔ پھر ہم جو ایک نئی زمین اور ایسی زمین دیتے ہیں جس میں اگر صفائی اور محنت سے کاشت کیجا
تو بڑی میل لگ سکتے ہیں۔ کیوں یہاں آکر لوگ گھر نہیں بناتے۔ اور اگر اس بے احتیاطی کے ساتھ

اس زمین کو کوئی شخص لیتا ہے۔ کہ سعیت کے بعد یہاں آنا اور چند روز ٹھہرنا بھی اُسے دو بھرا نہ مشکل معلوم دیتا ہے۔ تو پھر اُسکی فصل کے بچنے اور مارا درہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قلب کا نام بھی زمین رکھا ہے۔ اعلیٰ ان اللہ یحی الادلین بعد موتہا۔ زمین کو آباد کرنے کے لئے کشفہ زود کو ناپڑے تلبے بیل خریز نہ ہے۔ بل چلاتا ہے۔ تخم بیزی کرتا ہے۔ آبپاشی کرتا ہے۔ غرضیکہ بہت بڑی محنت کرتا ہے اور جب تک خود دخل نہ دے کچھ بھی نہیں بنتا لکھا ہے کہ ایک شخص نے پتھر پیکھا دیکھا دوع رہی رہی کھیتی تو کرنے لگا۔ مگر نوکرین کے پیر دکر دی۔ اور جب اُن سے حساب لیا۔ تو اُن سے کچھ وصول ہونا تو درکنار کچھ واجب الامداد ہی نکلا۔ پھر اوسکو اس موقع پر شک پیدا ہوا۔ تو کسی دانشمند نے اُسے سمجھا یا کہ نصحت تو سچی ہے لیکن تمہاری بے وفائی ہے۔ خود زمین کے ہتھم ہو۔ تب فائدہ ہوگا۔

طہیک اسی طرح پراض دل کی خاصیت ہے۔ جو اُسکو بے عزتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اُسکو خدا تعالیٰ کا فضل اور برکت نہیں ملتی۔ یاد رکھو میں جو اصلاح خلق کے لئے آیا ہوں۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے وہ اپنی استعداد کے موافق ایک فصل کا وارث بنتا ہے۔ لیکن میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ شخص جو سرسری طور پر سعیت کر کے چلا جاتا ہے اور پھر اسکا پتہ بھی نہیں ملتا۔ کہ کہاں ہی وہ کیا کرتا ہے۔ اُسکے لئے کچھ نہیں ہے۔ وہ جیسے اتنی دست آ یا تھا۔ ویسا ہی ہتھ دست چلا گیا۔ یہ فضل و برکت محبت میں رہنے سے ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے۔ آخر فرجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اللہ اللہ فی اصحابی۔ گویا صحابہ رضی اللہ عنہم خدا کا روپ ہو گئے۔ یہ درجہ ممکن نہ تھا کہ ان کو ملتا۔ اگر وہ دور ہی بیٹھے رہتے۔ یہ بہت ضروری مسئلہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا قرب ہندگان خدا کا قرب ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا ارشاد کو نواح الصادقین اس پر شاہد ہے۔ یہ ایک سرچہ خبص کو تھوڑے ہیں جو سمجھتے ہیں۔ امور من اللہ ایک ہی وقت میں ساری باتیں کہیں بیان نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ اپنے دوستوں کے امراض کی تشخیص کر کے حسب موقعہ اُن کی اصلاح بدرجہ و غلط نصیحت کرنا دیتا ہے اور وقتاً فوقتاً وہ اُن کے امراض کا ازالہ کرتا رہتا ہے۔ اب جیسے آج میں ساری باتیں بیان نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ بعض آدمی ایسے ہوں جو آج ہی کی تقریر سن کر چلے جاویں اور بعض باتیں اس میں مان کے مذاق اور مرضی کے خلاف ہوں۔ تو وہ محروم گئے۔ لیکن جو شخص تو اترا پہل رہتا ہے۔ وہ ساتھ ساتھ ایک تبدیلی کرتا جاتا ہے۔ اور آخر اپنے مقصد کو پالیتا ہے۔ ہر ایک آدمی سچی تبدیلی کا محتاج ہے جس شخص میں تبدیلی نہیں ہے وہ من کان فی ہذہ اعلیٰ کا مصداق ہے۔ مجھے بہت سود و گداز رہتا ہے۔ کہ جماعت میں ایک پاک تبدیلی ہو۔ جو نقش اپنی

جماعت کی تبدیلی کا برسے مل میں ہے وہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اور اس حالت کو دیکھ کر میری ہی حالت ہی لعلک باخع نفسا ان لا یکو نوا مؤمنین (سورہ) میں نہیں چاہتا۔ کہ چند الفاظ طوطی کی طرح بہجت کے وقت رٹ لٹے جاویں۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ تزکیہ نفس کا علم حاصل کرو۔ کہ ضرورت اسی کی ہے۔ ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ مسیح کی وفات حیات پر چھٹ کر ہی اور مبالغے کرتے پھر دو۔ یہ ایک اونٹنی کی بات ہے۔ اسی پر بس نہیں ہے۔ یہ تو ایک غلطی تھی جس کی ہم نے اصلاح کر دی۔ لیکن ہمارا کام اور ہماری غرض ابھی اس سے بہت دور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کرو اور بالکل ایک نئے انسان بن جاؤ۔ اس لئے تم میں سے ہر ایک کے لئے مفردی ہے۔ کہ وہ اس راہ کو سمجھے اور اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرے کہ وہ کہہ سکے کہ میں اونٹنوں میں پھر کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً جب تک ایک مدت تک ہماری صحبت میں رہ کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ اور ہو گیا ہے۔ اسے فائدہ نہیں پہونچتا غطرت اور عقلی حالت اور جذبات کی حالت میں اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل ہو جائے۔ تو کچھ بات ہے۔ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے اشتغال چھوڑ دو۔ خدا تعالیٰ نے دنیا کے شغلوں کو جائز رکھا ہے۔ کیونکہ اس راہ سے بھی ابتلا آتا ہے۔ اور اسی ابتلا کی وجہ سے انسان چور و قمار باز، ٹھگ، دھوکیت بن جاتا ہے۔ اور طرح طرح کی بُری عادتیں اختیار کر لیتا ہے۔ مگر ہر ایک چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ دنیوی شغلوں کو اس حد تک اختیار کرو۔ کہ وہ دین کی راہ میں تمہاری لئے مدد کا سامان پیدا کر سکیں۔ اور مقصود بالذات اسی دین ہی ہو۔ پس ہم دنیوی شغلوں سے بھی منع نہیں کرتے۔ اور یہ بھی نہیں کہتے کہ من رات دنیا ہی کے معتمدوں اور بکھیروں میں منہمک ہو کر فراق کا خانہ بھی دنیا ہی سے بھر دو۔ مگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ محرومی کے اسباب بہم پہونچاتا ہے۔ اور ان کی زبان پر نرا دعویٰ ہی رہ جاتا ہے۔ العرف زندوں کی صحبت میں رہو۔ تاکہ زندہ خدا کا جلوہ تم کو نظر آئے (الحکم جلد ۶ ص ۲۶)۔

۱۔ اگست ۱۹۰۸ء کے خطبہ جمعہ کی نسبت جو مولوی عبد الکریم صاحب نے پڑھا تھا۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔ کہ یہ بالکل میرا غیب ہی۔ جو آپ نے بیان کیا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ کہ آپ معارف الہیہ کے بیان میں بلند چٹان پر قائم ہو گئے ہیں۔ (الحکم جلد ۴ ص ۴۷)۔

۲۵۔ ۲۶۔ اگست ۱۹۰۸ء کی مدینائی شب۔ گولڑوی کے شور و غوغا پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ ان شور و غوغا سے ہم پر کیا رعب پڑ سکتا ہے۔ ہمیں تو یہ سارے شور ایک تمہید معلوم ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی اس نصرت کی آمد کے لئے جو دیر سے معرض التوا میں ہے۔ عادت اللہ ہمیشہ یہی تھی

ہے کہ جب تک ذیبت شدت سے ہوتی ہے تو غیرت ابھی بھی اسی قدر نصرت کے لئے جوش مانتی ہے۔ انکم کے شور پر جو ہمارے تکذیب اور اذیت ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی غیرت نے بہت جلد لیکھرم کا نشان ظاہر کیا۔ اسی طرح ہم قوی امید رکھتے ہیں۔ کہ یہ شور تکذیب پیش خمیہ ہے کسی زبردست نشان کا۔ ممکن ہے کہ کوئی بد قسمت اس شور کے رعب میں آکر گرٹ جائے۔ اسکا علاج ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ سنت اللہ یہی ہے (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

۹ ستمبر ۱۹۰۰ء۔ اللہ تعالیٰ کے غنا سخاوتی پر ایک نہایت مؤثر تقریر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: اگرچہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہوا کہ اوی القویۃ مگر خدا تعالیٰ کسی کا محکوم رہنا نہیں چاہتا۔ اسکی صفت غنا ہر دم تقاضا کرتی ہے۔ کہ انسان کبھی امین اور مطمئن ہو کر نہ بیٹھ رہے۔ اسکا منشا ہے کہ انسان خوت و ہراس میں ادکات بسر کرے۔ تاکہ ذل عبودیت کی حالت قائم رہے۔ بیضہ خدا تعالیٰ کی تلواریں بہت بہت دعائیں مانگو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے اس کاؤں کو محفوظ رکھے۔ اسلئے کہ مخالفوں کے نزدیک احد جگہوں کے لوگ تو شہید ہوتے ہیں۔ مگر فائدہ کرے جو یہاں پڑے۔ تو یہی کہینگے کہ ان پر غضب الہی پڑا (الحکم جلد ۱ ص ۳۵)۔

۲ ستمبر ۱۹۰۰ء۔ اس وقت تک قریباً ہر ایک کام سکھو جو کرنا پڑتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے سوالات جو ذرا سے تدبیر اور غور کے بعد حل ہو سکتے ہیں بعض لوگ ہمارے دوستوں میں سے لکھ کر بھیج دیتے ہیں اور کبھی اجالتہ ہیں۔ اور پھر ان کا جواب ہمیں ہی دینا پڑتا ہے۔ پس چاہتا ہوں کہ ہمارے دوست اس کام میں ہمارے مددگار ہوں اور کچھ بٹائیں۔

ہماری جماعت کے واعظ اور دراز ملکوں میں پہنچیں۔ اور کلام حق کی تبلیغ کریں۔ صحابہ کرام کس طرح دور دراز ملکوں میں پھیل گئے تھے (الحکم جلد ۴ ص ۳۵)۔

۹ ستمبر ۱۹۰۰ء۔ تحفہ گوڑویہ کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک الہام ہوا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ یہ رسالہ بڑا باریکت ہوگا۔ اسے پورا کرو۔ اور پھر الہام ہوا۔ قل رب زدنی علماً۔ چونکہ مضامین کی آمد بہت ہے۔ اور وہ چاہتی ہے کہ درمیانی سلسلہ ٹوٹے نہ پڑے اسلئے کہ ٹوٹے ہر بسا اوقات پیش آمد مضمون فوت ہو جاتا ہے۔ مناسب ہے کہ جمعرات تک پھر تالیس غلو عصر کی حج کر کے پڑھی جائیں (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

ایک دن مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اب تو آپ بھی ہمارے ساتھ مخالفوں کی ہنگامیوں میں شامل ہو گئے۔ بڑا ثواب ہوگا (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

۸ ستمبر ۱۹۰۰ء سے پہلی شب۔ مولوی نور الدین صاحب بمیر وی نے اس آیت کے معنی حضرت مسیح موعودؑ سے دریافت کئے۔ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او برسلا (سورہ نور) مولوی صاحب نے عرض کیا کہ اس آیت پر بہت سا جھگڑا ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا قبل اسکے کہ اس آیت کے حل کی طرف ہم متوجہ ہوں ہم عملاً دیکھتے ہیں۔ کہ نہیں ہی طریقے ہیں خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کے۔ چوتھا کوئی نہیں (۱)۔ روایہ (۲) مکاشفہ (۳) وحی دہر نازعشا کا سلام پھیرنے کے بعد فرمایا (مولوی صاحب اس آیت کے معنی خوب کھل گئے ہیں۔ من وراء حجاب سے مراد رؤیا کا ذریعہ ہے۔ من وراء حجاب کے معنی یہ ہیں کہ اُس پر استعائے غالب رہتی ہیں۔ جو حجاب کا رنگ رکھتے ہیں۔ ایسی ہی رؤیا کی ہئیت ہے۔ یوسل دسولا سے مراد مکاشفہ ہے۔ رسول کا مثل بھی مکاشفہ میں ہی ہوتا ہے۔ اور مکاشفہ کی حقیقت یہی ہے کہہ تغلات کی سلسلہ ہوتا ہے قرآن کریم کیسے کیسے حقیقی اور عظیم علوم بیان فرماتا ہے۔ اس آیت کے ہر رنگ انجیل نوریت میں تو دھونڈ کر تاؤ (مولوی صاحب نے اس تفسیر سے پہلے یہ دریافت کیا تھا کہ من وراء حجاب سے یہ مطلب ہو کہ خدا تعالیٰ کا نظر اُن کی ضروری نہیں) حضرت مسیح موعودؑ نے پھر فرمایا کہ یہ مطلب ہی نہیں بلکہ یہ معنی ہی رؤیا کے ہیں اور لفظ من وراء حجاب نے تو حقیقت رؤیا کے فلسفہ کی بیان کی ہے (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

۸ ستمبر ۱۹۰۰ء شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی کا خط دوبارہ کسی ابتلا کے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پہنچا جس پر آپؑ نے فرمایا میں اس ابتلا میں اُن کے لئے بہت دعا کرتا ہوں اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ و حقیقت ابتلا بڑی رحمت کا موجب ہوتے ہیں۔ کہ ایک طرف عبودیت مضطر ہو کر اور بھالے طرف سے کٹے کر اسی کیلئے سبب سانکی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ اور دوسری الوہیت اپنے فضلوں کے لشکر لیکر اس کی تسلی کے لئے قدم بڑھاتی ہے۔ میں ہمیشہ یہ سنت ابنیاء اور سنت اللہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ جس قدر اس گرامی جماعت کی رافت و رحمت ابتلا کے وقت اپنے خدام کی نسبت جوش مارتی ہے آرام و عافیت کے وقت وہ حالت نہیں ہوتی (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

حضرت مسیح موعودؑ کو (۷ ستمبر ۱۹۰۰ء) دوسرے وقت بار بار یہ الہام ہوا۔ اِنی مع الامراء اتیک بغتہ یعنی میں امیروں کے ساتھ تیری طرف اچانک آؤں گا (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

۹ ستمبر ۱۹۰۰ء۔ بعد نماز حضرت مسیح موعودؑ نے بڑی لطیف تقریر فرمائی۔ اور مولوی عبدالکریم صاحب مخاطب ہو کر فرمایا: کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ ارادہ الہی کے موافق ہو رہا ہے ضروری

تھا۔ کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اُن آثار کی صداقت پر گہر لگا دیتے جنہیں لکھا ہے کہ سہمی معہود کے وقت بڑا شور برپا ہوگا۔ اور اسکو سلف و خلف کے عقائد کے خلاف باتیں بنانے والا لکھ کر فخر ایا جائیگا۔ اسوقت ہمارے احباب کو ایسا ہی صبر کرنا چاہیے جیسا کہ ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے مکہ معظمہ میں کیا۔ کوئی حرکت اُن سے ایسی سرزد نہ ہوئی۔ جو انہیں حکام تک پہنچاتی۔ اور نہ کسی پر پھر دسہ نہ کریں کہ فلاں شخص ہماری مدد کر گیا۔ یاد رکھیں اسوقت خداوند جل و علا کے سوا کوئی ولی و نصیر نہیں (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

ایک شخص شیخ عبد الرحمن کشمیری بازار لاہور کا ایک لمبا چوڑا اشتہار لیکر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پہنچا۔ اُسے دیکھ کر آپ نے فرمایا: اب ہماری باتیں اُن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اور حقیقت جنتک آسمان سے فوراً نازل ہو کر قلوب کو باہم نہ بنائے۔ کوئی نہ سمجھا سکتا ہے اور نہ کوئی سمجھ ہی سکتا ہے۔ یہ ایام ابتلاء کے ایام ہیں یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے اولیاء سے جنگ کرنے کے سبب سے صرف ایمان ہی سلب ہو جاتا ہے بلکہ عقلیں بھی سلب ہو جاتی ہیں۔ اسوقت جو شخص بولتا ہے یہی بولتا ہے۔ اور بیسویں خط مختلف اطراف سے اس مضمون کے آتے ہیں کہ مہر علی شاہ نے مرزا صاحب کی ساری شرطیں منظور کر لیں پھر وہ مقابلہ کے لئے کیوں نہ آئے۔ اللہ امتد ایک طوفان بے تیزی برپا ہے کوئی غور کرتا ہی نہیں کہ اہل بات کیا ہے (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

۱۹ ستمبر ۱۸۹۰ء مطابق بستم جاوی الاول ۱۳۱۰ھ بعد ازاں مغرب شرف دیدار مبارک حضرت اقدس حاصل گویہ فرمودند۔ کلام الہی برتر قسم است۔ وحی۔ رعیا۔ کشف۔ وحی آنکہ ملاوطل شخصے بر قلب مطہر نبوی فرود آید۔ و آن کلام اجل و روشن می باشد۔ نظیرش بیان فرمودند۔ کہ مثلاً حافظ صاحب تائینا کہ پیش ناشتہ اند۔ در سماع کلام ما ہرگز غلطی نمی خورند۔ و منی دانند کہ آواز مسیح کلام غیر ما باشد۔ اگر چہ از چشم ظاہر ما رانی بینند۔ و دیگر رویا و منام است۔ کہ آن کلام رنگین لطیف و کناہ دار و۔ و ذوی الوجہ است۔ چوں دیدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوارین ہدایت مبارک خویش یا معانہ فرمودن یکے دوہرہ مطہر خود را طول بین و دیدن بقہ و غیرہ و اینچنین کلام الہی تعالیٰ طلب است۔ سوم کشف است و آن تمثیل است خواہ بصورت جبرئیل باشد یا فرشتہ یا دیگر شیاء۔ پس آیت شریف خوانند ان یکلمہ اللہ الا وحیا و من ورائی حجاب او بر مسل دسولا (سورہ النبوی) ارشاد شد۔ کہ سوائے اموث ملثہ مذکورہ کلام الہی را طریق نیست (الحکم جلد ۱۰ ص ۳۵)۔

مکتوبہ مولوی محمد سعید حیدر آبادی۔

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء عہدِ نبوت میں آج کثر العمال دیکھ رہا تھا۔ مہدی اور جلال کی نسبت ۸۵ حدیثیں آپس جمع کی گئی ہیں۔ سب حدیثوں میں یہی ہے کہ مہدی آسمانی پوٹ بیری کر لگیا۔ اور یوں خلقِ خدا کے خون سے روئے زمین کو رنگین کر لگیا۔ خدا جانے ان لوگوں کو جو ان احادیث کے دمناع تھے سفاکی کی کس قدر پر میاں اور خلقِ خدا کی جان لینے کی کتنی بھوک تھی اور اس وقت عقلیں کس قدر موٹی اور سطحی ہو گئی تھیں کہ یہ بات انکی سمجھ میں ہی نہیں آئی۔ کہ یہ امر اصول تبلیغ اور ماموریت کے قطعاً خلاف ہے کہ کوئی مامور اتنے ہی بلا اتمامِ حجت کے تیغ زنی شروع کر دے تعجب کی بات ہے ایک طرف تو آخری زمانے کو حضرت خیر الانام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اتنا دور قرار دیا ہے اصرار ہے کہ جتنا بعد زمانہ نبوت سے ہو گا۔ اتنی ہی غفلت اور کسل اور اعراض عن اللہ کا مرض شدید ہو گا۔ یا اینہم آخری زمانہ کا مصلح اور مامور ایسا شخص قرار دیا ہے۔ جو آتے ہی تلوار سے کام لے۔ اور اتمامِ حجت کا ایک لفظ بھی منہ پر نہ لاوے مدہ مصلح کیا ہوا۔ وہ تو خنزیر مفسدہ تھا۔ افسوس آتا ہے کہ اس قدر تناقضات کا مجموعہ وہ احادیث ہیں کہ اس سے زیادہ مفادات اور لغویات میں بھی تناقض ممکن نہیں مگر ان لوگوں کی دانشیں انکی بیہودگی کی تہ تک نہ جاسکیں۔ میں ان حدیثوں کو پڑھ کر کانپ اٹھا اور دل میں گذر اور پڑے درد کے سانچہ گذرا۔ کہ اگر اب خدا نعلائے خیر نہ لیتا اور یہ سلسلہ فائیم و کرتا۔ جس نے اصل حقیقت سے خبر دینے کا ذمہ اٹھایا ہے۔ تو یہ مجموعہ حدیثوں کا اور تھوڑی عرصہ کے بعد بیشمار مخلوق کو مرتد کر دیتا۔ ان حدیثوں نے تو اسلام کی جھلکتی اور خطرناک ارتداد کی بنیاد رکھ دی۔ ہوئی ہے۔ جبکہ حدیثیں یوہنی نامہ اور حدیثیں امدیہ بنیاد پیشگوئیاں جو محض مروجے فروع اور باطل افسانے ہیں اور کچھ مدت کے بعد کفر والی نسلوں کے سامنے اسی طرح نامہ ادبیش ہوتیں۔ تو صاف شک پڑ جاتا۔ کہ اسلام بھی اور مجموعے مہابھارتی مذہبوں کی طرح نرا کھوں پر مبنی اور بے سرو پا مذہب ہی اور آئندہ نسلیں سخت تنہی اور استہزاء سے اس بات کے کہنے کا بڑی دلیری سے موقعہ پائیں۔ کہ دجال کو خدا بنانے والا اور خدا کی صفات کا ملکہ متجمع سے پورا حصہ دینے والا مذہب بھی کبھی مذہب حق اور مذہب توحید کہلانے کا استحقاق رکھ سکتا ہے۔ (الحکم جلد ۳ خط مولوی عبد الکربیم صاحب)۔

اگر ہم اسے پاس قراں نہ پڑھا۔ امد حدیثوں کے یہ مجموعے ہی بائناز ایمان و اعتقاد ہوتے۔ تو ہم غیر قوموں کو شرمساری سے منہ بھی نہ دکھا سکتے۔ یقیناً قرآن کے لفظ میں بخور کی تب جھجھ کر کھلا۔ کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ امد یہ ہے۔ کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق

کتاب ہی۔ اور آئندہ ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی۔ جبکہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اسکے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اسوقت اسلام کی عزت بچانے کے لئے اور بطلان کا استیصال کرنے کے لئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی۔ اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہونگی۔ فرقان کے بھی یہی معنی ہیں یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی۔ اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی۔ اسلئے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ بڑے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرقت النفات ذکر کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن ٹھک رہے۔ ہا۔ سی جماعت کو چاہئے۔ کہ قرآن کریم کے شغل اور نذر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کریں۔ بڑے انوس کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتناء اور تدارس نہیں کیا جاتا۔ جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔ اسوقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو۔ تو تمنا ہی فتح ہے۔ اس دور کے سامنے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی دخط مولوی عبدالکریم صاحب الحکم جلد ۴ ص ۲۲۔

اور اسپر اسوقت تو ہزاروں اور قتنے اور آفتیں بھی ہونگی۔ پھر قتال سے کیا فائدہ؟ آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے لاہمدی الا علیٰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات قرآن سے ہی ہے۔ جب ہم اس ترتیب کو دیکھتے ہیں۔ کہ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو ہی مقصد بیان فرمائے ہیں۔ یعنی تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت۔ اول الذکر کی تکمیل چھٹے دن یعنی جمعہ کے دن ہوئی جبکہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم اور دوسری تکمیل کے لئے بالاتفاق مانا گیا ہے۔ کہ وہ صبح ابن مریم یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں ہوگی۔ سب مفسرین نے بالاتفاق لکھ دیا ہے۔ کہ آیت هو الذی ارسل دسولہ بالہدایہ کی تکمیل مسیح موعود کے زمانہ میں ہوگی۔ اور جبکہ ہدایت کی تکمیل چھٹے دن ہوئی تو اشاعت ہدایت کی تکمیل بھی چھٹے دن ہی ہونی چاہئے تھی۔ اور قرآنی دن ایک ہزار برس کا ہوتا ہے۔ گویا مسیح موعود چھٹے ہزار میں ظاہر ہوگا۔

قرآن شریف ہی پڑھنے کے لائق کتاب ہے۔ کیونکہ قرآن کے معنی یہ ہیں۔ آبلوں وغیرہ معترین نے قرآن کریم کے الفاظ کو نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے خیال الما لکین وغیرہ الفاظ پر اعتراض کئے ہیں۔ حالانکہ ان کے وید وغیرہ میں ایڈر کو بڑا مکار لکھا ہے۔

مہدی کی حدیثیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطنت کے خیال سے وضع کی گئیں تھیں (الحکم جلد ۱۲ ص ۱۳۳) ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء۔ صبح کی سیر کے وقت حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام“

عصر کے وقت چھٹے دن پیدا ہوا تھا۔ اس وقت مشتری کا دورہ ختم ہو کر زحل کا شروع ہونا لگنا چھوٹا زحل کی تاثیرات کو خیزی اور سفاکی ہیں۔ اس لئے ملائکہ نے اس خیال سے کہ یہ زحل کی تاثیرات کے اندر پیدا ہوگا۔ یہ کہا التجمل فیہا من لعینہا (سورہ بقرہ) اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس طرح انسان ارضی تاثیرات اور یوٹیوں کے خواص سے واقف ہوتا ہے۔ اسی طرح پر آسمانی مخلوق آسمانی تاثیرات سے باخبر ہوتی ہے۔

ایاک تعبداً میں جہاں الرب - الرحمن - الرحیم - مالک یوم الدین کے شُحْن و احسان کی طرف متحرک ہوتی ہے۔ وہ انسان کی عاجزی اور بے کسی بھی ساتھ ہی محرک ہوتی ہے اور وہ ایاک نستعین کہہ اٹھتا ہے۔

بہترین دعا وہ ہوتی ہے جو تمام خیروں کی جامع ہو اور تمام مضرت سے ماح ہو۔ اس لئے الغفت علیہم کی دعائیں حضرت آدم سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے مکمل نعم علیہم لوگوں کے انعامات کے حصول کی دعائی اور غیر المعنوب علیہم وکالضالین میں ہر قسم کی مفرزوں سے بچنے کی دعا ہے۔

اسلام کی نسبت جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ تلوار سے پھیلا یا گیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اسلام نے تلوار اس وقت تک نہیں اٹھائی۔ جب تک کہ سامنے تلوار نہیں دیکھی۔ قرآن شریف میں صاف طور پر لکھا ہے کہ جس قسم کے ہتھیاروں سے دشمن اسلام پر حملہ کرے اُسی قسم کے ہتھیار استعمال کرو۔ یہی کہ بارہ میں کہتے ہیں کہ اگر تلوار سے کام لینگا۔ یہ صحیح نہیں۔ اب تلوار کہاں ہے جو تلوار نکالی جاوے۔ پھر افسوس تو یہ ہے کہ باوجودیکہ مسیح ان لوگوں کے مسلمات کو تسلیم کر لینگا۔ اور فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اتر لینگا۔ مگر پھر بھی اُس پر کفر کا فتویٰ دیا جائیگا۔ جیسا کہ کتابوں سے ثابت ہے۔ بلکہ ایک شخص اُنھیں کہہ لینگا۔ ان هذا الرجل غیر دیننا۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے لوگ ان دلائل سے باخبر ہوں۔ تاکہ کسی محفل میں اُن کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی اور یعقوب علی اور اور چند دوست ایسی کتابیں سوال و جواب کے طور پر تالیف کریں جو ہمارے مقاصد کو لئے ہوئے ہوں۔ اور بد رسہ میں رائج کی جائیں (الحکم جلد ۱۲ ص ۷۷)۔

۱۵۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء۔ اکتوبر کے شروع سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پوری صحت نصیب ہوئی۔ ۱۳۔ اکتوبر عصر کے وقت باہر تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ طبیعت بہت علیل ہے

دعا کرتی چاہیے۔ اسپر مولوی عبدالکریم صاحب نے حضور کے کثرت فرائض و ہجوم علامات کے بارہ میں عرض کی۔ اسپر اپنے مسکرا کر فرمایا: "اے یہ تو ہمیں یقین ہے۔ کہ اسیں اللہ تعالیٰ کے بہتک مصلح لمحوظ ہیں۔"

۱۷۔ اکتوبر کی رات کو ایک مغرض امام الدین لاہوری کے مضمون کا ذکر ہوا۔ جو اُسے اخبار عام میں احمد بیگ والی پیشگوئی کے بارہ میں لکھا تھا۔ اسپر نے فرمایا: "اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے خوف سے غور کرے۔ کہ چار شخصوں کی موت کی نسبت ہماری پیشگوئی تھی جنہیں سے تین ہلاک ہو چکے اور ایک (دوام) باقی ہے۔ تو اُسکی روح کا تپ جائیگی۔ کہ کس دلیری سے اور کیوں وہ اغراض کر سکتا ہے۔ اُسے سمجھ لینا چاہیے۔ کہ خدا تعالیٰ کے مصلح آپس میں۔"

خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ راستبازوں کے مخالفوں کی عمریں بھی اُن کے راستبازوں کے کارخانہ کی رونق کے لئے لمبی کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ قادر تھا کہ ابوجہل اور اُسکے اشرار پر کہ معظمہ میں یکجا اور ناگہاں بھلی ٹپڑ جاتی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑی ایذا پہنچانے سے قبل اُنکا استیصال ہو جاتا۔ مگر اُن کا تار پود و سہم برہم نہ ہوا۔ جب تک کہ پیر کا دن نہ آیا۔ اگر ایسی ایسی کارروائیاں جلد جلد پوری ہو جائیں تو جی بہت جلد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ اور وہ گرمی ہنگامہ کیونکر رنگ باری چہرہ مانتی ہو جس کے قیام کے بغیر طرح طرح کے علوم و فکیتیں بروئے کار نہیں آسکتیں۔ خدا تعالیٰ صاف کو نہیں اٹھاتا۔ جب تک کہ اُس کا صادق ہونا آشکار نہ کرے اور اُن الزاموں اُسکی تطہیر نہ کرے جو نا عاقبت اندیش اسپر لگاتے ہیں۔ "پھر یہ رویا سنائی۔ کہ گھبراہٹنا ہوں کہ مجھ کی والدہ آئی ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ میں ایک جوتی ہے۔ اور مجھ سے کہتی ہیں۔ بی بی جوتی آپ پہن لیں۔ اور پھر میرے ہاتھ میں دیکر کہا۔ یہ جوتی آپ کے لئے ہے پہن لیجئے۔ دشمن زیر ہے۔" خط مولوی عبدالکریم صاحب (الحکم جلد ۴ ص ۷۷)۔

۲۰۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ مولوی جمال الدین صاحب سکنہ سید والہ نے اپنے واقعات سنائے۔ جس پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا: "آج میں ایدناہ بروج القدس کی بحث لکھ رہا تھا جس میں میں نے بنایا ہے۔ کہ مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ روح القدس کے فرزند وہ تمام سعادت مند اور راستباز لوگ ہیں جنکی نسبت قرآن شریف میں ان عبادی الیس علیہم سلطان (سورہ حجر) وارد ہے۔ قرآن کریم سے موعود کی مخلوق ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ جو روح القدس کے فرزند ہیں۔ دوم شیطان کے فرزند۔ اور میں باپ پیدا ہوا۔"

نہیں (الحکم جلد ۱۲ ص ۲۳۷)۔

۲۱۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء۔ صبح کی سیر میں علماء سود کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی ایسا آدمی ہو۔ جو ان کو ہا کہ سمجھا دے اور کہے کہ تم اکٹھے ہو کر کوئی نشان صدق دل سے دیکھ لو۔ مگر ان لوگوں سے بہت کم امید ہے۔ کہ رجوع کریں۔ آئندہ فریت ہماری ہی ہوگی۔ (الحکم جلد ۱۲ ص ۲۳۷)۔

۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء صبح کی سیر میں بہشت و دوزخ کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے بہشت کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں بہشت کے انعامات کی نسبت عطاء غیر محدود فرمایا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو نیکوکاروں کو کچھ امید نہ ہوتی بلکہ یابوسی پیدا ہو جاتی۔ اس لئے کہ بہشت کے دوا می انعاموں کو دیکھ کر مستر بڑھتی ہے اور دوزخ کے ایک معین عرصہ تک ہونے سے امید پیدا ہوتی ہے۔ جسے ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے گونہ کہ کشتہ جزو خوار بود + و اں یار عزیز تنہا خوار بود + از غیر محض شرے نیاید سرگز + خوش باش کہ انجام بخیر خواہر بود۔ ہمارا ایمان یہی ہے کہ دوزخ میں انسان ایک عرصہ تک رہینگے پھر نکل آئینگے۔ گویا جنگی اصلاح نبوت سے نہیں ہو سکی۔ انکی اصلاح دوزخ کر گیا۔ حدیث میں آیا ہے پانی علی جسمہ زما ن لیس فیہ ما احدث یعنی جہنم پر ایک زمانہ ایسا آئیں گے کہ اس میں کوئی تنفس نہیں ہوگا۔ اور نیم صبا اسکے دروازوں کو کھٹکھٹائیگی۔

معجزات مسیح پر گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں دعائیمہ۔ ادھاصیہ اور قوت قد سیدہ کے معجزات۔ ادھاصیہ میں دعا کو دخل نہیں ہوتا۔ قوت قد سیدہ کے معجزات ایسے ہوتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں انگلیاں ڈال دی تھیں۔ اور لوگ پانی پیتے چلے گئے۔ یا کنوئیں میں لب مبارک گرا دیا۔ اور اسکا پانی میٹھا ہو گیا۔ مسیح کے معجزات اس قسم کے بھی تھے خود ہم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ بادشاہ تیسرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔ (الحکم جلد ۱۲ ص ۲۳۷)۔

توجہ اور انبیاء کی دُعائیں عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔ وہ توجہ جو مسمریزم والے کرتے ہیں وہ ایک کسب ہے اور وہ توجہ جو دُعائے پیدا ہوتی ہے ایک موہبت آگہی ہے۔ بنی جبکہ بنی نفع کی سہر دی سے متاثر ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اسکی فطرت کو ہمہ توجہ بنا دیتا ہے اور اسی قبولیت کا نفع رکھ دیتا ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ ص ۲۳۷)۔

یہ تو ہر ایک قوم کا دعوئے ہے۔ کہ بہتیرے ہم ہیں سے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ مگر ثبوت طلب یہ بات ہی کہ خدا تعالیٰ ابھی اُن سے محبت رکھتا ہے یا نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت یہ ہے۔ کہ پہلے تو اُن دلوں سے پردہ اٹھاوے جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا۔ اور ایک دُصمن دی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اُسکے وجود کا قائل ہوتا ہو بلکہ ایسا اوقات امتحان کے وقت اُسکے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے۔ اور یہ پردہ اٹھایا جانا بخیر مکالمہ الہیہ کے اور کسی صورت سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ پس انسان حقیقی معرفت کے تہمت میں اسدن غوطہ مارتا ہے جس دن خدا تعالیٰ اُسکو مخاطب کر کے انا للوجود کی اسکو خود بشارت دیتا ہے۔ تب انسان کی معرفت صرف اپنے قیاسی ڈھکوسلہ یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ خدا تعالیٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے۔ کہ گویا اُسکو دیکھتا ہے۔ اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ پر کامل ایمان اسی دن اُسکو نصیب ہوتا ہے۔ کہ جب اشد جہل شائد اپنے وجود سے اُسکو آپ غبر دیتا ہے اور پھر دوسری علامت خدا تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے۔ کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں دیتا بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر اُن پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اُن کی دُعا میں جو ظاہری اُمیدوں سے بڑھکر بہن قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے اُن کو اطلاع دیتا ہے۔ تب اُن کے دل تسلی پکڑ جاتے ہیں۔ کہ یہ ہمارا اقا و خدا ہے جو ہماری دُعا میں سنتا ہے اور ہم کو اطلاع دیتا اور مشکلات سے میں نجات دیتا ہے۔ اسی روز سے نجات کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے اور خدا تعالیٰ کے وجود کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اگرچہ جگانے اور متنبہ کرنے کے لئے کبھی کبھی غیروں کو بھی سچی خواب اسکتی ہے۔ مگر اس طریق کا مرتبہ اور شان اور رنگ اور ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا مکالمہ ہے جو خاص مقروں ہی سے ہوتا ہے۔ اور جب مقرب انسان دُعا کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنی خدائی کے جلال کے ساتھ اس پر تجلی فرماتا ہے اور اپنی روح اس پر نازل کرتا ہے۔ اور اپنی محبت سے بھرے ہوئے لفظوں کے ساتھ اُسکو قبولیت دُعا کی بشارت دیتا ہے اور جس کسی سے یہ مکالمہ کثرت سے وقوع میں آتا ہے اُسکو بنی یا محدث کہتے ہیں۔ اور سچے مذہب کی یہی نشانی ہے۔ کہ اس مذہب کی تعلیم سے ایسے راستباز پیدا ہوتے ہیں جو محدث کے دہرے تک پہنچ جاویں جن سے خدا تعالیٰ اپنے سامنے کام کرے۔ اور اسلام کی حقیقت اور حقانیت کی اہل نشانی یہی ہے کہ اُمیں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہو پیدا ہوتے ہیں تننزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا (سورہ صحر) سو یہی معیار حقیقی ہے اور زندہ اور مقبول مذہب کا ہے اور ہم جانتے

ہیں۔ کہ یہ نور صرف اسلام میں ہے دوسرے مذاہب اس روشنی سے بے نصیب ہیں اور ان مذاہب کے بطلان کے لئے یہی دلیل ہزاروں اہل کمال سے بڑھ کر ہے۔ کہ مژدہ ہرگز زندہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ اندھا سو جا کے ساتھ پورا اتر سکتا ہے (الحکم جلد ۵ ص ۱۹)۔

یہ عاجز تو محض اس غرض کے لئے بھیجا گیا ہے۔ کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ تمام مذاہب موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر امداد تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔ جو قرآن کریم لایا ہے اور انجات میں داخل ہونے کے لئے دروازہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے (الحکم جلد ۵ ص ۱۹)۔

میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ الحمد للہ رب العلمین۔ الرحمن الرحیم۔ ملک یوم الدین سے یہ ثابت ہے کہ انسان ان صفات کو اپنے اندر لے یعنی امداد تعالیٰ کے لئے ساری صفتیں سزاوار ہیں جو رب العالمین ہے یعنی ہر عالم میں نطقہ میں مضغہ وغیرہ سارے عالموں میں۔ غرض ہر عالم میں۔ پھر رحمن ہے۔ پھر رحیم ہے اور ملک یوم الدین ہے۔ اب ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ تو گویا اس عبادت میں وہی ربوبیت رحمانیت۔ رحیمیت اور مالکیت صفات کا پر تو انسان کو اپنے اندر لینا چاہئے۔ کمال عبد انسان کا یہی ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں رنگین ہو جائے۔ اور جب تک اس مرتبہ تک نہ پہنچ جائے۔ نہ ٹھکے نہ ڈرے۔ اس کے بعد خود ایک کشش اور جذب پیدا ہو جاتا ہے۔ جو عبادت الہی کی طرف اُسے لے جاتا ہے۔ اور وہ حالت اُس پر وارد ہو جاتی ہے جو یفعلون مایومرون کی ہوتی ہے۔ (الحکم جلد ۵ ص ۱۹)۔

۳ نو مبر ۱۹۷۷ء۔ رحمانیت کا مظہر نام محمدؐ ہے کیونکہ محمدؐ کے معنی ہیں بہت تعریف کیا گیا اور رحمان کے معنی ہیں بلامرؤ بن مانگے بلا تفریق مومن و کافر دینے والا۔ اور یہ صاف بات ہے کہ جو بن مانگے دیگا اُسکی تعریف ضرور کی جائیگی۔ پس محمدؐ میں رحمانیت کی تجلی تھی۔ اور اسم احمدؐ میں رحیمیت کا ظہور تھا۔ کیونکہ رحیم کے معنی ہیں محنتوں اور کوششوں کو ضائع نہ کرنے والا۔ اور احمدؐ کے معنی ہیں تعریف کرنے والا۔ اور یہ بھی عام بات ہے۔ کہ وہ شخص جو کسی کا عمدہ کام کرنا ہے۔ وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔ اور اُسکی محنت پر ایک بدلہ دیتا ہے اور اُسکی تعریف کرتا ہے۔ اس لحاظ سے احمدؐ میں رحیمیت کا ظہور ہے پس اللہ محمد (رحمن) احمد (رحیم) ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ان عظیم الشان صفات رحمانیت اور رحیمیت کے مظہر تھے (بروایت میاں محمد احمد صاحب۔ الحکم جلد ۵ ص ۱۹)۔

دنیا ایک ریل گاڑی ہے۔ اور ہم سب کو عمر کے ٹکٹ دیئے گئے ہیں جہاں جہاں کسی کا ٹیشن آتا

جاتا ہے۔ اُسکو تار دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ مر جاتا ہے۔ پھر انسان کس زندگی پر خیالی پلاؤ پکاتا۔ اور لمبی امیدیں باندھتا ہے۔

معراج انقطاع نام تھا اور سر اسیں یہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطہ نفسی کو ظاہر کیا جائے۔ آسمان پر ہر ایک روح کے لئے ایک نقطہ ہوتا ہے۔ اُس سے آگے وہ نہیں جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطہ نفسی عرش تھا اور رفیق اعلیٰ کے معنی بھی خدا ہی کے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھ کر اور کوئی معزز و مکرم نہیں ہے۔ در روایت میاں محمود احمد صاحب ۳۔ تو میر سنہ ۱۲۷۰ھ۔ الحکم علیہ علیہ

۲۔ سوال ۳۱۸۔ ہر انسان کا تعویذ ہے۔ پانچ وقت دعا کا موقع ملتا ہے۔ کوئی دعا تو سنی جانیگی۔ اسلئے نماز کو بہت سنوار کر پڑھنا چاہیئے۔ اور حج بھی بہت عزیز ہے۔

سورہ فاتحہ کی سات آیتیں اسی واسطے رکھی ہیں۔ کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ پس ہر ایک آیت گویا ایک دروازہ سے بچاتی ہے۔

اعلیٰ درجہ کی خوشی خدا میں ملتی ہے۔ جس سے پرے کوئی خوشی نہیں ہے۔ جنت پوشیدہ کہتے ہیں۔ اور جنت کو جنت اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ نعمتوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اہل جنت خدا ہے۔ جس کی طرف ترو منسوب ہی نہیں ہوتا۔ اسلئے بہشت کے اعظم ترین انعامات میں رضوان من اللہ اکبر ہی رکھا ہے۔ انسان انسان کی حیثیت سے کسی نہ کسی دکھ اور ترو میں ہوتا ہے مگر حسب قدر قرب الہی حاصل کرتا جاتا ہے۔ اور تخلق و باخلاق اللہ سے رنگین ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر اہل سکھ و آرام پاتا ہے۔ جس قدر قرب الہی ہوگا لازمی طور پر اسی قدر خدا کی نعمتوں سے حصہ لے گا۔ اور ربخ کے معنی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ نجات کامل خدا ہی کی طرف مرفوع ہو کر ہوتی ہے۔ اور جس کا رفع نہ ہو۔ وہ اخلد الی الا دھض ہو جاتا ہے۔ پس ربخ سے مراد اُن کے نجات یافتہ ہونے کی طرف ایما ہے اور یہ روحانی مراتب ہیں۔ جنکو ہر ایک سمجھ دیکھ نہیں سکتی۔ کہ کیونکر ایک انسان آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

نزول سے مراد عزت و جلال کا اظہار ہوتا ہے۔ پس ہمارا نزول بھی یہی شان رکھتا ہے۔ پھر نزول سے پہلے منارہ کا وجود تو خود ہی ہوا ہیگا۔ نزول سے مراد محض بعثت نہیں ہوتی۔

الحمد لله سے قرآن شریف اس لئے شروع کیا گیا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی طرح اُٹا ہو۔ اھدا الصراط المستقیم سے پایا جاتا ہے۔ کہ جب انسانی کوششیں تھک کر رہ جاتی ہیں۔ تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

و عا کمال تب ہوتی ہے کہ ہر قسم کی خیر کی جامع ہو۔ اور ہر شر سے بچاؤ۔ پس اھذا الصراط المستقیم میں ساری خیر جمع ہے۔ اور غیر المغضوب علیہم ولا المضالین میں سب غروں حتیٰ کہ دجالی فتنہ سے بچنے کی دُعا ہے۔ مغضوب سے بالاتفاق یہودی اور الصالین سے نصائے مراد ہیں۔ اب اگر اس میں کوئی رمز اور حقیقت نہ تھی تو اس دُعا کی تعلیم سے کیا غرض تھی؟ اور پھر ایسی تاکید کہ اس دُعا کے بدون نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور ہر رکعت میں اس کا پڑھنا ضروری قرار دیا۔ مجید اسمیں ہی تھا۔ کہ یہ ہمارے زمانہ کی طرف ایسا ہے۔ اس وقت صراط مستقیم ہی ہے جو ہماری راہ ہے۔

مخالف کہتے ہیں کہ مسیحؑ کی شبیہ کو سولی دی گئی۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ اس میں حضرت علیؑ ہی بتانا ہے کہ وہ شخص جو مسیحؑ کی شبیہ بنایا گیا یا دشمن ہو گیا دوست۔ اگر تو وہ دشمن تھا تو ضرور تھا۔ کہ وہ شور مچاتا کہ میں مسیحؑ نہیں ہوں۔ اور میرے فلاں رشتہ دار موجود ہیں۔ میرا اپنی بیوی کے ساتھ فلاں راز ہے۔ مسیحؑ کو تو میں ایسا سمجھتا ہوں۔ سخرض وہ شور مچا کر اپنی صفائی اور بریت کرتا۔ حالانکہ کسی تواریخ صبیح سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ جو شخص صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ اُسے شور مچا کر رُائی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اگر وہ مسیحؑ کا دوست اور حواری بھی تھا۔ تو پھر صاف بات ہے کہ وہ مومن ہائند تھا اور وہ صلیب پر مرنے کی وجہ سے بلا وجہ ملعون ہوا۔ اور فدا نے اُسے زبردستی ملعون بنایا۔ رہی یہ بات کہ مصلوب ملعون کیوں ہوتا ہے؟ یہ عام بات ہے کہ جو چیز کسی خاص فرقہ سے تعلق رکھتی ہے وہ اُسی کے ساتھ منسوب ہو جاتی ہے۔ سولی کو مجرموں کے ساتھ تعلق ہے جو گویا کاٹ دیئے اور مار دیئے جانے کے لائق ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا تعلق مجرم کے ساتھ کبھی نہیں ہوتا۔ یہی لعنت ہے۔ اور ایسی واسطے سولی دیئے جانے والا آدمی لعنتی ہوتا ہے۔ سو یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی کہ ایک مومن ناکردہ گناہ ملعون قرار دیا جائے۔ یہ دونو باتیں غلط ہیں۔ اصل بات وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر ظاہر فرمائی ہے۔ کہ مسیحؑ کی حالت غشی وغیرہ کے سبب سے ایسی ہو گئی تھی جیسے کہ مُردہ ہوتا ہے۔

امبیاد اور اللہ تعالیٰ کے مامو خبیث امڈیل بیاریوں سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً جیسے کہ آنشک یا جذام یا امڈ کوئی ایسی ہی ذلیل امڈ خبیث مرض۔ یہ امراض خبیث لوگوں کو ہی ہوتی ہیں۔ الجنیثات الخبیثین۔ میں عام لفظ رکھا ہے اور نکات بھی عام ہیں اسلئے خبیث مرض سے اللہ تعالیٰ اپنے ماموروں اور برگزیدوں کو بچا لیتا ہے۔ اور یہ کبھی نہیں ہوتا

کہ مومن پر چھوٹا الزام لگایا جائے اور وہ اس سے بالکل بری ثابت نہ کیا جائے۔ خصوصاً مصلح اور مامور۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مصلح اور مامور حسب ذیل کے لحاظ سے بھی اعلیٰ اور جہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا مذہب یہی ہے۔ اور یہی سچی بات ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکوین و تحویم کا معیار صرف تقویٰ ہی ہے۔ اور ہم یہ مانتے ہیں کہ ایک خاکروب بھی مسلمان بنکر اسی وجہ کا قرب اور درجہ اللہ تعالیٰ کے حصو حاصل کر سکتا ہے۔ جو کہ ایک اعلیٰ ذات و خاندان کا آدمی حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی خاص قوم اور ذات کے لئے مفصل مخصوص نہیں ہے مگر سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے۔ کہ جس شخص کو وہ مامور اور مصلح مقرر فرماتا ہے اسے ایک اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کا شرف عطا کرتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ عام لوگوں پر اس کی شرافت انسانی کا اثر پڑے اور کوئی شخص اس کے حسب ذیل پر طعن نہ کر سکے (الحکم جلد ۵ ص ۷)۔

۸۔ دسمبر ۱۹۰۰ء صبح کو اپنا ایک الہام سنا کہ فرمایا کہ: ہم کو تو خدا تعالیٰ کے اس کلام پر جو ہم پر وحی کے ذریعہ نازل ہوا ہے۔ استدریقین اور علی وجہ البصیرہ یقین ہے۔ کہ بیت امدین کھرا کر جس قسم کی چا ہو قسم مید و بلمکہ میرا تو یقین یہاں تک ہے۔ کہ اگر میں اس بات کا انکار کروں یا وہ ہم بھی کروں۔ کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو مٹا کافر ہو جاؤں۔ (الحکم جلد ۴ ص ۷۷)۔

۱۲۔ دسمبر ۱۹۰۰ء صبح کو اپنی بخش اکونٹنٹ لاہوری مخالف کی کتاب عصائے موسیٰ حضرت مسیح موعودؑ نے تمام و کمال پڑھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کی فضولیات کو چھوڑ کر اس کا جواب دینا چاہئے گھنٹوں کا کام ہے۔ لیکن میں محض ترجمہ سے کچھ مدت تک اس کو چھوڑ دیتا ہوں تاکہ وہ بھی خوش ہو لے۔ آخر فرمایا: یقین تھا۔ نیز اس اثنا میں اور بہت سوں کو گویا کہ ہم اور عقلیں اور ایمان ہمیں معلوم ہو جائینگے۔ کہ کون کون اس پر ریوہ کرتا ہے اور کیا کرتا ہے اور کون کون اس کے دوسوں کو متاثر ہوتا ہے۔ بہر حال مصلحت یہی ہے کہ ایک وقت تک اس کی طرف سے اغاض کیا جاوے۔ یہ مدت سمجھو۔ کہ ہم نے حق میں یہ کتاب شر ہے۔ یقیناً یاد رکھو۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس سے ہماری بڑی خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ آخری فیصلہ کی راہ خدا تعالیٰ کی نصرتوں اور تائیدوں کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے جو اعتراضات اس سے ہم پر کئے ہیں وہی اعتراضات نصائے آنحضرت صلیم کی ذاتیات پر کرتے ہیں۔ آخر انا فتحناک فتحاً مبییناً لیغفرک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخرا (مؤرخ)۔ فیصلہ کر دیا۔ کہ ان کے سارے جزوی اعتراضات باطل تھے۔ حضرت موسیٰ پر آیوں نے کیا کیا اعتراضات کئے کہ فرعونوں کا مال انہوں نے عین کیا۔ اور بچے مارے۔ اور یہ کیا اور کیا کیا۔ مگر

نصرت الہی ہے ترغیبیں کو غرق کر کے اور آپ کو نجات دیکر فیصلہ کر دیا۔ کہ حق کس کی طرف تھا۔ عرض
نصرت الہی آخر کار بڑا فیصلہ کن قاضی ہوتی ہے۔ ہمارے اور ہمارے مخالفین کے درمیان بھی نصرت الہی
اور تائیدات سماوی فیصلہ کن ہو گئی۔ (الحکم جلد ۴ ص ۴۵)۔

۱۴۰۔ قاضی محمد عالم صاحب سکنتہ قاضی کوٹ نے اپنی بیماری کے ایام میں قاضی
منیلہ الدین صاحب سکنتہ قاضی کوٹ کو جو قایاں میں تھے۔ حضرت کی خدمت میں دُعا کے لئے عرض
کرنے کو لکھا۔ جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”میں ضرور دُعا کرونگا۔ آپ محمد عالم کو تسلی میں احمد شاہ
کی طرف وہم کے طور پر بھی خیال نہ لے جاویں واقعی وہ کچھ بھی نہیں۔ یہ دوسو سہ شکر سمجھیں۔ عوام کا
بہکانا طعن و تشنیع جتنا اتر کر لگا اُسی قدر اپنے راستہ کو خالی تصور کریں۔ کامل یقین والوں کو شیطان
چھو بھی نہیں سکتا۔ میرا تو یقین ہے۔ کہ حضرت آدمؑ کی استعداد میں کسی قدر تساہل تھا۔ تب ہی تو
شیطان کو دوسو سہ کا مقابلہ کیا۔ وانشاء اللہ اگر اُس جگہ حضرت محمدؐ صلعم سا جوہر قابل کھڑا کیا جاتا۔ تو
شیطان کا کچھ بھی پیش نہ جاتا۔

زندگانی کی زیادہ خواہش اکثر لگتا ہوں کی آمد کمزوریوں کی جڑ ہے۔ ہمارے دوستوں کو لازم ہے کہ مالک
حقیقی کی رضا میں اوقات عزیز بسر کرنے کی ہر وقت کوشش کریں حاصل یہی ہے۔ ورنہ آج چل
میںے اور پچاس سال کے بعد کوچ کر جانے میں کیا فرق ہے۔ جو آج چاند و سورج ہے۔ وہی اُس دن ہوگا
جو انسان نلے اور خدا تعالیٰ کے دین کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بخود اُسکی عمر اور صحت میں برکت
ڈال دیتا ہے اور شر الناس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

تیس سال سے زیادہ عرصہ گزرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ تیری عمر اسی
برس یا دو چار ہزار پر یا نیچے ہوگی۔ اس میں بھی بھید ہے۔ کہ جو کام مجھے پُر کیا ہے۔ اس قدر مدت
میں تمام کرنا ہوگا۔ لہذا مجھے اپنی بیماری میں کبھی موت کا غم نہیں ہوا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ جن درختوں کے پتے میں چھ سات سالہ عمر میں کھیل کر اُتر تھا۔ آج بعینہ بعض
درخت اُسی طرح ہرے بھرے سرسبز کھڑے ہیں۔ لیکن میں اپنے حال کو کچھ اور کا ادب ہی دیکھنا
ہوں۔ تم بھی اسکو قصور کر سکتے ہو۔

یہ طعن و تشنیع جمعہوں کی غنیمت سمجھیں آپیں اصلاح نفس منظور ہے۔ جب یہ نہ ہونگے۔ تو پھر خدمت
مولاکریم اور یہ قابل حضرت عزت کیا ہوگا۔ آپ بیماری کا فکر کرتے ہیں۔ تمہارے پہلے بھائی یعنی
صاحب کرام رضوانہ علیہ السلام ہی جہان قربان کرنے کی کرتے تھے۔ اور ہر حال منتظر رہتے۔ کہ کب وہ وقت

آتا ہے۔ کہ اپنے مالک حقیقی کے راستہ میں فدا ہوں۔ غرض ہر حال کیا صحت اور کیا بیماری آپ مولانا سے معاملہ ٹھیک رکھیں سب کام اچھے ہو جائیں گے۔ (دبر جلد ۱۲ ص ۷۷)۔

۱۹۰۱ء

۳۷۔ جنوری ۱۹۰۱ء۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑنا ہوں۔ طبیعت وعدہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ یہ سہارک دن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں۔

یاد رکھو۔ بچوں کی سی سادگی جتنک نہ ہو اس وقت تک انسان نبیوں کا مذہب اختیار نہیں کر سکتا ہے (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک دوست کو ترغیب دی کہ شادی کرو۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ کنواری سے کرو۔ کیونکہ اسے کچھ بھی نہیں دیکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی مشکل پیش نہ آئیگی (از روایت مولانا مولوی نور الدین صاحب۔ الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

۲۰۔ فروری ۱۹۰۱ء۔ ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کی۔ کہ جو لوگ آپ کے مرید ہیں۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے اپنے اپنے مریدوں کو کیوں منع فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نہ جن لوگوں نے جلد بازی کے ساتھ بظنی کر کے اس سلسلہ کو جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ روک دیا ہے۔ اور یہ تقدیر خداوندی کی پرواہ نہیں کی۔ اور سلام پر جو مصائب ہیں۔ ان سے لاپرواہ پڑے ہیں۔ ان لوگوں نے تقویٰ سے کام نہیں لیا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ کہ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ اللہ تعالیٰ صرف متقی لوگوں کی نماز قبول کرتا ہے۔ اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھو جس کی نماز خود قبولیت کے درجہ تک پہنچنے والی نہیں تقدیم سے ہر گز کان دینا ہی نہیں۔ نہ یہ کہ جو شخص حق کی مخالفت کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا سلب ایمان ہو جاتا ہے۔ جو شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ مگر جو مہدی اور مسیح کو نہ مانے اس کا بھی سلب ایمان ہو جائیگا۔ انجام ایک ہی ہے۔ پہلے تخالف ہوتا ہے۔ پھر اجنبیت۔ پھر عداوت۔ پھر غلو۔ اور آخر کار سلب ایمان ہو جاتا ہے۔

پھر اس شخص نے سوال کیا۔ کہ ابتدا میں بھی مسلمانوں کے درمیان آپس میں عداوت اور دشمنیاں ہوتی رہی ہیں اور اختلاف رائے بھی ہوتا رہا ہے مگر باوجود اسکے ہم کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ یہ تو شیعوں کا مذہب ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان آپس میں بھی دشمنی

تھی۔ یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اسکی ترویج میں فرماتا ہے کہ نَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَيْلٍ (پارہ ۱۸) برادریوں کے درمیان آپس میں شتمنیاں بھڑا کرتی ہیں۔ مگر شادی۔ مرگ کے وقت وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ اختیار میں خونی دشمنی کبھی نہیں ہوتی۔

پھر اسے سوال کیا۔ کہ جو لوگ آپکو کافر نہیں کہتے۔ مگر آپکے مرید بھی نہیں ہیں۔ ان کا کیا حال؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ وہ لوگ راہِ رسم اور تعلقات کس کے ساتھ رکھتے ہیں آخر ایک گروہ میں انکو ملنا پڑیگا جسکے ساتھ کوئی اپنا تعلق رکھتا ہے۔ اُسی میں سے وہ ہوتا ہے۔

پھر اسے سوال کیا کہ جو لوگ آپکو نہیں ملتے وہ انعمتِ علیہم کے نیچے ہیں یا کہ نہیں؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ انعمتِ علیہم میں تو میں اپنی جماعت کو بھی شامل نہیں کر سکتا جب تک کہ خدا تعالیٰ کسی کو نہ کرے۔ جو کلمہ گو سچے دل سے قرآن پر عمل کرنے کے لئے طیار ہو۔ بشرطیکہ سمجھا یا جاوے کہ وہ اپنا اجر پائیگا جس قدر کوئی پائیگا اُسی قدر ثواب پائیگا۔ جتنا انکار کریگا۔ اتنی ہی تکلیف اٹھائیگا۔ میں تمہیں کہتا ہوں۔ کہ مجھے لوگوں کے ساتھ کوئی عداوت نہیں جو میں کافر نہیں کہتے۔ انکے دلوں کا خدا مالک ہے۔ مگر حضرت مسیحؑ کو خالق اور حی ماننا بھی تو ایک شرک ہے۔ اگر مخالف یہ کہیں۔ کہ وہ خدا کے اذن سے کرتا تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اذن حضرت نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ دیا گیا۔ جو شخص خدا کے ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُسکے ساتھ جنگ کرتا ہے جسکے ساتھ خدا جنگ کرے اُس کا ایمان کہاں رہے؟ (الحکم جلد ۵ عند)۔

۲۳۔ فروری ۱۸۹۷ء مغرب کی نماز کے بعد تحدیث بالنعمت کے طور پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ اس کتاب (یعنی اعجاز المسیح) کے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر تائید کی ہو۔ دن اور رات میں ضعیف بشریت کی وجہ سے امراض کے غلبہ کے وقت خیال آجاتا تھا۔ کہ اب آخری دم ہے۔ پھر فرمایا۔ وہ دو زرد چادریں جو مسیح موعود کا نشانِ پیغمبرِ خدا ﷺ کے منہ سے نکلا ہو وہ تو مجھے ساتھ زندگی بھر چلی چائینگی۔ یعنی ایک بیماری اوپر کے حصہ میں اور ایک بیماری نیچے کے حصہ میں۔ اور یہ اس لئے ہے۔ کہ تا خدا تعالیٰ اپنی قدرتیں دکھائے۔ کہ کیونکر سارا کام وہ اپنی ہی قدرت اور قوت سے کرتا ہے اور نہ وہ دکھائے کہ اگر وہ چاہے۔ تو ایک تنکے کے مقابل تمام متکبر نور اور ول اور کوہ و قاروں کو عاجز کر دے۔ پھر فرمایا۔ رات ایک بھینسی نے جو کئی دن سے نکلی ہوئی ہے اور ساتھ ہی خارش نے تنگ کیا۔ بشریت کی وجہ سے دھیان آیا۔ کہ ہمیں بیویا بیٹیس کا احوال متوجہ نہ ہو۔ اتنی میں خدا نے رحیم و قدس نے وحی کی۔ کہ اِنِّی اَنَا الرَّحْمٰنُ دَافِعُ الْاَذٰی

اور پھر وحی ہوئی۔ انی لایحاف لدی المرسلون (خط مولوی عبدالکریم صاحب فروری ۱۹۰۱ء)
۲۶ فروری ۱۹۰۱ء۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔ اهدنا الصراط المستقیم
 کی دُعا سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک غلطی سلسلہ پیچیدوں کا اس اُمت میں قائم کرنا چاہتا ہے مگر
 جیسا کہ قرآن کریم میں سارے انبیاء کا ذکر نہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا ذکر کثرت سے ہے
 اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اُمت میں بھی مثیل موسیٰ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مثیل عیسیٰ
 یعنی امام مہدی ربیع عظیم الشان اور خاص ذکر کے قابل ہیں (الحکم جلد ۵ غلہ)۔

۲۸ فروری ۱۹۰۱ء۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔ اجتہادی غلطی سب نبیوں کو ہوا کرتی ہے
 اور اس میں سب ہمارے شریک ہیں اور یہ ضرور ہے کہ ایسا ہونا تاکہ بشر خدا نہ ہو جائے۔ دیکھو حضرت
 عیسیٰ کے متعلق بھی یہ اعتراض پڑے (دور شور سے یہود نے کیا ہے۔ کہ اُسے کہا تھا کہ میں بادشاہ بن
 لیکر آیا ہوں اور وہ بات غلط نکلی۔ ممکن ہے کہ حضرت مسیح کو یہ خیال آیا ہو کہ ہم بادشاہ بن جائیں گے
 چنانچہ تلواریں بھی خرید کر رکھی ہوئی تھیں۔ مگر یہ انکی ایک اجتہادی غلطی تھی۔ بعد اسکے خدا تعالیٰ نے
 مطلع کر دیا۔ اور اُنہوں نے اقرار کیا کہ میری بادشاہت روحانی ہے۔ سادگی انسان کا خیر ہوتا ہے
 حضرت عیسیٰ نے جو کہا۔ سوسادگی سے کہا۔ اس سے اُنکی خفت اور بے عزتی نہیں ہوتی ایسا ہی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ سمجھا تھا کہ ہجرت یا مہ کی طرف ہوگی۔ مگر ہجرت بیدہ طیبہ
 کی طرف ہوئی۔ اور اُنکوروں کے متعلق اپنے یہ سمجھا تھا۔ کہ ابوجہل کے واسطے ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا
 کہ عکرمہ کے واسطے ہیں۔ انبیاء کے علم میں بھی تدریجاً ترقی ہوتی ہے۔ اس واسطے قرآن شریف میں آیا ہے
 قُلْ دَبِّ ذُرِّيْ عَلَمًا۔ یہ آپ کا کمال اور قلب کی طہارت تھی۔ جو آپ اپنی غلطی کا اقرار کرتے
 تھے۔ اس میں انبیاء کی خفت کچھ نہیں۔ ایک حکیم ہزاروں بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ اگر ایک اُن میں سے
 مر جائے تو کیا ہرج ہے اس سے اُسکی حکمت میں کچھ مانع نہیں آجاتا ہے۔ کبھی حافظ قرآن کو پیچھے
 سے لقمہ دیا جاتا ہے۔ تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اب وہ حافظ نہیں رہا۔ جو باتیں منواترات
 اور کثرت سے ہوتی ہیں۔ اُنپر حکم لگایا جاتا ہے۔

پھر فرمایا:- اخلاص والے کو خدا تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ ہمارے حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کس جنگل میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے کیا کیا سامان بنا دیے۔ ایک آدمی کا قابو کرنا
 مشکل ہوتا ہے۔ کتنے آدمی آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ہمارے متعلق اللہ تعالیٰ کی وحی ہے
 بادشاہ پیرے کپڑوں سے ہرکت ڈھونڈے گئے۔ آخر مرید ہی ہونگے تو ایسا کریں گے۔

اس زمانہ میں دیکھو۔ لوگ کیسی بے عزتی کرتے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں جو تو اس ہے۔ وہ پھر نہ ہوگا
(الحکم جلد ۵ - ۷۱)۔

سورہ باریح ۱۹۱۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ ناز۔ دعا اور اخلاص کے ساتھ خلق رکعتی
ہے۔ سوئق کے ساتھ کینہ جمع نہیں ہوتا۔ یقی کے سوا دوسرے کے پیچھے نماز کو خراب نہیں کرنا چاہئے
(الحکم جلد ۵ - ۷۱)۔

سورہ باریح ۱۹۱۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ ختم ایمان یا ختم کمال نہیں ہو جاتا۔ خلا کی
جناب میں نخل نہیں۔ جو رنگ ایک شخص پر چڑھتا ہے۔ وہ دوسرے پر چڑھ سکتا ہے۔ اگر نبی
کی بات دوسرے میں نہ آسکے تو اس کا وجود بے قائمہ ہو۔ ایک صوفی ابن حزم نے لکھا ہے کہ میں نے
حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کیا یہاں تک کہ میں خود رسول اللہ ہو گیا (الحکم
جلد ۵ - ۷۱)۔

سورہ باریح ۱۹۱۔ الہامات کے متعلق ذکر تھا کہ اس میں بہت مشکلات پڑتے ہیں۔ اسپر
حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ بعض لوگ حدیث النفس اور شیطان کے القاء کو الہام الہی سے
تیز نہیں کر سکتے اور دھوکا کھا جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو بات آتی ہے وہ پُر شوکت
اور لایذ ہوتی ہے۔ اولہ ایک ٹھوکر مارنے والی ہوتی ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی انگلیوں سے نکلی ہوئی
ہوتی ہے۔ اس کا ہم وزن کوئی نہیں۔ وہ خولاد کی طرح دل میں گرنے والی ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف
میں آیا ہے انا سنلقی علیک قولا ثقیلا (سورہ زل زلزلہ) کے یہی معنی ہیں مگر شیطان
اور نفس کا القاء ایسا نہیں ہوتا۔ حدیث النفس اور شیطان گویا ایک ہی ہیں۔ انسان کیسے
دو چیزیں ہمیشہ لگی ہوئی ہیں۔ ایک فرشتے اور دوسرے شیطان گویا اسکی ٹانگوں میں وہ رستے پڑے
ہوئے ہیں۔ فرشتہ نیکی میں ترغیب اور دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اَیَّدْنَا مُؤْتِرِجِ
الْقُدْسِ (سورہ بقرہ) اور شیطان بری کی طرف ترغیب دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے
يُؤَسِّرُونَ (سورہ الناس) ان دونوں کا انکار نہیں ہو سکتا۔ ظلمت اور نور ہر دو ساتھ لگے ہوئے ہیں۔
مدم علم سے عدم شے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے عالم کے اور ہزاروں عجائبات ہیں گویا یہ ایک
محل آعود برکت الناس میں شیطان کے اُن وساوس کا ذکر ہے جو کہ وہ لوگوں کے درمیان ان
دونوں ذال روئے ہے۔ بجز اسوہ یہ ہے کہ برکت کے متعلق غلطیاں ڈالی جائیں۔ جیسا کہ امیر لکھنؤ کے
اُس بہت مال دولت دیکھ کر انسان یہ کہے کہ یہی پرورش کرنے والے ہیں۔ اس واسطے حقیقی الناس

کی پناہ چاہنے کے واسطے فرمایا۔ پھر موی بادشاہوں اور حاکموں کو انسان مختار مطلق کہنے لگا تاہے۔ سو مملک الناس۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر لوگوں کے ان وساوس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ مخلوق کو خدا کے برابر ماننے لگ پڑتے ہیں۔ اور ان سے خوف ورجاء رکھتے ہیں۔ اس واسطے اللہ الناس فرمایا۔ یہ تین وساوس میں اُنکے دُور کرنے کے واسطے یہ تین تعویذ ہیں۔ امدان وساوس کے ڈانسنے والا بھی خناس ہے۔ وہی جس کا نام توریت میں زبان عبرانی کے اندر ناعاش آیا ہے۔ جو حضرت حوا کے پاس یا تھا چھپکر حملہ کرنے والا۔ اس سورت میں اُسکی ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ وہال بھی جبر نہیں کرے گا۔ بلکہ چھپ کر حملہ کرے گا۔ تاکہ کسی کو خبر نہ ہو۔ عیسا کہ پادیلوں کا حملہ ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ کہ شیطان خود حوا کے پاس گیا ہو۔ بلکہ عیسا کہ اب چھپ کر آتا ہے۔ ویسا ہی تب بھی چھپ کر گیا تھا۔ کسی آدمی کے اندر وہ اپنا خیال بھرتا ہے اور وہ اُس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے ہی مخالف دین کے مل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی تھی۔ اور وہ بہشت جس میں حضرت آدم ؑ رہتے تھے۔ وہ بھی زمین پر ہی تھا۔ کسی نے ان کے دل میں دوسرے ڈال دیا۔

قرآن شریف کی پہلی ہی سورت میں جو اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ معضوب علیہم اور ضالین لوگوں میں سے نہ بننا۔ یعنی اے مسلمانوں تم یہود اور نصاریٰ کے فضائل کو اختیار نہ کرنا اس میں سے بھی ایک پیشگوئی نکلتی ہے کہ بعض مسلمان ایسا کرینگے۔ یعنی ایک زمانہ آویگا۔ کہ اُن میں سے بعض یہود اور نصاریٰ کے فضائل اختیار کرینگے۔ کیونکہ حکم ہمیشہ ایسے امر کے متعلق دیا جاتا ہے جس کی خلاف مندی کرنے والے بعض لوگ ہوتے ہیں۔

پھر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا کلام وحی ہوتا تھا مگر قرآن شریف ایک خاص وحی ہوتا تھا وہ ایک دُور ہوتا تھا لا حکم جلد ۵ ع ۱۰۔

۱۰۔ مارج ۱۰۔ ایک شخص نے اپنی بعض مشکلات کے حل کے واسطے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں دُعا کے لئے عرض کی۔ آپ نے اُسے فرمایا: دُعا کرینگے۔ انسان پر بھی بھروسہ نہ کرو۔ صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ جب ایک انسان پر بھروسہ کرو گی تب ہی خالی رہو گے۔ اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اسلام یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاؤ۔ پھر سارے مشکلات حل ہو جائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جلال اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا سے شرک کو دور کیا جائے۔ کیونکہ شرک ایسا گناہ ہے جسکی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ بخشا نہیں جائیگا۔ اسوقت بڑا شرک یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ کو خدا بنایا جاتا ہے۔ چونکہ نصائے کا فتنہ ہے بڑا ہے اسلئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک سورۃ قرآن شریف کی ساری

کی ساری صرف اُن کے متعلق خاص کر دی ہے یعنی سورۃ اخلاص۔ اور کوئی سورت ساری کی ساری کسی قسم کے واسطے خاص نہیں ہے۔ اِحد کا لفظ اِہم و اِحد کا مفہوم واحد سے بڑھ کر ہے۔ صمد کے معنی بزل سے غنی بالذات جو بالکل محتاج نہ ہو۔ انتم ملکہ کے ماننے سے وہ محتاج پڑتا ہے (الحکم جلد ۵ عکد)۔

۱۱۔ مارچ ۱۹۰۱ء حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ ساری خوشیاں ایمان کے ساتھ ہیں (الحکم جلد ۵ عکد)۔

۱۲۔ اپریل ۱۹۰۱ء ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں دُعا کے لئے عرض کی۔ آپ نے فرمایا: دُعا کرنا آسان نہیں ہے۔ دُعا مانگنا تو مر رہنا ہے (الحکم جلد ۵ عکد)۔

۱۳۔ اپریل ۱۹۰۱ء ایک دفعہ مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ جوں جوں دوستوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ ہمارے غم و غموم میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ کیونکہ کسی نہ کسی دوست کو کوئی نہ کوئی فکر ہر وقت ضرور ہوتی ہے اور اس کا فکر مجھے ضرور ہوتا ہے (الحکم جلد ۵ عکد)۔

ایک دن حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ مجھ پر اُمیت بہت غالب ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا ایک ایک لفظ کے لئے دُعا کرتا ہوں تب آتا ہے (الحکم جلد ۵ عکد)۔

۱۴۔ اپریل ۱۹۰۱ء۔ یہ شخص کا ایک مخالف مولوی ایک پرچہ حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں نکال کر اتنا جہنم میں دھنک گیا کہ اس کا لیاں دیتا اور تہنہ اڑا کر کرتا تھا۔ آپ کے مدبر و اسکی گندی تحریروں کا ذکر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا:۔ کچھ ضرورت نہیں ہے کہ ایسی گندی اور ناپاک تحریروں کا جواب دیا جائے یہی اور ریزل آدمیوں کا جواب دہی ہے۔ جو سیفہ اور ریزل بن جائے۔ یہ کو ضرورت ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط کریں اپنے اعمال میں پاک تبدیلی کریں (الحکم جلد ۵ عکد)۔

۱۵۔ اپریل ۱۹۰۱ء۔ منشی ابی بخش صاحب وغیرہ دیگر لوگوں کی اپنی بعض حالتوں سے دھوکا کھانے کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں ذکر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ عام طور پر رویا۔ کشف اور الہامات ابتدائی حالت میں ہر ایک کو ہوتے ہیں مگر اس سے انسان کو یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ کہ وہ منزل مقصود کو پہنچ گیا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ فطرت انسانی میں یہ قوت رکھی گئی ہے۔ کہ ہر ایک شخص کو کوئی خواب یا کشف یا الہام ہو سکے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ کفار مہنود اور بعض فاسق فاجر لوگوں کو بھی خود میں آتی ہیں۔ اور بعض دفعہ بھی ہو جاتی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود ان لوگوں کے درمیان اُس حالت کا کچھ ٹونہ رکھ دیا ہے جو کہ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ میں کمال

طور پر ہوتی ہے۔ تاکہ یہ لوگ انبیاء کا صاف انکار نہ کر بیٹھیں اس غلطی پر کہ وہ اس علم سے بے خبر ہیں۔ اتمام حجت کے طور پر یہ بات اُن لوگوں کو دی گئی ہے تاکہ انبیاء کے دعویٰ کو مستحرف اور کر لے۔ کہ ایسا ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس بات سے انسان بالکل نا آشنا ہوتا ہے اُس سے وہ جلدی انکار کرتا ہے۔ مثلاً مولانا رومؒ میں ایک اندے کا ذکر ہے کہ اُس نے یہ کہنا شروع کیا کہ آفتاب دراصل کوئی شے نہیں لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر آفتاب ہوتا تو کبھی میں بھی دیکھتا۔ آفتاب بولا کہ اے اندے تو میرے وجود کا ثبوت مانگتا ہے۔ تو پہلے خدا سے دعا کر کہ وہ تجھے آنکھیں بچھے۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ اگر وہ انسان کی فطرت میں یہ بات نہ رکھ دیتا۔ تو نبوت کا مسئلہ لوگوں کو کیونکر سمجھ میں آتا۔ ابتدائی بیباک الہام کے ذریعہ سے خدا بندہ کو ملنا چاہتا ہے۔ مگر وہ اُس کے واسطے کوئی حالت قابل تشفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعلم کو الہامات ہوتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے۔ کہ لو شئنا لرفعناک سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کا رفع نہیں ہوا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کوئی برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ابھی تک نہیں بنا تھا۔ یہاں تک کہ وہ کر گیا۔ اسلئے محض ان الہامات وغیرہ سے انسان کچھ بن نہیں سکتا۔ انسان خدا تعالیٰ کا بن نہیں سکتا جب تک کہ ہزاروں موعیتیں اُس پر نہ آویں اور بیضہ شہرت سے وہ نکل نہ آوے۔

اس راہ میں قدم مارنے والے انسان تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دین العجائز رکھتے ہیں۔ یعنی بُرعیبا عورتوں کا سا مذہب۔ نماز پڑھتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور توبہ و استغفار کر لیتے ہیں اُنہوں نے تعلیمی امر کو مضبوط پکڑا ہے اور اُس پر قائم ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس سے آگے بڑھ کر معرفت کو چاہتے ہیں۔ اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں وفا و امانت قدمی دکھاتے ہیں۔ اور اپنی معرفت میں انتہائی مدد کو پہنچ جاتے ہیں اور کامیاب اور باہر لا ہو جاتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین العجائز کی حالت میں رہنا پسند نہ کیا اور اس سے آگے بڑھے۔ اور معرفت میں قدم رکھا۔ مگر اس منزل کو نہا نہ سکے اور راہی میں ٹھوکر کھا کر گر گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ ان لوگوں کی مثال اُس آدمی کی طرح ہے جس کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ اور اُس کے پاس کچھ پانی تھا۔ پر وہ پانی گدلا تھا تاہم وہ پی لیتا۔ تو مرنے سے بچ جاتا۔ کسی نے اُس کو خبر دی۔ کہ پانچ سات کوس کے فاصلہ پر ایک صاف چشمہ ہے۔ پس اُس نے وہ پانی جو اُس کے پاس تھا پھینک دیا اور وہ صاف چشمہ کے واسطے آگے بڑھا مگر اچھی بے مبری اور بختی اور ضلالت کے سبب وہاں نہ پہنچ سکا۔ دیکھو اُس کا کیا حال ہوا۔

وہ ہلاک ہو گیا۔ اور اُسکی ہلاکت نہایت ہولناک ہوئی۔ یا ان حالتوں کی مثال اس طرح ہے۔ کہ ایک کنڑاں کھو دیا جائے ہے پہلے تو وہ مرث ایک گڑھا ہے۔ جس سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ آنے جانے والوں کے واسطے اُسیں گر کر تکلیف اٹھانے کا خطرہ ہے۔ پھر وہ اُد کھو دیا گیا۔ یہاں تک کہ کھڑ اور خراب پانی بہنے لگا۔ پہونچا یہ وہ کچھ فائدہ مند نہیں۔ پھر جب وہ کال ٹپا اُدسکا پانی صفا ہو گیا تو وہ ہزاروں کے واسطے زندگی کا موجب ہو گیا۔ یہ جو فقیر اور گدے نشین بنے بیٹھے ہیں۔ یہ سب لوگ ناقص حالت میں ہیں۔ ابنا مصفا پانی کے مالک ہو کر آتے ہیں جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی کچھ لیکر دے اور وہ تب تک بے سود ہے۔ اُسی کج خلق صاحب اگر موسیٰ جنتے ہیں تو اُن سے پوچھنا چاہیے کہ اُن کے موسیٰ بننے کی علت غائی کیا ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں وہ مزدور کی طرح ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کو نفع پہونچانے کے لئے قدم آگے بڑھتے ہیں۔ اور علوم پھیلاتے ہیں اور کبھی تنگی نہیں کرتے اور گھست اُد تھ پر دھڑکھڑ نہیں بیٹھتے (الحکم جلد ۵ ص ۱۷)۔

۱۹۰۱ خطبہ الہامیہ اور تفسیر سورہ فاتحہ کی تصنیف کے دوران میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ ”اب ہم اس طرح قلم برداشتہ لکھتے جاتے ہیں کہ گویا ہمیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کیا لکھ رہے ہیں یہ بھی ایک سلسلہ الہام کا معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف مضامین اور الفاظ آتے جاتے ہیں۔“ (الحکم جلد ۵ ص ۱۷)۔

۱۹۰۲ معنی۔ آں خدا کے انعام جہاں پیچہ راند۔ برمن اور علوہ مذہب گراہی ہندیر۔ یہ تو ہر ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ ہم تیرے ہم ہیں سے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں مگر ثبوت طلب یہ بات ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بھی اُن سے محبت رکھتا ہے یا نہیں اور خدا تعالیٰ کی محبت یہ ہے۔ کہ پہلے تو اُن دلوں پر سے پردہ اُٹھائے جس پر وہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا۔ اور ایک دُھندلی سی اور تاریک مومنت کے ساتھ اُسکے وجود کا قائل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اُسکے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے اور یہ پردہ اُٹھایا جانا بجز مکالمہ الہیہ کے اور کسی صورت ہی میں نہیں آسکتا۔ پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اُس دن غوطہ مارتا ہو۔ جس دن خدا تعالیٰ اُسکو مخاطب کر کے انا الموجود کی آپ بشارت دیتا ہے۔ تب انسان کی معرفت صرف اپنے قیاسی دُھندلے یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ گویا اُسکو دیکھتا ہے اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کمال ایمان اُسی دن اُسکو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ جل شانہ اپنے وجود سے آپ خبر دیتا ہے۔ اور پھر دوسری ملامت

خدا تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر اُن پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح پر کہ اُن کی دعائیں جو ظاہری اسیدوں سے بڑھ کر قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے اُن کو اطلاع دیتا ہے تب اُن کے دل نسلی پکڑ جاتے ہیں۔ کہ یہ ہمارا قادر خدا ہے۔ جو ہماری دعائیں سُنتا ہے اور ہم کو اطلاع دیتا اور مشکلات سے ہمیں نجات دیتا ہے۔ اُسی رند سے نجات کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے وجود کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اگرچہ جو گلے اور نقبہ کرنے کے لئے کبھی کبھی غیروں کو بھی سچی خواہش آسکتی ہے مگر اس طریق کا مرتبہ اور شان اور رنگ اور ہی۔ یہ خدا تعالیٰ کا مکالمہ ہے۔ جو خاص قریب ہی سے ہوتا ہے۔ اور جب مقرب انسان دعا کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اپنی خدائی کے حلال کے ساتھ سپر تجلی فرماتا ہے اور اپنی روح اسپر نازل کرتا ہے۔ اور اپنی محبت سے بھرے ہوئے لفظوں کے ساتھ اُسکو قبول دعا کی شدت دیتا ہے۔ اور جس کسی سے یہ مکالمہ کثرت سے وقوع میں آتا ہے اُسکو بنی یا محدث کہتے ہیں۔ اور سچے مذہب کی یہی نشانی ہے۔ کہ اُس مذہب کی تعلیم سے ایسے راستباز پیدا ہوتے ہیں جو محدث کے درجہ تک پہنچ جائیں۔ جسے خدا تعالیٰ آئے سامنے کلام کرے۔ اور اسلام کی عظمت اور عقانیت کی اول نشانی یہی ہے کہ اُس میں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہو پیدا ہوتے ہیں۔ تنقیر علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا (سورہ حم سورہ سوہی معیا جنتی ہے اور زبدہ اور مقبول مذہب کا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں۔ کہ یہ نور صرف اور صرف اسلام میں ہے۔ دو سر مذاہب اس روشنی سے بے نصیب ہیں اور اُن مذاہب کے بطلان کے لئے یہی دلیل ہزار دلیل سے بڑھ کر ہے کہ مرنے والے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ اندھا سو جا کے ساتھ پورا تر سکتا ہے۔ و نعم ما قبلہ کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے۔ یہ شریعت محمد سے ہی کھایا ہم نے (الحکم جلد ۱۹)۔

اپریل ۱۹۰۱ء یہ عاجز تو محض اس غرض کے لئے بھیجا گیا ہے۔ کہ نابینا پیغمبر خلق اللہ کو پہنچا دے۔ کہ تمام مذاہب موجود ہیں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔ جو قرآن کریم لایا ہے اور اراکات میں داخل ہونے کے لئے دوازہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے (الحکم جلد ۱۹)۔

اپریل ۱۹۰۱ء میرے دل میں یہ بات آئی ہے۔ کہ الحمد للہ دب العلمین الرحمن الرحیم ملاک یوم الدین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان ان صفات کو اپنے اندر لے یعنی ابدتالے کے لئے ہی ساری صفاتیں منراوا رہیں۔ جو رب العالمین ہے۔ یعنی ہر عالم میں نطفہ میں

میعذہ وغیرہ سارے عالموں میں مقرر ہر عالم میں۔ پھر رحمن ہے پھر رحیم ہے۔ اور مالک یوم الدین ہے۔ اب ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ تو گویا اس عبادت میں وہی ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت صفات کا پرتو انسان کو اپنے اندر لینا چاہیے۔ کمال عابد انسان کا یہی ہے۔ کہ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں رنگین ہو جاوے۔ جب تک اس مرتبہ تک نہ پہنچ جاوے نہ تھکے نہ ڈرے۔ اس کے بعد خود ایک کشف اور جذب پیدا ہو جاتا ہے جو عبادت الہی کی طرف ہی لے جاتا ہے اور وہ حالت اُپسوار ہو جاتی ہے جو یفعلون مایؤکرون (سورہ غل) کی ہوتی ہے۔ (الحکم جلد ۵ صفحہ ۱۷۱)۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء۔ آج حضرت مسیح موعودؑ کو مقدمہ دیواریں اور اٹے شہادت کے لئے گورداسپور جانا پڑا۔ راستہ میں آپ نے فرمایا یہ متنی کی تائید خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے مومن کی توشان ہی کے خلاف ہی کہ وہ منصوبہ کرے۔ گورداسپور پہنچ کر آپ نے حسب تجویز حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب دہم۔ اے۔ اُن کے فخر نشی بنی بخش صاحب رئیس گورداسپور کے مکان پر قیام فرمایا۔ مقدمہ کے متعلق سلسلہ گفتگو کے دوران میں کسی مدست کے یہ کہنے پر کہ فریق مخالف بہت بیہودہ جوج کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

میں اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ مومن کا ہاتھ اوپر ہی پڑتا ہے۔ ید اللہ فوق یدیم ص ۱۷۱ (کافروں کی تدبیریں ہمیشہ الٹی ہو کر اُن پر ہی پڑا کرتی ہیں۔ مکروا و مکر اللہ واللہ خیر المساکین ۵) میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ کہ ان لوگوں کو میرے ساتھ ذاتی عداوت اور بغض ہے۔

اور اسکی وجہ یہ ہے کہ میں مل باطلہ کے رد اور ہلاک کرنے کے لئے مامور کیا گیا ہوں میں جانتا ہوں اور میں اسیں ہرگز مبالغہ نہیں کرتا۔ کہ مل باطلہ کے رد کرنے کے لئے جس قدر جوش مجھے دیا گیا ہے۔ میرا قلب متوہی و متلب ہے۔ کہ اس تردید و الباطل مل باطلہ کے لئے اگر تمام روئے زمین کے مسلمان ترازو کے ایک پلہ میں رکھے جاویں ادیس اکیلا ایک طرف۔ تو میرا پلہ ہی وزن دار ہوگا۔ آریہ عیسائی اور دوسری باطل ملتوں کے الباطل کے لئے جب میرا جوش اس قدر ہے۔ پھر اگر ان لوگوں کو میرے ساتھ بغض نہ ہو۔

تو اور کس کے ساتھ ہو۔ ان کا بغض اسی قسم کا ہے۔ جیسے جانوروں کا ہوتا ہے۔ تین دن ہوئے۔ مجھے الہام ہوا تھا انی مع الافواج اتیک بختہ۔ میں حیران ہوں۔ یہ الہام مجھے بہت مرتبہ ہوا ہے۔ اور عموماً مقدمات میں ہوا ہے۔ افواج کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مقابل میں بھی بڑی بڑی منصوبے کئے گئے ہیں اور ایک جماعت ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا جوش نفسانی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے تو انتقام کے

ساتھ بھی رحمانیت کا جوش ہوتا ہے۔ پس جب وہ افواج کے ساتھ آتا ہے۔ تو اس کی صاف پایا جاتا ہے۔ کہ مقابل میں بھی فوجیں ہیں۔ جینک مقابل کی طرف سے جوش انتقام کی مدد ہو جائے خدا تعالیٰ انتقامی قوت جوش میں نہیں آتی (الحکم جلد ۵ صفحہ ۷۷)۔

۱۶۔ جولائی ۱۹۰۱ء۔ مقام گورداسپور۔ صبح آٹھ بجے کے درمیان ڈاکٹر فیض قادم صاحب وٹرنری ہسپتال کپورتھلہ کے بھائی منشی فیض الرحمان صاحب ٹریڈری کلرک گورداسپور کے رفد میں گئے دعا کے واسطے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ اسپر آپ نے انکو مخاطب کر کے فرمایا۔ میرا مذہب تو یہ ہے۔ کہ جس کو بلا ہے پہنچا ہو۔ وہ پوشیدہ طور پر خدا تعالیٰ سے صلح کر لے۔ اور اپنی ایسی تبدیلی کر لے۔ کہ خود اسے محسوس ہو جائے کہ میں پہلا نہیں ہوں۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یغیبر ما تقوم حتی یخیروا ما بانفسہم (سورہ رعد) سچے مذہب کی جڑ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان ہے۔ اور خدا پر ایمان چاہتا ہے۔ کہ سچی پرہیزگاری ہو۔ خدا کا خوف ہو۔ تنقزلے والے کو خدا تعالیٰ کبھی منکر نہیں کرتا۔ وہ آسمان سے اسکی مدد کرتا ہے۔ فرشتے اسکی مدد کو اترتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ کہ متقی سے معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری صفائی کر لے۔ اور ان افعال اور اعمال کو چھوڑ دے جو اسکی نارضا مندی کا موجب ہیں۔ تو وہ سمجھ لے کہ ہر ایک کام برکت سے ملے پاجائیگا۔ ہمارا ایمان تو آسمانی کاروائیوں ہی پر ہے۔ یہ سچی بات ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کسی کا ہو جائے۔ تو سارا جہان اپنی مخالفت اسکا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔ جس کو خدا تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہے۔ اسکو گزند پہنچانے والا کون ہو سکتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ضروری ہے اور یہ بھروسہ ایسا ہونا چاہیے۔ کہ ہر ایک خفیہ سے نگلی یاس ہو۔ اسباب کا ہمایا کرنا ضروری ہے مگر خلق اسباب بھی تو خدا تعالیٰ ہی کے ہتھ میں ہے۔ وہ ہر ایک سبب کو پیدا کر سکتا ہے۔ اس لئے اسباب بہر بھی بھروسہ نہ کرو۔ اور جو بھروسہ یوں پیدا ہوتا ہے۔ کہ نازوں کی پابندی کرو۔ اور عائدوں میں دعاؤں کا التزام رکھو۔ ہر ایک قسم کی نذر سے بچنا چاہیے۔ اور ایک نئی زندگی کی بنیاد ڈالنی چاہیے۔ یہ یاد رکھو۔ اپنی عزت رشتہ دار بھی ایسے دوست نہیں ہوتے۔ جیسے خدا تعالیٰ دوست ہوتا ہے اگر وہ راضی ہو۔ تو کل جہان راضی ہو جاتا ہے۔ اور وہ کسی پر رضا مندی ظاہر کرے۔ تو اٹے اسباب کو سیدھا کر دیتا ہے۔ مضر کو مفید بنا دیتا ہے۔ یہی تو اسکی عذائی ہے۔ ان یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس کے لئے دعا کی جاتی ہے اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ خود اپنی صلاحیت میں مشغول رہو۔ اگر وہ کسی اللہ پہلو سے خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے۔ تو وہ دعا کے اثر کو روکنے والا ٹھہرتا ہے۔ مسنون طریق پر اسباب سے مدد لینا گناہ نہیں ہے۔

مگر مال میں مقدم خدا تعالیٰ کو رکھے۔ اولیٰ سے اسباب اختیار نہ کرے۔ جو خدا تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہوں۔ میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ دعا کروں گا۔ تم خود اپنی صلاحیت میں مشغول رہنا اور خدا تعالیٰ سے صلح کرو۔ کہ وہی کار ساز ہے (الحکم جلد ۵ ص ۱۷)۔

۱۶ جولائی ۱۹۰۱ء۔ گذشتہ اور اس سے پیرستہ رات حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت بوجہ شدت حیرت ناساز رہی۔ اور بار بار رفع حاجت کی ضرورت پڑتی تھی۔ اسنے بار بار اٹھتے تھے۔ منشی عبدالعزیز صاحب ہر وقت خدمت کے لئے حاضر موجود ہوتے تھے۔ چنانچہ صبح کے وقت اپنے فرمایا:۔ میں حیران ہوں۔ منشی عبدالعزیز صاحب ساری رات یا تو سوتے ہی نہیں اور یا استغدر ہوتا ہی ہو پڑے رہے کہ ابھر میں سر اٹھاتا تھا اور منشی صاحب فوراً اٹھ کر اور لوٹا لیکر حاضر ہ جاتے تھے۔ گویا ساری رات یہ بندہ خدا جاگتا ہی رہا۔ اور ایسا ہی دوسری رات بھی۔ درحقیقت ادب مرشد اور ضد تنگداری ایسی شے ہے جو مرید اور مرشد میں ایک گہرا رابطہ پیدا کر کے وصول الی اللہ اور حصول مرام کا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ اس خلوص اور اخلاص کو جو منشی صاحب میں ہے۔ ہماری جماعت کے ہر فرد کو حاصل کرنا چاہیے۔ (الحکم جلد ۵ ص ۲۷)۔

۱۶ جولائی ۱۹۰۱ء صبح ۱۰ بجے کے بعد حضرت مسیح موعودؑ دو اٹے شہادت کے لئے صلح کی کچہری کی طرف تشریف لے گئے اور پختہ تالاب کے جو کچہری کے سامنے ہے جنوب مشرقی کو نہ پرتشریف فرما ہوئے پہلے آپ جب گود سپرد و ایک دفعہ تشریف لائے تھے تو تالاب کے اندر طرف تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس دفعہ تالاب کے اس کو نہ میں بیٹھنے کی پہلی مرتبہ تھی۔ اسلئے آپ نے فرمایا کہ:۔ یہ جگہ باقی رہ گئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد ایک مغز شخص نے بعد مصافحہ اپنے بیار بچے کی صحت کے لئے دعا کرنے کی التجا کی جس پر آپ نے وعدہ فرمایا۔ بعد ازاں اس نے عرض کی کہ آپ کل یہاں آنا ہمیں زیارت کر دینی سبیل تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔ دل ایسا ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اُن لوگوں کو بھی جو قادیان میں کسی وجہ سے نہیں آسکتے اور اپنے اندر اخلاص رکھتے ہیں ہماری ملاقات سے محروم نہ رکھے۔ لکھا ہے کہ دوزرگ ایک حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ کے مرشد حضرت ابوسعید رحمہ اور ایک اور بزرگ ایک مقام میں جمع ہوئے۔ اور گفتگو یہ ہوئی کہ حضرت اقدس اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ میں ہجرت کرا کر کیوں خدا تعالیٰ نے لے گیا۔ اُن دونوں بزرگوں میں سے ایک نے فرمایا کہ مصلحت و حکمت الہی اس بات کی مقتضی تھی کہ جو مراتب اور علو درجات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کرنے تھے۔ وہ اس ہجرت اور سفر اور مصائب و تکالیف شدیدہ کے برداشت کرنے سے آپ کو

عنایت فرمائے۔ دوسرے بزرگ نے فرمایا کہ میرے خیال میں یہاں ہے کہ مدینہ میں بہت سی ایسی روحیں پرجوش اور با اخلاص اور خدا تعالیٰ کی طرف دھڑنے والی تھیں۔ جو ایک ذریعہ غلطیہ اور سبب بکرائے کو چاہتی تھیں اور وہ باعث کسی سبب یا بیحد و پابہونے کے کہیں جا نہیں سکتی تھیں سو ان کی تکمیل کے لئے خداوند جل شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچایا۔ عرض ان بزرگوں کی اپنے اپنے خیال کے مطابق یہ دو باتیں بیان کیں اور وہ تو ہی باتیں سچی تھیں سو خدا تعالیٰ جو ہمیں گورہ اسپور لایا۔ امدہ اپنی مرضی اور حکمت کے رو سے لایا۔ نہ خود ہم اپنی مرضی اور خواہش سے آئے۔ خدا تعالیٰ ہی جلنے۔ اس میں کیا اسکی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اور ہمارے ذریعہ یا ہمارے وجود سے حق کی کیا تبلیغ اور سچائی کی کیا جماعتیں پوری ہو گئی۔ اور خدا تعالیٰ کے علم میں اور کیا کیا باتیں ہیں جو ہمیں معلوم نہیں خدا تعالیٰ اپنی حکمتوں سے خوب و انفع ہے۔

بعد ازاں آئے چند فضیل تھوئے و طہارت کے اختیار کرنے اور برائیوں سے بچنے اور صدق و راستی قبول کرنے کے لئے فرمائیں۔

۱۶۔ مئی ۱۹۰۹ء۔ حضرت مسیح موعود کا بیان جو اپنے عدالت گورہ اسپور میں بطور گواہ مدعا علیہ مرزا نظام الدین کے مقدمہ بند کرنے راستہ شائع عام جو مسجد کو جاتا تھا میں حسب ذیل دیا۔

اللہ تعالیٰ حاضر ہے۔ میں کچھ کہوں گا۔ میری عمر ساٹھ سال کے قریب ہے۔ مرزا غلام جیلانی ہمارے گھروں میں سے تھا۔ اب تو اسکا کوئی گھر نہیں۔ دھولان مقدمہ ہذا میں مجھے معلوم ہوا کہ مرزا غلام جیلانی نے امام الدین اور میرے والد صاحب پر مقدمہ کیا تھا۔ پہلے صرف امام الدین کا نام تھا۔ پھر مرت سوال سے میرے والد صاحب کا نام بھی لکھا گیا۔ یہ بات ہمارے محنتوں نے جنہوں نے اب نکل دیکھی ہے بتائی ہے۔ بیٹے سنا ہے کہ اس نکل میں کوئی نقشہ بھی ہے۔ ایک چاہ پڑنا ہے جو سلطان احمد پسر م کے مکان کے دروازہ کے آگے ہے۔ چھ سات سال سے بیٹے ایک چاہ اپنے زمانخانہ میں سہولت زمانخانہ کے لئے بنایا ہے۔ ستر بہت سا پانی نہیں دی سکتا۔ سو وقت بھی اندر زمانخانہ میں سچاں ساٹھ عورتیں ہیں جو چاہ متصل دروازہ مکان سلطان احمد کے ہے۔ عرصہ سے ہمارے صرف میں نہیں آتا ہمارے آدمی پانی لینے جا میں تو سلطان احمد کے آدمی روکتے ہیں۔ سلطان احمد کا خاص کوئی آدمی نہیں ہے۔ اسکی پہلی بیوی مرگئی ہے اب امام الدین مدعا علیہ کی بیٹی اسکی بیوی ہے۔ امام الدین کی بہن سلطان احمد کی ٹائی ہے۔ جو میرے بھائی مرزا غلام قادر مرحوم کی بیوی ہے۔ روکنے والی امام الدین کی بہن سلطان احمد کی ٹائی ہے۔ وہ لباس زینت امام الدین روکتی ہے۔ بیٹے اپنے کاؤن سے حاکمہ عیسیٰ

ہے۔ میں خود امام الدین کی ہمیشہ کی زبانی سنا ہے۔ کہ یہ لوگ میرے بھائی امام الدین و نظام الدین کے دشمن ہیں۔ اور میرا شتہ بھائیوں سے ہے۔ میں نہیں چاہتی۔ کہ یہ اس چاہ سے پانی بھریں۔ ان کو روک دو۔ میں اسکو بہت دفعہ کہتے سنا ہے۔ سلطان احمد مجھ سے مخالفت رکھتا ہے۔ ایک وجہ مخالفت کی یہ ہے۔ کہ وہ مرزا غلام قادر کا متبی بنایا گیا تھا۔ اور میری نصف جاہداد کا شریک کیا گیا تھا۔ اب وہ اسی میں اپنی مصلحت دیکھتا ہے کہ تائی کے ساتھ موافقت رکھے۔ یہ آشتی ہر دو عا علیہ دکھاتا ہے۔ مطبوعہ ۲۔ یعنی ۱۸۹۱ء میرا ہے۔ زانخانہ کا چاہ مروانہ کی ضرورتوں کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے۔ وہ صرف زانخانہ کی سہولت کے لئے بنایا گیا ہے۔ امام الدین کے چاہ سے ہمارا سقہ بغیر ہمارے علم کے پانی لانا ہوگا۔ کھلے طور پر ہم دلوں سے پانی نہیں لے سکتے۔ کیونکہ دشنام دہی ہوتی ہے۔ جس سے دیوار بنی ہے تب سے زیادہ روک دیا ہے۔ دیوار جدید بنائے جانے کے بعد بخوبی تعمیر چاہ جدید کی ہوئی پانچ چھ ماہ ہوئے کہ چاہ جدید کا پانی استحصال میں آیا ہے۔ اس سے پہلے خرمی مسجد میں بھی پانی لینے جاتے تھے۔ جس جگہ چاہ جدید بنا ہے وہ احاطہ ہے۔ چھاپہ خانہ اور بورڈنگ بھی اسی احاطہ میں ہے۔ مدرسہ اور بورڈنگ ہوس میں ڈیڑھ سو آدمی سوتا ہوگا۔ اور دس پندرہ ملازم چھاپہ خانہ کے۔ اور کبھی شکر بھی انہی کبھی ننو مہمان رہ نانا اور مجمع میں جو سال میں تین چار مرتبہ ہوتا ہے۔ تین سو یا چار سو یا پانسو مہمان بھی آجاتے ہیں۔ بورڈنگ ہوس تین یا چار سال سے بنا ہے۔ جس کا مجھے علم ہے۔ لڑکوں اور مسافروں کے لئے پانی بھرنے کا سامان موجود ہے۔ بورڈنگ ہوس کا سقہ کوئی خاص نہیں۔ بورڈنگ ہوس کے کئی ملازم ہیں۔ وہ گھڑا صراحی وغیرہ برتن بھر لیتے ہیں۔ میں یقیناً نہیں کہہ سکتا۔ اگر دور سے پانی لانا پڑے۔ تو چرخ زیادہ پیسے۔ گول کمر دینے بنا ہے۔ میرے بھائی نے نہیں بنایا۔ میں خود بھیات دیوار خود بنا ہے۔ جبکہ وہ سخت بیمار تھے اور اس مرض میں کہ اس سے جان بزنہ ہو سکتے تھے۔ گول کمرہ کے سامنے چار دیواری چار برس سے بنائی گئی تھی۔ تخمیناً ڈیڑھ سال ہوا۔ چھوٹے بوڑھے والا مکان بنایا تھا۔ چھ سات ماہ پہلے ہی بوڑھے والا مکان بنانا چاہا تھا۔ امام الدین بلوہ کرنے کے لئے آگیا۔ چونکہ ہم احتیاط کیا کرتے ہیں۔ ہم نے چھوڑ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر ہم نے ارادہ تعمیر کیا۔ کہ پھر عا علیہ بلوہ کرنے آگیا۔ پھر چھوڑ دیا۔ پھر تیسری مرتبہ ہم کو معلوم ہوا۔ کہ عا علیہ ہم کا منشا صرف شرارت کا تھا۔ اور اصل مکان میں انکا کوئی حق نہ تھا۔ عورتوں نے کہا میں نے سنا ہے۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ مناد سے باز آگئے۔ اور کہیں چلے گئے۔ اس واسطے مجھے مکان بنایا۔ پولیس لا آدمی آیا تھا۔ ہم نے کہا کہ ہمارا ارادہ بلوہ کرنے کا نہیں۔ اگر زیادہ روکا جاوے گا تو دیوارنی ہی منہ پر کرا لینگے۔ چونکہ انہوں نے دست برداری کی مجھے مکان بنایا۔ یہ جگہ جہاں دیوار بنائی گئی ہے۔

تختِ ۲۶ سال یا دو تین سال کم و بیش سے شائع عام ہے۔ گول کمز میں سے ایک دروازہ ہے
 جہاں سے میں بڑی مسجد کو جاسکتا ہوں۔ چھوٹی مسجد تو ہمارے گھر کا ایک حصہ ہے۔ زمانخانہ میں
 جو دروازہ ہے۔ اُس میں سے گذر کر اگر بڑی مسجد کو جانا چاہوں تو پہلے کٹھے پر چڑھنا پڑتا ہے۔ پھر
 دوسری طرف سے اُتر کر بڑی مسجد کو جاسکتا ہوں۔ اگر میں اوپر نہ چڑھوں تو کوئی راستہ نہیں ہے
 دیوار حائل ہے۔ اس دیوار کے بننے سے مجھے بڑی ذاتی تکلیف ہوئی ہے۔ ذاتی تکلیف سے یہ مراد
 ہے کہ مالی تکلیف ہوئی ہے۔ کہ کنواں بنانا پڑا۔ اور چھاپہ خانہ کا بہت بڑا خرچہ ہوا۔ مسافر اور میر
 ملاقاتی جو بڑے معزز اور شریف آدمی ہوتے ہیں۔ وہ ملاقات کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ میں اوپر
 ہوتا ہوں۔ اور وہ نیچے۔ میں الفاظ میں نہیں بیان کر سکتا۔ کہ مجھے اس سے کس قدر درد پہنچا ہے
 آٹھ نوادہ ہوئے۔ ایک شریف عرب مجھے ملنے آیا۔ اُسکو چوٹیں لگیں۔ کیونکہ جو راستہ چکر دار ہے
 وہ بہت خراب ہے اور پتھر ملا ہے۔ برسات میں خصوصاً چلنے کے قابل نہیں ہوتا۔ دیوار متنازعہ
 کے نیچے کوئی فرش نہیں لگا دیکھا۔ بازار میں پکا فرش ہے۔ ہماری گلیوں میں پکا فرش نہیں ہے
 مجھے خبر نہیں کہ اور گلیوں میں ہے یا نہیں (الحکم جلد ۵ صفحہ ۲۸)۔

آدمی کے سوال پر بیان کیا۔ چکر دار راستہ پتھر ملا ہے۔ جہاں انسان مشکل سے گذرنا ہے۔ اگر مدعا علیہ
 کے مکان کے چاہ سے ہمارے دل چھوٹی مسجد میں پانی سفلہ لائے تو دیوار متنازعہ کے راستہ آویگا
 ہمارا اور مدعا علیہ کا سفلہ بڑی سفلہ ہے۔ اپنے تعلق سے اس چاہ سے پانی لاتا ہے۔ ہمارے
 مہمانوں کے گئے اس میدان میں کھڑے ہوتے ہیں۔ سال میں تین بار کے قریب مہمان آتے جاتے
 ہیں۔ ان کے لئے اسی جگہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور گرمی کے دنوں میں اس میدان میں سوتے ہیں
 اگر چاہہاں مدعا علیہ سے سفلہ چھوٹی مسجد کو آویگا۔ تب بھی وہ اس دیوار کے راستہ سے آویگا۔ اس دیوار بننے
 سے پیشتر مہمان دونوں وقت میرے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اور خازن پڑھتے تھے۔ اور علیی باتیں
 سنتے تھے جنکے لئے میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ اب اگر اوپر آتے ہیں تو بڑی تکلیف ہو چکا کہ اگر
 آتے ہیں۔ اور صبح اور عشا کی نمازیں ضعیف اور کمزور آدمی میرے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے۔ ان
 مہمانوں کی غرض جو میرے پاس آتے ہیں وہیں سیکھنے کی ہوتی ہے۔ لیکن جب اس دیوار کی وجہ سے
 انکو تکلیف پہنچتی ہے تو مجھے ان تمام تکالیف کا صدمہ ہوتا ہے۔ جو کام میں کرنا چاہتا ہوں اس میں
 دقت پیدا ہوتی ہے۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جنہیں میں ان تکالیف کو بیان کر سکوں مہمان
 کہیں ہوتے ہیں اور میں کہیں۔ وہ اس بات سے محروم رہتے ہیں جس کے لئے آئے ہیں اور میں اپنا کام

نہیں کر سکتا جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ برسات میں تو راستہ گزرنے کے قابل ہی نہیں ہوتا۔
 مطیع کے پروف اور کامیابی میں خود ہی دیکھتا ہوں۔ کارپر دوازل کو دن میں چار پانچ مرتبہ میری پاس
 آنا پڑتا ہے۔ اس دیوار کی وجہ سے پابندی نہیں ہو سکتی جس سے چرچ ہوتا ہے۔ کام میں توقف ہوتا ہے
 میرے لشکر خانہ کا چرچ کبھی ہزار کبھی چند سو اور کبھی دھنڑا رہتا ہے۔ اور مطیع کا مستقل
 خچہ از صائی سورہ پیہ ماہوار ہے۔ قبل از تعجب دیوار میرے باہر جانے کا راستہ اسی طرف سے تھا۔ جہاں
 دیوار ہے۔ میں زمانخانہ سے عموماً نہیں گذرتا ہوں کیونکہ وہاں مہمان عورتیں موجود ہوتی ہیں اس لحاظ
 سے کہ ممکن ہے۔ عورتیں کسی حال میں ہوں۔ ہمیشہ اوپر سے ہی آتا ہوں۔ مدعا علیہم کو میرے ساتھ
 قریباً انیس بیس سال سے عداوت ہے۔ عداوت کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ میرزا امام الدین کی ہمیشہ میرزا
 اعظم بیگ کے ارکے مرزا اکبر بیگ سے بیاہی گئی تھی۔ اور میرزا اعظم بیگ قادیان کی اراضی کا خریدار
 ہوا تھا۔ اس لئے ان لوگوں کے حصے خریدے۔ جو مدخل تھے۔ ایک وجہ عداوت کی یہ بھی ہے جو بڑی
 وجہ ہے۔ کہ مرزا امام الدین خدا اور رسول کے خلاف کتابیں لکھتا ہے۔ چنانچہ وید حق مقصدہ و کافر۔
 جس میں محکوم اور محمد حسین بنالوی دونوں کو کافر قرار دیا ہے۔ اور گل سنگت وغیرہ کتابیں اس نے لکھی
 ہیں۔ میں نے جو کتاب براہین احمدیہ لکھی ہے۔ اس میں چھوٹی مسجد کا ذکر ہے۔ اس کے حاشیہ و حاشیہ
 میں اسی مسجد کا ذکر ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۸۵ میں لکھی تھی۔ شحہ حق بھی میری کتاب ہے۔ ۲۰ ریلوں کے
 خلاف ہے۔ ست بچن اور آریہ دھرم میری تصنیف ہے۔ یہ اشتہار مورخہ دہم جولائی ۱۲۹۸ء
 میرا ہی ہے۔ جو مرزا نظام الدین کے خلاف ہے۔ یہ اشتہار ۲۴ مئی ۱۲۹۸ء امہات المؤمنین
 کے متعلق ہے۔ جو غنڈے میں بھیجا تھا۔ اور شل لکھا تھا۔ مگر رسول مدعا علیہ پر کہا۔ کبھی سیر کر جاتا ہوں
 اور کبھی نہیں جاتا۔ عموماً صبح کے وقت جاتا ہوں۔ شام کو کبھی شافونادر ہی جاتا ہوں۔ میری بیوی کو
 مراق کی بیماری ہے۔ کبھی کبھی وہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ طبی اصول کے مطابق اس کے لئے چل قدمی
 مفید ہے۔ ان کے ساتھ چند خادم عورتیں بھی ہوتی ہیں اور پردہ کا پورا التزام ہوتا ہے۔ خادمہ عورتیں
 مراد خدا کا عورتیں ہیں۔ پندرہ سولہ عورتیں ہیں۔ چند خانہ خدا کا عمل کو ساتھ لے لیتی ہیں۔ یہ بات
 عام نہیں ہے۔ بلکہ علاج کے طور پر ہے۔ اس میں دو چار مرتبہ ایسا اتفاق ہوتا ہے۔ کبھی کوئی اور ضعیفہ
 عورتیں بھی ساتھ چلی جاتی ہیں۔ تو ہم مل نہیں ہوتے۔ ہم باغیس عورت کو نہیں لجاتے۔ جہاں
 علوانیوں کے لوگوں کو حکم دین کہ وہ مٹھیاں لجا دیں۔ ہم باغیس نکالتے ہیں۔ اور پھر واپس جاتے
 ہیں۔ احمد بیگ کی دفتر کی نسبت جو پیشگوئی ہے وہ اشتہار میں صبح ہے اور ایک مشہور امر ہے

وہ مرزا امام الدین کی ہمشیر زادی ہے۔ جو خط بنام مرزا احمد بیگ کلہ فضل رحمانی میں ہے۔ وہ میرا ہے۔
 اوپر ہے۔ وہ عورت میرے ساتھ بیاہی نہیں گئی۔ مگر میرے ساتھ اسکا بیاد ضرور ہوگا۔ جیسا کہ
 پیشگوئی میں درج ہے۔ وہ سلطان محمد سے بیاہی گئی جیسا کہ پیشگوئی میں تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ
 اسی عدالت میں جہاں ان باتوں پر جو میری طرف سے نہیں ہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہیں انہی کی گئی
 ہے۔ ایک وقت آئے کہ عجیب اثر پڑا۔ اور سب کے ذمہ سے سر نیچے ہونگے پیشگوئی کے الفاظ
 سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی پیشگوئی تھی۔ کہ وہ دوسرے کے ساتھ بیاہی جائیگی۔ اس لڑکی کے
 باپ کے مرنے اور خاندان کے مرنے کی پیشگوئی شرطی تھی۔ اور شرط تو یہ اور جو اے اللہ کی تھی۔ لڑکی
 کے باپ نے تو بہ نہ کی۔ اسلئے وہ بیاہ کے بعد چند مہینوں کے اندر مر گیا۔ اور پیشگوئی کی دوسری جز
 پوری ہو گئی۔ اسکا خوف اسکے خاندان پر پڑا۔ اور خصوصاً شوہر پر پڑا۔ جو پیشگوئی کا ایک جز تھا
 انہوں نے تو یہ کی۔ چنانچہ اسکے رشتہ داروں اور عزیزوں کے خط بھی آئے۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے
 اسکو مہلت دی۔ عورت اب تک زندہ ہے۔ میرے نکاح میں وہ عورت ضرور رہیگی۔ یہ کیسی یقین
 کامل ہے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں۔ ملتی نہیں۔ ہو کر رہیگی۔ اشخاص بل کی نسبت موت کا الہام تھا۔
 عبداللہ آتھم۔ لیکھرام۔ احمد بیگ۔ سلطان محمد۔ ان میں سے اب صرف سلطان محمد زندہ ہے۔
 عبداللہ آتھم اگرچہ ظاہری نگاہ میں میعاد کے اندر نہیں مگر اسکی نسبت شرطیہ الہام تھا۔ چونکہ اسنے
 ظاہری میعاد کے اندر تو یہ کر لی۔ اسکو مہلت دی گئی۔ اس کے بعد اسنے اخفائے حق کیا۔ پھر میرے
 اشتہار کے بعد وہ بہت جلد مر گیا۔ اب آتھم کہاں ہے۔ اسے لاؤ۔ احمد بیگ اپنی میعاد کے اندر
 مر گیا۔ لیکھرام بھی میعاد کے اندر مر گیا۔

میں مسٹر ڈوئی کے سامنے لکھا دیا تھا۔ کہ آئندہ کسی کی نسبت موت کا الہام شائع نہیں کروں گا۔
 جب تک کہ وہ ڈسٹرکٹ جج ٹریٹ سے اجازت نہ لے لیوے۔ دو آریہ جنکا نام میرے اشتہار میں
 متعلقہ پیشگوئی مرزا نظام الدین درج ہے۔ ان کا نام یاد نہیں ہے۔ ایک شایعہ بلند اس ہے وہ میرے
 کا نام شاید بجا آ رہا ہے۔ بعض علما نے میری نسبت کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اور بہتوں نے مجھے
 قبول کیا ہے۔ اور ان میں سے بھی جنہوں نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ بعض تو یہ کر کے میرے پاس
 آتے جاتے ہیں، الحکم علیہ ۱۹۰۷ء۔

مندرجہ بالا بیان دے چکنے کے بعد جب آپ مکرمہ عدالت سے باہر تشریف لائے تو فرمایا :-
 معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا زمانہ آگیا۔ اگر ہم ہزار روپیہ بھی خرچ کرتے اور آرزو

کہتے۔ کہ یہ عدالت کے کاغذات میں درج ہو جائے۔ اور اس طرح پرتین ڈپٹی گواہ ہو جائیں تو کبھی بھی نہ ہوتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اور اس کی باتیں عجیب ہوتی ہیں۔ اب عدالت کے کاغذات سے کون اس کو میٹا سکے گا۔ جب یہ میٹیکوئی پوسی ہوگی۔ کیا ان ڈپٹیوں پر اس کا اثر نہ پڑیگا۔ ضرور ہی پڑیگا۔ جیسے بیکرام کی میٹیکوئی کی بہت شہرت ہو گئی تھی۔ اسی طرح اس کی شہرت ہو گئی ہے۔ اور یہ بہت ہی اچھا ہوا۔ کہ عدالت کے کاغذات میں درج ہو گئی۔ (الحکم جلد ۵ صفحہ ۷۷)۔

اسی دن شام کو میرے وقت ڈاکٹر نینق فارم صاحب نے عرض کی۔ کہ مہدی حسن صاحب تحصیلدار اور اُن کے چند دوست آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اجازت ہو۔ تو وہ شام کے بعد آجائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ناں بیشک اُن کو بلاؤ۔ مغرب و عشا کی غائیں چمک کر کے پڑھ لینے کے بعد مہدی حسن صاحب تحصیلدار صاحب مرزا سررشتہ دار ڈسٹرکٹ جج و منشی نینق الرحمان صاحب ٹریٹری کلرک و دو ایک اور کے ہمراہ آگئے (الحکم جلد ۵ صفحہ ۷۷)۔ اپنے دعاوی پر سلسلہ گفتگو شروع کرنے سے پیشتر اپنے فرمایا۔ دو دن سے مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ آپ کی وجہ سے اگرچہ میں اس قابل نہ تھا۔ کہ کوئی گفتگو کر سکوں۔ مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے میں مناسب سمجھا۔ کہ آپ کو اپنی شبہات دور کرنے میں مدد دوں۔ اور وہ بات آپ تک پہنچا دوں جو میں لیکر آیا ہوں۔ اصل میں بات یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے کام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو ہر روز لوگوں کی نظریں ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ دیکھتے ہیں۔ اور دوسری ایک اور قسم بھی خدا تعالیٰ کے کاموں کی ہے جو کبھی کبھی ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ وہ کام کبھی کبھی ہوتے ہیں۔ اس لئے لوگوں کی نظروں میں عجیب ہوتے ہیں۔ اور ان کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل نظر آتا ہے۔ مگر سمجھدار آدمی تعصب سے خالی ہو کر ان پر غور کرتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ ابھی اُن کے لئے ایک راہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ اُن کو سمجھ لیتے ہیں اور اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر نااہل۔ صدمی اور متعصب اُن پر توجہ نہیں کرتے۔ اور خدا تعالیٰ کے خوف کو مد نظر رکھ کر اُن پر فکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ ان فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ان عجیب و غریب کاموں میں سے سب سے بڑا کام اُن کے نبیوں۔ رسولوں اور ماموروں کا آنا ہے۔ یہ لوگ ایسی زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ اور عام آدمیوں کی طرح بشری حلق اور کمزوریوں سے متصف نہیں ہوتے۔ کوئی اوپری اور انوکھی بات اُن میں ایک ذرات تک پائی نہیں جاتی۔ اس لئے جب وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ہم سے کلام کرتا ہے۔ یا وہ وائعات آئندہ کے متعلق خدا تعالیٰ سے خبر پا کر کچھ بولتے ہیں۔ تو لوگ اُن کی ان باتوں پر تعجب کرتے ہیں۔ سعادت مند اور رشید لوگ

تو جیسا کہ بیٹے بیان کیا ہے۔ اُن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مگر متکبر۔ خندی انکار کرتے اور اُسکی باتوں کو ٹھٹھے اور منہسی میں اڑاتے ہیں۔ پس جب کہ یہ خدا تعالیٰ کا ایک قانون ہے جسکو ہم انبیاء اور مسلمان کی زندگی میں جاری پالتے ہیں۔ تو ہمارے لئے یہ امر بھی بھی ناخوش یا رنج دلانے والا نہیں ہو سکتا۔ مجھ پر اگر منہسی یا ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ یا کیا جاوے تو مجھے اسکی پرواہ نہیں۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا یہی قانون ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ دُنیا کے لوگ جو تباہی میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ یہ امر مشکل ہے کہ دنیا کا ایک مذہب ہو جائے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ بھی اپنا ایک قانون مقرر فرمایا ہے۔ کہ قیامت تک دنیا میں تفرقہ ضرور رہیگا۔ چنانچہ قرآن شریف میں یہ امر بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن کریم سے بڑھکر اور کوئی تعلیم کامل کیا ہوگی۔ اس میں سب سے بڑھکر آیات اور برکات رکھی ہوئی ہیں۔ جو ہر زمانہ میں تازہ اور زندہ ہیں۔ پھر اگر یہ قانون الہی نہ ہوتا۔ تو چاہیئے تھا کہ دنیا کی کل قومیں اُسکو قبول کر لیتیں۔ مگر خاص زمانہ رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دوسرا فرقہ موجود تھا۔ جیسا بنی کمال تھا۔ ویسی ہی کتاب کمال تھی۔ لیکن ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ نے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ وہ یہی کہتے رہے۔ ان ہذا الشی میراد۔۔۔۔۔ میں یہ تو دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ فرمانا ہے۔ یحسب علی الجہاد ما یا یتیم من رسول الا کا فوایہ یستہزؤن (دہا ۲۲) اللہ تعالیٰ نے جو اس آیت میں لفظ ما کے ساتھ حصر کیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو سچا ہے۔ اُسکے ساتھ منہسی اور ٹھٹھا ضرور کیا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ کیا جائے۔ تو خدا تعالیٰ کا کلام صادق نہیں ٹھہرتا۔ صادق کی یہ بھی ایک نشانی ٹھہری۔ کہ دنیا کے سطحی خیال کے لوگ اس سو منہسی ٹھٹھا کریں۔ جیسا آدم کے ساتھ کیا گیا۔ نوح کے ساتھ کیا گیا۔ موسیٰ اور عیسیٰ کے ساتھ کیا گیا۔ ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا۔ ایسا ہی مجھ سے بھی کیا جاتا ہو رہا تھا۔ میری غرض اس بیان سے یہ تھی۔ کہ میرے دعویٰ کو بھی اُسی طرح تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جیسے پہلے ماموروں کے دعویٰ کو دیکھا گیا۔ اور جو کچھ اُن کے ساتھ مخلوق پرستوں نے سلوک کیا۔ ضرور تھا۔ کہ میرے ساتھ بھی کیا جانا کیونکہ قانون الہی اسی طرح پر ہے۔ آپ لوگ آگئے ہیں۔ چونکہ عمر کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ کوئی احمق ہوگا جو عمر کا اعتبار کرتا ہو۔ اور موت سے بے فکر ہے۔ اسلئے مجھے تبلیغ حق کے لئے کہنا پڑتا ہو۔ مجھے اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کہ کوئی مانتا ہے یا نہیں میری طرف غرض پہنچا دینا ہے۔ کیونکہ میں تبلیغ ہی کے لئے مامور ہوا ہوں +

یاد رکھو۔ کہ اتمام حجت کے لئے انبیاء و ائمہ کے آدم پر سے لیکر اس دم تک تین طریقے ہیں۔ اول نصوص
کتابیہ۔ یعنی خدا تعالیٰ کی کتاب کی کھلی کھلی شہادتیں۔ دوم نصوص عقلیہ جیسا کہ قرآن شریف
سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوزخی کہیں گے۔ لو کہنا لسنہم او لعقل ما کنا فی اصحاب السعیو
یعنی اگر ہم نبیوں سے کلام کو سنتے یا عقل رکھتے۔ تو ہم جہنمی نہ ہوتے عقل ناقص جہالت
سے بڑھ کر نقصان رساں ہے مثل مشہور ہے۔ نیم ملاحظہ ایمان۔ ناقص عقل تکذیب اور توہین کی
طرح جلدی کرتی ہے۔ غرض دوسرا نشان عقل رکھا ہے۔ تیسرا نشان جو خدا تعالیٰ نے مقرر کیا ہے
وہ تائیدات سماویہ ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ اُسکے ساتھ ضروری ہوتا ہے
کہ تائیدات سماویہ بھی ہوں۔ اُسکے اور اُسکے غیر میں ایک فرقان ہوتا ہے جس سے نیکو شناخت
کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر نہیں آتا۔ اور جس کا تعلق خدا تعالیٰ
کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اُسکو وہ نور و فرقان نہیں دیا جاتا۔ اس فرقان میں ظاہر اور باطن کے برکات
ہوتے ہیں۔ اور دانشمند انسان قوت شامہ سے تیز کر لیتا ہے کہ اُسکے ساتھ تائیدات سماویہ
ہیں۔ اب میں ہر ایک صاحب سے یہی کہتا ہوں۔ کہ میں اپنے ساتھ یہ تینوں قسم کے ثبوت لیکر آیا
ہوں۔ اور خود سمجھنے اور سوچنے والے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن اگر خواہ نخواہ تکذیب ہی کرنی ہے
تو یہ امر دیکر ہے۔ اُسکے سامنے توجیکہ نظر صاف نہیں ہے۔ فرشتہ بھی دیو سے بدتر ہے۔ اس لئے
ایسے لوگ ہمارے مخاطب نہیں ہو سکتے۔ جو سرا سر خدا اور تعصیت بھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے کلام کی
صرف وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔ اور تعصیت خالی ہیں۔ انکو یقین ہوتا ہے
کہ ابکدن بھنے مرکز خدا تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ ایسے لوگوں کو ان باتوں میں جو خدا تعالیٰ کی رحمت کے
فیض کا نتیجہ ہیں۔ ایک چمک اور روشنی مل جاتی ہے جس سے وہ تعصب اور خدا کے تاریک باطن
سے بچ کر نکل آتے ہیں۔ بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں۔ کہ یا تو انکو تعصب آنا ہی نہیں۔ اور یا جیسے
زرداب پانی پر آ جاتا ہے۔ اور پھر ہٹ جاتا ہے۔ کبھی فحشاٰی باتیں بھی آ جاتی ہیں۔ مگر نفس لوامہ
کی تڑپ کی سوج جاتے ہیں۔ بعض شخص میں نے دیکھے ہیں۔ کہ ابھی ہنستے تھے۔ اور اسی وقت روتے
ہیں۔ علی گڑھ میں میں نے ایک تحصیلدار کو دیکھا۔ کہ پہلے وہ ہنستا تھا۔ لیکن کچھ رقت کی باتیں سن کر
اسقدر رویا۔ کہ آنسوؤں سے ڈاڑھی تر ہو گئی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت انسان کہ حد فاصل است۔
میںو اندر شد میحاصے تو اندر شد غرے۔ اصل بات یہی ہے۔ کہ جب خدا تعالیٰ کا نور چمک اٹھتا ہے۔
تو وہ نہیں لگتا۔ کہ نار اور ظلمت کا مادہ کہاں گیا۔ جو لوگ تعصیت۔ مہنہ اور ٹھٹھے کی مجلسوں

میں بیٹھتے ہیں۔ وہ کبھی اُمید نہیں رکھتے ہو گئے۔ کہ یہ عادت اُن سے دُور ہوگی۔ لیکن اگر انسان میں حیا ہو۔ اور تقویٰ اور مالِ بنی سے کام لے تو کچھ مشکل نہیں۔ کہ خدا تعالیٰ اُسکی دستگیری کرے آپ کو معلوم نہیں میرا کیا حال ہے۔ اور میں آپ کے حالات سے واقف نہیں۔ میرا آپ کا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک دوسرے کی نسبت کوئی رائے قائم کریں۔ خدا تعالیٰ نے اِس سے منع فرمایا ہے۔ لا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ دُپارہ ہمارا یہ مقدم ہی دیکھ لو۔ ڈیڑھ برس سے چل رہے ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ کی راہ نکال دی ہے۔ پھر دین کے معاملہ میں بھی جو اضافہ ہو آخر اسکے لئے بھی ایک راہ نکل آتی ہے۔

عزم میں مختصر طور پر کہتا ہوں کہ میرے دعوے کے دلائل اور ثبوت وہی ہیں۔ جو انبیاء کے لئے ہیں یہ سلسلہ جو خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ یہ منہاجِ نبوت ہی پر واقع ہوا ہے۔ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ اسکو کسی اور معیار کے ساتھ پرکھنا چاہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اسکو اُسی معیار پر پرکھو۔ جس پر انبیاء کو پرکھا ہے۔ اور میں یقین دلاتا ہوں۔ کہ اس معیار پر پورا اُترے گا۔

میرا دعویٰ یہ ہے۔ کہ مسیح بن مریم اسرائیلی بنی جو آج سے قریباً اُنیس سو سال پیشتر ماضی کی بستی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اپنی طبعی موت سے مر گیا۔ اور مسیح موعود جس کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا وہ میں ہوں۔ میرے مخالفوں کا یہ خیال ہے کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی بنی زندہ آسمان پر چلا گیا ہے اور انسان ہو کر بھی وہ وہیں حوائجِ بشری سے بے نیاز ہو گیا ہے۔ اور کسی دوسرے وقت وہی آسمان سے فرشتوں کے کندھوں پر اُتھ رکھے ہوئے نازل ہوگا۔ مگر خدا تعالیٰ اس خیال کو قبول نہیں کرتا۔ اور اُس نے اپنے فعل اور اپنی تائیدوں سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ دعویٰ ایک خیالی اور مجہول دعویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں اُسکا اظہار نہیں ہوا۔ اور نہ اس دعویٰ کے کرنے والوں کو خدا تعالیٰ نے میرے مقابل پر سامی تائیدوں سے کامیاب کیا اور نہ عقلِ صحیح نے اُن کا ساتھ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ قلعہ اسرائیلی رہائوں سے ہمارے مخالفوں نے لیا ہے۔ ورنہ ہمارا دستور العمل تو کتابِ احد ہے جس کے بارہ میں خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ کہ وہ قولِ فیصل ہے۔ وہ میزان ہے۔ وہ ہدایتِ نکلِ شیشی ہے۔ اور ہمارا دُوی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اب اہل سے آخر تک جو شخص قرآنِ کریم کو دیکھے گا۔ تو وہ یابگاہ کہ اس میں منطوقی کا لفظ مُردوں ہی پر دُلا گیا ہے۔ اور یہی لفظ مسیح ابن کریم کی نسبت استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ مُردہ کے معنوں میں ایسا عام ہے کہ پٹواری تک بھی جانتے ہیں کہ اسکے معنی بجز مرنے کے اور کچھ نہیں ہیں۔ حدیث کو پڑھو۔ تو وہیں بھی یہ لفظ موت ہی کے معنوں میں آیا ہے۔

عزمن قرآن شریف کو اگر غور سے پڑھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم مرچکا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ قرآن شریف کے کسی ایک مقام ہی سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے بلکہ قرآن شریف کی تیس آیتوں سے واضح طور پر مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ اور ایسا ہی احادیث مسیح کی وفات پر مشہدات دلتی ہیں۔ تاریخی طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا پہلا اجتماع ہی مسیح کی وفات پر ہوا ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے انتقال فرمایا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے کہ اُس شخص کو قتل کر دیا جائیگا۔ جو آپ کو مردہ کہے گا اور اُس سے ایک عظیم شور مچ گیا۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور خطبہ پڑھا **ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل الخ** اب ایک دانشمند اور سلیم الفطرت انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے مسیح ابن مریم کی زندگی کا خیال تھا۔ تو یہ استدلال تام کیونکر ہو سکتا تھا۔ اور کیوں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے نہ کہا کہ یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ مسیح تو ابھی زندہ ہے مگر اسکے خلاف سب کے سب خاموش ہو گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی تسلی ہو گئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی حالت ہوئی کہ بازاروں میں اس آیت کو پڑھتے تھے **والحکم جلدہ عتہ**۔

پھر جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجتماع اس مسئلہ پر ہو چکا اور قرآن شریف میں ایک جگہ انی مٹوفیلے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اور دوسری جگہ مسیح خود فلما توفیتنی کہہ کر اپنی موت کا اقرار کرتے ہیں۔ اس پر بھی الگو کوئی انکی زندگی ہی کا اقرار کرتا ہے تو عجیب بات ہو۔ مدعی سُست گواہ چُست۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یہی الفاظ خود بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بولے گئے ہیں۔ یعنی یہی لفظ توفی کا۔ اب اگر توفی کے معنی موت کے نہیں ہیں۔ تو چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہ معنی نہ کئے جائیں۔ غرض یہ توفی کا لفظ جو قرآن تیس مرتبہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اور انہیں معنوں میں آیا ہے۔ پھر اس سے انکار کرنا سحابت اور رشک کے خلاف ہے۔ یہ سارے شواہد مسیح کی وفات پر قوی دلائل ہیں۔ علاوہ ازیں جیسا کہ مسیح اس آیت فلما توفیتنی میں اقرار کرتے ہیں۔ اگر وہ نہیں مرے بلکہ زندہ ہیں تو ماننا پڑیگا کہ مسیح انکی پرستار قوم بھی نہیں بگڑی۔ اور ان میں مسیح اور مریم کو خدا بنانے والے پیدا نہیں ہوئے حالانکہ یہ واقعات صحیحہ کے خلاف ہیں۔ مسیح کے پرستار و مینا میں موجود ہیں۔ اور مریم کو خدا بنا کر والے رومن کیتھولک بھی کثرت سے ہیں۔ اب جس شخص کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ عیسیٰ زندہ ہیں تو قرآن شریف

کے رو سے اسکو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ عیساؑ ابھی تک نہیں بگڑے۔ اور یہ مان کر پھر قرآن شریف سے
ماخوذ دھونے پڑینگے۔ کیونکہ اسکو واقعات صحیحہ کے خلاف ماننا پڑیگا۔ ونحوذ باللہ من ذالک
متوفیک کے معنے کرنے میں پہنچے ہی یہ معنے موت کے نہیں نکالے ہیں۔ بلکہ اہل لغت نے یہی
معنے کئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ نے متوفیک کے معنے ھیتک صاف کر دیئے ہیں۔ پھر عقل
بھی ہماری تائید کرتی ہے۔ کسی شخص کو آج تک کبھی آسمان پر جانے کسی نے نہیں دیکھا اور نہ آسمان
اُترتے ہوئے دیکھا۔ پھر عقل تو بدون نظیر کے کوئی بات مانتی نہیں۔ اگر کوئی پہلے ہی دنیا میں ایسا
واقعہ ہوا ہے تو اسکو بطور نظیر پیش کرنا چاہیئے۔ اب رہیں تائیدات سماویہ میں اگر یہ کہوں کہ میرے
لغات کے کروڑوں آدمی گواہ ہیں۔ تو یہ امر سالفہ میں داخل نہیں ہے۔ مثلاً لیکہرام کی نسبت
جو پیشگوئی کی گئی تھی۔ چھ سال پیشتر اسکی موت۔ صورت موت وغیرہ سے پوری اطلاع دی گئی
تھی۔ اور پھر ایسا ہی ظہور میں آیا۔ چنانچہ بہت سے ہندوں نے بھی اسکی تصدیق کی۔ یہاں تک کہ
ہندوں کی عورتیں تاک بھی گواہ ہیں۔ کیونکہ یہ پیشگوئی بہت کثرت کے ساتھ شہر ہوئی تھی۔ اور
خود لیکہرام جہاں جاتا تھا۔ اس پیشگوئی کا تذکرہ کرتا تھا۔ بلکہ خود اسنے ہی میری نسبت ایک پیشگوئی
کی تھی۔ کہ تین سال کے اندر بیضہ سے مر جاؤں گا۔ مگر اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ وہ لیکہرام کہاں
ہے؟ حالانکہ میں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے تین سال چھوڑا تک زندہ ہوں۔ اور موجود ہوں باوجودیکہ
وہ ایک قوی ہیکل تندرست نوجوان تھا۔ آدمی ہمیشہ بیمار رہنے والا۔ عمر میں اس سے بہت بڑا۔
پھر یہ اگر خدا تعالیٰ کی تائید نہ تھی تو کیا تھا۔ اے بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جنکی فطرت میں گمراہی ہوتی
ہے۔ وہ سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ جیسا کہ آج عدالت میں سلطان محمدؒ کے معاملہ کو پیش
کیا گیا۔ کہ وہ زندہ ہے۔ میں کیا کروں کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں۔ اور کونسا طریق اختیار کروں۔
جو ان لوگوں کو سمجھا سکوں۔ یہ لوگ نہ میرے پاس آتے ہیں۔ نہ میری باتوں کو سنتے ہیں۔ اور نہ ان کو
خدا تعالیٰ کے قوانین پر اطلاع ہے اور نہ علم ہے۔ وہ نہیں دیکھتے کہ چار شخصوں کے متعلق
پیشگوئیاں تھیں جنہیں سے تین مر گئے۔ اور اب صرف ایک باقی ہے اور وہ بھی پیشگوئی ہی کے
موافق اب تک زندہ ہے۔ اس پیشگوئی کے غلط ہونیکا اعتراض اسوقت ہو سکتا ہے جب سلطان محمدؒ
سے پہلے میں مر جاؤں۔ یا وہ عورت مر جاوے لیکن جبکہ خدا تعالیٰ نے اسی طرح پر مقرر کیا ہے
کہ وہ عورت بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئے۔ اور یہ کبھی نہیں ٹیکے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی باتیں پوری
ہو کر رہتی ہیں۔ پھر کیوں یہ لوگ مبر سے انتظار نہیں کرتے۔ میں آپ سے یہ کہتا ہوں جیسا

کہ آج میں نے خان بہادر خدابخش صاحب کے سامنے عدالت میں کہا کہ آج چھپترہویں کی جاتی ہو لیکن ایک وقت آئیگا کہ اُسکا اثر ٹریگا۔ اور وہ وقت سننے والوں کے لئے شرمندگی کا ہوگا۔ غرض خدا تعالیٰ کے نشانات ہارش کی طرح ظاہر ہو رہے۔ نہ ایک نہ دو بلکہ نئے تریاق القلوب میں ایک سو پینسگوٹی لکھدی ہے۔ جو چوری ہو چکی ہے اسپر بھی میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی اسپر نہ کر سکے۔ اور اُس کی تسلی کے لئے یہ کافنی نہ ہو۔ اسپر طیکہ وہ حق کا حامی ہو۔ اور خدا تعالیٰ کا خوف اُسکے دل میں ہو۔ تو میں تو اب بھی نشان نمائی کے واسطے تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے فضل اور مہبت کے طور پر یہ نشان دیا ہوا ہے کہ میں جب اُسکے حضور دعا کروں گا۔ تو وہ مجھے نشان دیکھا۔ میرا میدان تنگ نہیں ہے بلکہ بہت وسیع ہے۔ میدان تنگ رالوں کے ہوتے ہیں۔ مگر وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہو۔ اُسکے لئے میدان بہت وسیع ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی راستی کا بھوکا پیاسا ہو۔ مجھے سے پنج لے۔ میرے پاس آؤ۔ اور بیٹھ کر نشانات کا معائنہ کرے۔ میرے مخالفوں میں سے کسی کو کوئی آمادہ کر سکے وہ استجابت میں میرا مقابلہ کرے۔ اگر ایک بھی مقابلہ کے لئے آجاوے اور میرا مقابلہ کر کے بڑھ جاوے۔ اویں اُسکا مقابلہ نہ کر سکوں۔ بلکہ میں تو یہاں تک آتا ہوں کہ اگر استجابت دے جائیں وہ میرے برابر رہے تب بھی میں اپنا جھوٹا ہونا مان لوں گا اور اپنی ساری کتابیں جلا دوں گا۔ اب کوئی ہے تو اُسے میرے مقابلہ میں لاؤ۔ اویں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی میرے مقابلہ میں نہیں آئیگا۔

دیہانتا اپنے تقریر فرمائی تھی کہ مہدی حسن صاحب نے کہا کہ وہ آپ کو تکلیف دینے یا تقریر سننے کے لئے نہیں آئے۔ بلکہ کچھ سوال کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس تقریر کی ضرورت نہیں جس کے جواب حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ بہت اچھا میں تو ہر طرح تیار ہوں۔ آپ سوال کریں میں اس کا جواب دوں گا۔ مگر کیا اچھا ہوتا۔ اگر آپ میرا سا را بیان سن لیتے اور اُسکے بعد جو شبہ آپ کو رہ جاتا۔ اُسے پیش کرتے۔

مہدی حسن صاحب - تو فی کی بحث صرف و نحو کے بغیر نہیں آتی۔ اور ہم یہ صرف و نحو نہیں جانتے۔

حضرت مسیح موعودؑ - اگر صرف و نحو نہیں آتی تو کیا یہ میرا قصور ہے۔ یہ تو تمہارا ہی قصور ہے۔ اسکے علاوہ میں قرآن کو پوچھی بنانا نہیں چاہتا۔ قرآن شریف اُتیوں کے لئے اُتی پر نازل ہوا۔ اگر قرآن شریف سے استدلال نہ کریں۔ تو کیا کسی شاستر سے کریں مسلمانوں کو عربی سے ایک

خاص تعلق ہے۔ اور یہ انکی قسمتی ہے۔ جو وہ اسپر توجہ نہیں کرتے۔ مگر یہ مسئلہ تو ایسا صاف ہے کہ اس میں کسی بڑے صرف و نحو کی بھی ضرورت نہیں۔ عام آدمی بھی جانتے ہیں۔ کہ ہتھو فی کے کیا معنی ہوتے ہیں۔

مہدی حسن صاحب۔ کلام اللہ میں جب مسیح کی نسبت توفی آگیا۔ تو شیل مسیح کی آمد کس بنا پر ہے؟

حضرت مسیح موعودؑ۔ قرآن شریف کی بنا پر۔

مہدی حسن صاحب۔ اس معاملہ میں جو احادیث ہیں۔ ان کو جناب صحیح جانتے ہیں۔ یا موضوع ٹھہرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ ہمارا اصول یہ ہے۔ کہ جو احادیث صحیح قرآن کریم کی نصوص صریحہ بینہ کے رفقا ہوں۔ ان کو ہم مانتے ہیں۔ لیکن جو احادیث قرآن کریم کے اصول کے خلاف ہوں۔ ان کے ہم ایسے معنی کرنے کی کوشش کریں گے جو کتاب اللہ کی نص بین کے موافق اور مطابق ہوں۔ اور اگر ہم کو ٹی حدیث ایسی پائینگے۔ جو مخالف نص قرآن کریم ہوگی۔ اور کسی صورت سے ہم اسکی تائید کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے۔ تو ایسی حدیث کو ہم موضوع قرار دینگے۔ اور قول مردودہ سمجھ کر چھوڑ دینگے۔ کیونکہ حدیث کا پایہ قرآن کریم کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔

مہدی حسن صاحب۔ بیشک یہ صحیح اصول ہے۔ مگر جو احادیث ابن مریم کے متعلق خاص ہیں ان کو جناب نے منظور رکھا یا ساقط کر دیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ بیٹے تو کہہ دیا ہے۔ کہ میرا اصول احادیث کے متعلق یہی ہے۔ کہ اگر وہ قرآن کریم کے نصوص بینہ کے ہر طرح مخالف ہیں تو میں انکو کبھی تسلیم نہیں کرتا۔ پس اسی اصول کے موافق اگر کسی حدیث میں یہ لکھا ہے۔ کہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی بنی جو ناصرہ میں پیدا ہوا تھا اور جسکو آج انیس سو برس کے قریب گزر گئے ہیں۔ وہی آئیگا۔ اور وہ اپنی نبوت کے منصب سے معزول بھی نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ نبی ہی ہوگا۔ اور ہمارے بنی کریم فاطمہ البنیہیں نہ رہیں گے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ وہ فاطمہ البنیہیں ہیں تو ایسی حدیث کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والی ہوگی۔ ہرگز ہرگز نہیں مان سکتا۔ اسکو بیشک موضوع کہہ ننگا۔ اور اگر احادیث میں یہ نہیں لکھا گیا۔ کہ وہ اسرائیلی بنی ہوگا۔ بلکہ اسرائیلی مسیح اور محمدی مسیح کا حلیہ بھی الگ الگ بیان کیا گیا ہے اور اسکی آمد کو قرآن شریف کے خلاف نہیں ٹھہرایا گیا۔ تو بیشک ایسی حدیثیں ماننے کے قابل ہیں۔ مگر میں آپکو یقین دلاتا ہوں۔ کہ

میرا دعویٰ جو مسیح موعود ہونے کا ہے۔ اسکی بنا قرآن شریف پر ہے۔ اگرچہ یہ بالکل سچ ہے۔ کہ مسیح
حیدر میں جو قرآن شریف کے کبھی مخالف نہیں ہوتی ہیں۔ میرے اس دعویٰ کی مصدق ہیں۔ مگر
میں اپنے دعویٰ کو قرآن وغریف سے ثابت کرتا ہوں۔ میرے آنے کی خبر قرآن شریف میں موجود ہے
ہاں یہ بھی سچ ہے کہ احادیث میں بھی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے
دا الحکم جلد ۵ (۳۲)۔

مہدی حسن صاحب۔ میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ جب احادیث میں مسیح ابن مریم کا لفظ
آئی ہے۔ اور یہ علم ہے۔ پھر اسکی تاویل آپ کیوں کرتے ہیں؟

حضرت مسیح موعود ۳۔ یہ تاویل ہم نے خود نہیں کی ہے۔ بلکہ قرآن شریف نے اسکی
حقیقت بتلائی ہے۔ جہاں یہ لکھا ہے۔ ضرب الله مثلا للذين امنوا الخ و مریم
ابنت عمران التي احصنت فرجها فنفختنا فيه من روحنا سوره غفریم ۷۱ اس
آیت میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے ایک مسیح ابن مریم کے اس امت میں پیدا ہونے کی خبر دیدی
ہے۔ اور ہوں تو ایسا ہر مومن جو کتب اور کلمات اللہ کی تصدیق کرے اور قانین اور عابدین
میں سے ہو۔ اور اپنے فرج کو محفوظ رکھے۔ مریمؑ کہلاتا ہے۔ اور اسیں نفخ روح ہو کر وہ خود عیسیٰ
ابن مریمؑ بن جانا ہے۔ کیونکہ مریمؑ کو تو بوجہ عورت ہونے کے نفخ روح سے حمل ہو گیا۔ لیکن مردوں کو
تو حمل نہیں ہوتا۔ اسلئے مردوں میں اس نفخ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ خود مسیح ہو جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے ان آیات میں دو قسم کے آدمیوں کی مثال بیان کی ہے۔ ایک تو وہ ہیں جو دفع شر
کی درخواست کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنی نیکیوں کو محال تک پہنچا یا ہے۔
اول الذکر وہ لوگ ہیں جو نفس فوامہ کے ماتحت ہیں۔ اور احصنت فرجہا والے دوسرے
ہیں اب سوچ کر بتاؤ۔ کہ خدا تعالیٰ نے جو یہ کہا کہ ہم اس میں اپنی روح پھونک دیتے ہیں۔ کیا اسکے
یہ معنی ہیں کہ وہ بھی مریمؑ کی طرح حاملہ ہو جاتے ہیں۔ سچ یہی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک
میں عیسیٰ ابن مریمؑ کی مثال دیکر بتا دیا ہے۔ کہ اس امت مجریہ میں جو مسیح موعود آئیوا ہے وہ اسی
رنگ پر اٹیکگا۔ احادیث میں اہا مکھ متکم کہہ کر صاف کر دیا ہے۔ اور یہاں نفختنا فیہ
من روحنا۔ رکھ دیا۔ اسلئے مجھے ایک دفعہ مریمؑ کا الہام ہوا۔ یا مریمؑ اسکن انت و
دو جاک الجنة۔

مہدی حسن صاحب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں کیوں کہا۔ یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ نسل مسیح

ایمگا ۹۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ یہ اعتراض آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں نہ محمد پر۔ اور پھر یہ اعتراض بھی ایسی نادانسی سے کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف طور پر کھو لکر بیان فرمایا کہ اہا مکہ منکر اور قرآن شریف ہی کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ وہ ۱۲۰ برس کی عمر پا کر فوت ہو گئے۔ اور آپؐ نے مصلح کی بات اُن کو مردوں میں دیکھا۔ پھر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام لگاتے ہیں کہ آپؐ نے قرآن شریف کے خلاف فرمایا۔ اصل بات یہ ہے کہ آپؐ اپنا اعتبار کھوتے ہیں آپؐ جو بار بار کہتے ہیں کہ بیشک تم میں ڈیڑھی ہیں یہ مسئلہ آپؐ نے کس کتاب میں دیکھا ہے۔

عہدی حسن صاحب۔ میں آپ کو سچ دلانے کے لئے نہیں آیا۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ سچ کیا۔ مجھے تو سچ اسی نہیں سکتا۔ میرا تو یہ کام ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دوں۔ امد ہر لوچھنے والے کو جواب دوں۔ مجھے سچ نہیں آتا آپؐ پر رحم آتا ہے کہ آپؐ دانتہ ایک امر کو چھوڑتے ہیں۔ میں اپنے دعوے کو قرآن شریف کی بنا پر بیان کرتا ہوں۔ حالانکہ مقدم قرآن شریف ہی ہے۔ آپؐ حدیث کے ایک لفظ پر اڑتے ہیں۔ جس کے معنی خود بخود بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیئے ہیں اہا مکہ منکم۔ پھر میں آپؐ سے پوچھتا ہوں کہ کیا حدیثوں میں اختلاف نہیں۔ شیعوں اور سنیوں کی جدا جدا حدیثیں نہیں ہیں۔ اور مقلدوں اور غیر مقلدوں کی حدیثیں الگ الگ نہیں ہیں۔ پھر آپؐ حدیث کے رو سے کیا فیصلہ کر سکیں گے۔ قرآن شریف کو نہ چھوڑو۔ اُسے مقدم کرو۔ میرے دعاوی کا ثبوت قرآن شریف میں موجود ہے۔ اگر اُسے چھوڑ کر آپؐ اور طرٹ جانا چاہیں آپؐ کا اختیار ہے۔ حدیث صحیح سے بھی میرا دعویٰ ثابت ہو تا ہے۔ آپؐ کو تو وہ بھی کچھ نہیں مل سکتا۔

عہدی حسن صاحب۔ مقلدوں کو حسد نہیں ہے۔ سب ایک ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ اگر مقلدوں کو باہم حسد نہیں ہے اور سب باہم ایک ہیں۔ تو پھر مکہ میں چار حصے نہ ہوتے۔

عہدی حسن صاحب۔ اب ہم نہیں پوچھتے۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ پھر ہم تو نہیں ٹھکتے۔ آپؐ جس قدر سوال چاہیں۔ کریں ہم جواب دینے کو تیار ہیں۔ قرآن شریف اور حدیث کی رو سے اپنے اپنے دعاوی کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔

اویں سمجھتا ہوں کہ اب بجز سعدی کے اس شعر کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ سہ آنکس کہ بقرآن وغیرہ
زور نہی + این است جوابش کہ جوابش نہ ہی۔

مہدی حسن صاحب۔ میں شعور برا سمجھتا ہوں۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ یہ آپ کی غلطی ہے۔ ہر شعر ایسا نہیں ہوتا۔ کہ اُسے برا سمجھا جائے، حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بھی شعور ٹھہ لیا کرتے تھے۔ صحابہ رفع شعر پڑھا کرتے تھے۔

مہدی حسن صاحب۔ قرآن شریف شعراء کی خدمت کرتا ہے۔ الشعراء یلینہم
الغادون۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ یہاں ہر ایک شعر کی خدمت نہیں کی گئی۔ اسپر
آل بھی ہے۔ اسپر غور کرو۔ غنیت شعراء سے مراد ہے۔

بعد اسکے مہدی حسن صاحب کے رفقائے نے چلنے کی تحریک کی۔ مگر مہدی حسن صاحب کے اصرار سے
رک گئے۔ جب پھر حضرت مسیح موعودؑ نے انکو مخاطب کر کے فرمایا:-

حضرت مسیح موعودؑ۔ وفات مسیح کا مسئلہ تو ایسا صاف ہے کہ اسپر وہی شخص محبت اور انکار
کرے گا۔ جس کو خدا تعالیٰ کا خوف نہیں۔ یا قبضتی سے اُسے غور اور فکر کی قوت نہیں ملی اور ساری

باتوں کو چھوڑ کر ہم صحابہ رفع ہی کے اجماع کو لیتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر
ہوا۔ یہ عام طور پر مسلمانوں میں مانی ہوئی بات ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال

ہو گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرط محبت سے اور اس صدمہ کی برداشت کی تاب نہ لا کر جو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے پیش آیا۔ اپنی تلوار کینچ لی۔ اور کہا۔ کہ اگر کوئی شخص

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ کہے گا۔ تو میں اُسے قتل کر دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جوش دیکھا۔ تو وہ اُٹھے اور خطبہ پڑھ کر یہ آیت سنائی ما محمد

الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل یعنی محمدؐ بھی ایک رسول ہیں اور آپؐ
پیشتر جس قدر رسول آئے وہ سب سب مر گئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا۔ تو

اپنی تلوار میان میں کر لی۔ اور کہا۔ کہ یہ آیت گویا آج ہی اُتری ہے۔ صحابہ باز اعلیٰ میں اس آیت
کو پڑھتے پھرتے تھے۔ اور بعضوں نے شعر کہے۔ الغرض یہ کیسی سچی بات ہو۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

عنہ نے اس آیت کو صرف اسلئے پڑھا تھا۔ کہ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہند لال
کریں۔ لیکن اگر کوئی بنی مثلاً مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا تھا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد

تھا۔ تو کیا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک کو بھی جرات نہ ہوئی۔ کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا منہ بند کرتا۔ اور کہتا کہ آپ کیونکر کہتے ہیں کہ سب رسول وفات پا گئے۔ جبکہ مسیح ابھی زندہ ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ کسی صحابی نے نہ کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ تسلیم کر لیا۔ کہ سب رسول وفات شدہ ہیں۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ اُمت محمدیہ کا سب سے پہلا اجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت مسیح کی وفات پر ہی ہوا تھا۔ اور اُس کے علاوہ قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیات اسی قسم کی موجود ہیں۔ تو یہ سلسلہ بہت صاف اور روشن ہے۔

مہدی حسن صاحب۔ مگر یہ تو یہ سوال نہیں رہیں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ مسیح ابن مریم کا وعدہ حدیثوں میں کیوں کیا گیا۔ صاف لفظوں میں شیل مسیح کہا ہوتا۔ ۹۔

حضرت مسیح موعود ۲۔ میں اسکا کیا جواب دوں۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ پر ایسے ہی اعتراض کئے تھے۔ جب انہوں نے کہا۔ کہ لکھا ہے کہ مسیح سے پہلے ایلیا آسمان سے اترے۔ میرے پاس ایک یہودی کی کتاب ہو اس میں وہ صاف لکھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے انکا مسیح کے وجود کی پوچھ بیگا تو ہم ملائی نبی کی کتاب سامنے رکھ دینگے۔ کہ اس میں کہاں لکھا ہے۔ کہ ایلیا کا مثیل یوحنا الزبکا۔ الخ من ایسے اعتراض پہلے بھی ہوئے ہیں۔ اور مجھ پر ایسے اعتراض نہیں۔ اور یہ اعتراض تو درحقیقت خدا تعالیٰ پر ہے۔ لیکن اگر آپ لوگ غور کریں تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی سنت اسی طرح پرجہ **مہدی حسن صاحب**۔ علم بدل نہیں سکتا۔

حضرت مسیح موعود ۲۔ اگر آپکا یہ مذہب ہی۔ تو میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ حدیث میں جو آیا ہے۔ کہ ہر بچہ کو جب وہ پیدا ہوتا ہے شیطان مس کرتا ہے۔ مگر ابن مریم کو اُس نے مس نہیں کیا۔ آپ اسکی کیا سننے کرتے ہیں؟ کیا آپکا یہ مذہب ہی۔ کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شیطان نے مس کیا تھا۔ اگر آپ کا یہ مذہب ہی تو بہت خطرناک ہے اور آپکو پھر یہ مشکل پیش آئیگی۔ کیونکہ آپ کہتے ہیں۔ کہ علم کی تاویل نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم تو ایک طرفہ العین کے لئے بھی اسکو رد نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ سن بھی نہیں سکتے۔ ہمارا کلیہ کام پ اٹھتا ہے۔ اگر یہ سنیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان نے مس کیا تھا۔ میرا مذہب ہی۔ کہ وہ شخص ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ جو ایسا عقیدہ رکھے۔ آپ خدا تعالیٰ سے ڈریں یہ اصل آپکو عجیبو رکریگی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مس شیطان کا عقیدہ رکھیں۔ اور اگر آپ یہ عقیدہ نہیں رکھتے تو پھر اس حدیث کے معنی کر کے بتاؤ۔ اصل بات یہی ہے کہ جیسے علامہ زرخشیری نے لکھا ہے کہ ابن مریم

سے مراد تمام مقدس ہیں۔ ورنہ اگر اسکو مخصوص اور محدود کریں تو اسلام ہی اُتھ سے جاتا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص دس دن میرے پاس رہے تو اسکو رویت کی طرح پتہ لگ جائیگا کہ خدا تعالیٰ نے جو سلسلہ اسوقت قائم کیا ہے وہ حق ہے۔

مہدی حسن صاحب۔ پھر سوال وہی ہے۔ کہ ابن مریم کی حدیث کو آپ مانتے ہیں۔
حضرت مسیح موعود ۲۔ میں تو کہہ دیا۔ کہ اسی طرح مانتا ہوں جس طرح قرآن شریف اُسکے معنی کرتا ہے۔ کہ مسیح اسرائیلی بنی مرگیا۔ اور اُسکی جگہ اُسکا مثیل آیا۔ دیکھو میں پھر کہتا ہوں۔ کہ قرآن شریف کو سب پر مقدم کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک سے نکلا ہے اور خدا تعالیٰ اُسکا محافظ ہے۔

مہدی حسن صاحب۔ پھر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر مثبتہ الفاظ نہ بولتے تو جھگڑا ہی کیوں اُٹھتا۔

حضرت مسیح موعود ۲۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور گستاخی ہے کہ آپ کی شان میں ایسے الفاظ بولے جائیں۔ کہ آپ نے مثبتہ الفاظ بولے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مثبتہ لفظ نہیں بولا۔ یہ خود آپکا قصور فہم ہے۔ آنحضرت نے اسی طرح پر الفاظ بولے جس طرح شروع سے خدا تعالیٰ انبیاء کے ساتھ کلام کرتا آیا ہے۔

مہدی حسن صاحب۔ پھر علم کی تاویل نہیں ہوتی۔
حضرت مسیح موعود ۲۔ میں تو ابھی اس بہبودہ اصول کی حقیقت بتا چکا ہوں کہ اگر یہی مذہب رکھا جاوے۔ تو پھر اسلام اُتھ سے جاتا ہے۔ کیونکہ مس شیطان کی حدیث کے رو سے تم لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں مانتا پڑیگا۔ کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مس شیطان سے بری نہیں کوئی مسلمان نہیں ہے۔ جو یہ عقیدہ رکھ سکے۔

مہدی حسن صاحب۔ بس اب ہم نہیں پوچھتے۔
حضرت مسیح موعود ۲۔ ہم تو تھکے نہیں مگر انصاف بھی تو ہونا چاہیے۔ میں اگر خدا کا خوف نہ کرتا تو ہرگز یہ تبلیغ نہ کرتا۔

اسکے بعد مہدی حسن صاحب مع رفقاء رخصت ہو گئے (الحکم جلد ۵ ص ۳۵)۔

۱۹ جولائی ۱۹۰۷ء۔ حافظ محمد یوسف صاحب کا ذکر آیا۔ کہ بعض باتوں پر اعتراض کرتے تھے۔ اس پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا: ”ان کو تو سر سے سے سب باتوں سے انکا رہے جبکہ قرآن شریف

نے صداقت نبوت مجربہ میں آیت لو تقول والی پیش کی ہے۔ اور حافظ صاحب اس سے انکار کرتے ہیں۔ تو پھر کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اے محمد اگر تو اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر لوگوں کو سنائے اور اُسکو میری طرف منسوب کرے۔ اور کہے کہ یہ خدا کا کلام ہے حالانکہ وہ خدا کا کلام نہ ہو۔ تو تو ہلاک ہو جائیگا۔ یہی دلیل صداقت نبوت مجربہ مولوی آمل سن صاحب اور مولوی رحمت اللہ صاحب نے نصاب کے سامنے پیش کی تھی۔ جس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور اب یہی دلیل قرآنی ہم اپنے دعویٰ کی صداقت میں پیش کرتے ہیں۔ حافظ صاحب اور اُن کے ساتھی اکبر بادشاہ کا نام لیتے ہیں۔ مگر یہ اُن کی سرسراہٹ ہے۔ تقول کے معنی ہیں۔ کہ جھوٹا کلام پیش کرنا۔ اگر اکبر بادشاہ نے ایسا دعویٰ کیا تھا۔ تو اُسکا کلام پیش کریں جس میں اُسے کہا ہو۔ کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ الہامات ہوئے ہیں۔ ایسا ہی روشن دین جالندھری اور دوسرے لوگوں کا نام لیتے ہیں۔ مگر کسی کے متعلق یہ نہیں پیش کر سکتے۔ کہ اُسے کوئی جھوٹے الہامات شائع کئے ہیں۔ اگر کسی کے متعلق ثابت شدہ معتبر شہادت کے ساتھ حافظ صاحب یا اُن کے ساتھی یہ ثابت کر دیں۔ کہ اُسے جھوٹا کلام خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ کلام نہ تھا۔ اور پھر ایسا کرنے پر اُسے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر عمر پائی ہو۔ یعنی ایسے دعویٰ پر وہ ۳۳ سال دھوڑے۔ تو ہم اپنی ساری کتابیں جلا دینگے۔ ہمارے ساتھ کینہ کرنے میں ان لوگوں نے ایسا غلو کیا ہے کہ اسلام پر مبنی کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے کلام کے مخالف بات کرتے ہیں۔ گواہ کی ایسی باتیں کرنے سے قرآن شریف جھوٹا ثابت ہوتا ہو۔ تاہم وہ ہلکے چھیلاتے ہیں۔ مگر تعصب بہت بڑی بلا ہے۔ یہ لوگ ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ جن سے قرآن شریف پر زد ہو۔ ہمارا تو کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ کہ یہ لوگ مسلمان کہلا کر ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ایک تو وہ مسلمان تھے۔ کہ بظاہر منہ صیغہ حدیث میں بھی اگر سچائی پاتے۔ تو اُسکو قبول کر لیتے۔ اور ایک یہ مسلمان ہیں کہ قرآنی دلائل کو بھی نہیں ملتے۔ ہم تو حافظ صاحب کو دعوت دیتے ہیں۔ کہ شائستگی کے ساتھ خلق و محبت سے چند دن یہاں آکر رہیں۔ ہم اُن کا ہر جہاد دینے کو طیار ہیں نرمی سے ہمارے دلائل کو سنیں اور پھر اپنے اعتراضات کریں۔ مولوی احمد صاحب کو بھی بیشک اپنے ساتھ لائیں۔“

ابو محمد سعید صاحب نے عرض کی۔ کہ حافظ محمد یوسف صاحب اعتراض کرتے تھے۔ کہ مولوی عبدالکرم صاحب نے احکام میں یہ کفر لکھا ہے۔ کہ یہ وہ احمد عربی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ حافظ صاحب کے پوچھو کہ براہین احمدیہ میں جو میرا نام محمد لکھا ہو اور مسیح بھی لکھا ہے اور تم لوگ اُسکو پڑھتے رہے اور اُس کتاب کی تعریف کرتے رہے۔ اور اُسکے ربوہ یو میں لمبی چوڑی تحریریں کرتے رہے۔ تو اُسکے بعد کونسی نئی بات ہوئی ہے۔

مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے اُس کتاب کے متعلق خود میرے سامنے کہا تھا کہ اسلام کی تائید میں جیسی عمدہ یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اُس وقت منشی عبدالحق صاحب بھی موجود تھے۔ اور بلا محمد صاحب بھی موجود تھے۔ یہ وہ زمانہ بریلین احمدیہ کا تھا جبکہ تم خود تسلیم کرتے تھے۔ کہ ہمیں کوئی بناء و غیرہ نہیں۔ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا۔ تو کیا انسان کے لئے ممکن تھا۔ کہ اتنی مدت پہلے سے اپنی پٹری جائے۔ اور ایسا لمبا منصوبہ سوچے۔ اب چاہیئے کہ یہ لوگ اس اتفاق کا جواب دیں۔ کہ اُسوقت کیوں ان لوگوں کو یہی باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مہدی جو آنے والا ہے۔ اُسکے باپ کا نام میرے باپ کا نام اور اُسکی ماں کا نام میری ماں کا نام ہوگا۔ اور وہ میرے خلق پر ہوگا۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مطلب تھا۔ کہ وہ میرا منظر ہوگا جیسا کہ ایلیا نبی کا منظر یوحنا نبی تھا۔ اُسکو صوفی بوڑھے کہتے ہیں کہ فلاں شخص موسیٰ کا منظر اور فلان عیسیٰ کا منظر ہے۔ خواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آخرین منہم سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو مہدی کے ساتھ ہونگے۔ اور وہ لوگ قائم مقام صحابہ رض کے ہونگے۔ اور ان کا امام یعنی مہدی قائم مقام حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوگا (الحکم جلد ۵ ص ۲۷)۔

۲۰ جولائی ۱۹۰۱ء۔ حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس مبارک میں منشی الہی بخش صاحب اور انکی تصنیف عصاء موسیٰ دُنکے رفیق کا تذکرہ ہوا تھا۔ ایک دوست نے بیان کیا کہ فلاں شخص ان لوگوں کے پیدل چلنے کے بارہ میں ایسا ایسا کہتا تھا۔ سپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ ہم اس میں نہیں پڑتے۔ اور نہ ہم اس طرح ذاتیات میں دخل دیتے ہیں۔ یہ بات تقویٰ کے برخلاف ہے (الحکم جلد ۵ ص ۲۸)۔

۲۰ جولائی ۱۹۰۱ء۔ بلا محمد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے روبرو کرکيا۔ کہ منشی الہی بخش صاحب نے عصاء موسیٰ میں کئی باتیں واقعات کے برخلاف لکھی ہیں۔ سپر حضرت صاحب نے فرمایا:۔ ہم نے ضرورت اُم میں یہ ظاہر کیا تھا۔ کہ ہمیں اُن پر حسن ظن ہے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے اسطرح واقعات کے برخلاف امور لکھ کر تارے اُس حسن ظن کو دور کر دیا ہے۔ کسی دوسرے شخص کی

عبارت نقل کر کے منشی آہی بخت صاحب میری نسبت اور میرے والد صاحب کی نسبت ہنسک آمیز لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کہ وہ ایسے مفلس تھے۔ یہ تقویٰ کا خاصہ نہیں ہے کہ محض جھوٹ نقل کیا جاوے ناقل بھی نڈر وار ہوتا ہے۔ اگر منشی آہی بخت صاحب کے ساتھ ہمارے تعلقات ایسے پُرانے نہ ہوتے اور وہ ہمارے خاندان کے حالات سے واقفیت نہ رکھتے۔ اور کسی دور علاقہ کے رہنے والے ہوتے اور سر لیبل گرنین کی کتاب رؤسا پنجاب میں میرے والد صاحب کا ذکر نہ پڑھا ہوتا۔ اور غدر میں سرکار انگریزی کو پچاس سواروں کی امداد کے حال سے وہ ناواقف ہوتے تو میں اُن کو معذور سمجھتا۔ مگر اب تو اُن کے تقویٰ کا خوب اندازہ ہو گیا۔ ساری کل انسان کی صحت اور ایمان کی خدا کے ہاتھ میں ہے۔“

کسی درست نے مجلس میں ذکر کیا۔ کہ ایک شخص اعتراض کرتا تھا۔ کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی تحریر میں سختی ہوتی ہے۔ سپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔

”ہر ایک امر کے لئے موقع ہوتا ہے۔ ایک مولوی کو عین مسجد میں کوئی شخص بدکاری کرتے ہوئے دیکھے تو دیکھنے والا ضرور کہیگا۔ کہ یہ بیذات ہے۔ دین کی بے عزتی کرتا ہے۔ مگر جو شخص نہیں جانتا۔ کہ محل اور موقع کونسا ہے وہ دھوکا کھاتا ہے۔ ایک شخص خواہ مخواہ افترا کرتا ہے۔ بہتان باندھتا ہے۔ گالیاں دیتا ہے۔ ایک زندہ نہ تین۔ بلکہ بیسوں تک ذبت پہنچاتا ہے۔ اسکی نسبت خواہ مخواہ کہا جائیگا کہ یہ بے حیا ہے۔ جو شخص قرآن شریف کے لئے غیرت نہیں رکھتا۔ وہ کیل ہے؟ غصہ کو اللہ تعالیٰ نے بیجا نہیں بنایا۔ بلکہ اسکا خراب استعمال ہی ہے۔ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ کفر کی حالت میں تم بڑے غصہ والے تھے۔ اب غصہ کا کیا حال ہے؟ آپؓ نے فرمایا۔ غصہ تو اب بھی وہی ہے مگر پہلے اسکا استعمال بیجا تھا۔ اب ٹھکانہ پر لگ گیا ہے۔ یہ اعتراض تو صانع پر ہوتا ہے کہ اُسے غصہ کی قوت کیوں بنائی۔ بات اہل میں یہ ہے۔ کہ کوئی بھی قوت بُری نہیں۔ بلکہ اُسکی بد استعمالی بُری ہے۔ قرآن شریف عین انجیل کی طرح یہ حکم نہیں دیتا۔ کہ خواہ مخواہ مار کھا رہو۔ بلکہ ہماری شریعت کا یہ حکم ہے۔ کہ موقع اور محل دیکھو۔ اگر نرمی کی ضرورت ہے تو خاک سے مل جاؤ اور اگر سختی کی ضرورت ہے تو سختی کرو۔ اور جہاں عفو سے صلاحیت پیدا ہوتی ہے وہاں عفو سے کام لو۔ نیک اور باخیا خدا کا راگرفصود کرے تو بخشدو۔ مگر بعض لوگ ایسے خیر طبع ہوتے ہیں کہ ایک دن بخشدو۔ تو دوسرے دن دُکنا بگاڑ کر لے لے رہے ہیں۔ وہاں مزار ضروری ہے۔ انجیل میں بھی علیٰ طو پر سختی دکھائی گئی ہے۔ جہاں حضرت مسیحؑ نے اپنے مخالفین کو بے ایمانوں اور سافٹوں اور سافٹوں کے پکے

کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن شریف میں جھوٹے پر لعنت کی ہے اور بھی دیگر اس قسم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مومن کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عورت سے ہے۔ جو کہ اس قسم کے خاوند سے خدا کی پناہ چاہتی ہے۔ یہ ان مومنوں کی مثال ہے جو نفسانی جذبات کے آگے گر کر جاتے ہیں اور غلطیاں کرتے جھٹکتے ہیں پھر پچھتااتے ہیں۔ توبہ کرتے ہیں۔ اور خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔ ان کا نفس فرعون سے خاوند کی طرح ان کو تنگ کرتا رہتا ہے۔ وہ لوگ نفسِ ولولہ رکھتے ہیں۔ بدی سے بچنے کے لئے ہر وقت کو مثالیں لے رہے ہیں۔ دوسرے مومن وہ ہیں۔ جو اس سے اعلیٰ اور بڑھ کر رکھتے ہیں۔ وہ صرف بدیوں سے ہی نہیں بچتے بلکہ نیکیوں کو حاصل کرتے ہیں۔ ان کی مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سے دی ہے احصنت فرجہا فنحننا فیہا من روحنا۔ (سورہ تحریم) ہر ایک مومن جو تقویٰ و طہارت میں کمال پیدا کرے۔ وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں اپنی روح پھونک دیتا ہے۔ جو کہ ابن مریم بخاتی ہے۔ زحخشہری نے بھی اسکے یہی معنی کئے ہیں۔ کہ یہ آیت عام ہے۔ اور اگر یہ معنی نہ کئے جائیں تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مریم اور ابن مریم کے سوا مس شیطان سے کوئی محفوظ نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ نفوذِ بلائہ تمام انبیاء پر شیطان کا فعل تھا پس دراصل اس آیت میں بھی اشارہ ہے کہ ہر ایک مومن جو اپنی نیتیں اس کمال کو پہنچائے خدا تعالیٰ کی روح اس میں پھونکی جاتی ہے۔ اور وہ ابن مریم بن جاتا ہے اور اس میں ایک پیشگوئی ہے کہ اس امت میں ابن مریم پیدا ہوگا۔ تعجب ہی۔ کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا نام محمد اور عیسیٰ اور موسیٰ اور یعقوب اور اسحاق اور اسماعیل اور ابراہیم رکھ لیتے ہیں۔ اور اوسکو جائز جانتے ہیں۔ پر خدا تعالیٰ کے لئے جائز نہیں جانتے۔ کہ وہ کسی کا نام عیسیٰ یا ابن مریم رکھ دے (الحکم جلد ۵ ص ۷۵)۔

کسی شخص کے سوال پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: مخالف کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی۔ پر ہیر گار کے پیچھے نماز پڑھنے سے آدمی بخشتا جاتا ہے۔ نماز تو تمام برکتوں کی کنجی ہے۔ نمازیں دعا قبول ہوتی ہے امام بطور وکیل کے ہوتا ہے۔ اگر اس کا اپنا دل سیاہ ہو۔ تو پھر وہ دوسروں کو کیا برکت دینگا؟ یہود کہا کرتے ہیں۔ کہ ہم تو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے ملا کی بنی کی کتاب رکھینگے۔ اور کہہینگے۔ کہ اس کتاب میں تو نے فرمایا تھا۔ کہ مسیح کے پہلے الیاس بنی آئیگا۔ اور تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ شیل الیاس یا اسکا بروزیو حنا کی شکل میں آئیگا۔ اب اگر یہ مسیح سچا ہے۔ اور ہم نے اسکو نہیں مانا

تو ہمارا کیا تصور؟ یہی حال آج کل کے علماء کا ہے۔ جو مسیح کے منتظر ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں ایک دوست نے ذکر کیا۔ کہ حضرت مسیحؑ نے جب یہود کو کہا کہ یوحنا ہی الیاس ہے۔ تو وہ یوحنا کے پاس گئے۔ اور معلوم نہیں کن الفاظ میں ان سے پوچھا کہ تو الیاس ہے۔ تو یوحنا نے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں الیاس نہیں ہوں۔ اور اسطرح حضرت مسیحؑ کی تکذیب کی۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”معلوم نہیں کہ یہودیوں نے کس طرح سے دھوکے کی گفتگو کی ہوگی۔ یوحنا کو کیا خبر تھی۔ کہ یہ کیا شرارت کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ غلط ہے۔ کہ پیغمبر بھی خدا تعالیٰ کی طرح ہر وقت حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات سچی ہوتی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کیوں گھبراہٹ ہوئی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ شیخ سعدی مرنے کو خوب لکھا ہے۔

کسے پر سید زراں پیر خردمند کہ اے روشن گہر پیر خردمند
زمهرش بوئے پیراہن خمیدی چرا در چاہ کنگالش نہیدی
بگفت احوال ما برقی جهان است وے پیدا و دیگر دم نہان است
گئے بر طایر اعلیٰ نشینیم گئے بر پشت پائے خود بنیم
”سجودہ اناجیل کے اصلی نہونے کے لئے ایک یڑی بھاری دلیل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک بنی کو ہم اسکی قوم کی زبان میں اسکی طرف بھیجتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہود کی زبان عبرانی تھی۔ حالانکہ عبرانی میں اسوقت کوئی انجیل اصلی نہیں ملتی۔ بلکہ اصل یونانی کو قرار دیا جاتا ہے۔ جو کہ سنت اللہ کے برخلاف ہے۔“

مذہبوی بادشاہوں اور حکموں نے جو اعلیٰ مراتب کے عطا کرنے کے واسطے امتحان مقرر کئے ہیں۔ یہی سنت اللہ کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی بعد امتحانوں کے مدجات عطا فرماتا ہے جن مصافحہ اور تکالیف کے امتحانات میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پاس ہوئے۔ وہ دوسرے کا کام نہ تھا۔ (الحکم جلد ۵ ص ۲۸)۔

مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی کا خط مورفہ ۲۸ جولائی ۱۹۱۹ء جو بنام سید وزارت حسین صاحب مونگیری کے نام تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں پڑھا گیا۔ جسے سنکر آپ بہت محظوظ ہوئے اور مولوی صاحب کو جزاک اللہ فرمایا۔ اور حکم دیا۔ کہ آپ کے جہاد مضامین اخبار الحکم میں نکلا کریں۔ اشاعت سے پہلے قادیان کے مستقل کو سنا دیئے جایا کریں۔

ان سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ خط کے مضمون متعلقہ مہدی کے متعلق فرمایا :-

”مہدی کے بارہ میں جو حدیثیں ہیں۔ وہ علماء کے نزدیک سب کی سب قریباً مجروح ضرور ہیں۔“
 ”حقیقت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ایک ایسا مطلق فیصلہ ہے۔ کہ اسکے بعد مسیح کی وفات اور نزول کے متعلق کسی بحث کی ان مخالفوں کو کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ہم کو تو تعجب ہی۔ کہ اب کیوں یہ لوگ شور مچاتے ہیں۔ اگر واقعی حضرت مسیحؑ نے ہی اترنا تھا تو ان کو اس وقت رہنا چاہیے تھا۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آیت ”ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ المرسل کو پڑھا تھا۔ کیونکہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے مطابق حضرت مسیحؑ نے ہی اترنا تھا۔ تو اس آیت کے پڑھنے سے کیا غرض ہو سکتی تھی۔ انہوں نے تو یہ آیت پڑھ کر تفسیر ہی چکا دیا تھا۔ کہ مسیح مر چکا ہے۔ اور اب اسکے آنے کی کچھ امید نہ رکھو۔ بلکہ آیہ والا اسی امت میں سے ہو گا۔ اصل یہ ہے۔ کہ جو خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ اس کو آسمان سے فراست دیجاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی فراست سے اس جھگڑے کو فیصل کر دیا۔ اب انکا رہنا اور چلنا بیفائدہ ہے۔“ (الحکم جلد ۵ ص ۲۸۵)

۲۶۔ جولائی ۱۹۸۱ء تا یکم اگست ۱۹۸۱ء۔ کسی مقام پر ایسی کثرت بارش کا ذکر تھا جس سے بہت نقصان کا اندیشہ ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :- ”جیسا لوگ حکام آبادی کے معاملہ میں افراط و تفریط کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ افراط و تفریط کا معاملہ کرتا ہے۔“

ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ سے دریافت کیا۔ کہ وہ کونسا وظیفہ پڑھا کرے کہ اپنے فرمایا :- ”استغفار بہت پڑھا کرو۔ نیک انسان کی دوسری خواہشیں ہیں۔ یا تو وہ گناہ نہ کرے اور یا اللہ تعالیٰ اسے بڑے گناہ کے بد انجام سے اس کو بچالے۔ سو استغفار پڑھنے کے وقت دونوں معنوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ سے گزشتہ گناہوں کی پردہ پوشی چاہئے۔ اور دوسرا یہ کہ خدا تعالیٰ سے توفیق چاہی کہ اُسے آئندہ گناہوں سے بچالے۔ مگر استغفار صرف زبان سے پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکے دل چاہئے۔ نمازیں اپنی زبان میں بھی دعا مانگو۔ یہ ضروری ہے۔“

”تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ ہی پر نیکی کی جڑ ہے۔ تقوے کے معنی ہیں۔ ہر ایک باریک درباریک رگ گناہ سے بچنا۔ تقوے اس کو کہتے ہیں کہ جس امر میں بری کا شبہ بھی ہو۔ اس سے بھی کٹنا سکری۔“
 ”دل کی مثال ایک بڑی نہر کی مانند ہے۔ جس میں سے اور چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں۔ جنکو ہماری

زبان میں سوہا یا راجہ کہتے ہیں۔ دل کی نہریں سے بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں مثلاً زبان وغیرہ۔ اگر چھوٹی نہریں یا سوئے کا پانی خراب اور گندہ اور سیلا ہو۔ تو تپاس کیا جاتا ہے کہ ٹری نہر کا پانی صاف خراب ہو۔ پس اگر کسی شخص کو دیکھو کہ اس کی زبان یا دھتھ پاؤں وغیرہ میں سے کوئی عضو ناپاک ہو تو سمجھ لو کہ اس کا دل بھی ایسا ہی ناپاک ہو گا۔

مجلس میں اپنی جماعت کا غیر کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے متعلق ذکر تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ ”ممبر کرو۔ اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ بہتری اور نیکی اسی میں ہے اور اسی میں تمہاری نفرت اور قہر عظیم ہے اور یہی اس جماعت کی ترقی کا موجب ہے۔ دیکھو دنیا میں دھتھے ہوئے اور ایک دوسرے سے ناراض ہوئے بھی اپنے دشمن کو چار دن ٹٹھ نہیں لگاتے۔ اور تمہاری ناراضگی اور روٹھنا تو خدا کے لئے ہے تم اگر ان میں رلے لے سہے تو خدا تعالیٰ جو خاص نظر تم پر رکھتا ہے۔ وہ نہیں رکھے گا۔ پاک جماعت جب الگ ہو۔ تو پھر اسیں ترقی ہوتی ہے۔“

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی بابت کسی نے حضرت مسیح موعودؑ سے سوال کیا آپ نے فرمایا:۔ سب حق ہے۔ معراج ہوئی تھی۔ مگر یہ فانی بیداری اور فانی اشیاء کے ساتھ نہ تھی۔ بلکہ وہ اندر رنگ تھا۔ جب جبریل علیہ السلام کے پاس آنا تھا۔ امد آسمان سے نیچے اترتا تھا جس رنگ میں اس کا اترنا تھا۔ اسی رنگ میں حضرت صلح کا چڑھنا ہوا تھا۔ نہ اترنے والا کسی کو اترتا ہوا نظر آتا تھا اور نہ چڑھنے والے کو کوئی چڑھنا ہوا دیکھ سکتا تھا۔ حدیث شریف میں جو بخاری میں ہے آیا ہے کہ: ”ثما سیتقظ یعنی پھر جاگ اٹھے۔“

حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں کشتی نوح کا ذکر تھا۔ آپ نے فرمایا:۔ ”بائبل اور سائینس کی آپس میں ایسی عداوت ہے جیسی کہ دوسو کین ہوتی ہیں۔ بائبل میں لکھا ہے کہ وہ طوفان ساری دنیا پر کیا اور کشتی تین سو دن تھ لی اور پچاس دن تھ چوڑی تھی امد اسیں حضرت نوحؑ نے ہر قسم کے پاک جانوروں میں سے سات جوڑے امد ناپاک جانوروں میں سے دو جوڑے ہر قسم کے کشتی میں چڑھائے۔ حالانکہ یہ دونوں بائبل غلط ہیں۔ اول تو خدا تعالیٰ نے کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا۔ جب تک پہلے رسول کے فریعوں سے اس کو تبلیغ نہ کی ہو اور حضرت نوحؑ کی تبلیغ ساری دنیا کی قوموں تک کہاں پہنچی تھی۔ جو سب عرق ہو جلتے۔ دوم اس چھوٹی کشتی میں جو صرف ۵۰۰ دن تھ لی اور ۵۰۰ دن تھ چوڑی ہو۔ ساری دنیا کے جانور۔ بہائم۔ پرند۔ سب سات سات جوڑے اور دو دو جوڑے کیونکر سما سکتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب یعنی بائبل میں تحریف ہے۔ اور اسیں بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی

ہیں۔ عجیب ہے۔ کہ بعض سادہ لوح علماء اسلام نے بھی ان ہاتھوں کو اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے مگر قرآن شریف ان سب کے معنی ہاتھوں سے پاک ہے۔ اُس پر ایسے اعتراضات وارد نہیں ہو سکتے اُس میں نہ تو کشتی کی لمبائی اور چوڑائی کا ذکر ہے اور نہ ساری دنیا پر طوفان آنیکا ذکر ہے۔ بلکہ صرف الارض مینی وہ زمین جس میں حضرت نوحؑ نے تبلیغ کی اُس کا ذکر ہے۔ لفظ اراراث بصرہ حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری اصل میں آدے ریت ہے جس کے معنی ہیں میں پیارا کی چوٹی کو دیکھتا ہوں ریت پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فقط جود ہی رکھا ہے جس کے معنی ہیں میرا جود و کرم یعنی وہ کشتی میرے جود و کرم پر ٹھہری ہے

جہاد کے ذکر پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: نادان مولوی دراز سی بات پر جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں۔ حالانکہ جہاد تو آخر الحیل تھا یہ اُس کو اول الحیل بنتے ہیں۔ اگر کوئی بد ذات مخالف کسی طرح بھی حملہ کرنے سے باز نہ آوے تب حکم تھا۔ کہ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرو۔ اور یہ صاف بات ہے کہ جب تمام مسائل سنائے جائیں۔ دھن دلائل دیئے جائیں اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کا حکم حرام اُس کے نشانات کا حکم حرام باندہ آدمی اور دین میں سد راہ بنے۔ تو ایسے شخص کے لئے جس کم جہان پاک کہنا ہیجا نہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تلوار ہرگز نہیں اٹھائی۔ بلکہ صرف مددِ نعمت کے لئے آپ کو تلوار اٹھانی پڑی۔ اور یہ بالکل ریح ہے کہ دشمنان اسلام نے حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے تلوار اٹھائی۔ اور آخر وہ تلوار خود انہیں پر پڑی ہے

ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیغام بھیجا۔ کہ وہ ہندوستان سے ایک مولوی اپنی ساتھ لائیکا۔ جو آپ کے ساتھ گفتگو کر لگا۔ مگر چونکہ مولوی صاحب قادیان آنا پسند نہیں کرتے۔ آپ بٹالہ آجائیں اُس پر آپ نے فرمایا: قادیان سے وہ لوگ اسی واسطے نفرت رکھتے ہیں۔ کہ یہ قادیان میں ہیں۔ پھر اگر میں بٹالہ میں ہوں تو بٹالہ ان کے لئے نفرت کا مقام بن جائیگا۔ قادیان اگر وہ ہمارے پاس ٹھہریں۔ بلکہ کسی اور کے پاس جہاں چاہیں قیام کریں۔ اس جگہ ہر یہ موجود ہیں۔ ان کے پاس ٹھہریں ہم بحث کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصد صرف سبھا دینا ہے۔ اگر ایک دفعہ ان کو تسلی نہ ہو تو پھر سنیں۔ ہم پھر سنیں۔ اُس دنیا سے اُس جہان میں جانے کے لئے مردوں کے واسطے تو ایک راہ بنا چوہا ہے اور مردے ہمیشہ جلا کر تھہریں۔ لیکن اسکے سوا اور کوئی دوسری سڑک نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ بھی ایسی مردوں والی سڑک کی راہ گئے اور مردوں میں جا بیٹھے۔ ورنہ حضرت مسیح موعودؑ کے پاس کینہ نہ

”تقوے کا اثر اسی دنیا میں متقی پر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ادھار نہیں بلکہ نقد ہے جس طرح زہر کا اثر طریق کا اثر فوراً بدن پر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تقوے کا اثر بھی ہوتا ہے“ (الحکم جلد ۵ ص ۲۷)۔

۱۹ جولائی صبح صبح ۱۱ بجے۔ صاحب یگانہ یکا یک سخت بیمار ہو گئے۔ اور چند بار غش آیا۔ آخری مرتبہ ایسی غشی طاری ہو گئی کہ بدن عجیب اور سرد ہو گیا۔ سب عورتوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دیا۔ حضرت مسیح موعودؑ اس وقت دعائیں مہر و تھے آپ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ آپ تکلیف نہ اٹھائیں لڑکا فوت ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دیا ہے۔ با اینہم آپ نے عرق گلاب لگا کر صاحبزادہ صاحب کے منہ پر چھینے مارے۔ جس کے بعد انہیں کچھ حرکت ہوئی اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد وہ ہوش میں آ گئے حضرت مسیح موعودؑ نے باہر کر بیان فرمایا کہ لڑکے کی نبض مفقود ہو چکی تھی اور علامات موت بالکل ظاہر ہو چکی تھیں آنکھیں پھر اگی تھیں۔ میں نے عرق گلاب چھڑکا۔ اور دوائی کہ آگہی زیادہ قوت شہادت اعداء کا ہے۔ اس سے بچ جائیں۔ پھر اسد تعالے نے لڑکے کو مردہ حالت سے زندہ کیا حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں چونکہ علماء یہود کی برکت جاتی رہی تھی۔ اور موٹے اور سطح خیال کے لوگ تھے کسی مرگی والے کو شفا ہوئی ہو گی۔ انہوں نے یہی سمجھ لیا“ (الحکم جلد ۵ ص ۳۰)۔

۱۹ اگست صبح ۱۱ بجے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے ایک ایک شخص کو پیش کیا۔ کہ یہ شخص بہت سی گدیوں میں پھرا ہے اور بہت سے پیروں اور مشلخ کے پاس ہوا یا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا۔ اچھا کہو کیا کہتے ہو؟

شخص۔ حضور میں بہت سے پیروں کے پاس گیا ہوں مجھ میں بعض عیب ہیں۔ اول میں جس بزرگ کے پاس جاتا ہوں۔ تھوڑے دن رہ کر واپس چلا آتا ہوں۔ اور طبیعت اس سے برا عطا دہو جاتی ہے۔ دوم مجھ میں غیبت کرنا عیب ہو۔ سو تم عبادت میں مل نہیں لگتا۔ اور یہی بہت سے عیب تھے حضرت مسیح موعودؑ نے میں نے سمجھ لیا۔ اول مرض تمہارا بے مہری کا ہے۔ باقی جو کچھ میں اس کے عوارض ہیں۔ دیکھو انسان اپنے دنیا کے معاملات میں جبکہ بے صبر نہیں ہوتا۔ اور نہایت صبر و استقلال سے ان کے انجام کا انتظار کرتا ہے۔ پھر خدا کے حضور بے مہری لیکر کیوں جاتا ہے۔ کیا ایک زمیندار ایک ہی دن میں کھیت بیج ڈال کر اس کے پھل کاٹنے کے فکر میں ہو جاتا ہے۔ یا ایک بچہ کے پیدا ہوتے ہی کہتا ہو کہ یہ اسی وقت جو ان ہو کر میری مدد کرے۔ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں اس قسم کی محنت اور عبادت کی نظیریں اور نمونے نہیں ہیں۔ وہ شخص محنت خاندان ہے جو حق قسم

کی جلد باری سے کام لینا چاہتا ہے۔ اُس شخص کو بھی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھنا چاہئے۔ جس کو اپنے غیبِ عیب کی شکل میں نظر آجایں وہ نہ شیطان بدکاریوں اور بد اعمالیوں کو خوش رنگ اور خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے۔ پس تم اپنی بے مبری کو چھوڑ کر صبر اور استقلال کے ساتھ خدا تعالیٰ سے توفیق چاہو۔ اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ بغیر اسکے کچھ نہیں ہے۔ جو شخص اہل اللہ کے پاس اس غرض سے آتا ہے۔ کہ وہ پھونک مار کر اصلاح کریں۔ وہ خدا تعالیٰ پر حکومت کرنی چاہتا ہے۔ یہاں تو محکوم بن کر آنا چاہیے۔ ساری حکومتوں کو جیتنا انسان نہیں چھوڑتا جیتک کچھ بھی نہیں بنتا۔ جب ایک بیارطیب کے پاس جاتا ہے۔ تو وہ اپنی بہن سی شکایتیں بیان کرتا ہو۔ مگر طیب شناخت اور تشخیص کے بعد معلوم کر لیتا ہے کہ اہل میں فلاں مرض ہے اور وہ اسکا علاج شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے تمہاری بیماری صرف بے مبری کی ہے۔ اگر تم اسکا علاج کرو۔ تو دوسری بیماریاں بھی خدا تعالیٰ چاہے تو رفع ہو جائیں گی۔ ہمارا تو یہ مذہب ہو۔ کہ انسان خدا تعالیٰ سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اور اسوقت تک طلب میں لگا رہو۔ جیتک کہ غرغہ شروع ہو جائے اور جیتک اپنی طلب اور صبر کو اس حد تک نہیں پہنچانا۔ انسان ہمارا نہیں ہو سکتا۔ اور یوں تو خدا تعالیٰ قادر ہے۔ وہ چاہے تو ایک دم میں ہمارا کرے۔ مگر عاشقِ مصافق کا یہ تقاضا ہوتا چاہیے کہ وہ راہ طلب میں پویاں رہے۔ سعدی نے کہا ہے سہ گز نہا بد و ست رہ بردن بد شرط عشق است در طلب مرقن۔

مرقن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرضِ مستوی اور دوسرا مرضِ مختلف۔ مرضِ مستوی وہ ہوتا ہے جس کا درد وغیرہ محسوس نہیں ہوتا۔ جیسے برص۔ اور مرضِ مختلف وہی کہ جس کا درد وغیرہ محسوس ہوتا ہے۔ اسلئے اسکے علاج کا تو انسان فکر کرتا ہے۔ لیکن مرضِ مستوی کی چنداں پرواہ نہیں کرتا۔ اسی طرح سے بعض گناہ تو محسوس ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اُن کو محسوس بھی نہیں کرتا۔ اسلئے ضرورت ہو۔ کہ ہر وقت انسان خدا تعالیٰ سے استغفار کرتا رہو۔ قبروں پر جانے سے کیا فائدہ؟ خدا تعالیٰ نے تو اصلاح کے لئے قرآن شریف بھیجا ہے۔ اگر پھونک مار کر اصلاح کر دینا خدا تعالیٰ کا تاذن ہوتا۔ تو پیغمبرِ اعلیٰ علیہ السلام تیرہ برس تک کہ میں کیوں تکلیفیں اٹھاتے۔ ابو جہل وغیرہ پر کیوں زوال دیتے۔ ابو جہل کو جانے دو۔ ابو طالب کو تو آپ سے بھی محبت تھی۔ غرض بے مبری ابھی نہیں ہوئی۔ اس کا نتیجہ ہلاکت تک پہنچانا ہے (الحکم صیدہ ۲۹)۔

۲۔ آگست ۱۹۰۷ء عشاء۔ ایک شخص مقصود علی ملازم محمد پوٹیس نے جو قاضیاں میں کسی خاص مرض کی ادویاتی کے لئے آیا ہوا تھا۔ قرآن شریف کو اللہ میں لیکر کہا۔ کہ اے امام پاک! یہ خدا کا

کلام ہے میں اسکو پیش کرتا ہوں۔ اور تین سو روپیہ آپسے مانگتا ہوں۔ اور قرآن شریف کو بار بار حضرت
 مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں دیتا اور اصرار کرتا تھا کہ آپ اسکو رکھیں۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے
 فرمایا: تم قرآن شریف ہی تعلیم دینے کو آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف تو اسلئے بھیجا ہے
 کہ اسپر عمل کیا جائے۔ اس میں کہیں نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ کسی کو مجبور کرتا ہے (کالا یکلف للہ
 نفسا الا وسعہما) انسان کی ہر حالت خواہ وہ آرام کی ہو۔ یا تکلیف کی گزر رہی جاتی ہے۔ کیونکہ
 وقت تو اسکی پرواہ نہیں کرتا۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے: شب تنور گذشت و شب سمور گذشت
 پھر انسان کیونکر اس کام کو مقدم نہ کرے۔ جو اسکا اصلی فرض ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی
 ضرورت آج اسلام کی زندگی کی ہے۔ اسلام ہر قسم کی خدمت کا محتاج ہے۔ اسکی ضرورتوں پر
 ہم کسی ضرورت کو مقدم نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے جو یہ کام ہمارے پر دیکھا ہے۔ ہم معصیت
 سمجھتے ہیں کہ اس کام کو چھوڑ دیں۔ دو بیٹا رہتے ہیں ایک ان میں سے اگر مر جائے تو دنیا کا کچھ حج
 نہیں ہوتا۔ لیکن ایک ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ مر جائے۔ تو دنیا تار یک ہو جاتی ہے۔ پس یہی حالت
 موجودہ زمانہ میں اسلام کی ہو رہی ہے۔ آج سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ جہان تک ممکن ہو اور
 بن پڑے۔ اسلام کی خدمت کی جائے جس قدر روپیہ ہو۔ وہ اسلام کی اجیاء میں خرچ کیا جائے۔
 میں اب تمہارے اس طرح پر قرآن شریف پیش کرے کو کیا کروں۔ میں تمہارا فکر کروں یا قرآن شریف
 اور اسلام کا فکر کروں۔ میرے لئے تو قرآن شریف اور اسلام ہی کا فکر مقدم پڑا ہوا ہے۔ اور جو
 کام خدا تعالیٰ نے میرے پر دیکھا ہے۔ اُسے میں کیونکر چھوڑ دوں۔ تمہیں معلوم نہیں۔ کہ موجودہ
 زمانہ میں اسلام کا کیسا حال ہو گیا ہے۔ کوئی ناجائز کام کسی تاویل اور پناہ لینے سے روا
 نہیں ہو جاتا۔ تمہاری بیستم دراصل ناجائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص قتل کا
 ملزم تھا اور وہ بیت المحرم میں داخل ہو گیا۔ صرف اس خیال سے کہ اسکی شان میں آیا ہے
 مَنْ دَخَلَ کَانَ اَمِنًا (سورہ بقرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ کہ اسکو وہیں قتل کیا
 جائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص لوگوں کو قسین دیکراپنے ذاتی اغراض کو پورا کرنے پر مجبور کرے تو اسکا
 یہ فعل ناجائز اور خلاف شرع ہوگا۔ ایسی حرکات خلاف شرع سے خدا تعالیٰ کے احکام سے
 امان اٹھ جاتا ہے۔ ایسے ہی طریقوں اور حیلہ سازیوں سے آج اسلام کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ ہمارا
 یہ مذہب نہیں ہے کہ دینی حالت کا لحاظ نہ کریں۔ اور اسکی پرواہ نہ ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمارے
 نزدیک دین کا سب سے مقدم ہے۔ تم نے جو طریق اختیار کیا ہوا ہے۔ اسکو خدا تعالیٰ ناجائز نہیں

بعد ازاں ڈاکٹر رحمت علی صاحب نے اپنا ایک خواب حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے بیان کیا۔ کہ کسی شخص نے اعتراف کیا کہ مسیح کی نسبت آیا ہے۔ کہ وہ بہت مال دیگا۔ میں نے اسکو جواب دیا۔ کہ کس قدر مال اُسے دیئے۔ کوئی لینے والا بھی ہو۔ دس ہزار ایک کتاب کے ساتھ ہے پانسو ایک کے ساتھ ہے وغیرہ۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”اُن دست ہو۔ مگر قرآن شریف کو خدا تعالیٰ نے خیر کہا ہے چنانچہ فرمایا۔ من یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (سورہ) پس قرآن شریف معارف اور علوم کے مال کا خزانہ ہے خدا تعالیٰ نے قرآنی معارف اور علوم کا نام بھی مال رکھا ہے۔ دنیا کی برکتیں بھی اسی کے ساتھ آتی ہیں۔“

اسکے بعد اسی شخص مقصود علی ملازم پولیس نے کہا۔ کہ یا امام پاک۔ بنیوں نے توحہ کے کلام کو واپس نہیں کیا۔ آپ تو امام پاکستان آپ کیوں واپس کرتے ہیں؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ تم نے بنیوں کو کہاں دیکھا ہے۔ اُس نے کہا کہ یا حضرت آپ کو تو دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”تم نے بہکو بھی نہیں دیکھا اگر تم دیکھتے۔ تو ایسی ہیجا حرکت نہ کرتے۔“ اس کے تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا۔

اس کے بعد ڈاکٹر رحمت علی صاحب گورنمنٹ کی طرف سے فوج میں نماز و اپنے مذہب کی پابندی کرنے میں امداد دینے کا ذکر کرتے رہے۔ کہ اُس نے ہر مذہب کا پلیٹو مقرر کر رکھا ہے۔ اور نماز کے اوقات میں کوئی کام نہیں رکھا صرف جمعہ کی تکلیف ہو۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”یہ تکلیف بھی جاتی ہستی۔ اگر سب مسلمان ملکر درخو است کرتے۔ مگر ان کم بختوں نے تو ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر جمعہ کی فرضیت کو اڑا نا چاہتے۔ افسوس!“

پھر ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ سے دریافت کیا کہ احتیاطی نماز کے لئے کیا حکم ہے؟
حضرت مسیح موعودؑ: ”احتیاطی نماز کیا ہوتی ہے جمعہ کے تو وہی فرض ہیں۔ احتیاطی فرض کچھ چیز نہیں۔ لہذا نہ میں ایک ہارمیاں شہاب الدین بڑے پکے موعود نے جمعہ کے بعد احتیاطی نماز پڑھی۔ بیٹو ناراض ہو کر کہا۔ کہ یہ تم نے کیا کیا۔ تم تو بڑے پکے موعود تھے۔ اُس نے کہا کہ میں جمعہ کی احتیاطی نہیں پڑھی۔ بلکہ میں نے مار کھانے کی احتیاطی پڑھی ہے۔“

اس کے بعد مولوی بہاؤ الدین صاحب احمد آبادی نے دریافت کیا۔ کہ مکتوبات امام ربانی میں مسیح موعودؑ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ حنفی مذہب پر ہو گا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

حضرت مسیح موعودؑ۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جیسے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ قرآن شریف ہی سے استدلال کرتے تھے اور قرآن شریف ہی کو مقدم رکھتے تھے۔ اسی طرح مسیح موعودؑ بھی قرآن شریف

ہی کے علوم اور حقائق کو لیکر آجیگا۔ چنانچہ اپنے مکتوبات میں دوسری جگہ انہوں نے اس راہ کو کھول بھی دیا ہے اور خصوصیت سے ذکر بھی کیا ہے کہ مسیح موعود کو قرآنی حقائق کا علم دیا جائیگا۔ ایک شخص نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں عرض کی۔ کہ مہدی کی نسبت کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ خون وغیرہ کرے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ میں تمہارا مطلب سمجھ لیا ہے۔ یاد رکھو۔ مہدی کی نسبت جو ایسی احادیث ہیں جنہیں لکھا ہے کہ وہ جنگ کرے گا۔ اور خون یزری کرے گا۔ انکی نسبت خود ان مولویوں نے لکھ دیا ہے کہ ان میں کی بہت سی حدیثیں موضوع ہیں اور قویاً سب کی سب مجروح ہیں۔ ہمارا یہ مذہب نہیں ہے۔ کہ مہدی ایسی جنگ تو خون کرنا پھرے گا۔ بھلا وہ میں کیا ہوا۔ جس میں شوخ جنگ و جدال کے اندر کچھ نہ ہو۔ جہاد کے مسئلہ کو بھی ان ناواقفوں نے نہیں سمجھا۔ قرآن شریف تو منہ طور پر فرماتا ہے لا اکرہ فی الدین (سوہ بقرہ) تو کیا اگر مہدی اگر لڑائیاں کرے گا تو اکرہ فی الدین جائز ہو جائیگا۔ اور اگر ایسا ہو گا تو قرآن شریف کے اس حکم کی سخت بے حرمتی ہوگی۔ اس کے آسنے کی اصل غرض تو یہ ہے۔ کہ وہ اگر اسلام کو زندہ کرے نہ کہ اگر اسکی توہین کرے۔ اگر دین میں لڑائیاں ہی ضروری ہوتیں تو پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک مکہ میں رہ کر کیوں نہ لڑے ہر قسم کی تکلیف اٹھاتے رہے مگر پھر بھی آپ نے ابد جنگ کی نہ کی۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو جبراً مسلمان بننے کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کوئی لڑائی نہیں کی۔ بلکہ جو لڑائیاں آپ کو کرنی پڑیں وہ خدا تعالیٰ کا ایک عذاب تھا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے حضرت رسول کریم صلعم کو سخت تکالیف دیں۔ مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ اور ان کو تنگ کیا۔ اور لڑائی میں پیش قدمی کر کے مسلمانوں کو جان و مال پر حملہ کیا تھا۔ یہ ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے کہ اسلام تلوار کھاتا ہے۔ اسلام تو قرآن شریف اور ہدایت پیش کرتا ہے۔ وہ صلح اور امن لیکر دنیا میں آیا ہے۔ اور دنیا میں کوئی دوسرا مذہب ایسا نہیں جو اسلام کی طرح صلح پھیلاتا ہو۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے کہ مہدی جنگیں کرے گا۔ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ بھلا اگر تلوار مار کر لوگوں کو ہلاک کر دیا اور ان کے املاک لوٹ لئے تو اس سے کیا فائدہ ہوتا جس مہدی ہو گیا ہمارا دعویٰ ہے۔ یہ تو قرآن شریف سے ثابت ہے۔ جیسے موسوی سلسلہ مسیح پر اگر ختم ہو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے ایک خاص مناسبت کی وجہ سے اس سلسلہ کو بھی ایک محمدی مسیح پہنچایا ہے۔ اور اسکا نام مہدی اس لئے رکھا ہے کہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ سے ہدایت پائے گا۔ اور ایسے وقت میں آئیگا۔ جبکہ دنیا سے نور ہدایت اٹھ گیا ہوگا۔ پھر ایک لطیف حیرات ان

وہ لوں سلسلہ کی مائیت میں یہ ہے کہ جیسے مسیح کو موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں آیا تھا اسی طرح مسیح محمدی کی بعثت کا زمانہ بھی چودھویں صدی ہے۔ اور جیسے مسیح موسیٰ یہودیوں کی سلطنت نہیں بلکہ رومیوں کی سلطنت میں پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح مسیح محمدی بھی مسلمانوں کی سلطنت میں نہیں بلکہ انگلش گورنمنٹ کی سلطنت میں پیدا ہوا ہے۔ عرض ہمارا مذہب یہ ہرگز نہیں ہو کہ مہدی اگر لڑائیاں کرتا پھر یکساں اور اُسکا کام خونریزی ہوگا (الحکم جلد ۵ ص ۲۹)۔

۱۲۔ اگست ۱۹۰۶ء مقدمہ دیوار کا فیصلہ دسٹرکٹ جج گورداسپور نے سنایا۔ کہ دیوار گوردی جلتے۔ اور سفید میدان میں ہرگز کوئی مکان آئندہ کے لئے نہ بنایا جائے۔ مدعا علیہ ایک سو روپیہ حرجانہ مدعی کو علاوہ اخراجات مقدمہ اور کمرے۔ اس فیصلہ کی خبر شام کے وقت حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پہنچی جس پر آپؑ نے فرمایا: گویا ایک سال اٹھ ماہ کا رمضان تھا جس کی آج عید ہوئی۔ (الحکم جلد ۵ ص ۲۷)۔

اسی مقدمہ کی فتحیابی پر آپؑ نے فرمایا: اس دیوار کی وجہ سے قریباً ڈیڑھ سال راستہ بند رہ کر ایک محاصرہ پھیر رہا ہے جس کی خبر بھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جو حدیث میں موجود ہے۔

مسیح کے نزول کے ذکر پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: جو شے اوپر سے یعنی آسمان سے نازل ہوتی ہو سب لوگوں کی نظریں اُسکی طرف پھر جاتی ہیں۔ اور سب لوگ آسمانی سے اُسکو دیکھ سکتے ہیں۔ امدہ چیز جلد مشہور ہو جاتی ہے۔ پس اس لفظ میں ایک استعارہ ہو۔ کہ مسیح کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ بہت جلدی اُسکی شہرت ہو جائیگی۔ چنانچہ یہ امر اس زمانہ کے اسباب ریل۔ تار۔ ڈاک و مطابع وغیرہ سے ظاہر ہے۔

”کل چیزیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اگر انسان عقلمند ہو تو اُسکے لئے وہ کافی ہے۔“
مدیوہرین اقوام ایک قوم سے معاہدہ کرتے ہیں۔ تو اُسکی عبارت کی ترکیب ایسی رکھ دیتے ہیں۔ کہ عرصہ دراز کے بعد بھی نئی ضرورتوں اور واقعات کے پیش آنے پر بھی اسیں استدلال اور استنباط کا سامان موجود ہوتا ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں آئندہ کی ضرورتوں کے مواد اور سامان موجود ہیں۔“
بدنہائی و بد نظری کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”مومن کو نہیں چاہیئے۔ کہ دیدہ و بین بنے یا بے محابا اپنی آنکھ کو ہر طرف اٹھائے پھرے۔ بلکہ بغض و امن البصاہم پر عمل کر کے اپنی نظر کو نہی رکھنا چاہیئے۔ اور بد نظری کے اسباب سے بچنا چاہیئے۔“

ایک واعظ نے حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں ایسے طرز پر گفتگو شروع کی کہ گویا اسکے نزدیک آپؑ فرقہ وادہیہ کے طرفدار ہیں۔ اور وہ بار بار اپنے آپ کو حنفیوں اور دہریوں کا دشمن ظاہر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ حق کا طالب ہوں۔

حضرت مسیح موعودؑ اگر کوئی شخص محبت اور آمیتگی سے ہماری ہائیں سنے۔ تو ہم بڑی محبت کرنے والے ہیں۔ اور قرآن شریف اور حدیث کے مطابق ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس طرح فیصلہ کرنا چاہے کہ جو امر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہو۔ اسے قبول کر لینگا۔ اور جو ان کے خلاف ہو۔ اسے رد کر دیگا۔ تو یہ امر ہمارے لئے عین سرور اور ہمارا عین مدعا ہے۔ اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہے۔ ہمارا مذہب دہریوں کے برخلاف ہے اور ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہوتا۔ ذرا سا علم ہونے سے کوئی شخص متابعت کے لائق نہیں ہو جاتا۔ کیا ایسا شخص اس لائق ہے کہ سامنے متقی اور تزکیہ کرنے والوں کی تابعداری سے آزاد ہو جائے۔ قرآن شریف کے اسرار و اسرار و اسرار و اسرار و اسرار و اسرار کے اور کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ ہمارے پاس جو شخص آتا ہے۔ اسے پہلے ایک حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں یہ چاروں مذاہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں۔ اور اسلام کے واسطے ایک چاندیواری۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے لئے ایسے اعلیٰ لوگ پیدا کئے جو نہایت متقی اور صاحب تزکیہ تھے۔ آج کل کے لوگ جو بگڑ گئے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ اہل مملکت کی متابعت چھوڑ دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کو دو قسم کے لوگ پیارے ہیں۔ اول وہ جنکو اللہ تعالیٰ نے خود پاک کیا۔ اور علم دیا۔ دوم وہ جو انکی تابعداری کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان لوگوں کی تابعداری کرنے والے بہت اچھے ہیں۔ کیونکہ انکو تزکیہ نفس عطا کیا گیا تھا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے نزدیک تر تھے۔ بیٹے خود سنا ہے کہ بعض لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں سخت کلامی کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔ (الحکم جلد ۵)

۲۶۔ اگست ۱۹۰۷ء۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: اچھی زندگی وہ ہے جو عمدہ ہو اگرچہ تھوڑی ہو۔ حضرت فرج کے مقابلہ میں ہمارے بھائی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بہت تھوڑی تھی مگر آپؑ کی عمر نہایت عینہ تھی۔ تھوڑے سے عرصہ میں آپؑ نے بڑے بڑے مفید کام کئے۔ انبیاء کے اقوال میں ایک اثر ہوتا ہے اور وہ اپنے ساتھ قوت قدسیہ رکھتے ہیں یہ قوت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ تقویٰ دیکھو ایک آدمی کو سمجھانا۔ اور راہ پر لانا کیسا مشکل ہوتا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کروڑوں آدمی راہ راست پر آ گئے۔ اس وقت دنیا میں تمام مذاہب کے مقابلہ پر سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔ گو بعض مغرافیہ نویس مسلمانوں کی تعداد کم لکھی ہے مگر محققین نے بڑے بڑے ثبوت دیکر اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ کہ مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ کسی بات کا اثر دو طرح پر قائم رہتا ہے۔ اول اعتقاداً دوم عملاً۔ اعتقاد ہی طور پر سارے مسلمان کا یہ طیبہ لا الہ الا اللہ یہ قائم ہیں۔ اور عملی طور پر مثلاً سورا کا نہ کھانا۔ تمام مسلمانوں میں خواہ وہ کسی فرقہ یا ملک کے ہوں۔ نہایت شدت کے ساتھ اس پر عمل ہوتا ہے۔ بدھ کی ارتکاب میں سے جھوٹ بولنا سب سے زیادہ آسان اور جلد ہی ہو سکنے والا ہے۔ کیونکہ زنا۔ چوری وغیرہ کے لئے قوت۔ مال۔ بہت اور دلیری و درکار ہے مگر جھوٹ کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں صرف زبان ہلا دینی پڑتی ہے۔ نادر وجود اسکے صحابہ رفیق میں جھوٹ ثابت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے بھی جھوٹ نہیں بولا۔ دیکھو! کتنا بڑا اثر ہے۔ لیکن اسکے مقابل حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں دیکھو۔ اپنے بنی کا عین اسکی گرفتاری کے وقت انکار کر دیا۔ ایک نے ۳۰ روپے لیکر کپڑا دیا۔ ایک حواری کہتا ہے کہ میں نے اتنے نشان دکھائے۔ کہ اگر لکھے جائیں تو دنیا میں نہ سمائیں۔ دیکھو! یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ جو باتیں دنیا میں ہوئیں اور اپنے وقوعہ کے وقت دنیا میں سما گئیں۔ وہ بعد میں کیونکر نہ سما سکتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں سب سے زیادہ قبول ہوئیں۔ قبولیت دعا کے لئے چار شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ تب کسی کے لئے دعا قبول ہوتی ہے شرط اول یہ ہے کہ اتقام ہو۔ یعنی جس سے دعا کرائی جاوے وہ متقی ہو۔ تقویٰ احسن و اکمل طور پر حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا تھا۔ آپ تقویٰ کے کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ تقویٰ کا اصول یہ ہے کہ انسان عبودیت کو چھوڑ کر الوہیت کے ساتھ ایسا مل جائے۔ جیسا کہ کلامی کے تختے دیوار کے ساتھ ملکر ایک ہو جاتے ہیں۔ اسکے اور خدا کے درمیان کوئی شے حائل نہ رہے۔ امور تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک یقینی بدیہی۔ یعنی بظاہر دیکھنے میں ایک بات بُری یا بھلی ہے۔ دوم یقینی نظری یعنی ویسا یقین تو نہیں مگر کچھ بھی نظری طور پر دیکھنے میں دامرا چھایا یا بُرا ہو۔ سوم وہ امور مشتبہ ہوں یعنی ان میں شبہ ہو کہ شاید یہ بُرے ہوں۔ پس متقی وہ ہے کہ اس احتمال اور شبہ سے بھی بچے۔ اور متینوں کو تائب کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ شبہ اور احتمال ہونے کے لئے ہم دس باتوں میں سے نو باتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ چاہیے کہ احتمالات کا سد باب کیا جائے

دیکھو ہمارے مخالفوں نے اس قدر تائیدات اور نشانات دیکھے ہیں کہ اگر ان میں تقویٰ ہوتا تو کبھی روگردانی نہ کرتے۔ ایک کریم بخش کی گواہی ہی دیکھو۔ جس نے رور کو کراپنے بڑھاپے کی عمر میں جبکہ اسکی موت بہت قریب تھی۔ یہ گواہی دی کہ ایک مجذوب گلاب شاہ نے پہلے سے مجھے کہا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں پیدا ہو گیا ہے اور وہ لہہیانہ میں آویگا۔ اور تو دیکھیں گے کہ مولوی اسکی کیسی مخالفت کریں گے۔ اسکا نام غلام احمد ہوگا۔ دیکھو یہ کیسی صاف پیشگوئی ہے۔ جو اس مجذوب نے کی۔ کریم بخش کے پابند صوم و صلوة ہونے اور ہمیشہ سچ بولنے پر سینکڑوں آدمیوں نے گواہی دی جیسا کہ ازالہ اوہام میں مفصل درج ہے۔ اب کہا تقویٰ کا یہ کام ہے کہ ایسی ڈاہری کو جھٹلایا جاوے تقویٰ کے مضمون پر ہم کچھ شعر لکھ رہے تھے اسیں ایک مصرع الہامی درج ہوا وہ شعر یہ ہے سہراک نیکی کی جڑ یہ اتفاق ہے اگر یہ جڑ ہی سب کچھ رہے۔ اسیں دوسرا مصرع الہامی ہے۔ جہاں تقویٰ نہیں وہاں کوئی نیکی نیکی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تعریف میں فرماتا ہے کہ ہدایہ للمتقین۔ قرآن شریف بھی ان لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہوتا ہے۔ جو تقویٰ اختیار کریں ابنا میں قرآن شریف کے دیکھنے والوں کا تقویٰ یہ ہے کہ جہالت اور حسد اور بغل سو قرآن شریف کو نہ دیکھیں بلکہ نور قلب کا تقویٰ ساتھ لیکر صدق نیت سے قرآن شریف کو پڑھیں۔ دوسری شرط قبولیت دعا کے واسطے یہ ہے کہ جس کے لئے انسان دعا کرتا ہو اسکے لئے دل میں درد ہو۔ امن یحبیب المضطر اذا دعاہ (دوسرے) تیسری شرط یہ ہے کہ وقت اصفیٰ میسر آئے ایسا وقت کہ بندہ اور اسکے رب میں کچھ حائل نہ ہو۔ قرآن شریف میں جلیلۃ القدر کا ذکر کیا ہے کہ وہ ہزار مہینوں پہنچتی ہے۔ یہاں لیلۃ القدر کے تین معنی ہیں اول تو یہ رمضان شریف میں ایک رات لیلۃ القدر کی ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی ایک لیلۃ القدر تھا یعنی سخت جہالت اور بے ایمانی کی تاریکی کے بعد وہ زمانہ آیا۔ جبکہ ملائکہ کا نزول ہوا کیونکہ نبی دنیا میں اکٹلا نہیں آتا بلکہ وہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اور اسکے ساتھ لاکھوں کروڑوں ملائکہ کا لشکر ہوتا ہے۔ جو اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں اسلگوں کے دلوں کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں۔ سوم لیلۃ القدر انسان کے لئے اس کا وقت اصفیٰ ہے۔ تمام وقت یکساں نہیں ہوتے ہوتے۔ بعض وقت بول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہتے کہ ادعایا عایشۃ یعنی اسے عایشہ مجھ کو راحت و خوشی پہنچا۔ اور بعض وقت آپ بالکل دعائیں مصروف ہوتے۔ جیسا کہ حدیث میں کہا ہے وہ وقتے چنین بود کہ بچہ پل و میکانیل پنروا ختے و دیگر وقت بافضہ و

وزینب در ساختے۔ جتنا جتنا انسان خدا کے قریب آتا ہے۔ یہ وقت اُسے میسر آتا ہے۔ چوتھی شرط قبولیت دعا کی یہ ہے۔ کہ پوری مدت دعا کی حاصل ہو۔ یہاں تک کہ خواب یا وحی سے اندھتالے خبر دے۔ محبت و اخلاص لے کر جلدی نہیں چاہیئے۔ بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے (الحکم جلد ۳۲ ص ۳۲)۔

۲۶ اگست ۱۹۰۱ء یا اُس کے نزدیک۔ ایک دن حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”ہم نے دیا میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے تمہاری دعا کی ہے اور اُس پر کڑا دیکر اُسے چھپاتا ہے۔“

۲۸ اگست ۱۹۰۱ء صبح۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”ہمارے مخالف و قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو مسلمان ملامولوی وغیرہ۔ دوسرے عیسائی انگریز وغیرہ۔ دو دوس مخالفیت میں اور سلام پرنا جائز جملے کرنے میں زیادتی کرتے ہیں۔ کج ہیں ان دونوں قوموں کے متعلق ایک نظر رکھا گیا ہے اور الہام کی صورت پیدا ہوئی۔ مگر بھی طرح یاد نہیں رہا۔ انگریزوں وغیرہ کے متعلق اس طرح سے تھا کہ انہیں بہت لوگ ہیں جو سچائی کی قدر کریں گے۔ اور ملامولویوں کے متعلق یہ تھا۔ کہ ان میں سے اکثر کی اُتوت مسلوب ہو گئی ہے۔“

حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں دعا کے متعلق ذکر تھا۔ آپؑ نے فرمایا: ”دعا کے لئے رقت والے الفاظ تلاش کرنے چاہئیں یہ مناسب نہیں کہ انسان مسنون دعاؤں کے پیچھے اس طرح سے پڑے کہ انکو جتنی مستر کی طرح پڑھتا رہے اور حقیقت کو نہ پہچانے۔ اتباع سنت ضروری ہے مگر تلاش رقت بھی اتباع سنت ہے۔ اپنی زبان میں جس کو تم خوب سمجھتے ہو۔ دعا کرو۔ تاکہ دعا میں جوش پیدا ہو۔ الفاظ پر مخدول ہونا ہے حقیقت پرست بننا چاہیئے۔ مسنون دعاؤں کو بھی برکت کے لئے پڑھنا چاہیئے۔ مگر حقیقت کو ضرور پہاؤ۔ اُن جس شخص کو زبان عربی سے موافقت اور اُس کا فہم ہو۔ وہ عربی میں پڑھے حَقِّہ دُشّی کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”اُس کا ترک اچھا ہے یہ ایک بھوت ہے۔ اسکے پینے سے مُنہ سے پُو آتی ہے۔ ہمارے والد صاحب مرحوم اسکے متعلق ایک شعر پڑھا تھا پڑھا کرتے تھے جس سے اسکی بُرائی ظاہر ہوتی ہے“ (الحکم جلد ۳ ص ۳۳)۔

ایک دن ایک شخص نے جیسکے خاندان میں کثرت پیری مریدی کا سلسلہ ہے اور اب اُس نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کر لی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ زمانہ پیری میں ہماری بہت سی جھوٹی کرامتیں مریدوں میں مشہور تھیں۔ جنکا ذکر انہوں نے اپنے بھائی سے کیا۔ اور اُنکے دل میں خیال گذرا کہ انکے والد صاحب کی بھی انکی طرح کی کرامتیں ہونگی پھر اسی طرح شیخ عبدالقادر صاحب

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر بزرگان دین کی بھی ہونگی۔ قریب تھا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بدگمانی ہوتی اور خدا سے بھی منکر ہو جاتا۔ مگر اسی اثنا میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت نصیب ہو گئی اور حق مل گیا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”بیشک ان گدی نشینوں اور اس قسم کے پیروں کے ایمان خطرہ میں ہیں۔ لیکن اس قسم کی جھوٹی کرامتوں کے دکھلانے والے اور جھوٹی کرامتوں کے مشہور ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے۔ کہ سب جھوٹے ہی ہیں۔ اور تمام سلسلہ اولیاء کا اور بزرگان دین کا سب مکاری اور فریب پر مبنی تھا۔ بلکہ ان جھوٹے ولیوں کا وجود اس بات کا ثبوت ہو کہ دنیا میں سچے ولی بھی ضرور ہیں۔ کیونکہ جب تک کوئی سچی بات نہ ہو۔ تب تک جھوٹی بات نہیں بنائی جاتی۔ مثلاً اگر دنیا میں سچا اللہ صلی سونا نہ ہوتا۔ تو کیمیا گر کبھی جھوٹا سونا نہ بناتا۔ اگر سچے میرے اور مرنی کاؤں سے نہ نکلتے۔ تو جھوٹے ہیرے اور مرنی بنانے کا کسی کو خیال نہ پیدا ہوتا۔ ان جھوٹوں کا ہونا خود اس بات کی دلیل ہے۔ کہ سچے ضرور ہیں“ (الحکم جلد ۵ ص ۳۳۷)۔

۳۰۔ اگست ۱۹۱۰ء۔ شام کے وقت حضرت مسیح موعودؑ نے خدام حاضرین سے فرمایا:-
 آج میں ایک نہایت ضروری بات سناتا ہوں۔ اسے پوری توجہ سے سب دوست سُنیں۔
 کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص کا فعل جو اسکے نزدیک بہت سی مصلحہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اجنبی اور ناواقف نگاہ میں مودہ و اغراض ٹھہر جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہاں ہر فرد نے آدمی آتے ہیں۔ اور تھوڑے ہوتے ہیں۔ جو ہمارے حال سے واقف ہوں۔ وہ دیکھتے ہیں۔ کہ ہم کچھ عرصہ سے لگاتار ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی کے دل میں کوئی اغراض اور سوسہ پیدا ہو۔ اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس بارہ میں اپنے غرور اور مصلحہ بیان کر دیں۔ چٹکی بنا پر ہم ان نمازوں کو جمع کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ نہ ہمارا اور نہ کسی فرد بشر کا مقدر اور اختیار ہے۔ کہ شریعت کی ترمیم یا تیش کرے۔ ہاں ہم شریعت کے مبارک اور باریک اشاروں سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ میری طبیعت کی اُفتاد ایسی واقعہ ہوئی ہے۔ کہ جب تک پوری جمعیت حاصل نہ ہو اس سلسلہ مضمون کی زنجیر کی کڑیاں منظم نہیں رہ سکتیں۔ جو دل میں حاضر تھا ہو تشنگی اور تفرق سے انہیں خلل آجاتا ہے۔ اور انہیں سکھ ضروری تھا۔ کہ خطبہ الہامیہ اور تحفہ گوشت و گوشت اور تریاق القلوب اور دوسری چند کلموں کو جو ایک عرصہ سے معرض التوا میں پڑی ہیں پورا کیا جاتا۔ اور انکے معنائیں کی وقت اور شملت اس امر کی مقتضی تھی۔ کہ سلسلہ حیالات میں غیر متفک اتصال اور ارتباط رہے۔ لہذا صحت نیت اور ارفائے قلب نے ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرنا یکا مشورہ دیا۔ علامہ

اسکے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اس وقت روحانی جنگ میں مصروف ہیں۔ ہماری حالت اس وقت بلاتفاقت موٹے مشابہ ہو۔ ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کے جو غزوہ خندق میں آپ کی تھی۔ جبکہ ایک شدید مصروفیت اور غارتگی آپ کے لئے پانچوں مائوں کے حج کرنے کی راہ کھول دی۔ چونکہ ابتدا میں مقرر ہو چکا تھا کہ مسیح موعود کی جنگ روحانی جنگ ہوگی۔ اور اُس کے ہتھیار آسمانی تھے یا رہونگے۔ اس لئے ممکن ہے کہ کسی ناہم اور سطحی خیال کے آدمی کو اس گھمسان اور خوفناک جنگ کی تصویر نظر نہ آوی۔ مگر یہ حق اور واقعی امر ہے۔ کہ روحانی طور پر ہمیں وہی واقعات اور مشکلات پیش آئے ہوئے ہیں۔ جو اُس ہیتناک گہری میں ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے۔ بنائے گئے ہمارے سید و مولائے مہ کا یہ فعل جو سنت صحیحہ ثابت ہے یہیں خصوصیت دیتا ہے۔ کہ ہم صحت نیت کے ساتھ اس سے حج صلواتین کا فائدہ اٹھالیں۔ اسکے سوا ہم چاہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس عظیم الشان ہیتنگوئی کو بھی پورا کریں۔ جو آپ نے فرمائی کہ نماز اُس کے لئے حج کی جابجائی۔ اس ہیتنگوئی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کو ہذا مقام نے یہ اطلاع دی کہ آپ کی امت کا آخری خلیفہ اُس سانپ یا دجال سے جنگ کریگا۔ جو ابتدا سے توحید کا دشمن چلا آتا ہے اور وہی اکیلا حضرت آدم ؑ کی شکست اور تمام انبیاء کی ہتک کا انتقام اُس بہریے دشمن سے لےگا۔ اور اُس آخری زمانہ میں جبکہ خدا تعالیٰ اور اُسکی پاک کتاب اور سارے نبیوں کی بے عزتی کیجا بیگی۔ وہی دین حق کی کھوئی ہوئی عزت کو بحال کرے گا اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی آپ کو دکھایا کہ اُسکی بعثت کے وقت سے آخر تک دور دو چادیں اُسکے زینت بنیگی۔ یعنی ایک ہماری اُسکے جسم کے اوپر کے حصہ میں ہوگی۔ اور نیچے کے حصہ میں۔ اس امر کے معلوم کرنے سے ضروری ہے کہ کام کی بزرگی اور مصروفیت کی شدت نے آپ کے مبارک قلب میں ترجمہ اور تعجب کو نہر کی دی ہو۔ اور انا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں گزرا ہو کہ ایک طرف تو اس کا یہ کام ہوگا کہ وہ اُس دجال شکر سے قتال کریگا۔ جسکے تصور سے آپ کا رنگ و رو ہو ہو جاتا تھا۔ اور با اینہم دو بیماریاں اور بڑی بیماریاں بھی اُسکے لازم حال رہیگی۔ تو اس صورت میں اتنا بڑا کام کیوں نہر چلیگا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی تسلیت خاطر اور شبہیت طلب کے لئے جہاں خداوند کریم نے آپ کو مسیح موعود کی نسبت بڑی بڑی ابتدا میں دیں جنکی بنا پر آپ نے کبھی اُسکے حق میں فرمایا کہ وہ بعثت کے بعد چالیس سال تک اپنا کام کریگا۔ یعنی اُسکی عمر لمبی کیجا بیگی اور کارروائی کے لئے وسیع موقعہ اُسے دیا جائیگا۔ اور کبھی اُسکے حق میں سلام کہا جس سے

یہ اشارہ ہے کہ وہ ایسے نازک جنگ اور خوفناک وقت میں سلامتی اور عافیت اور برکت کے ساتھ زندگی بسر کر لے گا اور اپنی مہانت کو انجام دے گا۔ ان ہی بشارتوں کے ساتھ خدا تعالیٰ نے آپؐ کو بھی اطلاع دی کہ اُسکے لئے نازع کیا جائیگی۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ نازوں کو چھ کر لے گا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اُسکے لئے یعنی اُسکے اغراض و مقاصد کے سرانجام اور سہولت کو مد نظر رکھ کر اُسکے لئے نماز کی جمع کی جائیگی کیسی عجیب بات ہے کہ ایک طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشگوئی فرمانا کہ وہ بیمار ہوگا اور اُسکے لئے نمازیں جمع کی جائیگی اور دوسری طرف واقع اور خارج میں بھی ایسا ہی ہونا یعنی ہمارے پیش دست بڑے بھاری کاموں کا ہونا اور عظیم الشان روحانی جنگ کا پیش آنا اور وہ بیماریوں میں مبتلا ہونا اور پھر بلا تکلف شدت ضرورت کسی وجہ سے اضطرابِ خاطر اور عسر و محنت کرنا۔ ان باتوں سے فی الحقیقت وہ شخص بڑا خطا ٹھٹھا سکتا اور خدا کی مہتی پر لالینہ اور نیا ایمان پیدا کر سکتا ہے۔ جو قلبِ سلیم رکھتا ہو۔ کیا ہم نے تکلف سے یہ کوشش کی ہے کہ ان باتوں کے مصداق بن جائیں۔ اور ان سب امور کو بناوٹ کے ساتھ اپنے اوپر جالیں پسندگوئی میں یکسر الصلیب کا ہونا جو بتاتا ہے کہ کتنا بڑا کام اُسے سپرد کیا جائیگا۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسے وہ زرد چادیں پہننے ہوئے یعنی بیمار دیکھنا اور پھر فرمانا کہ اُسکے لئے نازع کیا جائیگی۔ اور پھر ہماری ذلت اور ہمارے واقعات کا خارجہ اور فی الواقعہ اُس کا مصداق ہونا کیا یہ خدا تعالیٰ کے عجائب کاموں سے نہیں۔ ممکن تھا کہ صلیب کے شدید غلبہ کا وقت ہی نہ ہوتا۔ یا اس امر سے ہمیں مناسبت ہی نہ ہوتی۔ اور ہماری طبیعت کا میلان کسی اور مباحثہ اور کام کی طرف ہوتا۔ یا ہم اس کام سے کما حقہ عہدہ برآ نہ ہو سکتے۔ یا بیمار نہ ہوتے۔ کون ایسا شخص ہے جو سالہا سال سے یہیں جانتا ہے اور اس واقعی اور ضروری بات پر اُسے اطلاع نہیں کہ دو بیماریاں ہیں ملا دیا چھٹی رہتی ہیں۔ سب بخور کرنا چاہیے کہ کیا کسی انسان کی قدرت میں ہے کہ تکلف اور فقرائے ان مواد اور اسباب کو اپنے حق میں جمع کر لے۔ کوئی تکلف سے کر کے تو دکھائے۔ پہلے بیچ موعود ہو گیا موعول کرے۔ اور پھر محض بناوٹ اور فقرائے اپنے تئیں اتنی آسمانی اور زمینی باتوں کا مصداق بنانے کی کوشش کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو یقیناً یاد رکھے کہ وہ اُن ناپاک مفترموں کی طرح نابود ہو جائیگا۔ جو بناوٹ کی چال اختیار کر کے خدا کے غیور کی آتش غضب کا ہیزم بنے۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم پیشگوئی کو اپنے ہاتھ سے کیوں پورا کرتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی سنتوں اور انبیاء م کے حالات سے ناواقفوں نے اس سے پشت منارہ کی تعبیر کی نسبت

یہی اعتراض کیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ بعض باتوں کو وہ بلا توسط انسانی ہاتھوں کے خود اپنے ہاتھ سے پورا کرتا ہے۔ جیسے اُسے آسمان پر کسوف و خسوف کی پیش گوئی کو پورا کیا۔ اور بعض لافانی واسطوں سے پوری ہوتی ہیں قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے وعدہ دیا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداء شکست کھا بیٹھیں گے۔ اور ہلاک کئے جائیں گے اب نادانوں کے زعم کے موافق چاہئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امداد آپ کے اصحاب رضوان و عدل کے صدق و قیام پر ایمان لاکر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر خاموش بیٹھ رہتے۔ اور کفار کے مقابل ہتھیار نہ اٹھاتے۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدوں کے وقوع کی کیفیت کے علم اور سنن الہیہ کو پوری واقفیت اور اتباع نے ان کے دل میں جوش و دلا۔ کہ مردانہ وار اٹھیں اور ان پیشگیوں کو اپنے ہاتھوں سے پورا کریں۔ اس امر کی تائید خدا تعالیٰ کے اس حکم سے ہوتی ہے۔ جو اُس نے اپنے نبی کو دیا۔ کہ یا ایہا النبی حرض المؤمنین علی القتال سورہ اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ جبکہ انہوں نے ایران کی لوٹ کے سونے کے کنگن اپنی فح کے ایک مسلمان کو پہنائے اور فرمایا۔ کہ میں نے یہ تمہیں اسلئے پہنائے ہیں کہ وہ پیشگوئی جو کتاب اللہ میں (اسوۃ من ذہب) ہے پوری ہو جائے۔ اسی طرح علم تاویل الروایہ میں مقدمہ ہو چکا ہے۔ کہ اگر کوئی دیکھے کہ اُس نے کسی شخص کو کچھ دیا ہے یا کوئی نیکی کسی کے حق میں اُس سے وقوع میں آئی ہے۔ تو تا بعد مر اس رؤیا کی بات کو پورا کرے۔ ورنہ کسی کا حق نہیں اور نہ مقدمہ ہے۔ کہ تعزیر اور افتراء سے اپنے قدم قدامت کو آسمانی خلعت کے حسب حال اور موزمن بنائے۔ سارے لوازم کو پورا کرنا اور مناسب اسباب کو مقاصد کی تقریب کے لئے مہیا کر دینا باری تعالیٰ کا فعل ہے۔

اسکے بعد مولوی نور الدین صاحب نے حج نماز کے متعلق اعتراض کا جو جواب لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ حضرت کی خدمت میں دھرایا۔ اور اسی اشار میں فرمایا کہ حضور سے مدت ہوئی۔ میں حج کے بارے میں دریافت فرمایا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ کہ حج کرنے والا اپنے نفس میں غور کر کے دیکھ لے کہ آیا وہ نفس کی شرارت اور کسل کی شریک سے حج کرتا ہے یا خدا کے لئے کرتا ہے۔ مولوی صاحب کی تقریر کو حضرت مسیح موعودؑ نے بہت پسند فرمایا۔ امد کہا۔

واقعی یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور ہم اللہ کی بنا پر اندیزان خصوصیات کی بنا پر جو مسیح موعود سے مخصوص کئے گئے ہیں حج نماز کرتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ جو ہمارے اس حال اور چال کو سند بنا کر خواہ مخواہ بلا ان مذہب کے حج کریں۔ جو سنت صحیحہ ثابتہ سے ثابت ہیں۔ تو وہ عند اللہ محفوظ

ہونگے۔“

اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے مولوی عبدالکریم صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ :- ”اس تقریر کو اپنے طور پر ضبط کر کے الحکم میں شائع کر دو۔ کہ غلط فہمی دور ہو جائے اور شریعت حقہ کے احکام میں خود سامعی کو دخل دینے کی گنجائش کسی کو نہ رہے۔ اس مضمون کو تین دفعہ الحکم میں شائع کیا جائے۔“

حاضرین خادمان میں سے کسی نے قہر بنی بخش صاحب بمنزدار بٹالہ کا ذکر کیا۔ جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :-

”بعض لوگوں کو جو الفاظ کے جوڑنے اور لسانی کے مشاق ہو گئے ہیں نفس نے یہ مغالطہ ویلے ہے۔ کہ وہ بھی اصلاح فساد عالم کا کام کر سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ گمان کر لیا۔ کہ خدا کا موب بھی انہر اسی طرح اشتہار جاری کرتا اور کتابیں لکھتا ہے۔ اور یہ کام تو وہ بھی کر سکتے ہیں۔ مگر یہ لوگ نہیں جانتے۔ کہ جو لوگ آسمان سے ضرورت حقہ کے وقت ضرورت کے سامانوں کو ساتھ لیکر آتے ہیں۔ انہیں باطل سے جنگ کرنے کے لئے اور ہی ہتھیار دیئے جاتے ہیں۔ انہیں اول درجہ کی صفت تقوٰی دی جاتی ہے۔ وہ پورے درجہ کے مطہر و مفرک ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں دنیا کی ہر قسم کی پلیدیوں اور کمزوریوں سے پاک کر کے بھیجتا ہے۔ ان کی روح کو آسمان سے اتصال بخشا جاتا ہے۔ انہیں وہ قوت قدسی اور الفاس طیبہ عطا کئے جاتے ہیں۔ کہ پہاڑ ان کی عقدہ ہمت کے مقابل اس بادل کی طرح پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ جس پر ہوا مسلط کر دی گئی ہو۔ وہ اسباب عادیہ اور مواد لوفہ سے تمسک کرتے ہیں۔ نہ اسلئے کہ ان کے نزدیک ان پر کام کا مدار اور انحصار ہوتا ہے۔ بلکہ اسلئے کہ رعایت اسباب مستبب مقدر کے حکیمانہ فعل کی قدر کرتا ہے۔ اور اسلئے بھی کہ یہ کارخانہ جو دار ایمان و عمل اولیاء بالخیب کا بالطبع متقنی ہے۔ ایک قسم کے حجاب اور التباس میں مخفی رہے۔ اور حقیقت کا رے پر وہ اٹھ کر دار الشہود بن جائے۔ اور اسلئے بھی کہ تیز بینوں اور بالغ خردوں اور من ورائ حجاب دیکھ لینے والوں اور سطح کے اوپر اوپر رہنے والوں میں تمیز اور تمیض ہو جائے۔ کیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے معتاد اسباب کی حمایت سے وہ کامیابی حاصل کی کہ جس کی نظر لانے سے تاج عالم ساکت ہے؟ کہ مغربہ میں جن دنوں ضعف کے پورے سلمان موجود تھے۔ اور کامیابی کے اسباب عادیہ سے ایک سبب بھی مٹھی میں نہ تھا۔ آپ کے منہ سے یہ نکلا۔ سہ ہونرا جمع و یوں لون الدبر۔ بل الساعة موعدهم والساعة اوہی (اور سورہ) کہ عنقریب ایک وقت آتا ہے۔ کہ دشمنوں کی چمٹیں پاش پاش کر ڈالی جائیں گی۔ اور وہ گھڑی جو خدا تعالیٰ کے علم

میں نفعی طور پر مقرر ہو چکی ہے۔ دشمن کی تباہی کے وعدہ کی گھڑی ہے۔ اور وہ گھڑی ان لوگوں کو
 جو کج و انشعبدی اور فتنوں حرب کے دعویٰ کرتے ہیں سر اسیمہ اور جو اس بانقہ کر دینے والی اور آخر نفع دہانی
 اور نافرادی کے پیلے پلانے والی ہوگی۔ اور پھر ایسے ہی وقتوں میں یہ حیرت انگیز دعویٰ کہ اُسکی
 گنہ گوارسانی حضرت پہنچ نہیں سکتی۔ آپ کی طرف سے کیا گیا۔ اور وہ یہ ہے۔ فکیر و فی
 جمیعاً تھرا نتظرون (سورہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قسم کے ہتھیار تھہارے پاس
 ہیں۔ زور کے در کے۔ مکاٹ اور منصوبہ بازی کے سبک سب مجھ پر چلاو۔ اور مجھے ایک لمحہ بھر
 کی مہلت نہ دو۔ اس قسم کی جلالی آیتوں سے بکی سورتیں بھری پڑی ہیں۔ ہر دانشمند کہ سوچنا چاہو
 کہ کیا ابنیاء کو کسی دنیوی اسباب پر بھروسہ ہوتا ہے۔ جس سے اُن کے دعووں میں یہ فوقی الحادوت
 شکوت اور تحدی پیدا ہوتی ہے؟ نہیں یاد رکھو۔ وہ ازل سے کامیابی کے خیر سے ترکیب یافتہ
 ہو کر آئے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی اتحاد دانائی نے انہیں فاکھوں بندوں میں سے اصلاح خلق کے
 حکم کے لئے برگزیدہ کر لیا ہوتا ہے۔ اُن کا اُٹنا اور کام کو شروع کرنا اپنی تجویز اور منصوبہ کی بنا پر نہیں
 ہوتا بلکہ وہ ایک زبردست طاقت کے ہاتھ میں ایک خاص مقصد کے سر انجام کے لئے کٹھ پتلی کی
 طرح ہوتے اور اس پاک وصف کا سچا مصداق ہوتے ہیں۔ و یفعلون ما یؤمرون (سورہ)
 یہی سچ ہے اس آیت کا جو خدا تعالیٰ کے کامل بنی معلوم کے صدق دعویٰ کو ایک رنگ میں ظاہر کرتی
 ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (سورہ) ایک ان
 جس کے تمام لپے سخی زندگی کے کیچڑ سے آلودہ ہیں۔ اور نظہر اور تزکیہ اور تبتل اور فنا کے مدارج سے
 ایک درجہ بھی اسے نصیب نہیں ہوا۔ دنیا کے مکار جیفہ خواہوں کی تقلید میں تمنا رکھتا ہے کہ یہ
 معاملہ صرف زبان و رازی اور منصوبہ بازی پر موقوف ہی امداد سے روکوں کو اٹھانے کے لئے خدا تعالیٰ
 کے وجود کی کوئی ضرورت نہیں اس راہ کے مرد کے لئے شط لاہم ہے۔ کہ آسمانی ہوس اور آسمان کی
 طرف ہی اُسکی نگاہ ہو۔ اور زمین کی کسی طاقت پر اُسکا تکیہ نہ ہو فوقیت اور غلبہ اور نفرت
 اُسی کے لئے مقدر ہے جو فوق سے آتا ہے۔ زمین کا کثیر اجو سورج سے اسلئے نکلا ہے کہ حرص و آرز
 کے منہ کے لئے کوئی دانت تلاش کرے ناگہاں کسی پاؤں کے نیچے مسل ڈالا جاتا ہے۔ اس شخص پر
 سیاہ بختی اُسی راہ سے سایہ ڈالا ہے کہ اُسے گمان ہو گیا ہے۔ کہ وہ بھی اشتہار شائع کر سکتا اور
 رسالے نکال سکتا ہے۔ اور اُسکے سمجھ لیا ہے۔ کہ اب اُسے پوری طاقت حاصل ہو گئی ہے۔ کہ استقلال
 کا جھنڈا اٹھ کرے۔ ہماری راستی اور ہمانب الہ ہونے کی تائید اور نفرت کے لئے ایک عظیم الشان

پاسبان مقرر کیا گیا ہے۔ جو بداندیش چوروں کو اُس حصن حصین کے نزدیک آنے نہیں دیتا
 اور وہ یہ ہے اتی عین من اراد اھانتک۔ یاد رکھو کہ جو شخص سئلے اٹھے گا کہ اس سلسلہ کا
 استحقاق کرے۔ خدا تعالیٰ اُسے ضرور خفیہ کرے گا۔ اور یہی بڑی ہماری علامت اُسکی
 بچائی کی ہے۔ کما قال عز من قائل فاما الزبد فینذہب جفاء واما ما ینفع الناس
 فیمکت فی الارض (سورہ) یعنی وہ لوگ جو بھاگ کی طرح محض فضول ہیں یونہی اکارت
 چلے جائینگے۔ مگر وہ جو نافع وجود ہیں انہیں بقا اور استقرار بخشا جائیگا۔ ہزاروں معجزوں کے نام مقام
 ہماری طرف سے یہی معجزہ کافی ہوگا کہ ہم جیت جائینگے۔ اور خدا تعالیٰ کا وعدہ انالضرر سلنا
 والذین امنوا فی الدنیا ویوم یقوم الا شہاد (سورہ) ہمارے حق میں احسن
 طور پر پورا ہوگا۔ ہم بھی سالہا سال سے ہر قسم کے مخالفوں کو یہی کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ
 اور دیگر کتابوں میں ایسے جلالی الہامات شائع ہو چکے ہیں کہ فیکد فی جمیع اثناء لا تنظر دن
 کیا ہر طبقہ کے لوگوں نے اپنی اپنی کمان سے زہر کو ذیور ہماری طرف نہیں چھوڑے۔ اور جو
 کچھ کسی سے ہو سکا ہمارے استیصال کی منصوبہ بازیوں میں اپنی طرف سے ذرا بھی فروگذاشت
 نہیں کی۔ ہماری آبرور پر۔ ہماری جان پر۔ ہمارے مال پر۔ غرض ہمارے تعلقات پر جان تھان
 ملے گئے گئے۔ اب کیا ہمارا بچ رہتا اور ہمارے ہاتھ سے اس کام کا پورا ہونا جس کے لئے ہمارا آنا
 موعود ہوا ہے۔ اور ہمارا اس کام کو اوصور اچھوڑ کر اس دنیا سے ناکام نہ اٹھ جانا طالبان حق کے
 لئے خدا تعالیٰ کا بڑا بھاری نشان نہیں یہی نشان ہے۔ جو ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو دیا گیا۔ اور یہی آپ کی طفیل سے اور آپ کی ہی کی خدمت کے لئے ہیں بخشا گیا ہے جب کوئی
 مخالف ہمارے خلاف کچھ بولتا یا قلم پکڑتا ہے۔ تو وہ ایسا گمان کرتا ہے۔ کہ اب وہی اکیلا زہر ملا سٹا
 اٹھا ہے۔ جو ہماری ایڑی کو ڈسے گا۔ اور اب وہ پھر اپنے تاریک سوراخ میں واپس نہ جائیگا۔
 جیتک اُسکی ساری کچلیاں اپنا کام نہ کر لیں مگر وہ بہت جلد اُس مچھلی کی طرح جو پانی سے الگ کی
 جائے بیکار ہو جاتا اور اُس کا سارا جوش بھٹڈاڑ جاتا ہے۔ ایک دفعہ ان سب لوگوں کو۔ ان کے
 ناشروں کو۔ ان کے شاعروں کو۔ ان کے منطقوں کو۔ ان کے فلسفیوں کو۔ ان کے مولویوں کو۔ ان کے
 سجادہ نشینوں کو۔ ان کے اخبار نویسوں کو۔ غرض ہر متکبر مخالف کو اعلان کر دو۔ کہ جتنا زہر وہ
 اس کا رخانہ کے نابود کرنے کے لئے لگا سکتے ہیں۔ لگا لیں۔ ہماری مخالفت میں آرام کو اپنی اوپر
 حرام کر دیں۔ اور تمام طاقتوں کی تلواروں کو نئے سرے سے سان پر چڑھا دیں۔ پھر دیکھیں کہ وہ کیا کر سکتے

ہیں۔ اور دیکھیں کہ خدا اپنے بھیجے ہوئے کی کیسی نصرت کرتا ہے۔ انبیاء کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہو
 لا ولی الا یدى والا بصار جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ کام کرنا والے اور دیکھ بھال کرنا راہوں کی
 طرف ہلاتے تھے۔ جسے خدا تعالیٰ نے انہیں قائم کیا تھا۔ اور وہ تصورات کے پیچھے لگنے والے اور
 خیالی آدمی نہ تھے۔ بلکہ وہ عملی آدمی تھے۔ اور عملی وجہ البصیرۃ حق کی طرف ہلاتے تھے۔ زمین پر
 کسی کو فتح نصیب نہیں ہوتی جب تک کہ پہلے آسمان کے دفتر میں اُس کے نام نہ لکھی جائے۔ خوب
 یاد رکھو کہ فتح کی اصلی کنج تقوٰی ہے۔ اور تقوٰی بھی وہ جو کامل طور پر ہو۔ وہ تقوٰی جس کے
 کسی پہلو میں خامی ہو خدا تعالیٰ کے ہاں کوئی قیمت نہیں پاتا۔ اور یہ کامل تقوٰی انہیں لوگوں تک
 ملتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے مامور اور مرسل ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو وہ کامل تقوٰی جو آسمان
 کو اپنی طرف مٹھکا لے میسر نہیں آتا۔ اگر ایک بڑے بھاری مشکے میں بہت سے آدمیوں کے لئے
 شربت بنانا چاہیں۔ اور شیرینی کے لئے اُس میں صرف ایک پیاسا سڈو الیں۔ تو کیا وہ اس قدر دل
 ہوگا۔ کہ اُسے پسند کیا جائے۔ یہی حال اُس تقوٰی کا ہے۔ جو نہایت کمزور اور ناتمام ہوتا ہے۔
 اِس تقوٰی سے ہرگز اُس نصرت اور تائید الہی کو کچھ نہیں سکتا۔ جو ازل سے کامل تقوٰی کے حصہ
 میں لکھی جا چکی ہے۔ زمینی لوگ جو سانپ کی طرح پیٹ کے بل چلتے اور کبھی انہیں نصیب ہی
 نہیں ہوتا۔ کہ مضطر ہو کہ آسمان کی طرف دیکھیں مگر اصلاح کا بیڑا تکلف سے اٹھا لیتے ہیں۔ جس کے
 لئے اُن کے توئے ترکیب دیئے گئے نہیں ہوتے آخر کار تھک کر رہ جاتے ہیں۔ یا نامراد اور ناکام
 مر جاتے ہیں۔ مخالفوں کی کثرت اور دشمنوں کی قوت اور شوکت سے نہ گھبراؤ اور یاس کو دل میں
 راہ نہ دو۔ کہ کیونکر وہ کام ہوگا جس کا خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ کیا یہود اور نصاریٰ اور ان کے
 اور مشرک قوموں نے ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کچھ تھوڑا نہ رو لگایا تھا۔ آخر
 تقوٰی ہی کے سر پر فتح کا تاج رکھا گیا۔ اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ خدا تعالیٰ ہمارے دل کو اور
 دشمنوں کے دلوں کو دیکھ رہا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کے جلال اور اُس کے رسول اور اُس کے کلام کی عزت
 اور جبروت کے اظہار کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس لئے یقیناً ہم منصوبہ ہونگے۔ اور اگر ہم دنیا کے
 کیرے اور بناوٹ میں ایک کام کر رہے ہیں۔ جس کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں ماموروں کی طرح کھڑا
 نہیں کیا۔ تو ہمارے ہلاک کرنے کو وہی اکیلا غیور کافی ہے۔ زمین کے لوگ دور لگائیں یا نہ لگائیں
 ہمارے افراء اور ناروا جسارت کا کیرا ہی ہمارے عصا کو کھا جائیگا۔ یہ لوگ نافی شور مچاتے اور
 منصوبہ بازی میں اوقات کو ضائع کرتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کے کلام کو پڑھتے اور تدبر کرتے جہاں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان ملک کا ذباً فاعجلہ کذبہ وان پاک صافاً یصبرکم بعض
 الذی یعد کہ ان اللہ لایجحدی من ہوسرف کذاب (سورہ) تو انہیں
 معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ کلام ایسے پیچیدہ معاملات اور واقعات میں بطور فیصلہ طلق
 اور حکم کے نازل فرمایا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ماموروں کا سلسلہ ہمیشہ اس پہلی شکل میں قائم رہے گا
 جیسا کہ واقعات نے اسکا ثبوت دیدیا۔ اسلئے یہ قول فیصل بیان فرمایا۔ اور اگر کوئی واقعی تحقیقت
 اسکے اندر نہیں صرف یہی ایک خیالی دھکی ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی بزرگ اور سدا زندہ سنچوالی کتاب
 کی ہتک ہوگی جس سے اسکا دامن پاک ہو۔ لامحالہ ان آیات کا یہی غلبہ ہو کہ مغتری کا اسکا اثر
 ہی ہلاک کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ان دشمنوں اور انکی کثرت کا میرے دلپر کبھی کوئی اثر اور رعب
 نہیں پڑتا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ایک ہو۔ تو ہوں تو بھی بات ہے۔ مگر اتنے ہزاروں کا ہم اپنے
 جسمانی نور اور زمینی بل سے کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ان کی کثرت ہی انہیں ہمارے دل میں
 معدوم اور محض بیکار وجود بنا دیتی ہے۔ اسلئے کہ جس قدر اعداء کی کثرت اور شوکت اور قوت
 مقابلہ میں نمودار ہوتی ہے۔ اتنی ہی خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید کی خوشبودی کو محسوس ہوتی
 اور اسکی معیت کے لذیذ اور متواتر پیغام آتے رہتے ہیں۔ پھر ہمارے دلپر کسی اور کی طاقت کا کیا اثر
 پڑ سکے۔ کیا ہزار غل غیاڑہ کرنیوالے کو اسے اپنی کثرت سے گو وہ آسمان کی فضاء کو کالا (سیاہ)
 کر دیں۔ ایک جڑہ باز کے قلب کو مضطرب کر سکتے ہیں؟ آسمانی آدمی ایک قلب رکھتا ہے۔ اور
 خدا تعالیٰ کے جلال اور مقتدرہ تھنے اس میں ایک کام کے لئے شجاعت اور جلالت کا مادہ فخر
 کیا ہوتا ہے۔ کیونکر ممکن ہے۔ کہ اسی زمین کے عروہ ساہنوں اور نرے قابلوں کا جنہیں کوئی حقیقی
 روح نہیں ہوتی رعب و خل پاسکے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک آسمانی آدمی کے مقابل لا انتہا
 زمینوں کی پریشانی کی قدر نہیں ہوتی۔ وہ اپنے ایک برگزیدہ بندے کے لئے سارے نظام کو الٹ
 دیتا اور ایک امید کے بر لانے کے لئے لاکھوں امیدوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ ہزاروں دھکیاں
 ہمیں دی جاتی ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً بہت سے سبب و شتم کے خطوط آتے ہیں۔ اور طرح طرح کے مقدمے
 ہم پر پراکٹ کئے گئے۔ اور مہوز مضبوط بازی اور مکاری کے قدموں میں لغزش نہیں آتی۔ مگر خدا تعالیٰ
 خوب جانتا ہے۔ کہ کبھی ایک آن واحد کے لئے بھی ان امور سے ہمارے پیشدست کام میں
 اختلال واقع نہیں ہوا۔ ایک لطیف مضمون کی تحریر کے اثناء میں اگر کوئی ایسی نالائیم بات پیش
 آگئی ہے۔ جو زمینوں کی آنکھیں ایک جہان کو تیرہ تار کر دے۔ مگر الحمد للہ ہمیں محسوس بھی نہیں

ہوئی۔ اور ہمارے قول پر پوری صفائی اور شجاعت سے اُس میں مصروف رہے گا۔
 ہماری جماعت کو چاہئے کہ کڑے تدبیر سے قرآن کریم کو پڑھ کریں اور اگر کوئی علمی نکتہ سمجھ میں نہ آوے
 تو جلد گھبرانے جائیں اور چھوڑ دیں۔ بلکہ نازوں کے اندر دعائیں مانگیں۔ کہ خدا تعالیٰ اسکی حقیقت
 کو کھول دے۔ میرا تو ہمیشہ سے یہی قاعدہ ہے کہ جب کوئی مشکل پیش آئی اس آیت کو سامنے رکھ کر
 دعا کرتا ہوں۔ بسا اوقات چھ ماہ تک برابر دعا کی ہے۔ اور وہ نکتہ خدا تعالیٰ نے کھول دیا ہم کبھی
 کلام الہی کے احاطہ کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ایسے مدعی کو پسند کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک
 کلام الہی خدا تعالیٰ کے کام کی طرح ناپید اکتا رہتا رہے۔ کسی شخص نے مخلوقات کی کسی شے کے کل
 خواص پر احاطہ کر لیا ہے۔ جو یہ دعویٰ موزوں ہو سکے۔ کہ کسی نے کلام الہی کے اسرار کا احاطہ
 کر لیا ہے ہمارا تو اصول ہے۔ کہ جتنا علم بحثا جاتا ہے۔ اُسے لے لیتے ہیں اور باقی جمہولات کھلے
 امیدوار رہتے ہیں (الحکم جلد ۵ ص ۳۷)۔

۳۔ اگست ۱۹۰۶ء۔ بابو غلام مصطفیٰ صاحب میونسپل کشنر وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ
 حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں قافیاں آئے۔ جس پر اپنے قول کی تقریر بطور تبلیغ فرمائی:-

”اصل بات یہ ہے۔ کہ جب تک انسان کسی بات کو خالی الذہن ہو کر نہیں سوچتا۔ اور تمام پہلوؤں
 پر قصبہ نہیں کرتا اور غور سے نہیں سُنتا۔ اُسوقت تک پُرانے خیالات نہیں چھوڑ سکتا۔ اسلئے
 جب آدمی کسی نئی بات کو سُنے۔ تو اُسے یہ نہیں چاہئے۔ کہ سُنتے ہی اُنکی مخالفت کے لئے طیار
 ہو جائے۔ بلکہ اُسکا فرض ہے کہ اُسکے سامنے پہلوؤں پر پورا فکر کرے اور انصاف اور دیانت
 اور سچے بڑھکر خدا تعالیٰ کے خوف کو مد نظر رکھ کر تنہائی میں اُسپر سوچے۔ میں جو کچھ اسوقت
 کہنا چاہتا ہوں۔ وہ کوئی معمولی اور سرسری لگاہ سے دیکھنے کے قابل بات نہیں۔ بلکہ بہت
 بڑی اور عظیم الشان بات ہے۔ میری اپنی بنائی ہوئی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی بات ہے۔ اس لئے
 جو شخص اسکی تکذیب کے لئے جُرأت اور دلیری کرتا ہے وہ میری تکذیب نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ
 کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر دلیر ہوتا ہے۔ مجھ اسکی
 تکذیب ہو کوئی رنج نہیں ہو سکتا۔ البتہ اُسپر رحم ضرور آنا ہے۔ کہ نادان اپنی نادانی سے خدا تعالیٰ
 کے غضب کو بھڑکاتا ہے۔ یہ بات مسلمانوں میں سے ہر شخص جانتا ہے۔ اور غالباً کسی کو بھی اس
 بھیری نہ ہوگی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک
 محدث کو بھیجتا ہے۔ جو دین کے اُس حصہ کو تازہ کرتا ہے۔ جس پر کوئی آفت آئی ہوئی ہوتی ہے۔

یہ سلسلہ مجددوں کے بھیجنے کا اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق ہے۔ جو اُس نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحاظ نقول (سورہ) میں فرمایا ہے۔ پس اس وعدہ کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے موافق جو کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاک فرمائی تھی۔ یہ ضروری ہوا کہ اس صدی کے سرپرست میں سے انیس برس گزر گئے کوئی مجدد اصلاح دین اور تجدید ملت کے لئے مبعوث ہوتا۔ اس سے پہلے کہ کوئی خدا تعالیٰ کا مامور اسکے الہام و وحی سے مطلع ہو کر اپنے آپ کو ظاہر کرنا مستعد اور وسیع فطرتوں کے لئے ضروری تھا۔ کہ وہ صدی کا سر آجائے بہ نہایت اضطراب اور بیکاری کے ساتھ اس مرد آسمانی کی تلاش کرتے۔ اور اس آواز کے سننے کے لئے ہمہ تن کوشش ہو جاتے۔ جو انہیں یہ مقررہ سنائی۔ کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کے موافق آیا ہوں۔ یہ پرچہ ہے کہ چودھویں صدی پر اکابران اُمت کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ اور تنہم کشف اور دویا اور الہامات اس امر کی طرف ایسا کرتے تھے کہ اس صدی پر آنے والا موعود عظیم الشان انسان ہوگا۔ جس کا نام احادیث میں مسیح موعود اور مہدی آیا ہے۔ مگر میں کہوں گا۔ کہ جب وہ وقت آگیا۔ اور آنے والا آگیا۔ تو بہت تھوڑے وہ لوگ نکلے جنہوں نے اسکی آواز کو سنا۔ بعض یہ بات کوئی نرالی اور نئی نہایت کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آتا ہے۔ پس اس وعدہ کے موافق ضروری تھا۔ کہ اس صدی میں بھی جو انیس سال تک گزر چکی ہے۔ مجدد آئے۔ اب اس دوسرے پہلو کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ کہ کیا اسوقت اسلام کے لئے کوئی آفات اور مشکلات ایسی پیدا ہو گئی ہیں۔ جو کسی مامور کے لئے داعی ہیں۔ جب ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر اسوقت دو قسم کی آفتیں آئی ہیں۔ ایک اندرونی۔ اور دوسری بیرونی۔

اندرونی طور پر اسلام کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ کہ بہت سی بدعتیں اور شرک سچی توحید کی بجائے پیدا ہو گئے ہیں۔ اعمال صالحہ کی جگہ مروت چند رسومات نے لے لی ہے۔ تقویٰ پرستی اور پیر پرستی اس حد تک پہنچ گئی ہے۔ کہ وہ بجائے خود ایک مستقل شریعت ہو گئی ہے۔ محمد کو ہمیشہ تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ مجھ کو یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ اس امر کو انہوں نے نہیں سمجھا۔ کہ میں کیا کہتا ہوں۔ مگر اپنے گھر میں یہ لوگ ہرگز غور نہیں کرتے کہ نبوت کا دعویٰ تو انہوں نے کیا ہے۔ جنہوں نے اپنی شریعت بنالی ہے۔ کوئی بتائے کہ وہ ورد اور وظائف جو سجادہ نشین اور مختلف گروہوں والے اپنے مریدوں کو سکھاتے ہیں۔ ایجاد کئے ہیں؟ یا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سنت پر عمل کرنا ہوں۔ احساں پر ایک نقطہ یا شوشہ بڑا کفر سمجھتا ہوں۔ علاوہ اسکے

اور بھی ہزارہ قسم کی بدعات ہر فرقہ اور گروہ میں اپنے اپنے رنگ کی پیدا ہو چکی ہیں تقوٰی اور طہارت جو اسلام کا اصل منشا اور مقصود تھا جس کے لئے اسخفرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطرناک مصائب برداشت کیں جنکو ہجر نبوت کے دل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ آج مفقود و معدوم ہو گیا ہے چیل خانوں میں جا کر دیکھو۔ کہ جرائم پیشہ لوگوں میں زیادہ تعداد کن کی ہو۔ زنا اور شراب اور اتلاف حقوق اور دوسرے جرائم اس کثرت سے ہو رہے ہیں کہ گویا یہ سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ کوئی خدا نہیں اگر مختلف طبقات قوم کی خرابیوں اور نقائص پر مفصل بحث کی جائے تو ایک ضخیم کتاب طیار ہو جائے۔ ہر دانشمند اور غور کرنے والا انسان قوم کے مختلف افراد کی حالت پر نظر کر کے اس صبح اور لقیینی نتیجہ پر پہنچ جائیگا۔ کہ وہ تقوٰی جو قرآن کریم کی علت غائی تھا۔ جو اکرام کا اصل موجب اور ذریعہ شرافت تھا۔ آج موجود نہیں۔ علمی حالت جس کی شد ضرورت تھی۔ کہ ابھی ہوتی۔ جو غیور اور مسلمانوں میں مابہ الامتياز مٹتی سخت کمزور اور غریب ہو گئی ہے۔

بیرونی حصہ میں دیکھ لو۔ کہ جس قدر مذاہب مختلفہ موجود ہیں ان میں سے ہر ایک اسلام کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اسلام کا سخت دشمن ہے عیسائی مشنریوں اور پادریوں کی ساری کوششیں اس ایک امر میں صرف ہو رہی ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو۔ اور جس طرح بھی ممکن ہو اسلام کو نابود کیا جائے۔ اور اس توحید کو جو اسلام نے قائم کی تھی جس کے لئے اسکو بہت سی جانوں کا کفارہ دینا پڑا تھا اسے ناپید کر کے یسوع کی خدائی کا دینا کو قائل کر لیا جائے اور اس کے خون پر یقین دلایا جائے جو بے قیدی اور آزادی اور اباحت کی زندگی کو پیدا کرتا ہے۔ اور اس طرح پر وہ پاک غرض تقوٰی اور طہارت اور علمی پاکیزگی کی جو اسلام کا مدعا تھا مفقود کی جائے۔ عیسائی پادریوں نے اپنی ان اغراض میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے بہت سے طریقے اختیار کئے ہیں اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ انہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو مرتد کر لیا۔ اور بہت سے ہیں جنکو نیم عیسائی بنا دیا ہے۔ مابین بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے۔ جو طحارۃ طبیعت رکھتے ہیں اور اپنی طرہ و دیار و مباحات اور مذاہب و عقائد میں عیسائیت کے اثر سے متاثر ہیں۔ فوجوں کی ایک جماعت اور مخلوق ہے۔ جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئی ہے۔ اور کالجوں میں اس کی تربیت ہوئی ہے وہ خدا تعالیٰ کے کلام کی بجائے فلسفہ اور طبیعیات کی قدر کرتی ہے اور اسکو مقدم اور ضروری

سمجھتی ہے۔ اسلام اُسکے نزدیک عرب کے جنگلیوں کے حسبِ حال تھا ان باتوں اور حالتوں کو جب میں دیکھتا ہوں۔ اور سنتا ہوں۔ میں دوسروں کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر میرے دل پر سخت صدمہ ہوتا ہے۔ کہ آج اسلام ان مشکلات اور آفتوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اور مسلمانوں کی اولاد کی یہ حالت ہو رہی ہے۔ جو وہ اسلام کو اپنے مذاق ہی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو آپسی حدود سے باہر تو نہیں ہوئے۔ حلال کو حرام نہیں سمجھتے۔ مگر کھانا وضعِ قلع۔ لباس پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک قدمِ انحراف میں رکھا ہوا ہے۔ اب صاف سمجھ میں آتا ہے۔ کہ اندرونی طور پر وہ بدعات اور شرکاء نہ رسوم ہیں۔ اور بیرونی طور پر یہ آفتیں خصوصاً میلہ سی مذہب جو نقصان اسلام کو پہنچا رہے۔ وہ عیاں ہے۔ اسلام وہ مذہب تھا کہ اگر ایک آدمی بھی اس سے نکل جاتا اور مرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی۔ اور اب یہ حالت ہے۔ کہ مرتدوں کی انتہا یہی نہیں رہی۔ اب ان تمام امور کو کجائی طور پر کوئی عقلمند سوچے اور خدا کے لئے غور کرے کہ کیا خدا تعالیٰ کی بھائی خاص کی اسوقت ضرورت نہیں؟ کیا ابھی تک اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ حفاظت کے پورا ہونے کا وقت نہیں کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ الحافظون اگر اسوقت اُسکی مدد اور بھائی کی ضرورت نہیں۔ تو کوئی ہیں بتائے کہ وہ وقت کب آئیگا حضورِ کریم اور سوچو! کہ ایک طرف تو واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اس قسم کی ضرورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ آپسی خاص بھائی فرمائے اور اپنے دین کی نصرت علیٰ چائیوں اور آسمانی تائیدات سے کر کے دکھاوے۔ دوسری طرف صدی نے مہر لگا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق دجوا کے برگزیدہ اور افضل الرسل رسولِ عالم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا کہ ہر صدی کے سر پرچم دین کے لئے مجد و بھیجا دیا کرے گا کوئی مجدد نہ پائے گا۔ صدی میں سے انیس برس گزر گئے۔ اگر اب تک باوجود ان ضرورتوں کے پیدا ہو جانے کے بھی کوئی مامورِ معجوف نہیں ہوا۔ تو پھر خدا کے لئے غور کرو۔ کہ اس میں اسلام کا کیا باقی رہتا ہے۔ کیا اس سے انا لہ الحافظون کے وعدہ کا خلاصہ ثابت نہ ہوگا؟ کیا اس سے ارسالِ مجدد کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باطل نہ ہو گئی کیا یہ نہ پایا جائیگا۔ کہ اسلام ایسا مذہب ہے۔ کہ اسپر ایسی آفتیں آئیں۔ اور خدا تعالیٰ کو اُسکے لئے غیرت نہ آئی؟ اب کوئی ہمارے دعوے کو چھوڑے اور الگ رہے؟ مگر ان باتوں کا سوچ کر جواب دے۔ میری تکذیب کرو گے تو اسلام کو کدے سے نہیں دینا پڑے گا۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کے وعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کر لی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ کیونکہ عین ضرورت اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ صدیق اللہ و رسولہ اللہ اور اس کے رسول مکی باتیں سچی ہیں۔ ظالم طمع ہے وہ انسان جو انکی تکذیب کرتا ہے (الحکم جلد ۱، ص ۵۷)

اب ہلیرہ دعوائے کہ اس صدی پر میں تجدید دین کے لئے بھیجا گیا ہوں صاف ہے۔ میں زور سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے۔ اور اُسپر ۲۲ برس سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے۔ اس قدر عرصہ تک میری تائیدوں کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا الزام اور حجت ہر قوم لوگوں پر۔ کیونکہ میں نے جو عہد ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ کہ جس فسادوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ حدیث اور قرآن کی بنا پر کیا ہے۔ اب جو لوگ میری تکذیب کرینگے۔ وہ میری نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرینگے۔ انکو کوئی حق تکذیب کا نہیں پہنچتا جیتا کہ وہ میری جگہ دوسرا مصلع پیش نہ کریں۔ کیونکہ زمانہ اور وقت بتاتا ہے۔ کہ مصلع آنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر جگہ مفسد پیدا ہو چکے ہیں۔ اور قرآن شریف فرمان ہے۔ کہ ایسی آفتوں کے وقت حفاظت قرآن کے لئے مامور کیا کرتا ہے۔ اور حدیث شریف کہتی ہے۔ کہ ہر صدی کے سر پر محمد بھیجا جاتا ہے۔ پھر ضرورتیں موجود ہیں۔ اور یہ وعدے حفاظت اور تجدید دین کے لگائے ہیں۔ ان ضرورتوں اور وعدوں کے مطابق آئے والے کی تکذیب کی طرف دوہی صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ کوئی اور مصلع پیش کیا جاوے۔ دوسرا یہ کہ ان وعدوں کی تکذیب کی جائے۔

بعض لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں۔ جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگ سخت غلطی کرتے ہیں۔ دیکھو جو شخص بلغ لگاتا ہے۔ یا عمارت بناتا ہے تو کیا اسکا فرض نہیں ہوتا یا وہ نہیں چاہتا کہ اس بلغ یا عمارت کی حفاظت کرے اور اُسے دشمنوں کی دستبرد سے بچانے کے لئے ہر طرح کوشش کرے؟ یا عمارت کے گرد کیسے کیسے احاطے حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اور مکانات کو آتشزدگیوں سے بچانے کے لئے نئے نئے مصالح طیار ہوتے ہیں۔ اور بجلی سے بچانے کے لئے نائیں لگائی جاتی ہیں۔ یہ امور صاف طور پر اس فطرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو انسانوں میں بالطبع حفاظت کے لئے موجود ہے۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرے؟ بیشک وہ حفاظت کرتا ہے۔ اور اُسے ہر بلا کے وقت اپنے دین کو دشمنوں کے حملوں سے بچایا ہے۔ اور اب بھی جبکہ اس بات کی ضرورت پڑی تو اس نے مجھے اسی لئے

سمجھا ہے۔ ہاں یہ امر حفاظت کا مشکوک ہو سکتا یا اس کا انکار ہو سکتا تھا۔ اگر حالات
 اور ضرورتیں اسکی مؤید نہ ہوتیں مگر کئی کوڑ لکنا ہیں اسلام کے رویں شائع ہو چکی ہیں۔ اور ان
 اشتہاروں اور دو ورقہ رسالوں کا تو شائبہ ہی نہیں جو ہر روز اور ہفتہ وار اور ماہوار دہریوں کی
 طرف سے شائع ہوتے ہیں ان گالیوں کو اگر حج کیا جاوے جو ہمارے ملک کے مرتد عیسائیوں نے
 سید العصومین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک اصلاح کی نسبت شائع کی ہیں۔ تو کئی کرٹھے
 ان کتابوں کے بھر سکتے ہیں۔ اور اگر انکو اکیدہ سرے کے ساتھ ملا کر رکھا جاوے تو وہ کئی میلوں تک
 پہنچ جائیں۔ عماد الدین۔ صغیر علی۔ اور شایق وغیرہ نے جیسی تحریریں شائع کی ہیں وہ کسی سے
 پوشیدہ نہیں۔ عماد الدین کی تحریروں کے خطرناک ہونیکا بعض انصاف پسند عیسائیوں کو بھی اعتراف
 ہے۔ چنانچہ لکھنؤ سے جو ایک اخبار شمس الاخبار نکلا کرتا تھا اسیں اسکی بعض کتابوں پر یہ رائے
 لکھی گئی تھی کہ اگر مہندوستان میں پھر کبھی غدر ہو گا تو ایسی تحریریں سے ہو گا۔ ایسی حالتوں
 میں بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام کا کیا نیکر ہے۔ مگر اس قسم کی باتیں وہ لوگ کر سکتے ہیں جنکو یا تو اسلام
 سے کوئی تعلق اور درد نہیں اور یا وہ لوگ جنہوں نے جبروں کی تاریکی میں پرورش پائی ہے۔ اور
 ان کو بیرونی دنیا کی کچھ خبر نہیں ہے۔ پس ایسے لوگ اگر ہیں۔ تو ان کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہاں وہ لوگ
 جو نور قلب رکھتے ہیں جنکو اسلام کے ساتھ محبت اور تعلق ہے۔ اور زمانہ کے حالات سے آشنا
 ہیں۔ ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ وقت کسی عظیم الشان مصلح کا وقت ہے۔ غرض اسوقت میرے
 مامور ہونے پر بہت سی شہادتیں ہیں (۱) اول اندرون شہادتیں (۲) دوم بیرونی شہادت
 (۳) سوم صدی کے سر پرانیوالے مجدد کی نسبت صحیح حدیث (۴) چہارم انا لحن نزلنا
 الذکر وانا لہ لحافلون کا وعدہ حفاظت۔ اب (۵) پانچویں اور زبردست شہادتیں ہیں
 اور پیش کرتا ہوں اور وہ سورہ النور میں وعدہ استخلاف ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہو
 وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف
 الذین من قبلکم (سورہ النور) اس آیت میں استخلاف کے موافق جو خلیفہ اعظم سے اللہ
 علیہ وسلم کے سلسلہ میں ہونگے۔ وہ پہلے خلیفوں کی طرح ہونگے۔ قرآن شریف میں اعفرت مسلم کو
 عقیل موسیٰ فرمایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا انا ارسلنا الیکم دسولا شہدا علیکم کما ارسلنا
 الی نوحون دسولا (سورہ زمر) نیز آپ مثل مولے استبدال کی پیشگوئی کے موافق بھی ہیں پس
 اس ممانعت میں جیسے کہا کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ ویسے ہی سورہ نور میں کہا کا لفظ ہے۔ پس یہ

صاف معلوم ہوتا ہے کہ موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ میں مشابہت اور مماثلت قائم ہے۔
 موسوی سلسلہ کے خلفاء کا سلسلہ حضرت عیسیٰؑ پر اکڑ ختم ہو گیا تھا۔ اور وہ حضرت موسیٰؑ کے بعد
 چودھویں صدی میں آئے تھے۔ اس مماثلت کے لحاظ سے کم از کم اتنا ضروری ہے کہ چودھویں صدی
 میں ایک خلیفہ اسی رنگ و قوت کا پیدا ہو۔ جو مسیح سے مماثلت رکھتا ہو۔ اور اُسکے قلب اور
 قدم پر ہو۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اس امر کی اور دوسری شہادتیں اور تائیدیں نبھی پیش کرتا۔ تو یہ
 سلسلہ مماثلت بالبطع چاہتا تھا۔ کہ چودھویں صدی میں عیسوی بود آپؑ کی امت میں ہو
 ورنہ آپؑ کی مماثلت میں معاذ اللہ ایک نقص اور ضعف ثابت ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف
 اُس مماثلت کی تصدیق اور تائید فرمائی بلکہ یہ بھی ثابت کر دکھایا۔ کہ مثیل موسیٰؑ موسیٰ علیہ السلام
 سے اور تمام انبیاء سے افضل تر ہے۔ حضرت مسیحؑ جیسے اپنی کوئی شریعت نہ لائے تھے بلکہ توریت
 کو پورا کرنے آئے تھے۔ اسی طرح محمدی سلسلہ کا مسیحؑ اپنی کوئی شریعت لیکر نہیں آیا۔ بلکہ
 قرآن شریف کے احیاء کے لئے آیا ہے۔ اور اُس تکمیل کے لئے آیا ہے۔ جو تکمیل اشاعت ہدایت
 کہلاتی ہے۔ تکمیل اشاعت ہدایت کے متعلق یاد رکھنا چاہئے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 پر جو اتمام نعمت اور اکمال الدین ہوا تو اُسکی قد صورتیں ہیں۔ اول تکمیل ہدایت دوسری تکمیل
 اشاعت ہدایت تکمیل ہدایت من کل الوجہ آپؑ کی آداول سے ہوئی۔ اور تکمیل اشاعت ہدایت
 آپؑ کی آمد ثانی سے ہوئی۔ کیونکہ سورہ جمعہ میں جو آخرین ہمام والی آیت آپؑ کے فیض اور
 تعلیم سے ایک اور قوم کے طیار کرنے کی ہدایت کرتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ
 کی ایک بعثت اور ہے۔ اور یہ بعثت بروزی رنگ ہیں ہے۔ جو اس وقت ہو رہی ہے۔ پس یہ
 وقت تکمیل اشاعت ہدایت کا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اشاعت کے تمام فریضے اور سلسلے مکمل
 ہو رہے ہیں۔ چھاپہ خانوں کی کثرت۔ اور آئے دن انیس نئی باتوں کا پیدا ہونا۔ ڈاکخانوں۔ راہد
 تار برقیوں۔ ریلوں۔ جہازوں کا اجراء اور اجناس کی اشاعت ان سب امور نے مل کر دنیا کو
 ایک شہر کے حکم میں کر دیا ہے۔ پس یہ ترقیاں بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی
 ترقیاں ہیں۔ کیونکہ اس سے آپؑ کی کامل ہدایت کے کمال کا دوسرا جزو تکمیل اشاعت ہدایت
 پورا ہو رہا ہے۔ اور یہ اسی کے موافق ہے۔ جیسے مسیحؑ نے کہا تھا۔ کہ میں توریت کو پورا کرنے آیا
 ہوں اور میں کہتا ہوں۔ کہ میرا ایک کام یہ بھی ہے۔ کہ تکمیل اشاعت ہدایت کروں۔ عرض یہ
 عیسوی مماثلت بھی ہے۔ علاوہ بریں حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں بھی جو آفتیں پیدا ہو گئی تھیں

اسی قسم کی یہاں بھی موجود ہیں۔ اندرونی طور پر یہودیوں کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ اور تمام مسیحی
 اس امر کی شہادت ملتی ہے۔ کہ توریت کے احکام انہوں نے چھوڑ دیئے تھے۔ بلکہ اسکی بجائے
 ظالمہ اور بزرگوں کی روایتوں پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اسوقت مسلمانوں میں بھی ایسی ہی حالت
 پیدا ہو گئی ہے۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور اسکی بجائے روایتوں اور قصوں پر زور دیا
 جاتا ہے۔ اسکے علاوہ سلطنت کے لحاظ سے بھی ایک مماثلت ہے یعنی اسوقت رومی گورنمنٹ
 تھی۔ اور اس وقت برٹش گورنمنٹ بھی جس کے عدل و انصاف کا عام شہرہ ہے۔ اور یہ ہیں
 پہلے بتا چکا ہوں۔ کہ وہ بھی چودھویں صدی میں آئے تھے۔ اور اس وقت بھی چودھویں صدی ہے
 ان سب کے علاوہ ایک اور سبب بھی ہے۔ جو مماثلت کو مکمل کرتا ہے۔ امدہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح اعلیٰ
 تعلیم پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اور موسوی جہادوں کی اصلاح کرنے آئے تھے۔ انہوں نے کوئی تلوار
 نہیں اٹھائی۔ مسیح موعود کے لئے بھی یہی مقرر تھا۔ کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو تعلیم کی علی سچائیوں سے
 قائم کرے۔ اور اس اعتراض کو دور کرے جو اسلام پر اسی رنگ میں کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے ذریعہ
 سے پھیلایا گیا ہے۔ یہ اعتراض مسیح موعود کے وقت میں بالکل اٹھا دیا جائیگا۔ کیونکہ وہ اسلام کے
 زندہ برکات اور فیوض سے اسکی سچائی کو دنیا پر ظاہر کریگا اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ جیسے آج
 اسی ترقی کے زمانہ میں بھی اسلام محض اپنی پاک تعلیم اور اس کے برکات اور نعمات کے لحاظ سے مؤثر
 اور مفید ہے۔ ایسا ہی ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مفید اور مؤثر پایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ زندہ مذہب ہے۔ یہی وجہ
 تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آنے والے مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی تو اسکے ساتھ ہی
 یہ بھی فرما دیا۔ لیضع الحرب۔ وہ لڑائیوں کو اٹھا دیگا۔ اب ان ساری شہادتوں کو جمع کرو۔
 اور بتاؤ کہ کیا اسوقت ضرورت نہیں کہ کوئی آسمانی مرد نازل ہو؟ جب یہ مان لیا گیا کہ ہر صدی
 کے سر پر مجدد آنا ضروری ہے۔ تو اس صدی کے سر پر مجدد تو کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا۔ اور پھر جب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت حضرت موسیٰ سے ہے تو اس مماثلت کے لحاظ سے بھی
 ضروری ہے۔ کہ اس صدی کا مجدد مسیح ہو۔ کیونکہ چودھویں صدی کے سر پر حضرت مسیح ہی حضرت
 موعود کے بعد آئے تھے۔ اور آجکل چودھویں صدی ہے۔ پھر وہ کے علاوہ کو مسیح سے بڑی مناسبت
 ہے۔ چودھویں رات کا چاند کامل ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے لفظ نص کہ اللہ بیدار
 و انتہما اذ لہ میں اشارہ کیا ہے۔ یعنی ایک بدر تو وہ تھا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اپنے مخالفین پر حق پائی۔ اسوقت بھی آپ کی جماعت قلیل تھی۔ اور ایک بدر یہ ہے۔

میں چھ صدیوں کی طرف اشارہ ہے۔ اسوقت بھی اسلام کی حالت اذالہ کی ہو رہی ہے
 سوان سارے وعدوں کے موافق اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ احادیث میں یہ بھی آیا ہے
 کہ انیوالے موعود کے وقت دنیا ظلم اور زور سے بھری ہوئی ہوگی ظلم اور زور سے یہ مراد نہیں کہ
 اسوقت حکومت ظالم ہوگی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ انیوالے مسیح کے وقت
 میں ضروری ہے کہ سلطنت عامل ہو اور امن ہو۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ ہم کو
 ایسی عادل اور امن دوست گورنمنٹ اُسنے عطا کی ہے جس کی نظیر آج دنیا کی کسی سلطنت میں
 نہیں ملتی ہے۔ جیسے حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں رومی گورنمنٹ جو اپنے عدل اور انصاف کے لئے
 مشہور تھی۔ مگر ہماری گورنمنٹ رومی گورنمنٹ سے بدرجہا بہتر اور بڑھ چڑھ کر عادل ہے۔ یہاں تک کہ
 اس مقدمہ میں جو پادری نہری مارٹن کلاک کی طرف سے مجھ پر ہوا تھا۔ کپتان وگلنس جو ان دنوں
 گورنمنٹ کا کمنشنر تھا۔ باوجودیکہ بعض کوتاہ اندیشوں کا یہ خیال تھا کہ ایک مغرب پادری کی طرف سے
 مقدمہ ہے۔ لیکن اس انصاف پسند حاکم نے اصلیت کو نکال لیا اور معلوم کر لیا۔ کہ وہ مقدمہ بعض
 ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کی چالاکی کا نتیجہ تھا۔ کپتان وگلنس جو آجکل جہلی میں ڈپٹی کمنشنر ہیں ہمیشہ تک
 اس عظیم المنل انصاف کے باعث مشہور رہینگے اور یہ تو گورنمنٹ کے ایک عمدہ دار کی مثال ہے۔
 اور ایسی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں۔ غرض احادیث میں کیا ہے کہ حب وہ موعود آئیگا۔ تو دنیا
 ظلم و زور سے بھری ہوئی ہوگی اس کا مطلب یہی ہے کہ اسوقت دنیا میں شرک اور نور کا بہت
 دور ہوگا۔ چنانچہ اسوقت دیکھ لو کہ کسی بُت پرستی صلیب پرستی مڑوہ پرستی اور قسم قسم کی پرستشیں
 ہو رہی ہیں۔ اور حقیقی اور سچے خدا کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ (الحکم جلد ۷ ص ۷۱)۔

اب ان تمام امور کو یکجا کر کے ایک دانشمند غور کرے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں کیا وہ اس قابل ہے کہ
 سرسری نگاہ سے اُسے رد کر دیا جائے؟ یا یہ کہ اس پر پورے غور اور فکر سے کام لیا جاوے؟ جو کچھ
 ہمارا دعویٰ ہے کیا یہ صدی کے سر پر ہے یا نہیں؟ اگر ہم نہ آتے تب بھی ہر ایک عقلمند اور خدا ترس کو
 لازم تھا کہ وہ کسی انیوالے کی تلاش کرتے۔ کیونکہ صدی کا سر اگیا تھا۔ اور اب تو جبکہ صدی پر بیشل
 ہنس گزرنے کو ہیں اور بھی زیادہ فکر کی ضرورت تھی۔ موجودہ فسادات اپنی جگہ پر پکار پکار کر کہہ رہے
 تھے کہ کوئی شخص انکی اصلاح کے لئے آنا چاہئے تھا۔ عیسائیت نے وہ آواز دی اور بے قیدی پہلائی
 تھے جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کے بچوں پر جو اس کا اثر ہوا ہے اُسے تو دیکھ کر
 کہتا پڑتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے بچے ہی نہیں ہیں۔ اور ساری باتوں کو چھوڑ دو اس صلیبی فتنہ

بھی کی اصلاح کے لئے جو شخص ٹیکہ لگا سکے نام کیا رکھا جائیگا؟ یہ فتنہ بالطبع اپنی اصلاح کرنیوالے کا
 نام کا سر الصلیب رکھتا ہے۔ اور یہ مسیح موعود کا عصر نام ہے۔ قرآن شریف اور حدیث نے
 مختلف طریقوں پر اس مضمون کو ادا کیا ہے۔ اور آئینہ الے موعود کی بشارت دی ہے۔ اس بات کو خوب
 سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ جب انسان کسی بات کو ناقص طور پر سمجھتا ہے تو گویا وہ کچھ بھی نہیں سمجھتا۔
 لیکن جب ایک امر کو کامل غور و فکر کے بعد سمجھ لیتا ہے۔ تو پھر یہ نہایت مشکل ہوتا ہے۔ کہ کوئی
 شخص اسے مگر اکر سکے۔ اسلئے میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ اس سوال کو حل کرنے کے لئے خوب غور و فکر
 کریں۔ اور اسے ایک معمولی اور چھوٹی سی بات نہ سمجھیں۔ بلکہ ایمان کا معاملہ ہے جنت اور
 دوزخ کا سوال ہے۔ میرا انکار میرا انکار نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
 کا انکار ہے۔ کیونکہ جو شخص میری تکذیب کرتا ہے۔ وہ میری تکذیب سے پہلے معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو
 جھوٹا ٹھہرا لیتا ہے۔ کیونکہ جب وہ دیکھتا ہے۔ کہ اندرونی اور بیرونی فساد حد سے بڑھے ہوئے ہیں
 اور خدا تعالیٰ نے باوجود وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون کے ان کی اصلاح کا
 کوئی انتظام نہ کیا؟ جبکہ وہ اس امر پر بظاہر ایمان لاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے آیت اختلاف میں
 وعدہ فرمایا تھا۔ کہ وہ موسوی سلسلہ کی طرح اس محمدی سلسلہ میں بھی خلفاء کا سلسلہ قائم
 کریگا۔ مگر اسے معاذ اللہ اس وعدہ کو پورا نہ کیا۔ اور اس وقت کوئی خلیفہ اس امت میں سبوتا نہ کیا
 اور نہ صرف یہاں تک ہی بلکہ اس بات سے بھی انکار کرنا پڑیگا۔ کہ قرآن شریف نے جو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کو پیش موسیٰ قرار دیا ہے وہ بھی معاذ اللہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ کی اہم شاہدیت
 اور ممانعت کے لئے ضروری تھا۔ کہ اس چودھویں صدی میں اس امت میں بھی ایک مسیح پیدا ہوتا۔
 اسی طرح ہر چوبیسویں صدی میں جو دھویں صدی میں ایک مسیح آیا تھا۔ اور پھر اسی طرح پر
 فوآن شریف کی اس آیت کو بھی جھٹلانا پڑیگا۔ جو آخرین منہم لما یلکفوا بہم (سورہ مجہ)
 میں ایک آنے والے احمدی بروز کی خبر دیتی ہے۔ اور اسی طرح قرآن شریف کی بہت سی دیگر
 آیات ہیں جنکی تکذیب لازم آئیگی۔ بلکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ الحمد سے لیکر والناس
 تک سارا قرآن شریف چھوڑنا پڑیگا۔ پھر سوچو۔ کیا میری تکذیب کوئی آسان امر ہے۔ یہ میں ان خود
 نہیں کہتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ حق یہی ہے۔ کہ جو شخص مجھے چھوڑیگا اور میری
 تکذیب کریگا۔ وہ زبان سے نہ کرے مگر اپنے عمل سے اسے سارے قرآن کی تکذیب کر دی۔ اور
 خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیا۔ اسی کی تائید میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے کہ انت خبی وانا نیک

بیشک میری تکذیب سے خدا تعالیٰ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور میرے اقرار سے خدا تعالیٰ کی تصدیق ہوتی اور اسکی ہستی پر قوی ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر میری تکذیب میری تکذیب نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہی۔ اب کوئی شخص اس سے پہلے کہ میری تکذیب اور انکار کے لئے جرات کرے۔ ذرا اپنے دل میں سوچے اور اس سے فتویٰ طلب کرے کہ وہ کس کی تکذیب کرتا ہے؟ میری تکذیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں تکذیب ہوتی ہے؟ اس طرح ہر کہ آپ نے جو وعدہ کیا تھا۔ کہ ہر صدی کے سر پر محمد آجیگا۔ وہ معاذ اللہ چھوٹا نکلا۔ اور پھر آپ نے جو امام کو منکر فرمایا تھا وہ بھی معاذ اللہ غلط ثابت ہوا۔ اور پھر آپ نے فیصلہ فتنہ کے وقت ایک مسیح و مہدی کے آنے کی بشارت دی تھی۔ وہ معاذ اللہ غلط نکلی۔ کیونکہ فتنہ تو موجود ہو گیا۔ لیکن وہ آنے والا امام نہ آیا۔ اب ان باتوں کو جب کوئی شخص تسلیم کریگا۔ تو کیا وہ عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کذب ٹھہریگا یا نہیں؟ پس میں پھر کھول کر کہتا ہوں۔ کہ میری تکذیب آسان امر نہیں ہے۔ جسے کافر کہنے سے پہلے خود کافر بننا ہوگا۔ مجھے بیدین اور گمراہ کہنے میں ویسے ہوگی۔ مگر پہلے اپنی گمراہی اور رو سیاہی کو مان لینا پڑیگا۔ مجھے قرآن اور حدیث کو چھوڑ دینے والا کہنے کے لئے پہلے خود قرآن اور حدیث کو چھوڑ دینا پڑیگا۔ میں قرآن اور حدیث کا مصدق و مصداق ہوں۔ میں گمراہ نہیں بلکہ مہدی ہوں۔ میں کافر نہیں بلکہ مہدی ہوں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں کافر نہیں بلکہ انا اول المؤمنین کا صبیح مصداق ہوں۔ اور یہ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے پڑھا کر کیا ہے کہ یہ بالکل سچ ہے۔ جس شخص کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پر بخیرۃ ایمان ہے اور وہ ان کو حق مانتا ہے۔ اس کے لئے یہی حجت کافی ہے۔ کہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے خاموش ہو جائے۔ لیکن جو شخص باوجود اسکے میری تکذیب و تکفیر میں دلیر اور بیباک ہے۔ اسکا کیا علاج؟ خدا تعالیٰ خود سے سمجھائیگا۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ خدا کے لئے اس امر پر غور کریں اور دوستوں کو بھی وصیت کریں۔ کہ وہ میرے معاملہ میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ نیک بنی اور خالی الذہن ہو کر سوچ لیں اور پھر خدا تعالیٰ سے اپنی ہمنوں میں دعائیں مانگیں کہ وہ اپنی حق کھولے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایک انسان تعصب اور عناد سے پاک ہو کر حق کے اظہار کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرے گا۔ تو ایک چمک نہ گزریگا۔ کہ اس پر حق کھل جائیگا۔ مگر سب سے ہی کم لوگ ہیں جو ان شرائط کے ساتھ خدا تعالیٰ سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور اس طرح پر اپنی کم سمجھی یا ضد و تعصب کی وجہ سے خدا کے ولی کا انکار کر کے

ایمان سلب کر لیتے ہیں۔ کیونکہ جب ولی پر ایمان نہ رہے تو ولی جو نبوت کے لئے بطور میخ کے ہے۔ اُس سے پھر نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ اور بنی کے انکار سے خدا کا انکار ہوتا ہے۔ اور اس طرح پر بالکل ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اسلئے اس وقت ضروری ہے۔ کہ خوب غور کر کے دیکھا جائے۔ کہ آیا عیسائی فتنہ موجود نہیں ہے جو مین کُل حَدِّبَ یَنْسِلُوْنَ (سورہ) کا مصداق ہو کر لاکھوں انسانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اور اُس نے مختلف طریق اپنی اشاعت کے بنار کھے ہیں۔ سب سے اب وقت ہے کہ اس سوال کا جواب دیا جائے۔ کہ اس فتنہ کی اصلاح کرنے والے کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا رکھا ہے؟ صلیب کا زور تو دن بدن بڑھ رہا ہے۔ اور عکبر بجگا اُسکی چھاو دیناں قائم ہوتی جا رہی ہیں۔ مختلف مشن قائم ہو کر دوسرا ممالک اور اقطار عالم میں پھیلنے جا رہے ہیں۔ اسلئے اگر اور کوئی بھی نبوت اور دلیل ایک مصلح کی ضرورت کی نہ ہوتی۔ تب بھی طبعی طور پر ہمیں ماننا پڑتا۔ کہ اس زمانہ میں ایک مصلح کی از حد ضرورت ہے۔ جو اس مناد کی آگ کو بجھائے۔ مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہر صورت ضروریات محسوسہ مشہودہ تک ہی نہیں رکھا۔ بلکہ اُس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و عزت کے اظہار کے لئے بہت سی پیشگوئیاں پہلے سے اس زمانہ کے لئے مقرر کر رکھی تھیں جن سے صاف طور پر پایا جاتا ہے۔ کہ اس وقت ایک مرد آئینہ الہی ہے جس کا نام مسیح موعود اور اس کا کام کسر صلیب ہے۔ موجودہ زمانہ کی علامات کو دیکھ کر ہر ایک سلیم الفطرت کو اتنا تو ماننا پڑے گا۔ کہ خبر اس تسلیم کے چارہ نہیں کہ کوئی مرد اسماعیلی آدمی اور اس کا کام اس وقت کسر صلیب ہی ہو۔ لیکن غور طلب یہ امر ہے۔ کہ یہ جو فرمایا گیا کہ کسر صلیب مسیح موعود کا کام ہو گا اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ لکڑی کی صلیبوں کو توڑتا پھرے گا؟ اگر ایسا ہو گا تو اس سے کیا فائدہ ہو گا؟ مگر ظاہر ہے۔ کہ لکڑی کی صلیبوں کو توڑنا کوئی عظیم الشان کام نہیں اور نہ ایسے فعل کا کوئی معتد بہ فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگر مسیح موعود لکڑی کی صلیبوں کو توڑ دے گا تو عیسائی لوگ سونے اور چاندی کی دیگر وصالتوں کی صلیبیں بنا لیتے۔ پھر اس فعل سے فائدہ کیا ہوگا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیرِ ید اور صلاح الدین وغیرہ بادشاہوں نے اپنے زمانہ میں بہت سی صلیبیں توڑی تھیں۔ تو کیا وہ اس ایک ہی امر سے مسیح موعود بن گئے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا کہ صلیبوں کے توڑنے سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ لکڑی کی صلیب جو بعض عیسائیوں نے محلے میں لٹکائی ہوتی ہے مسیح موعود توڑتا پھرے گا۔ بلکہ پیشگوئی کے اندر ایک حقیقت ہے۔ اور اس حقیقت کی تائید میں حدیث کا ایک اور لفظ یضع الحرب کا آیا ہے۔ یعنی یہ کہ مسیح موعود لڑائیوں کو اٹھا دیگا

اب ہمیں کوئی شخص یہ سمجھائے کہ ایک طرف تو مسیح موعود کا یہ کام ہے کہ وہ لڑائی کے سلسلہ کو یک دم
اٹھائے اور دین کے لئے لڑائی کا نام لینا حرام سمجھا جائے۔ اور دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ
وہ امن کا زمانہ ہوگا۔ اور اس وقت عادل سلطنت ہوگی جس سے حدیث شریف کے اس منشاء کو اور
بھی تقویت ہوتی ہے کہ اس وقت لڑائیاں حرام نہ ہوں گی۔ جب لڑائیاں ہوئیں گی تو یہ نہیں مگر ساتھ اسکے
صلیب کا توڑنا مسیح موعود کا کام ہوگا۔ تو اس سے بجز اسکے کہ ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہو کہ صلیب
توڑنے سے یہ لکڑی یا پتیل وغیرہ کی صلیبیں توڑنا اور نہیں بلکہ یہ لفظ ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ
کرتا ہے۔ اور وہ یہی ہے جو ہم لیکر آئے ہیں۔ یعنی عیسویت کے اصولوں کی بجلی کرنا۔ ہم نے صاف
طو پر اعلان کیا ہے کہ اس وقت جہاد حرام ہے۔ کیونکہ جیسے مسیح موعود کا کام کہ صلیب ہے۔ ویسا
ہی یضیع الحروب بھی اس کا کام ہے۔ اس لئے اس کام کی رعایت سے ہمارے لئے ضروری تھا کہ جہاد
حرام ہونے کا فتویٰ صادر کریں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس وقت دین کے نام سے تلوار یا ہتھیار اٹھانا
حرام اور سخت گناہ ہے۔ ہم کو ان وحشیوں سردیوں پر افسوس آتا ہے کہ وہ آئے دن جہاد کے نام سے
بعض اور انہیں کر کے جو دراصل اپنا پیٹ پالنے کے لئے کرتے ہیں۔ اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ اور امن
میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ ایک سچے مسلمان کو ان وحشیوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہئے
اب سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر یکسرا صلیب کے کیا معنی ہیں؟ توجہ سے سننا چاہئے کہ مسیح موعود
کی بعثت کا وقت غلبہ صلیب کے وقت ٹھہرایا گیا ہے۔ اور وہ صلیب کو توڑنے کے لئے آئیگا۔ جس کا
صاف مطلب یہ ہے کہ مسیح موعود کی آمد کی غرض عیسوی دین کا ابطال کلی ہوگا۔ اور حجۃ اور براہین
کے ساتھ جنگ و آسمانی تائیدات اور خوارق ام بھی قوی کر دینگے۔ صلیب پرستی کے مذہب کو باطل کر کے
دکھا دیگا۔ اور اس کا باطل ہونا دنیا پر روشن ہو جائیگا۔ اور لاکھوں رو میں اعتراف کر لینگے۔ کہ
فی الحقیقت عیسائی دین انسان کے لئے رحمت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری
ساری توجہ اس صلیب کی طرف لگی ہوئی ہے۔ اور اب صلیب کی شکست میں کیا کوئی کسر باقی
ہے؟ وفات مسیح کے مسئلہ نے ہی صلیبی مذہب کو پاش پاش کر دیا ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ
مسیح صلیب پر مر رہا نہیں بلکہ اپنی طبعی موت سے ملک کشمیر میں آکر مرا تو کوئی عقلمند نہیں بتائے
کہ اس انکشاف سے صلیبی مذہب کا کیا باقی رہتا ہے؟ اگر تعصب اور حسد نے بالکل ہی انسان کے
دل کو تاریک اور اسکی عقل کو ناقابل فیصلہ نہ بنا دیا ہو۔ تو ایک عیسائی کو بھی یہ اقرار کرنا پڑے گا
کہ اس مسئلہ سے عیسائی دین کا سارا تار و پود اودھڑ جاتا ہے (الحکم جلد ۷، ص ۷۷)۔

عمن یہ بات بالکل صاف ہے۔ کہ مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ اُسوقت بھیجے گا جب صلیب کا غلبہ ہوگا جس سے مراد یہ ہے۔ کہ صلیبی دین کا فتنہ بڑھ ہوگا۔ اسکی اشاعت اور توسیع کے لئے ہر ایک قسم کے جیلوں کام میں لایا جائیگا۔ اور دنیا میں وہ ظلم اور زور و جبر کا دوسرے لفظوں میں شرک اور مروجہ پرستی نام ہو سکتا ہے۔ پھیلایا جائیگا۔ اُس زمانہ میں اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھیجے گا۔ اُسکا کام یہی ہوگا کہ اس ظلم اور زور و دنیا کو پاک کرے۔ اور مروجہ پرستی اور صلیب پرستی کی لعنت سے دنیا کو بچائے۔ اسطرح پر وہ صلیب کو توڑیگا۔ بظاہر یہ تناقض معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے کاموں میں سے یضح الحرب بھی لکھا ہے۔ کہ وہ لڑائیاں نہ کریگا اور صلیب کے توڑنے میں لڑائیوں کی ضرورت ہے۔ یہ تناقض سطحی خیال کے آدمیوں کو نظر آتا ہے۔ اور ان کو جہنوں نے مسیح موعود کی آمد اور بعثت کی غرض کو ہرگز نہیں سمجھا۔ حالانکہ یضح الحرب کا لفظ ہی کسر صلیب کی حقیقت کو بتاتا ہے۔ کہ اس سے مراد جیسا کہ پینے ابھی بیان کیا ہے۔ لکڑی یا دوسری چیزوں کی صلیبوں کو توڑنا نہیں بلکہ صلیبی ملت کی شکست ہے۔ اور ملت کی شکست بیہ اور براہین سے ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لیجھاک من ہذاک عن بینہ اور ہر حال ہمارے مخالف علماء جو مخالفت میں اس قدر غلو کرتے ہیں۔ اگر ٹھنڈے دل سے اور خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا یقین رکھ کر ان باتوں کو سوچتے تو یقیناً اُن کو اس کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ کہ وہ میرے پیچھے ہو لیتے۔ وہ غور کرتے کہ صدی کا سر آگیا تھا بلکہ اس میں سو بھی انیس سال گزرنے کو آگئے ہیں اور صدی پر محمد کا آنا ضروری ہے۔ ورنہ اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے جب وہ نصائے کے فتنے پر نظر کرتے تو ان کو نظر آ جاتا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی آفت اور فتنہ اسلام کے لئے کبھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ بلکہ جب سے نبوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ ایسا خطرناک فتنہ کبھی نہیں اٹھا۔ فلسفیانہ رنگ میں الگ۔ طبی رنگ میں الگ مذہب اسلام پر زد ہے۔ ہر شخص جو کسی فن میں کسی علم میں کوئی دسترس رکھتا ہے وہ اُسی پہلو سے اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ مروجہ اور عورتیں واعظ ہیں تو وہ مختلف تدابیر سے اسلام سے بیزاری پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور عیسائیت کی طرف لوگوں کو مائل کرتے ہیں۔ شفاخانوں میں جاؤ۔ تو دیکھو گے۔ کہ دوا کے ساتھ عیسوی دین کا وعظ ضرور کیا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوا ہے۔ کہ بعض عورتیں یا بچے شفاخانہ میں علاج سے لئے داخل ہو گئے ہیں تو پھر ان کا پتہ اُسوقت تک نہیں ملا جب تک وہ عیسائی نہیں بنائے

گئے۔ عیسائی پادری سا دھوؤں کے رنگ میں دھنپ کر کے پھرتے ہیں عزم کوئی طریق و سوسہ انداز ہی کا ایسا نہیں جو اس قوم نے اختیار نہ کیا ہو۔ اب اگر علمائے اسلام کی اس فتنہ پر نگاہ ہوتی۔ تو ان کو ماننا پڑتا۔ کہ اس فتنہ کی اصلاح اور دفعہ کے لئے کوئی شخص خدا کی طرف سے ضرور آنا چاہیئے۔ مسلمانوں کی قرآن کریم کی طرف سے بے توجہی اور لاپرواہی پر نظر کرتے تو کہتے کہ انا للہ الحافظون کے وعدہ کے مطابق ضرور کوئی محافظ قرآن (سوقت) آنا چاہیئے تھا۔ پھر سلسلہ خلافت موسوی اور سلسلہ خلافت محمدی کی مشابہت پر نظر ہوتی تو انہیں ماننا پڑتا۔ کہ اسوقت چودھوی صدی میں ایک قائم الحلفاء ضرور آنا چاہیئے۔ اس طرح پر ایک نہیں بلکہ بہت سی باتیں تھیں جو ان لوگوں کی ہدایت اور رہبری کا موجب ہو سکتی تھیں مگر نفس پرستی اور تعصب اور حسد کی وجہ سے انہوں نے انہیں غور نہیں کی اور میری مخالفت اختیار کی۔ ان امور کا جو میں پیش کرتا ہوں وہی انکار کر سکتا ہے جو گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلتا۔ اور جھجھوں کے اندر ہی پرورش پاتا ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ ابھی تک کوئی فتنہ نہیں پڑا۔ تو میں اسے نہ صرف متعصب ہی سمجھتا ہوں بلکہ وہ بے ادب اور گستاخ ہے جس کے دل میں آنحضرتؐ کی عزت و تکریم کا ذرہ بھر خیال نہیں ہے مگر ایک عقل مند اور دین سے واقف شخص خوب سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے فتنہ کو کبھی خفیف نہیں سمجھا۔ اور درحقیقت یہ خفیف ہے بھی نہیں۔ میں اسی لئے بار بار اس امر پر زور دیتا ہوں کہ تمام لوگوں کو اس فتنہ عظیمہ کی اطلاع ہو جائے۔ جو عیسائیت نے ہر پا کر رکھا ہے۔ ان کا ایک ایک پرچہ کئی کئی لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر شائع ہوتا ہے۔ اب سوچو کہ وہ وسائل اشاعت و تبلیغ کے جو اب پیدا ہو گئے ہیں۔ پہلے کہاں تھے؟ اس سے پہلے رو اسلام میں ایک رسالہ سوقت الشیوع تو دکھاؤ حالانکہ اس صدی میں اگر ایسے رسالوں۔ احکامات اور کتابوں کو جو اسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں ایک جگہ جمع کرو۔ تو ان کا ایک بڑا اونچا ڈھیر کئی میل تک چلا جائیگا۔ بلکہ تین بلا سبالغ کہتا ہوں۔ کہ یہ اونچا ڈھیر دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی اونچائی سے بھی بڑھ جائے گا اور اگر انکو براہِ سطح پر رکھا جائے تو کئی میلوں تک ایک لمبی لائن بن جائے۔ صورت حال یہ ہے۔ کہ اسوقت اسلام شہیدانِ کربلا کی طرح دشمنوں کے زعفرین گھیرا ہوا ہے مگر تاہم ہمارے مخالف کہتے ہیں۔ کہ ابھی تک اسکی حمایت کے لئے کسی شخص کی ضرورت نہیں ہے۔ امنوس! ہم مجاہد کر کے وائے سے بات نہیں کرنا چاہتے اور ایسے شخص سے بحث کرنا بجز تفریح و اوقات اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں جو شخص طالبِ حق ہو۔ وہ ہمارے

پاس آئے اور کچھ عرصہ یہاں رہے تو ہم ہر طرح اسکی تسلی اور اچیلنا کر نیکو طیار بنیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ ہماری قوم میں پائے نہیں جاتے۔ مخالف چاہتے ہیں کہ مجادلہ کر کے دو چار منٹ میں اس کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ تو گو یا مذہبی قمار بازی ہوئی۔ اس طریق پر حق ہرگز نہیں کھل سکتا۔ آپ خود سوچیں کہ عیسائیت اسلام کو مغلوب کرنے کے لئے کس قدر زور لگا رہی ہو۔ کلکتہ کے بٹپے لندن میں جا کر جو تقریر کی ہے۔ اُس میں وہ کہتا ہے کہ کوئی آدمی گورنمنٹ انگلیشہ کا سچا خیر خواہ اور فادار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عیسائی نہ ہو۔ ایسی ایسی تقریریں اور بحثوں سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ لوگ تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے لئے کس طریق پر کوشش کرنی چاہتے ہیں۔ اور ان کی نیت کیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص مسلمان نہ رہ جائے۔ اور عیسائی پادریوں نے اس امر کے اعلان تسلیم کیا ہے کہ جس قدر اسلام ان کے راستہ میں رکاوٹ ہے اور کوئی مذہب انکی راہ میں روک نہیں مگر یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لئے غیور ہے۔ اُس نے سچا وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحاظون اس لئے اُس نے اس وعدہ کے موافق اپنے ذکر کی اس وقت بھی محافظت فرمائی اور مجھے مبعوث کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وعدہ کے مطابق کہ ہر صدی کے سر پر مجدد نے آنا ہے اُس نے مجھے صدی چہارم کا مجدد کیا جس کا نام کا سر الصلیب بھی رکھا۔ اگر بالفرض ہم اس وعی میں غلطی پر ہیں تو پھر نبوت کا سارا کاروبار ہی باطل ثابت ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب وعدے معاذ اللہ جھوٹے ٹھہریں گے۔ اور پھر سب بڑھکر عجیب بات یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ بھی جھوٹوں کی حمایت کر نہ لانا ثابت ہوگا۔ کیونکہ ہم اُس سے تائیدیں پاتے ہیں۔ اور انکی نصرتیں ہمارے شامل ہیں۔ اب ایک شخص کے دل میں بطور وسوسہ کے یہ اعتراض گذرتا ہے کہ میں آسمان سے اتر گیا۔ اور اُس کے ہاتھ میں ایک حربہ ہوگا۔ اور وہ دجال کو جس کے ہاتھ میں فساد کی ساری قوتیں ہوں گی اور اُس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ ہوگا۔ اگر قتل کر گیا۔ آسمان سے تو یہی اتر گیا۔ لیکن دمشق کے منارہ پر اگر سریر بھی کے بغیر نہ اتر گیا۔ اور دجال مردوں کو زندہ کر دینگا وغیرہ وغیرہ بہت سی ایسی ہی باتیں جو نزول المسیح کے متعلق ان لوگوں نے بنا رکھی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دجال کا نا ہوگا۔ مگر دجال اس یک چشم ہونے کے متعلق یہ نہیں کہہ سکیگا۔ کہ وہ اسلئے کا نا ہے کہ وعدہ لاشریک ہے۔ اور سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اب اگر ایک دانشمند ان باتوں پر غور کرے تو اُسے ضرور منہ ہی آئینگی۔ کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو کچھ

ہم نے پیش کیا ہے۔ وہ خیالی امور نہیں بلکہ یقینی باتیں ہیں۔ جس کے ساتھ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ ہیں اور ساتھ ہی ان کے تائیدات الہیہ ہیں جو شخص آج ان باتوں کو نہیں سمجھتا۔ وہ آخر ایک نہ ایک دن سمجھے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نور کو کوئی شخص سمجھا نہیں سکتا۔

خوب دیا ورکھو۔ کہ الفاظ کے معنے کرنے میں بعض لوگ بڑی غلطی کھاتے ہیں بعض الفاظ اپنے ظاہری معنوں پر دلالت کرتے ہیں اور بعض استعارات کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سب سے پہلے آپ کے لیے ہاتھوں والی بی بی فوت ہو گئی۔ تو آپ کے سامنے سب بی بیوں نے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیے۔ مگر آپ نے منہ نہ فرمایا لیکن جب حضرت سوڈہ کا سب سے پہلے انتقال ہو گیا۔ تو اس لفظ کے معنے ٹھکے۔ کہ لیے ہاتھوں والی بی بی سے مراد یہ تھی کہ جو سب زیادہ سخی تھی۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسی آیات موجود ہیں جس کے اگر ظاہری الفاظ کے طور پر معنے کئے جائیں تو کچھ بھی مطلب نہیں نکلتا۔ مثلاً جیسا کہ فرمایا۔ من کان فی هذه الاعیٰ فہو فی الاخرۃ اعمیٰ (سورہ) اب آپ وزیر آباد میں ہی حافظ عبدالمنان صاحب سے جو اس سلسلہ کا محنت دشمن ہو۔ دریافت کریں۔ کہ کیا اس آیت کا یہی مطلب ہو کہ جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے۔ وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھایا جائیگا یا اس کے ظاہری معنے مراد نہیں۔ بلکہ مطلب کچھ اور ہے۔ یقیناً اُسے بھی کہنا پڑیگا کہ بیشک اس کے یہ معنے نہیں ہیں۔ کہ ہر اندھا اور نابینا قیامت کو بھی اندھا اور نابینا اٹھے۔ بلکہ اُس سے مراد معرفت اور بصیرت کی نابینائی ہے۔ پس جب یہ بات ثابت ہو۔ کہ الفاظ میں استعارات بھی ہوتے ہیں۔ اور خصوصاً پیشگوئیوں میں تو پھر نزولِ مسیح کے متعلق پیشگوئیوں میں جو الفاظ آئے ہیں۔ انکو بالکل ظاہری معنوں پر ہی حل کر لینا کو سنی دانشمندی ہے۔ جو لوگ میری مخالفت کرتے ہیں۔ وہ ظاہر پرستی اور ظن سے کام لیتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ ان الظن لا یعنی من الحق شیئاً اور ان بعض الظن اثم۔ پس اگر بدظنی سے کام لیتے اور ہر لفظ کو ظاہری معنوں پر ہی حل کرتے ہیں۔ تو پھر نابینوں کو نجات سے جواب ہو گا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آنا۔ کہ یہ لوگ کیوں حق ایک ایسی بات پر زور دیتے ہیں جس کے لئے ان کے پاس کوئی یقینی ثبوت نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں کی زبان سے محض ناواقف ہیں۔ اگر واقف ہوتے تو سمجھتے۔ کہ پیشگوئیوں میں کس قدر استعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا۔ کہ آپ سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہیں۔ تو اس سے مراد آپ کی جھوٹے بنی تھے۔ پھر جب آپ کو گلابوں کا

فوج ہونا دکھایا گیا۔ تو اس سے آپ کی مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت تھی۔ اور یہ کوئی خاص بات نہیں بلکہ عام طور پر قانون الہی برپا اور پیشگوئیوں کے متعلق اس قسم کہے۔ مثلاً دیکھئے حضرت یوسفؑ کا رویا جو قرآن شریف میں ہے۔ کیا اس سے اہل سوچ چاند اور ستارے مراد تھے۔ یا عزیز مصر کی رعیت اور کھائیاں دکھائی گئی تھیں کیا اس سے نئے مواقع گائیں مراد تھیں یا کچھ اور۔ مدعا یہ کہ اس قسم کی ایک دو نہیں ہزار اہل ہزار شہادتیں ملتی ہیں۔ مگر تعجب کی بات یہ کہ نزول المسیح کے معاملہ میں یہ لوگ انکو بھول جاتے ہیں۔ اور ظاہر الفاظ پر دور و پہنچ لگ جاتے ہیں۔ ان معاملات میں اختلاف کی جڑ وہ ہی باتیں ہوتی ہیں کہ حجاز اور استعارہ کو چھوڑ کر کسی لفظ کو ظاہر چل کر لیا جائے اور جہاں ظاہر مراد ہو وہاں استعارہ قرار دیا جائے۔ اگر پیشگوئیوں میں حجاز اور استعارہ نہیں ہے تو پھر کسی نبی کی نبوت کا ثبوت بہت مشکل ہو جائیگا۔ یہودیوں کو یہی مشکل اور آفت تو پیش آئی۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ کی آمد کے متعلق ان کی کتابوں میں لکھا تھا۔ کہ اُسکے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے آئیگا چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی بڑی صراحت سے موجود ہے۔ یہودی اس پیشگوئی کے موافق منتظر تھے۔ کہ ایلیا آسمان سے آوے۔ لیکن جب مسیح آگیا۔ اور ایلیا آسمان سے نہ اُترا۔ تو وہ گھبرائے (الحکم جلد ۱ ص ۷۷)

اور ان کو یہ ابتلا پیش آگیا کہ مسیح کے آئنے سے پہلے ایلیا کا آسمان سے آنا ضروری ہے۔ اب انصاف شرط ہے۔ کہ اگر یہ مقدمہ کسی حج کے سامنے فیصلہ کے لئے پیش ہو۔ تو وہ بھی یہودیوں ہی کے حق میں ہوگی۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں یہ بات صاف طور پر لکھی ہوئی تھی کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے آئیگا۔ اور اس سے پہلے اس قسم کے بروز کی کوئی نظیر ان میں موجود نہ تھی۔ جیسا کہ مسیحؑ نے یوحنا کو ایلیا بنایا۔ اب اگرچہ ہم ان کی کتابوں کے بارہ میں یہی کہتے ہیں کہ فلا تصدقوا ولا تکذبوا۔ لیکن ساتھ ہی اسکے قرآن شریف میں آیا ہے فاستلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (سورہ) علاوہ یہی ایلیا کے اس قصہ کی قرآن شریف نے کسی جگہ تکذیب اور تردید نہیں کی۔ اور یہودی و عیسائی ہر دو اقوام بالاتفاق اسے صحیح مانتی ہیں۔ اگر یہ قصہ صحیح نہ ہوتا تو عیسائیوں کا حق تھا کہ وہ اس پر بول اٹھتے اور اسکی تکذیب کرتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر اس قصہ کو غلط کہا جائے۔ تو عیسائیوں کے لئے ان مشکلات سے بچات اور مخلصی ہے جو اسے صحیح مان کر انہیں پیش آتی ہیں۔ لیکن جبکہ انہوں نے کوئی تکذیب نہیں کی۔ اور اسے صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کہ ہم بلا وجہ اسکی تکذیب پر آمادہ ہوں۔ سچی بات یہی ہے۔ کہ

یہودیوں میں یہ صحیح خبر موجود تھی۔ کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے اترے گا۔ اسی لئے جب مسیح آگیا۔ تو وہ مشکلات میں پڑ گئے اور اسی لئے انہوں نے مسیح سے ایلیا کے بارہ میں سوال کیا اور مسیح نے بھی اُن کے اس اعتراض کو صحیح تسلیم کر کے یوحنا کی صورت میں اُسکا آنا تسلیم کر لیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ ہوتی تو سب سے پہلے مسیح کا یہ حق تھا کہ وہ بجائے اسکے کہ یہ کہتا کہ یوحنا ہی آئیں والا ایلیا ہے۔ یوں جواب دیدیتا۔ کہ کوئی ایلیا آنے والا نہیں ہے۔ مسیح نے اگر اس پیشگوئی کو تسلیم نہ کیا ہوتا۔ تو وہ یوحنا کی شکل میں ایلیا کو نہ اُتارتے۔ یہ چھوٹی اور معمولی سی بات نہیں حضرت مسیح کا یہودیوں کے اس اعتراض کو مان کر اسکا جواب دینا بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ بجائے خود اس امر کو صحیح اور یقینی سمجھتے تھے۔ یہودیوں کا یہ عذر بہر حال قلیل پذیرائی تھا اور مسیح نے بھی اُسکو قبول کر کے یہی جواب دیا کہ آنے والا ایلیا یوحنا ہی ہے چاہے تو اُسے قبول کرے یا رو کر دے۔ اب اگر استعارات کچھ چیز نہیں اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں یہ جزو اعظم نہیں ہے تو پھر جس طرح یہودیوں نے حضرت مسیح کی اس تاویل کو تسلیم نہ کیا۔ مسلمان بھی اس سے انکار کریں کہ مسیح کا یہ فیصلہ صحیح نہیں تھا۔ کیونکہ یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ کہ ایلیا والے قصہ کی مسلمان تو تکذیب کر سہیں سکتے۔ کیونکہ قرآن شریف نے کہیں اسکی تکذیب نہیں کی۔ اور پھر اسکی تکذیب کے اول مفقار تو حضرت مسیح اور اُن کے متبعین ہو سکتے ہیں۔ جبکہ یہ بات مان لی جائے کہ استعارات کوئی چیز نہیں اور ہر پیشگوئی لازماً اپنے ظاہری الفاظ کے مطابق ہی پوری ہوتی ہو تو پھر یہودیوں کی طرح اُن کو بھی گویا یہ ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت مسیح ابھی تک نہیں آئے اور جب مسیح کے آنے کا بھی انکار نہ ہوا۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے بھی انکار کرنا پڑا۔ اور اس طرح پر اسلام پر اسلام ہاتھ سے جاتا ہے۔ اسی لئے میں بار بار اس امر پر زور دیتا ہوں۔ کہ میری تکذیب سے اسلام کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اس صورت میں ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ ایلیا کے آسمان سے دوبارہ آنے کے قصہ کے رنگ میں مسیح کی آمد ثانی ہے۔ اور اُن کا فیصلہ ایلیا کی دوبارہ آنے کی تشریح میں گریبا حقیقت کو رٹ کا فیصلہ ہے۔ جو شخص اسکے خلاف کہتا ہے وہ نامراد رہتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ نے دوبارہ خود مانا تھا۔ تو صاف فرما دیتے۔ کہ میں خود ہی آؤنگا۔ یہودی قوم کا یہی تو بھاری اعتراض تھا کہ اگر ایلیا کا مثیل آنا تھا۔ تو کیوں خدا تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا۔ کہ ایلیا کا مثیل آئیگا۔ عرض ایلیا کے آسمان سے نزول کی تشریح بزبان حضرت مسیح پر اگر ایک دانشمند تقویٰ سے غور کرے تو اسے صاف طور پر سمجھ میں آجائیگا کہ کسی شخص کے دوبارہ آنے سے مراد خدا تعالیٰ

کی پیشگوئیوں میں کیا مراد ہوتی ہے اور وہ کس رنگ میں دوبارہ آیا کرتا ہے۔ وہ شخص اگر بحث کریں اور ان میں سے ایک تو اپنی تائید میں نظیر پیش کرے مگر دوسرا کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتا تو آپ بتائیں کہ ان میں سے کس شخص بات قبول کرنے کے لائق ہے یہی ماننا پڑے گا۔ کہ قابل قبول اسی شخص کی بات ہے۔ جو دلائل کے علاوہ اپنی تائید میں نظیر بھی بطور ثبوت پیش کرتا ہے۔ اب ہم تو اپنی تائید میں ایلیا کے دوبارہ آسمان سے نزول کے مقدمہ کا فیصلہ جسے خود حضرت مسیح نے اپنے منہ سے کیا بطور نظیر پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے مخالف اگر اپنی بات میں سچے ہیں تو دو چار ایسے شخصوں کی نظیریں پیش کریں جو آسمان سے دوبارہ نازل ہوئے ہوں۔ کیونکہ سچ کی تائید میں کوئی نہ کوئی نظیر موجود ہوتی ہے۔ ہمارے اور ہمارے مخالفین کے اس مقدمہ میں تنقیح طلب یہی امر ہے۔ کہ آیا جب کسی شخص کے دوبارہ نزول کا وعدہ ہو تو اس سے اسی شخص کا بنانا دوبارہ آنا مراد ہوتا ہے۔ یا اس کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور اسکی آمد ثانی سے یہ مراد ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا شخص اسکا مثیل آئیگا۔ اگر اس تنقیح طلب امر میں انکا دعویٰ سچا ہے۔ کہ دوبارہ نزول سے مراد اسی شخص کا بنانا ہوتا ہے۔ تو پھر حضرت مسیح پر جو الزام یہود کی طرف سے عائد ہوتا ہے۔ اسے دور کر کے دکھائیں۔ یعنی یہ کہ اول ان کا یہ فیصلہ فراست صحیح سے نہیں ہوا۔ اور دوسرا یہ کہ ایلیا کے دوبارہ دوبارہ نہ آنے سے معاذ اللہ وہ جھوٹے بتی ہیں۔ کیونکہ جب ایلیا ہی آسمان سے دوبارہ نہیں آیا تو مسیح کہاں سے آگیا۔ اس صورت میں فیصلہ یہود کے حق میں صادر ہوگا۔ ورنہ ہمارے مخالف مدلولی اس بات کا جواب تو دیکر دکھائیں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ ساری مصیبت ان پر اسی ایک امر کے نہ ماننے سے آتی ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کہ وہ کلام الہی میں استعارہ نہیں مانتے۔ ورنہ سچا اور حق فیصلہ وہی ہے جو حضرت مسیح نے دیا ہے۔ کہ ایلیا کے دوبارہ آنے سے مراد اسکی خواہ طبعیت پر کسے مثیل کے آنے سے تھی۔ اس فیصلہ کے خلاف ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ مشرق میں پھر خود مغرب میں۔ اور اسکی نظیر تلاش کرو۔ کہ دوبارہ آنے والا خدہی آیا کرتا ہے۔ تو ہرگز تم اسکی نظیر کہیں بھی نہ پاؤ گے۔ اگر ایسے اعتقاد کو دل میں جا دو گے۔ تو نتیجہ وہی ہوگا۔ کہ اسلام کا حق سے جائیگا۔ حضرت مسیح کو بھی یہودیوں نے اسی وجہ سے جھوٹا قرار دیا۔ کیا ہمارے مخالف مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ اسکو جھوٹا قرار دیں؟ پھر ایک اور اعتراض اسی قصہ کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر مسیح موعود کو زندہ کرتے تھے یا وہ قدیم اور قریب میں ان میں موجود تھیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہوئی۔ کہ

انہوں نے ایلیا کو زندہ نہ کر لیا یا آسمان سے یہ اختیار خود نہ اُتار لیا۔ اسلئے میرے مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے میرے مخالفوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قضیہ کو صاف کر لیں جو کہ مسیح کو پیش آیا اور جس کا فیصلہ خود حضرت مسیح نے میرے حق میں کیا ہے۔

بات یہ ہے کہ بہت سی باتیں پیشگوئیوں کے طور پر انبیاء کی معرفت لوگوں کو پہنچتی ہیں۔ اور جب تک کہ پیشگوئیاں اپنے وقت پر ظاہر نہ ہوں، انکی بابت کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ لیکن جب اُن کا ظہور ہوتا ہے تو اصل حقیقت کھل جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ غلام پیشگوئی کا یہ مفہوم اور منشاء تھا۔ اور جو شخص اُس کا مصداق ہو یا جس کے حق میں ہو۔ اُسکو اُسکا علم دیا جاتا ہے جس طرح فقیہ اور فریسی برابر ایلیا کے دوبارہ آنے کا قصہ پڑھتے رہتے تھے۔ اور نہایت شوق کے ساتھ اُسکا انتظار کرتے رہے۔ لیکن اُسکی حقیقت اور صہیت کا علم اُن کو اُسوقت تک عطا نہ ہوا۔ جب تک کہ خود آنے والا مسیح جس کے آئینہ کا وہ نشان تھا۔ نہ گیا۔ پس یہ علم حضرت مسیح کو ملا اور اُس نے اگر فیصلہ کر دیا کہ ایلیا کی دوبارہ آمد سے مراد فلان تھی۔ اسی طرح حضرت یعقوب ۴ حضرت یوسف ۴ کے فراق میں چالیس سال تک روتے رہے۔ آخر جب جاگرا پکو خبر ملی تو اپنے فرمایا اِنی لاجل یمح یوسف ورناس سے پہلے آپکا یہ حال ہوا۔ کہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ و ابیضت عیناک تک لوبت پہنچ گئی تھی۔ اسی کے متعلق کسی نے کیا اچھا کہا ہے کہ کسے پر سیدناں گم کردہ فرزند ہر کہ ایو روشن گھر پیر خود مند۔ زمعشرش بوسہ میرا بن شمیمی ہجر اور بچاہ کنعانش زیری۔

یہ بہرہ وہ باتیں نہیں ہیں بلکہ جیسے نبوت کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔ یہی قانون چلا آیا ہے قبل از وقت ابتلا ضرر دے آتے ہیں۔ تاکہ کچھوں اور کچھوں میں امتیاز ہو۔ اور مومنوں اور منافقوں میں بتیں فرق نمودار ہو۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اَحْسِبِ النَّاسَ أَنْ يَمُرُّوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ دہ پارہ ۱ لوگ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ صرف آنا ہی کہنے پر سچا ہے یا چاہیں کہ ہم ایمان لائے اور اُن کا کوئی امتحان نہ ہو یہ کبھی نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں بھی امتحان اور آزمائش کا سلسلہ موجود ہے۔ جب دنیوی نظام میں یہ نظیر موجود ہے تو روحانی عالم میں یہ کیوں نہ ہو؟ بغیر امتحان اور آزمائش کے حقیقت نہیں کھلتی۔ آزمائش کے لفظ سے یہ دھوکا کبھی نہ کھانا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو جو عالم الغیب اور یعلم السور الخفی ہے کسی کے امتحان یا آزمائش کی ضرورت ہے۔ اور بدوین امتحان اور آزمائش کے اُسکو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا خیال کرنا نہ صرف غلطی بلکہ کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفات کا انکار لازم آتا ہے۔ امتحان یا آزمائش سے اصل غرض یہ ہوتی ہے

کہ تحقیق مخفیہ کا اظہار ہو جائے۔ اور شخص زیر امتحان پر انکی حقیقت ایمان منکشف ہو کر اسے معلوم ہو جائے۔ کہ وہ کہا تک استدعا لے کے ساتھ صدق۔ اخلاص اور وفا رکھتا ہے۔ اور ایسا ہی دوسرے لوگوں کو انکی خوبیوں پر اطلاع ملے پس یہ خیال باطل ہے۔ اگر کوئی کرے۔ کہ استدعا لے جو کسی کا امتحان کرنا ہے تو اس سے پایا جاتا ہے کہ اسے علم نہیں۔ بلکہ اسکو قوضہ ذرہ کا علم ہے لیکن یہ ضروری ہے۔ کہ ایک آدمی کی ایمانی کیفیتوں کے اظہار کے لئے اسپر ابتلا آویں اور وہ امتحان کی چکی میں پیسا جائے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ ہر بلا کیں قوم باحق دادہ است۔ زیر آں گنج کرم بہادہ است۔ ابتلاؤں اور امتحانوں کا انما ضروری ہے۔ بغیر اسکے کشف حقائق نہیں ہوتا۔ یہودی قوم کے لئے مسیح کی آمد کا ابتلا بہت ہی بڑا تھا۔ اور جب کبھی بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور آتا ہے۔ ضرور ہے۔ کہ وہ ابتلاؤں کو لیکر آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی قرأت میں مثل کوئی عالمی موجود ہے۔ لیکن کیا کہنے والے یہ نہیں کہتے۔ کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے پورا نام لہ کر نہ بتا دیا اور سارا پتہ نہ دیدیا۔ کہ وہ عبد اللہ کے گھوش آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہو گا۔ اور اساعلیٰ سلسلہ میں ہو گا۔ بلکہ ان باتوں کی بجائے تیرے بھائیوں کا لفظ کیوں کہنا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ اگر ایسی ہی صراحت سے بتا دیا جاتا۔ تو پھر ایمان ایمان نہ رہتا۔ دیکھو اگر ایک شخص پہلی رات کا چاند دیکھ کر بتا ہے۔ تو وہ تیز نظر کہلاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چودھویں کا چاند دیکھ کر کہے۔ کہ میں نے بھی چاند دیکھ لیا ہے۔ تو کیا اسپر لوگ سنہی نہ کرینگے۔ یہی حال خدا تعالیٰ کے رسولوں اور پیلوں کی شناخت کے وقت ہوتا ہے۔ جو لوگ قرآن قویہ سے شناخت کر لیتے اور ایمان لے آتے ہیں۔ وہ اول المؤمنین ٹھہرتے ہیں۔ ان کے علاج اور مراتب بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کا صدق آفتاب کی طرح کھل جاتا ہے۔ اور انکی ترقی کا دیر پا نہ نکلتا ہے۔ تو چھپانے والے عوام الناس کہلاتے ہیں پس جب خدا تعالیٰ کا ہمیشہ سے ایک قانون سلسلہ نبوت کے متعلق چلا آتا ہے اور اس کے اپنے ماموروں کے ساتھ یہی سنت ہے۔ تو میں اس سے الگ کیونکر ہو سکتا ہوں۔ اس لئے اگر ان لوگوں کے دلوں میں خلل اور منہ نہیں تو میری بات سنیں اور میرے پیچھے ہولیں۔ پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ انکو تائیدی میں چھوڑتا ہے یا نور کی طرف لیجاتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ جو شخص صبر اور صدق دل سے میرے پیچھے آتا ہے۔ وہ ہلاک نہ کیا جائیگا۔ بلکہ وہ اسی زندگی سے حصہ لیکر جسکو کبھی فنا نہیں۔ اس قدر لوگ جو میرے ساتھ ہیں اور جواب اسوقت موجود ہیں۔ کیا ان میں سے ایک بھی ہے۔ جو یہ کہے۔ کہ اسنے کوئی نشان نہیں دیکھا؟ ایک نہیں سینکڑوں نشان خدا تعالیٰ نے دکھائے ہیں سکر نشانات پر ایمان کا حصر کرنا ٹھوکر کھانا

موجب ہو جایا کرتا ہے جس شخص کا دل صاف ہے اور اُس میں خدائرسی ہے۔ میں اُسکے سامنے کسی کے دوبارہ آنے کے متعلق حضرت مسیح مہدی کا فیصلہ پیش کرتا ہوں۔ وہ مجھے سمجھا دے۔ کہ یہودیوں کے اس سوال کے جواب میں کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا کا دوبارہ آنا ضروری ہے۔ جو کچھ حضرت مسیح نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہودی تو اپنی کتاب پیش کرتے تھے۔ کہ ملاکی بنی کے صحیفہ میں ایلیا کا دوبارہ آنا لکھا ہے۔ مثیل ایلیا کا کہیں کر نہیں مگر حضرت مسیح یہ کہتے ہیں۔ کہ آنے والا یہی یوحنا ہے۔ چاہو۔ تو قبول کرو۔ اب کسی منصف کے سامنے یہ مقدمہ رکھو اور دیکھو کہ ڈگری کس کو دیتا ہے؟ وہ یقیناً یہودیوں کے حق میں فیصلہ دیگا۔ مگر ایک مومن جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرستادے کس طرح آتے ہیں وہ یقین کر لیگا۔ کہ حضرت مسیح نے جو کچھ کہا اور کیا۔ وہی صحیح اور درست ہے۔ اب اسوقت وہی معاملہ ہے یا کچھ اور؟ اگر کسی شخص کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف ہو تو اُس کا بدن کانپ جائے۔ یہ کہنے کی جرأت کرتے ہوئے کہ میرا دعویٰ جھوٹا ہے۔ افسوس اور حسرت کی جگہ ہے۔ کہ ان لوگوں میں اتنا ہی ایمان نہیں جتنا کہ اُس شخص کا تھا۔ جو فرعون کی قوم میں سے تھا۔ اور جس نے کہا کہ اگر یہ کاذب ہو تو خود ہلاک ہو جائے گا میری نسبت اگر تقویٰ سے کام لیا جاتا۔ تو اتنا ہی کہیدتی اور دیکھتے۔ کہ کیا خدا تعالیٰ میری تائید میں اور نصرت میں کر رہے ہیں یا میرے سلسلہ کو مٹا رہے ہیں۔ میری مخالفت میں ان لوگوں نے قرآن شریف کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ میں قرآن شریف پیش کرتا ہوں۔ اور یہ اُسکے مقابلہ میں احادیث کو پیش کرتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے۔ کہ احادیث اس درجہ پر نہیں ہیں جو قرآن شریف کا درجہ ہے۔ اور نہ ہم احادیث کو کلام الہی کا درجہ دے سکتے ہیں احادیث تیسرے درجہ پر ہیں اور بالاتفاق مانی ہوئی بات یہ ہے۔ کہ وہ ظن کے لئے مفید ہیں۔ ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔

اصل میں تین چیزیں ہیں قرآن۔ سنت اور احادیث۔ قرآن خدا تعالیٰ کی پاک وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اور سنت وہ اسوہ حسنہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی الہی کے موافق قائم کر کے دکھا دیا۔ قرآن اور سنت یہ دونوں رسول اللہ کے کام تھے کہ ان کو لوگوں تک پہنچا دیا جائے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ جب تک احادیث جمع نہیں ہوئیں تبیں اتنا تک یہ بھی شعاث اسلام کی بجائے آوری برائے ہوتی رہی ہے۔ اب دھوکا یہ لگا ہے۔ کہ یہ لوگ احادیث کو اور سنت کو ایک کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک چیز نہیں ہیں۔ پس احادیث کو جب تک قرآن اور سنت کے معیار پر پرکھ نہ لیں ہم کسی درجہ پر رکھ نہیں سکتے۔ لیکن یہ ہمارا مذہب ہے کہ ادنیٰ اسے ادنیٰ مذہب

بھی جو اصول حدیث کے رو سے کیسی ہی کمزور اور ضعیف ہو۔ لیکن قرآن یا سنت کے خلاف نہ ہو تو وہ واجب العمل ہے۔ مگر ہمارے مخالف یہ کہتے ہیں کہ نہیں محدثین کے اصول تنقید کی رو سے جو صحیح ثابت ہو۔ خواہ وہ خود قرآن اور سنت کی کیسی ہی مخالف ہو۔ اسکو مان لینا چاہیئے۔ اب عقل مند غور کریں اور خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر فکر کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ ان کے یا میرے ہیں خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو مقدم کرتا ہوں اور یہ ان لوگوں کی باتوں اور خیالی اصولوں کو مقدم کرتے ہیں۔ جنہوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ کہ یہ اصول تنقید احادیث کے ہم نے خدا تعالیٰ کی وحی اور الہام سے قائم کئے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ احادیث کے لئے قرآن اور سنت کے علاوہ کوئی معیار ہے۔ جو محض اپنی دانش اور عقل سے قائم کیا گیا ہے۔ تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ سنیوں کی پیش کردہ احادیث یا شیعوں کی پیش کردہ احادیث صحیح نہ مانی جائیں۔ کیوں ایک فریق دوسرے کی احادیث کو رد کرتا ہے؟ اسکا جواب ہمیں کوئی شخص کچھ بھی نہیں دیتا۔ ان ساری باتوں سے بڑھ کر ایک احادیث یہ ہے۔ کہ مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں یہ اقرار کیا ہے۔ کہ جو لوگ اہل کشف ہوتے ہیں وہ احادیث کی صحت کے لئے محدثین کے اصول تنقید احادیث کے پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ بعض اوقات ایک صحیح حدیث کو ضعیف ٹھہرا سکتے ہیں۔ یا ضعیف کو صحیح۔ کیونکہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اطلاع پا رہے ہیں۔ جب یہ بات ہو۔ تو پھر سچ موعود جو حکم ہو کر آئیگا۔ کیا اسکو یہ حق نہ ہوگا۔ کہ وہ احادیث کی صحت اس طریق پر کر سکے۔ کیا وہ خدا تعالیٰ سے فیض نہ پاسکیگا۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے محروم ہوگا۔ اگر اسکو یہ قدرت نہ ہوگی۔ تو پھر بتاؤ۔ کہ ایسا حکم کس کلام اور مصنف کا ہوگا۔ اسلئے احادیث کو جب تک لوگ غلط کرنے لگیں تو اس امر کو کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ قرآن اور سنت سے اسکو الگ کر لیا جائے ہمارے منہ میں حافظہ ہدایت علی صاحب ایک عہدہ دار تھے۔ مجھے اکثر ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ایک بار انہوں نے کہا کہ وہ ان کتابوں کو جن میں مسیح اور عہدی کے ذکر ہے دیکھ ہی نہیں تھے۔ ان میں ہزاروں نشانیاں قائم کر رکھی ہیں۔ چونکہ یہ ساری نشانیاں تو پوری ہونے سے ہیں اسلئے ان کو اندیشہ ہے کہ اسوقت جھگڑا ہی پڑیگا۔ یہ لوگ اس وقت تک ماننے سے رہے۔ جب تک وہ ساری نشانیاں پوری نہ ہوئیں اور وہ نشان یکدم پورے ہونے سے ہے۔ حقیقت میں اُنکی فراست صحیح نکلی۔ اور اسوقت وہی ہوا۔ اور ہمارا انکا رہی کیا گیا۔

اصل بات یہی ہے۔ کہ جس کو سینے ہارے بیان کیا ہے۔ کہ پیشگو یوں کا بہت بڑا حصہ مجازات اور استعارات کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ ظاہری رنگ میں بھی پورا ہوتا ہے۔ اور یہی ہمیشہ سے قانون چلا آیا ہے۔ اس سے ہم تو انکار نہیں کر سکتے۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اگر ساری حدیثیں پوری ہوتی ہیں۔ یعنی جو سنہوں کی ہیں وہ بھی۔ اور جو شیعوں کی ہیں وہ بھی علیٰ ہذا القیاس تمام فرقوں کی۔ تو یقیناً یاد رکھو۔ کہ پھر نہ بھی مسیح ہی اُسکا۔ اور نہ مہدی۔ دیکھو میری ضرورت سے زیادہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تھی۔ جب آپؐ تشریف لائے تو بتاؤ کہ کیا اس وقت سب لوگوں نے آپؐ کو تسلیم کر لیا تھا؟ اور کیا وہ سارے نشانات جو تورات یا انجیل میں آپؐ کے لئے رکھے گئے تھے پورے ہو گئے تھے؟ خدا کے واسطے سوچکر جواب دو۔ اگر وہ ساری حدیثیں جو ان میں چلی آئی تھیں۔ اور وہ ساری نشانیاں جو انکی کتابوں میں پائی جاتی تھیں پوری ہو گئی تھیں۔ تو پھر یہودیوں کو کیا ہو گیا تھا جو انہوں نے آپؐ کا انکار کر دیا۔ یاد رکھو۔ کہ کبھی ساری نشانیاں پوری نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ان میں ایسی بہت سی ہوتی ہیں۔ جو خود بخود بکری جاتی ہیں۔ اور بہت سی ایسی ہوتی ہیں جنکا مطلب اور مقہوم کچھ اور ہوتا ہے۔ جبکہ سب راستبازوں کا اُن کے زمانہ میں انکار کیا گیا۔ اور یہی عذر پیش کیا گیا۔ کہ نشانات پورے نہیں ہوئے۔ تو اس وقت اگر میرا انکار کیا گیا تو اسی سنت پر ان لوگوں نے قدم مارا ہے۔ میں کسی کی زبان انکار تو بند نہیں کر سکتا مگر میں یہ کہتا ہوں۔ کہ وہ میرے عذرات کو سن کر جواب دیں۔ یہ بھی باتیں بنانا تو تقوے کے طریق کے خلاف ہے۔ مغضیہ نبوت پر اس سلسلہ کو آزمائیں۔ اور پھر دیکھیں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ خیالی اصولوں اور تجویزوں سے کچھ نہیں بنتا۔ اور نہ میں اپنی تصدیق خیالی باتوں سے کرتا ہوں۔ بلکہ میں اپنے دعوے کو عقلی حجت کے معیار پر پیش کرتا ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اسی اصول پر اسکی نیچائی کی آزمائش نہ کی جائے۔ جو لوگ دل کھولکر میری باتیں سنیں گے۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ وہ فائدہ اٹھائیں گے۔ اور مان لیں گے۔ لیکن جو لوگ دل میں بخل اور کینہ رکھتے ہیں۔ اُن کو میری باتیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گی۔ اُن کی تو اصول کی سی مثال ہے۔ جو ایک کے دودھ دیکھتا ہے۔ اور اُسکو غورہ کتنے ہی دلائل دیئے جائیں کہ وہ نہیں ایک ہی ہے وہ ہرگز تسلیم نہیں کریگا۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص کا احوال غمگناک تھا۔ آٹا نہ اُسے کہا۔ کہ اندر سے آئینہ لے آؤ۔ وہ اندر گیا اور واپس آکر کہنے لگا۔ کہ اندر تو وہ آئینہ پڑ سے ہیں۔ کو نسلے آؤں آٹا نہ جواب دیا۔ کہ ایک ہی ہے وہ نہیں۔ اس پر احوال کہنے لگا۔ تو کیا وہ جھٹا ہے آٹا نہ کہا۔ کہ اچھا ایک آئینہ کو توڑ دے۔ جب وہ توڑ دیا گیا۔ تو اسے معلوم ہوا۔ کہ فی الحقیقت

اُسکی اپنی غلطی تھی۔ اسی طرح میں اب اُن احوال کو جو میرے مقابل پر ہیں۔ کیا جواب دوں؟۔
 غرض ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بار بار اگر کچھ پیش کرتے ہیں تو احادیث کا ایک ذخیرہ۔ جسے خود وہ
 ظن کے درجہ سے آگے نہیں بڑھاتے۔ اُن کو معلوم نہیں کہ ایک وقت آئیگا۔ کہ اُن کے رطب و
 یابس امور پر لوگ مہی اُڑائینگے۔ یہ ہر ایک طالب حق کا حق ہے کہ وہ ہم سے ہمارے دعویٰ کا ثبوت
 طلب کرے۔ اور اُسکے لئے ہم وہی پیش کرتے ہیں جو نبیوں نے پیش کیا۔ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ
 عقلی دلائل یعنی موجودہ دمانہ کی ضروریات جو ایک مصلح کے لئے مستعدی ہیں۔ پھر وہ نشانات جو خدا تعالیٰ
 نے میرے ماتھے پر ظاہر کئے ہیں نے ایک نقشہ مرتب کر دیا ہے جس میں ڈیڑھ سو کے قریب نشانات
 دیئے ہیں جنکے کو وہ ایک نوح سے کوڑوں انسان ہیں۔ یہ نہی یہودہ بابتیں پیش کرنا سعادت مند کا کام
 نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے مسیح موعود کے بارہ میں فرمایا تھا کہ وہ حکم ہو کر آئیگا
 اُسکا فیصلہ منظور کرو جن لوگوں کے دلوں میں شرارت ہوتی ہے وہ چونکہ ماننا نہیں چاہتے۔ اس لئے
 یہودہ جنتیں اور اعتراض پیش کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ آخر خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق
 دور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کرے گا۔ میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اگر میں آخر کرتا۔ تو وہ مجھ کو فی الفور
 ہلاک کر دیتا۔ مگر چونکہ میرا سارا کاروبار اُس کا اپنا کاروبار ہے اور میں اُسی کی طرف سے آیا ہوں۔
 میری تکذیب اُسکی تکذیب ہے۔ اسلئے وہ خود میری سچائی ظاہر کرے گا۔ جو لوگ بیشک کوئیوں کی حقیقت
 کو نہ سمجھ کر حجاز اور استعارہ کو ظاہر پر چل کرنا چاہتے ہیں۔ آخر اُن کو انکار کرنا پڑتا ہے۔ جیسے یہودیوں کو
 یہی مصیبت پیش آئی۔ اور اب عیسائیوں کو آ رہی ہے۔ اور اُسکی آمد ثانی کے متعلق اُن میں سے
 اکثر یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ اُس سے مراد کلیسیا ہی تھی۔ سائے کے سائے نشانات۔ عوام کو خیال
 کے موافق کبھی پورے نہیں بنوا کرتے۔ اور اگر ایسا ہوتا۔ کہ سائے ہی اُن کے خیالات کے مطابق
 پورے ہو جایا کرتے تو پھر انبیاء کے وقت اختلاف اور انکاریوں ہوتا؟ یہودیوں سے دریافت
 کرو۔ کہ کیا وہ اس بات کو مانتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح کے وقت سائے نشانات پورے ہو چکے
 تھے؟ نہیں ہرگز نہیں؟ یاد رکھو۔ قانون قدرت اور سنت اللہ اس معاملہ میں یہی ہے۔ جو
 میں پیش کرتا ہوں۔ ولن تجد لسن اللہ تبدیلا دوسرہ۔

انسانی خیالات انسانی تاویلات اور قیاسات بالکل صحیح اور قطعی یقینی نہیں ہو سکتے۔ اُن میں
 غلطی کا احتمال ہے۔ ایک امر کے واقع ہونے سے پہلے جو رائے قائم کی جائے اُس پر قطعیت کا حکم
 نہیں لگا سکتے۔ لیکن جب وقت آجاتا ہے۔ تو سائے پر دے کھل جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ

آئے والے مسیح موعود کا نام حکم رکھا گیا جس سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ اُسکے دماغ میں اختلاف عام ہوگا۔ اسی لئے تو اسکا نام حکم رکھا گیا۔ پس سچی بات وہی ہو سکتی ہے جو حکم کے منہ سے نکلے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے کہ انبیا الایح موعود فوان کی طرف توجہ کریگا۔ کیونکہ حدیث کو تو لوگوں کا ہاتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ مگر قرآن شریف خدا تعالیٰ کا لا تبدیل کلام ہے۔ اسپر کسی انسانی دماغ نے کوئی کام نہیں کیا۔ اب جبکہ خدا تعالیٰ کا کلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور جو پہلا اور بعدی سچہ تھا۔ اسکو پیش کیا جاتا ہے۔ تو اُسکے مقابل دیگر اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ تعجب اور افسوس کی بات نہیں؟ میں آپس دریافت کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ خدا کے فضل سے سمجھدار اور فہیم معلوم ہوتے ہیں۔ کہ حدیث کا وہ مرتبہ ہو سکتا ہے جو قرآن شریف کا ہر اور اگر حدیث کا وہی مرتبہ ہے جو قرآن شریف کا ہے۔ تو پھر لغو و بابت ماننا پڑیگا۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرض ادا نہ کیا۔ کیونکہ قرآن شریف کی حفاظت کا اہتمام تو آپ نے کیا۔ لیکن حدیث کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہ کیا اور نہ اپنے سامنے کبھی حدیث کو لکھوایا۔ کیا کوئی مسلمان یہ بات کہنے کے لئے تیار ہو سکتا ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرض رسالت ادا نہ کیا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ایسا کہنا اور خیال کرنا ایک مسلمان کا کام تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کسی بڑے بیدین اور ملحد کا ہی ہو سکتا ہے۔ پھر سوچکر دیکھو۔ کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کو اپنے سامنے مرتب کر دیا۔ یا قرآن شریف کو؟ صاف ظاہر ہے کہ صرف قرآن شریف کی ہی حضور نے اپنے بعد چھوڑا۔ کیونکہ تعلیم صرف قرآن ہی تھا۔ ہاں یہ سچ ہے۔ کہ آپ نے اپنی سنت کو بھی قرآن شریف کے ساتھ ہی رکھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ انبیاء وہی باتیں لیکر آتے ہیں۔ ایک کتاب دو متر سنت۔ حدیث ان دونوں سے الگ شے ہے۔ اور یہ ہر دو حدیث کی محتاج نہیں ہیں۔ ہاں ہم یہ مانتے ہیں کہ ادا کرنے درجہ کی حدیث پر بھی عمل کر لینا چاہیے۔ خواہ وہ محدثین کے نزدیک موضوع ہی ہو۔ لیکن قرآن اور سنت کے خلاف نہ ہو۔ ہم تو یہاں تک حدیث کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن اسکو قرآن شریف پر قاضی اور حکم نہیں بنا سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں تم میں حدیث کو چھوڑتا ہوں۔ بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا۔ کہ کتاب اللہ چھوڑتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ۔ مگر یہ نہ کہا۔ کہ حدیث کافی ہے۔ اب کتاب اللہ کو کھولکر دیکھ لو۔ وہ کیا فیصلہ کرتی ہے؟ پہلی ہی سورت کو پڑھو جس کا نام سورہ فاتحہ ہے۔ اور جس کے بغیر

نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ اُس میں کیا تعلیم دی ہے اھنا الصراط المستقیم صراط الذین
 انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ ان آیات میں مغضوب اور
 ضالین کی راہ سے بچنے کی دُعا سکھائی گئی ہے۔ مغضوب سے بالاتفاق یہودی مراد ہیں اور
 ضالین سے عیسائی۔ اگر اس امت میں یہ فتنہ اور فساد پیدا ہو تو اللہ نہ تھا۔ تو پھر اس دعا کی تعلیم
 کی کیا غرض تھی؟ سب سے بڑا فتنہ تو الدجال کا تھا۔ مگر ان آیات میں یہ نہیں فرمایا۔ ولا
 الدجال کیا خدا تعالیٰ کو اس فتنہ کی خبر نہ تھی؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ دُعا بڑی پیشگوئی پر اندر
 رکھتی ہے کہ ایک وقت اس امت پر ایسا آنے والا تھا کہ یہودیّت کا رنگ اُس میں آجائیگا۔ اور
 یہودی وہ قوم تھی جس نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا۔ پس یہاں جو فرمایا۔ کہ یہودیوں سے بچنے
 کی دُعا کیا کرو۔ اس کا یہی مدعا تھا۔ کہ تم بھی یہودی نہ بن جانا۔ یعنی مسیح موعود کا انکار نہ کر بیٹھنا۔
 اور ضالین یعنی نصاریٰ کی راہ سے بچنے کی دُعا جو تعلیم فرمائی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود
 کے وقت صلیبی فتنہ خطرناک ہوگا۔ اور یہی سب فتنوں کی جڑ اور ماں ہوگا۔ وصال کا فتنہ اس سے
 الگ ہوگا۔ ورنہ اگر وہ الگ ہوتا۔ تو ضرور تھا۔ کہ اس دُعا میں اُس کا نام بھی لیا جاتا۔ اب تم جا کر
 عیسائیوں کے مشنوں اور ان کے گرجوں کی طرف دیکھو کہ کیا یہ فتنہ اسلام کے لئے خطرناک ہے
 یا نہیں؟ جیسا اسی طرح قرآن شریف کو غور سے پڑھو۔ اور سوچو کہ کیا اُس نے یہ وعدہ کیا ہے یا نہیں؟
 کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَکَ لَخَافِظُونَ (سورہ) اور پھر آیت اختلاف میں ایک
 قائم الخلفاء کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس لئے ان سب امور کو یکجا ئی نظر سے اس طرح پر دیکھو۔ اول
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم نے تورات کی پیشگوئی کے مطابق مثیل موسیٰ تسلیم کیا ہے
 اس مماثلت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ جس طرح پر موسیٰ خلفاء کا سلسلہ قائم ہوا۔ اسی طرح
 پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک سلسلہ خلافت قائم ہو۔ اگر اور کوئی بھی دلیل کے
 لئے نہ ہو۔ تب بھی یہ مماثلت بالطبع اس بات کو چاہتی ہے۔ کہ اس امت میں بھی ایک سلسلہ خلفاء کا
 ہو۔ دوم۔ اہمہ اختلاف میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر ایک سلسلہ خلافت امت محمدیہ
 میں قائم کر دیا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس سلسلہ کو پہلے سلسلہ خلافت کے ہر رنگ قرار دیا جیسا کہ
 فرمایا کَمَا اسْتَخْلَفَ الدِّینَ مِنْ قَبْلُکُمْ اب اس وعدہ اختلاف کے مطابق اور اس کی
 مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا۔ کہ جیسے موسیٰ سلسلہ خلافت کا قائم الخلفاء مسیح تھا۔ اسی طرح
 سلسلہ محمدیہ کے خلفاء کا قائم بھی ایک مسیح ہی ہو۔ سوّم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

فرمایا کہ اِنَّا مَكْمُومٌ مِّنْكُمْ تَمَّ میں سے تمہارا امام ہوگا۔ چہا دم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے یہ بھی فرمایا۔ کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد و تجدید دین کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اسلئے ضروری تھا
 کہ اس صدی کا مجدد بھی کوئی ہو۔ اور مجدد کا کام اصلاح فسادات موجودہ ہوتا ہے۔ پس جو فتنہ و فساد
 موجودہ زمانہ میں سب سے بڑھ کر ہے وہ عیسویت کا فتنہ ہے۔ اسلئے ضروری تھا۔ کہ اس صدی کا جو
 مجدد ہو۔ وہ کا سر السلب ہو جس کا دوسرا نام مسیح موعود ہی۔ پیغم۔ موسوی خلافت کی مماثلت
 کے لحاظ سے بھی سلسلہ تحریک کے خاتم الخلفاء کا چودہویں صدی میں ہی ہونا ضروری تھا کیونکہ حضرت
 موسیٰ ۴ کے بعد چودہویں صدی میں حضرت مسیح آئے تھے۔ ششم۔ جو علامات مسیح موعود کی مقرر
 تھیں ان میں سے اس وقت تک بہت سی پوری ہو چکی ہیں۔ جیسے ماہ رمضان میں کسوف و خسوف
 کا ہونا جو دو مرتبہ ہو گیا۔ حج کا بندہ نہ نافذ السنین ستارہ کا نکلتا۔ طاعون کا پھوٹنا۔ بیلوں کا جزاء
 اونٹوں کا بیکار ہونا وغیرہ۔ ہفتم۔ سودہ فاتحہ کی دعا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آئینہ الا اس
 امت میں سے ہوگا۔ عن حق ایک وہ نہیں۔ صد لائل اس امر پر ہیں۔ کہ آنے والا اسی امت
 میں سے آنا چاہئے۔ اور اُسکے آئینہ کا یہی وقت ہے۔ اب خدا تعالیٰ کے الہام اور وحی سے میں کہتا
 ہوں۔ کہ وہ جو آنے والا تھا وہ میں ہوں۔ قدیم سے خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت پر جو طریق ثبوت کا
 رکھا ہوا ہے وہ مجھ سے جس کا حی چاہے۔ لے لے۔ جو نشانات میری تائید میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اُن کو
 دیکھ لو۔ مجھے افسوس آتا ہے جب میں ان مخالفوں کی حالت پر نظر کرتا ہوں۔ کہ جن انوکھ لوگ بطور
 نشان پیش کیا کرتے تھے۔ اب جب وہ پورے ہو گئے ہیں۔ تو اُن کی صحت پر اعتراض کرنے لگے۔
 مثلاً کسوف و خسوف والی پیشگوئی کو اب کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں۔ مگر کوئی ان سے پوچھے کہ جس
 پیشگوئی کو خدا تعالیٰ نے صحیح ثابت کر دیا۔ وہ اب اُن کے ایسا کہہ دینے سے جھوٹی ہو جائیگی؟
 ہرگز نہیں افسوس تو یہ ہے کہ ایسا کہتے ہوئے اُن کو شرم نہیں آتی۔ کہ اس سے وہ مسیح موعود کی تکذیب
 نہیں کرتے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں۔ میری تصدیق اور تائید کے
 لئے ایک کسوف و خسوف ہی نہیں بلکہ ہزار لائل و شواہد اور ہیں۔ اور اگر ایک بھی ہو۔ تو کچھ بگڑنا
 نہیں۔ مگر اس سے یہ تو پایا جائیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی غلط نکلی۔ افسوس! یہ
 لوگ میری مخالفت میں سید الصادقین کی پیشگوئی کو ہی باطل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس
 پیشگوئی کو بڑے زور سے پیش کرتے ہیں۔ کہ یہ ہمارے آقا کی صداقت کا نشان ہے۔ پس حدیث
 جس کو تم ظن کی سیابھی سے لکھتے تھے۔ وائے! اسکی صداقت کو یقین تک پہنچا دیا۔ اب اس ہی

انکار کرنا ہے ایمانی اور لعنت ہے۔ موضوع احادیث میں کیا حدیث یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم نے چور کپڑا لیا؟
 نہیں۔ بلکہ یہی کہتے ہیں۔ کہ کسی راوی کا حافظہ درست نہیں۔ یا اُسکے راستباز ہونے میں کلام ہے۔ مگر
 محوین نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہوا ہے۔ کہ ایک حدیث اگر ضعیف بھی ہو۔ مگر اُسکی پیشگوئی پوری
 ہو جائے۔ تو وہ صحیح ہوتی ہے۔ پھر اس معیار پر کوئی شخص کیونکر یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کہ یہ
 حدیث صحیح نہیں۔ پس یاد رکھو۔ کہ آنے والا یا تو نصوص صریحہ سے پرکھا جاتا ہے۔ جو اُسکی تائید کرتی
 ہیں۔ اور پھر عقل چونکہ بدون نظیر کچھ نہیں مان سکتی۔ اسلئے عقلی نظائر اُسکے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور ان
 سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی تائیدیں اُسکے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور اگر کسی شخص کو کوئی شک و شبہ ہو
 تو وہ میرے مقابل پر آئے اور اُن طریقوں سے جو منہاج نبوت پر ہیں میری سچائی کا ثبوت مجھ سے
 لے۔ میں اگر جھوٹا ہوں گا۔ تو بھاگ جاؤں گا۔ مگر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انیس برس سے پہلے یہ فرمایا
 يَنْصُرَكَ اللَّهُ فِي هَؤُلَاءِ۔ پس جس طرح بنیوں اور رسولوں کو پرکھا گیا مجھے بھی پرکھ لو۔ اور
 میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس معیار پر تجھے صادق پاؤں گے۔ یہ باتیں مینے مختصر طور پر کہی ہیں۔ ان پر
 غور کرو۔ اور خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگو۔ وہ قادر ہے کوئی راہ کھول دیگا۔ اُسکی تائید اور نصرت
 صادق ہی کو ملتی ہے (الحکم جلد ۷ نمبر ۷)۔

۱۹۰۱ء۔ میرزا یار بیگ صاحب کلانوری نے حضرت مسیح موعودؑ سے دریافت کیا
 کہ آپ کے امریکہ کے مفتری الیاس ڈاکٹر ڈوئی کے نام جو کھلی چٹھی روانہ فرمائی ہے۔ اُس میں ایک فقرہ تھا
 کہ میں خدا سے ہوں اور مسیحؑ مجھ سے ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے اس کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے
 فرمایا: ”مسیحؑ مجھ سے ہے۔“ اس کے یہ معنی ہیں کہ مسیحؑ کی صداقت مجھ سے ثابت ہوئی۔ اور اس لحاظ سے
 مسیح کا بننا جنم ہوا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۷)۔

۱۰۔ سید عبد اللہ صاحب عرب نے حضرت مسیح موعودؑ سے سوال کیا۔ کہ وہ
 اپنے ملک عرب میں واپس جاتے ہیں۔ وہ اُن لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟
 حضرت مسیح موعودؑ ۴۔ مصدقین کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

سید عبد اللہ صاحب عرب۔ وہ لوگ حضور کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔ اور اُن کو
 تبلیغ نہیں ہوئی؟

حضرت مسیح موعودؑ اُن کو پہلے تبلیغ کر دینا پھر یا وہ مصدق ہو جائیں گے یا کذب۔
 سید عبد اللہ صاحب عرب۔ ہمارے ملک کے لوگ بہت سخت ہیں اور ہماری قوم شیعہ ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ تم خدا کے نبی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کا معاملہ صاف ہو جائے اللہ تعالیٰ آپ اس کا متولی اور تکفل ہو جائے۔

عام گفتگو دوبارہ مذاہب کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”اے جملہ تمام مذاہب کے لوگ جوش میں ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اب ساری دنیا میں مذہب عیسوی پھیل جائیگا۔ برہمن کہتے ہیں کہ ساری دنیا میں برہمنوں کا مذہب پھیل جائیگا اور آریہ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب سب پر غالب آ جائیگا۔ مگر یہ سب جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں۔ اب دنیا میں اسلام کا مذہب پھیلیگا اور باقی سب مذاہب اس کے سامنے ذلیل اور حقیر ہو جائیں گے۔“

جو بات ہماری سمجھ میں آئے یا کوئی مشکل پیش آوے۔ تو ہمارا طریق یہ ہے۔ کہ ہم تمام فکر کو چھوڑ کر صرف دعائیں اور تفریح میں مصروف ہو جاتے ہیں تب وہ بات حل جاتی ہے۔

امسوس ہے کہ لوگ جوش اور سرگرمی کے ساتھ قرآن شریف کی طرف توجہ نہیں کرتے جیسا کہ دنیا دار اپنی دنیا داری پر یا ایک شاعر اپنا شعار چڑھ کر کرتے۔ ویسا بھی قرآن شریف پر غور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ میں ایک شاعر تھا اسکا ایک دیوان ہے اور اسنے ایک دفعہ ایک مصرعہ کہا ”صبا شرمندہ مے گردو بہ روغی گل نگہ کردن۔ مگر دوسرا مصرعہ اسکو نہ آیا دوسرے مصرعہ کی تلاش میں برابر چھ مہینے سرگرداں و حیران پھرتا رہا تا آخر ایک دن ایک بزاز کی دکان پر کپڑا خریدنے گیا۔ بزاز نے کسی تھکان کپڑوں کے ٹکالے پر اسکو کوئی پسند نہ کیا۔ آخر بغیر کچھ خریدنے کے جب اٹھ کھڑا ہوا۔ تو بزاز ناراض ہوا۔ اور کہا کہ تمنے اتنے تھکان کھلوائے اور بیفائدہ تکلیف دی۔ اسپر اسکو دوسرا مصرعہ سوچ گیا۔ اور اپنا شعر اس طرح پڑا ”صبا شرمندہ مے گردو بروئے گل نگہ کردن۔“ کہ خست غمخ را و اگر دو توانست نہ کردن۔ جس قدر محنت اسنے ایک مصرعہ کے لئے اٹھائی۔ اتنی محنت اب لوگ ایک آیت قرآنی کے سمجھنے کے لئے نہیں اٹھاتے۔ قرآن شریف جو اہرات کی ٹھیلی ہے۔ او لوگ اس سے بے خبر ہیں ”والعلم جلدہ“

بہی بخش بٹالوی کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں ہوا۔ کہ اُسنے مصلح ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ اور ایک اجناز نکالنے کا ارادہ کیا ہے۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”بعض لوگ انبیاء اور مرسلین من اللہ کی کامیابیوں کو دیکھ کر یہ خیال کر لیتے ہیں۔ کہ شاید ان لوگوں کی کامیابی بہ سبب اُنہی لفاظیوں اور قوت بیانوں اور فصاحتوں اور بلاغتوں کے ہے۔ آؤ ہم بھی ایسا ہی کریں۔ اور اپنا سلسلہ جاریں مگر وہ لوگ غلطی کھاتے ہیں۔ انبیاء کی کامیابی بہ سبب اُس تعلق کے ہوتی ہے۔ جو

اُن کا خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ آدم سے لیکر آج تک کسی کو تقویٰ کے سوا فتح نہیں ہوئی۔ فتح کی گنجی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ فتح صرف اُسی کو ہو سکتی ہے جس کا بحر تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ تقویٰ کا پودہ قائم ہو جائے۔ تو اُسکے ساتھ زمین و آسمان اُلٹ سکتے ہیں۔“

مسلمانوں پر افسوس ہے۔ کہ انہوں نے یہ تو مان لیا۔ کہ آخری زمانہ میں مسلمان بیہود کی مانند ہو جائیں گے مگر یہ نہ مانا۔ کہ آخری زمانہ کا مسیح بھی انہیں میں سے ہو گا۔ گویا اُن کے نزدیک اُمت محمدیہ میں صرف شر ہی رہ گیا ہے۔ اور خیر کچھ بھی نہیں۔“

کسی شخص نے مجلس میں ذکر کیا۔ کہ بنی بخت بٹالوی کہتا ہے۔ کہ مولوی عبدالکریم صاحب اپنی خطبوں میں مرزا صاحب کے متعلق بڑا غلو کرتے ہیں اور اُسی پر مرزا صاحب نے یہ سمجھ لیا۔ کہ اُن کا دھڑ بڑا ہوا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :-

”براہین احمدیہ کے زمانہ میں مولوی عبدالکریم صاحب کہاں تھے۔ اُس میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ اور انت بمنزلہ توحیدی و تقریبی اور تیرا مخالف جہنم میں گر گیا وغیرہ۔ مولوی عبدالکریم صاحب اُسکے مقابل میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔“

”انبیاء کے کلام میں الفاظ کم ہوتے ہیں۔ اور معانی بہت۔“

”جس قدر وعائیں ہماری قبول ہو چکی ہیں وہ پانچ ہزار سے کسی صورت میں کم نہیں۔“

”شیطان نے آدم کو مارنے کا منصوبہ کیا تھا۔ اور اُس کا استیصال چاہا تھا۔ پھر شیطان نے خدا تعالیٰ سے مہلت چاہی اور اُس کو دی گئی۔ الی وقت المعلوم یہ سب اس مہلت کے کسی بنی نے اُس کو قتل نہ کیا۔ اُسکے قتل کا وقت ایک ہی مقرر تھا۔ کہ وہ مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے قتل ہو۔ اب تک وہ ڈاکوؤں کی طرح پھرتا رہا۔ لیکن اب اُسکی ہلاکت کا وقت آ گیا ہے۔ اب تک اختیار کی قلت اور شرار کی کثرت تھی۔ لیکن شیطان ہلاک ہو گا اور اختیار کی کثرت ہو گی اور شرار چھوڑے گا۔ بھاریوں کی طرح ذلیل بطور نمونہ کے باقی رہ جائیگا۔“

”اعمال و تقسیم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو بہشت و دوزخ کی امید و بیم سے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو طبعی جوش سے ہوتے ہیں۔ وہ باتیں مسلمانوں میں طبعی جوش کے طور پر اب تک موجود ہیں۔ ایک سور کے گوشت کی حرمت خواہ مسلمان کیسی ہی فاسق ہو۔ سور کے گوشت پر ضرور غیرت کھا گیا۔ اور دوسرے حرمین شریفین کی عزت۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کسی قوم کو یہ بُرائت نہیں ہو سکتی۔ کہ حرمین پر

کاٹھ ڈالنے کی ویلے کرے۔“

مجلس مسیح موعود میں اس بات کا ذکر ہوا۔ کہ بچری لوگ شیطان کے ویرے کے منکر ہیں اسے منکر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”انسان کو اپنی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ احق بالامن مہی لوگ ہیں۔ جو خدا تم کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کی مامیت اور حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے ہیں۔ اب دیکھو۔ چار بڑی چیزیں غیر مرئی بیان ہوئی ہیں۔ خدا۔ ملائکت۔ ارواح۔ شیطان یہ چاروں چیزیں لایدرک ہیں پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ان میں سے خدا تعالیٰ اور روح کو تو مان لیا جائے۔ اور ملائک اور شیطان کا انکار کیا جائے۔ اس انکار کا نتیجہ رفتہ رفتہ حشر جیسا کہ انکار اور الہام کا انکار اور خدا تعالیٰ کا انکار ہوگا اور ہوتا ہے۔ بسا مرتبہ انسان نیکی کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر اسے جذبات کہاں کے کہاں لیجاتی ہیں اور باوجود عقل اور سمجھ کے بے اختیار سادہ کفر فسق و فجور میں گرتا ہے۔ یکشاکش کیا ہے۔ خدا تم نے انسان کو اس مسافر خانہ میں بڑے بڑے نوے کے ساتھ بھیجا ہے۔ چاہیے۔ کہ یہ سب اُن کے کام لے۔“

حشر جیسا کہ جو لوگ تعجب کرتے ہیں اُن سے یہ سوال کرنا چاہیے۔ کہ پہلی پیدائش میں جبکہ خدا تعالیٰ نے نطفہ سے انسان بنایا۔ کونسی آسانی تھی کہ وہ تو ہو گیا۔ مگر دوسری پیدائش میں اُس کے ساتھ کونسی مشکل ہوگی۔ جو خدا تعالیٰ نہ کر سکے گا۔“

”انسان کو چاہئے کہ تمام دنیا کو کالعدم سمجھے۔ نہ کسی کی تعریف سے خوش ہو اور نہ کسی کی جھوٹے غلین ہو۔ درکار طالب ہو اور اُس کو میں کی طرح ہو جائے جس میں مصفا پانی بھرا ہو۔ ایک ایسا نکتہ اُس کے دل میں آجائے۔ کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی اُس کا نہ رہے۔ تب اُس وقت یہ جانے کہ آج اُسکی زندگی کا پہلا دن ہے۔“

”خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت جس کا ذکر وہ غائے سورہ فاتحہ میں ہے۔ کہ الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم رحمن سے مراد وہ خدا تعالیٰ ہے جو ایسے لوگوں کو مطلب پر پہنچا دیتا ہے۔ جسکے لئے کوئی سبب نہ ہو۔ وہ شخص جو چاروں طرف سے بالکل ناامید ہو گیا ہے۔ وہ جو اپنی ذمہ داریوں میں بالکل بیکار نکلا ہے۔ وہ جو بکلی یاس میں ہو۔ اُس کا کام بنانے والا رحمن ہو وہ جسکی کشتی ٹوٹ گئی ہے۔ اور وسط دریا میں گرا پڑا ہے۔ اور اُس کا کوئی ساتھی نہیں جو اسے بچا دے۔ اور اُسکے ماتھے اور پاؤں نہیں کہ وہ دوسرا قدم اُگے کہ اسے۔ کون ہے جو اسے بچا دے۔ ایسے حالات میں وہ صرف خدا تعالیٰ کی رحمانیت کے رحم سے ہی بچ سکتا ہے۔“

”دسمبر کے اخیر سحیح اجاب کے واسطے امتحان تجویز ہوا ہے، اسکو لوگ معمولی بات خیال نہ کریں اور کوئی شخص اسے معمولی عذر سے نہ ٹال دے۔ یہ ایک بڑی عظیم الشان بات ہے۔ اور چاہئے کہ لوگ اس کے لئے خاص طور پر طیارہ میں لگ جائیں (الحکم جلد ۵ ص ۳۷۵)۔

۱۹ ستمبر ۱۹۷۰ء۔ حافظ عبدالرحمان صاحب سید انجمن حمایت الاسلام گوجرانوالہ ساکن ٹہلہ جو ایک لمبی بیماری کے بعد چھوٹے چھوٹے بچے اور بیوہ چھوڑ کر وفات پا گئے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے انکی نماز جنازہ پڑھ کر ان کے خاندانی حالات مسکروایا: ”کیا اچھا ہوتا۔ اگر کوئی فنڈ ہماری جماعت ایسا قائم کرے جس سے ضعیف اور بیمار کی ضرورت کے وقت دستگیری ہو سکے حقیقت میں یہ بڑی ضرورت ہے اس طرف توجہ کرنی چاہیے (الحکم جلد ۵ ص ۳۷۵)۔

۱۲ ستمبر ۱۹۷۰ء۔ اسلام کی موجودہ حالت خود بتا رہی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کوئی سلسلہ ایسا قائم کرے جو اسکو ان مشکلات سے بچات دے۔ دیرک اور دشمنان انسان کے لئے کیا یہ امر کافی نہیں ہے۔ کہ جب زمین پر طیارہ ہے تو آسمان پر کوئی طیارہ نہ ہوگی؟ کیا مخالفوں نے اسلام کے نیست و نابود کرنے میں کوئی کمی چھوڑی ہے؟ سپاہیوں کی طرف دیکھو۔ کہ انہوں نے کس قدر زور لگایا ہے۔ اور ان لوگوں کے کیا ارادے ہیں۔ اور ان کے نزدیک وہ امن جس کو یہ امن قرار دیتے ہیں۔ اسی وقت ہی قائم ہو سکتا ہے جبکہ اسلام کا استیصال ہو جائے۔ جو شخص قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا سچا بنی مانتا ہے۔ اسے سمجھنا چاہئے۔ کہ خدا تعالیٰ نے جو یہ وعدہ کیا تھا کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحاظون دیارہ (کیا وہ اس وقت ان بجا حملوں کے قطع اور فرو کرنے کے لئے اس صدی کے سر پر اپنی سنت قدیمہ کے موافق کوئی آسمانی سلسلہ قائم نہ کرنا؟ اور پھر قرآن شریف میں جبکہ یہ صاف طور پر فرما دیا ہے کہ اِنَّ مَعَ الْعِزِّ لُيُسْرًا (دیارہ) تو کیا ضروری نہ تھا۔ کہ ان تنگیوں کی جن میں آج اسلام مبتلا ہے۔ انتہا ہوتی؟ اور ٹیسر کی حالت پیدا ہو جاتی۔ بیشک ضرور تھا۔ چنانچہ اُسے ایسا ہی کیا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان پر غور کرنے سے صاف طور پر سمجھ میں آ جاتا ہے۔ کہ اس مصیبت اور تنگی کے وقت ضرور آسمان پر ایک سامان ہو چکا ہے۔ اور طیارہ ہو ہی ہوگا۔ اور وہ وقت قریب ہے۔ کہ اسلام اپنی اصلی حالت اور صورت میں نمایاں ہو۔ اور ملل باطلہ تباہ ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کی سنت قدیم میں سے یہ امر بھی ہے۔ کہ وہ کسی امر کو ظاہر نہیں فرماتا جب تک کہ اس کا وقت نہ آجائے۔ مگر اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ تخم ریزی ہو رہی ہے۔ اندرونی مصائب ہی کو

دیکھو۔ کہ وہ کیا رنگ لار ہے ہیں۔ مسلمانوں میں وحدت نہیں رہی جو ہر ایک قسم کی کامیابی کا اصل الاصول ہے۔ خواجہ شیعہ الگ ہیں۔ حنبلی شافعی۔ مالکی۔ حنفی الگ ہیں۔ صوفیوں اور مشائخ میں الگ الگ تفرق شروع ہے۔ جیسا کہ حشقی۔ نقشبندی۔ سہروردی۔ قادری وغیرہ۔ ان فرقوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان فرقوں میں سے ہر ایک بجائے خود یہ خیال کرتا ہے۔ اور کرتا ہوگا۔ کہ اب اُسی کا فرقہ کامیاب ہو جائیگا۔ اور باقی سب کا نام و نشان مٹ جائیگا۔ حنفی کہتے ہونگے۔ کہ سب حنفی ہی ہو جائیں گے۔ رافضیوں کے نزدیک ابھی رفض ہی کا زمانہ ہوگا۔ وجودی کہتے ہونگے کہ سب وجودی ہی ہو جائیں گے۔ اصل میں یہ سب جھوٹے ہیں کیونکہ یہ باتیں خدا تعالیٰ سے استنباح کر کے ڈنہیں کی جاتی ہیں۔ بلکہ اپنے ذاتی اور سطحی خیالات ہیں۔ کوئی شخص خدا تعالیٰ کے ارادہ تک نہیں پہنچا۔ خدا تعالیٰ کے ارادے وہی ہیں جو قرآن شریف سے ثابت ہیں۔ جو ظلم ہونف کتاب اللہ پر اندرونی یا بیرونی طور پر کیا گیا ہے۔ جو فرقہ اس ظلم کا انتقام لینے والا اور کتاب اللہ کے جلال اور عظمت کو ظاہر کرے والا ہوگا وہی خدا تعالیٰ سے تائید پائیگا۔ اور اُسی کی کامیابی خدا تعالیٰ کے حضور سے معقد ہے۔ جو اس ظلم کی اصلاح کرے گا۔ خواہ اُس فرقہ کا کوئی نام ہو۔ اگر وہ فرقہ دین کے لئے غیرت رکھتا اور کتاب اللہ کی عزت کے لئے اپنے سنگ و نام کو کھوتا ہے۔ تو اس وقت ایک لذت اور بصیرت کے ساتھ خود بخود روشن ہو جائیگا۔ کہ یہی خدا تعالیٰ سے مدد یافتہ ہے۔ جو کچھ خدا اس زمانہ میں پھیلا رہا ہے۔ اُسکی بابت کچھ نہ پوچھئے۔ بہت سے چور اور ڈاکو ملکر لقب زنی کر رہے ہیں۔ اور ایک خطرناک سازش اسلام اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کے خلاف کی جا رہی ہے۔ مگر یہاں کچھ فکر ہی نہیں۔ اندرونی مقاصد نے مخالفوں کو موقعہ دیدیا ہے۔ کہ وہ متاع اسلام کے لوٹ لینے میں دلیر ہو جائیں۔ میری رائے میں اندرونی مقاصد میں سے بہت کچھ حصہ تو علماء کے باعث سے پیدا ہوا ہے۔ اور کچھ حصہ اُن لوگوں کی غلطیوں کا ہے۔ جو اپنے آپکو موعود کہتے ہیں اور اُنہوں نے نری خشک لغالٹیوں کا نام اسلام رکھ چھوڑا ہے اور ذرا بھی آگے نہیں بڑھتے۔ اُنہوں نے فیصلہ کر رکھا ہے جیسا کہ علیائیوں اور باطل پرستوں نے مان رکھا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی طاقیتیں پیچھے رہ گئی ہیں۔ اور آگے نہیں ہیں۔ گویا جو کچھ اُن کے ہاتھ میں ہے وہ مڑے تھکے اور کہانیاں ہی ہیں۔ جنہیں حقیقت کی روح اور زندگی کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہو۔ کہ اُنہوں نے اسلام کا یہ مغز اور خلاصہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ کہ صرف قصوں کی پیروی کرو۔ اور کچھ نہیں۔ جس قدر یہ ظلم اسلام پر کیا گیا ہے۔ اُسکی نظیر

اپنے رنگ میں بہت ہی کم ملیگی۔ کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب تھا۔ اور ہے جو ہر زمانہ میں زندہ مذہب کہلا سکتا ہے۔ کیونکہ اسکے نشاناتِ مُردہ مذاہب کی طرح کبھی نہیں دکھتے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ مگر ان خشک موصدوں نے اسکو بھی مُردہ مذاہب کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ اسکے انوار و برکات کو ایک وقت خاص تک محدود کر دیا۔ ابندا میں جب اس وقت نے سر نکالا۔ تو بعض طبیعت رسا والے بھی انکے پاس آتے تھے۔ مگر یہ کسی کو خیال پیدا نہ ہوا کہ ان کا تعلق تو پُر تپل کر کے دیکھے۔ کہ ان کے پاس ہو کیا؟ جب خوب غور اور فکر سے ان کی تلاشی لی گئی۔ تو آخر یہی نکلا۔ کہ انکے پاس بجز رُفع یرین یا آئین بالچہر یا سینہ پر ہاتھ باندھنے کے اور ایسی ہی چند جزئی باتوں کے اور کچھ نہیں۔ اور وہ اسی پر زور دیتے رہے کہ مثلاً امام کے پیچھے فاتحہ ضرور پڑھنی چاہئے۔ قطع نظر اسکی کہ اسکے معانی پر اطلاع ہو یا نہ ہو۔ محمد حسین قریباً بیس برس تک اپنے رسائل میں انہیں مسائل پر زور دیتا رہا۔ لیکن باہل بھی نکلا۔ کہ اس پر گوئی میں کوئی روحانیت نہیں ہے۔ اور آخر ان تیز زبانوں کی مُنہ دوزی آئمہ اربعہ کی تحقیق و تذلیل تک نہ تھی ہوتی ہے۔

میری رائے میں آئمہ اربعہ ایک سر برکت کا نشان تھے۔ اور ان میں روحانیت تھی۔ کیونکہ روحانیت تقویٰ سے شروع ہوتی ہے اور وہ لوگ و تحقیقت متقی تھے۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ اور ان کے دل کلاب الدنیا سے مناسبت نہ رکھتے تھے۔ یاد رکھو یہ تقویٰ بڑی چیز ہے۔ خوارق کا صدور بھی تقویٰ ہی سے ہوتا ہے۔ اور اگر خوارق نہ بھی ہوں۔ پھر بھی تقوے سے عظمت ملتی ہے۔ تقوے ایک ایسی دولت ہے کہ اُسکے حامل ہونے سے انسان خدا تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو کر نقش وجود مٹا سکتا ہے۔ کمال تقویٰ کا یہی ہے۔ کہ اس کا اپنا وجود ہی نہ ہو۔ اور صیقلِ دہم آلفد کہ آئینہ نامہ کا مصداق ہو جائے۔ اصل میں یہی توحید اور یہی وحدت وجود تھی جس میں لوگوں نے غلطیاں کھا کر کچھ کچھ بنا لیا ہے۔ یہ کیا دین اور تقوے ہے۔ کہ ایک ضعیف انسان اور بیچارہ بندہ ہو کر خدا تعالیٰ کا دعوے کرے۔ اس سے بڑھ کر کیا گستاخی اور شونجی ہو سکتی ہے۔ کہ انسان خدا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے بھید اور اسرار کے جاننے کا سعی ٹھہرے۔ وجودیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ڈاکٹر انسان کی تیغ کرتا ہے۔ اور اُسکے دل و گردہ و جگر کے بھید معلوم کرتا ہے۔ اسی طرح پر وجودیوں نے خدا تعالیٰ کا بھید معلوم کر لینے کا دعوے کیا ہے۔ حالانکہ یہ نری غلطی اور گستاخی ہے۔ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت سے ڈرنے والے ہوتے۔ اور ان کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا۔ تو ان کے لئے صحت لازم دیکھ الابداد (پارہ ۱) ہی کافی تھا۔ اور لیس کمثلہ شیعی (پارہ ۲) ہی بس تھا

مگر جو شخص خدا تعالیٰ کے وجود میں آگے سے آگے ہی چلا جائے تو حیا اسکا نام نہیں ہے۔ وجودی مذہب
 عالموں نے کیا ہیایا؟ انہوں نے کیا معلوم کیا جو سبکو معلوم نہ تھا۔ بنی فوج کو انہوں نے کیا فائدہ
 پہونچایا؟ ان ساری باتوں کا جواب نفی میں دینا پڑیگا دلوٹ حاشیہ۔ بنائے تو کیا خاک اٹھے
 خرابی میں پڑ گئے۔ کیا اچھا ہوتا۔ کہ اگر یہ موجودی بجائے وحدت وجود کے کثرت وجود کا عقیدہ
 رکھتے۔ امد خدا بننے کی کوشش کرتے۔ بلکہ مسیح بننے کی کوشش کرتے۔ تاکہ یہ شرک عظیم جو دنیا میں
 پھیل رہا ہے کچھ توڑیں۔ اور ہم کو رڑ لوگوں میں سے جو رات دن دینا المسیح پکارتے ہیں۔ کسی کی
 توجہ نہ کھلتی۔ کہ دنیا میں کتنے مسیح ہو چکے اور ہیں اور ہونگے۔ اور قرآن کریم نے اس شرک اعظم کو توڑنے
 کے لئے مسیح ابن مریم بننے کا موازہ کھول دیا ہے۔ چنانچہ سورہ تحریم کے آخر کی آیات بوضاحت تمام کہہ
 رہی ہیں۔ کہ پہلے زمانہ میں ایک ہی مسیح تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے بہت
 سارے مومن مسیح ابن مریم ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی خدا اور ہٹ سے کام نہ لے تو ذرا بتائے تو سہی۔
 کہ خدا تعالیٰ تو محبت اور اطاعت کی راہ بتاتا ہے۔ چنانچہ خود قرآن شریف میں اُسے فرمایا ہے:-
 وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ دُپارہ ۱ اور واذا کروا للہ کن کہ کہ اہاء کھد پاو
 یہ کہہ کر دنیا میں کبھی یہ بھی ہوا ہے۔ کہ مٹیا باپ کی محبت میں فنا ہو کر خود باپ بن جائے۔ باپ کی
 محبت میں فنا تو ہو سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ باپ ہی ہو جائے۔ یہ یاد رکھنے کے قابل
 ہاں تب جو کہ فنا و نظری ایک ایسی شے ہے جو محبت سے ضرور پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایسی فنا جو حقیقت
 پہانہ فنا کا ہو۔ اور ایک جدید وجود کے پیدا کرنے کا باعث بنے۔ کہ میں ہی ہوں یہ ٹھیک نہیں ہو
 جی لوگوں میں تقویٰ اور ادب ہو اور جنہوں نے لا تقف مالیس لك بلہ علم پر قدم مارا ہے۔ وہ
 سمجھ سکتے ہیں کہ وجودی لوگوں نے جو قدم مارا ہے۔ وہ خدا و ادب سے بڑھ کر ہے۔ یہ سبوں کتب میں
 ان لوگوں نے کھچی ہیں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی وجودی اس بات کا جواب دے سکتا ہے۔ کہ واقعی
 وجودی میں خدا ہے یا تصور ہے؟ اگر وہ حقیقت خدا ہی ہے۔ تو کیا یہ نفع اور یہ کمزوریاں
 جو آئے دن لاحق حال رہتی ہیں۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کی صفات ہیں؟ ذرا بچہ یا بیوی بیا ہو جائے تو
 کچھ نہیں بنا سکتے اور سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ کہ کیا کیا جائے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو شفا دے سکتا
 ہے۔ حالانکہ وجودی کے اختیار میں یہ امر نہیں ہے۔ بعض وقت مالی ضعت اور افلاس ستاتا ہے۔
 بعض وقت گناہ اور فسق و فجور بے ذوقی اور بے شوقی کا موجب ہو جاتے ہیں۔ تو کیا خدا تعالیٰ کے
 شامل حال بھی یہ امور ہوتے ہیں؟ اگر خدا موجود ہے تو پھر اُسکے سارے کام کن فی کون سے ہونے

چاہئیں۔ حالانکہ وجودی قدم پر عاجز اور محتاج مخلوقیں کھاتا ہے۔ اسلئے وجودی کی حالت پر نہیں
کہ خدا بھی بنا کر بھیجی بھی اُس سے کچھ نہ ہو سکا پھر اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے۔ کہ یہ خدا کی اسلئے
معنی سے نہیں بچا سکتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **مَنْ يَمْلِكُ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مُشْتَقِي تَرْكِهِ** (پارہ ۱۵)
اسلئے جب اُس نے کوئی گناہ کیا۔ تو اُس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا پڑا۔ اور ساری مخلوق باطل
ہو گئی۔ وجودی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ **قَرِئْنَا فِي الْحَيَاةِ وَفَرِئْنَا فِي الشَّعْبِ** (پارہ ۱۶)
پس جبکہ وہ بھی انسانیت کے تجسم ہے۔ تو پھر ایسی فضول بات کی حاجت ہی کیا ہے جس کا
نیچر اور اثر ظاہر نہ ہو۔ غرض یہ لوگ بڑے مبیاک اور دلیر ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اس فرقہ کا یہ تھا باحت اور
بے قیادی ہے۔ اسلئے یہ فرقہ بڑھتا جاتا ہے۔ لاہور، جالندھر اور ہوشیار پور کے اضلاع میں اسلئے
اپنا دہر بہت پھیلا ہوا ہے۔ اگر غور سے اس کے نتائج پر نظر کرو۔ تو بخرا باحت کے اور کچھ معلوم نہیں دیتا۔ یہ
لوگ صوم و صلوة کے پابند نہیں اور ہر بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ سے ڈرنا جیسے نجات کا سار
اور اعمال کا انحصار ہے۔ وہ ان میں نہیں پایا جاتا۔ اور بعض تو بالکل دہریوں کے رنگ میں ہیں۔ غرض
میں یہ کہتا ہوں کہ یہ فتنہ بھی مغلہ ان فتنوں کے جو اس وقت پھیلے ہوئے ہیں ایک سخت فتنہ ہے
جس نے فسق و فجور کا دریا چلا دیا ہے۔ اور باحت اور دہریت کے دروازوں کو کھول دیا ہے۔ مگر
معاہدہ کر ہم نے اس وقت زندہ ہونے۔ تو وہ ان لوگوں کو دیکھ کر حیران ہو جاتے۔ کہ ان لوگوں کا
اسلام کہاں سے آیا۔ انسان کو کسی حالت میں مناسب نہیں ہے کہ وہ انسانیت کی حدود
کو توڑ کر آگے نکل جائے۔ کیا یہ کہا ہے۔ بڑبڑ و برع کوش و صدق و صفا + لیکن میفرماتے
بر مصطفیٰ۔ غرض یہ فرقہ روق کی طرح ہے۔ ایک شخص مظہر حسین نام اللہ آباد میں تھا۔ اُس نے مجھ سے
خط و کتابت کی۔ ایک دو مرتبہ کے خطوط کی آمد و رفت کے بعد وہ گالیوں اور بددیہائیوں پر اُتر آیا۔ ان
لوگوں میں تزکیہ نفس تو بھلا ایک بڑی بات ہے۔ عام اخلاقی حالت بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ
ہے کہ اخلاق فاضلہ اور تزکیہ نفس کا مدار تقویٰ اور خدا تعالیٰ کے خوف پر ہے۔ جو بدقسمتی سے ان
لوگوں میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو خود خدا بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس جب وہ انسانیت چھوڑ کر خود خدا
بن گئے۔ اور ایک یہ ثابت شدہ امر ہے۔ کہ وہ خدا تو بن سکتے ہی نہیں۔ باقی یہی رہا۔ کہ انسانیت
چھوڑ کر شیطان بن گئے۔ اسلئے وہ بہت جلد برا و خستہ ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں تک ان لوگوں کے
حالات کی تحقیق کرو گے۔ ان میں اسلام کی پابندی ہرگز نہ نکلیگی۔ میں پہلے کہ چکا ہوں۔ کہ ان لوگوں
میں صوم و صلوة کی پابندی نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ خشیت الہی ان میں نہیں ہوتی۔ اور ہیبت الہی ان میں

جاتی ہے۔ اور آخر کار ہر یوں کے ساتھ نشست و برخاست شروع کر دیتے اور حدودِ اشد کو توڑ کر بے قید ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ ایک بڑا ہی خطرناک نہر ہے۔

انکو کوئی شخص یہ کہو کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ یا خواجہ منیر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ یا سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جنہیں جہاں یا تو ان کو کفر کی طرف منسوب کرتا ہے یا ان کے اقوال کو فرقہ وارانہ وحدتِ وجود کے لئے حجت پکڑتا ہے جیسا کہ سبحانی ما اعظم شافی اللہ فی جنتی یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ جو ان بزرگانِ دین کے ایسے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں۔ اول تو یہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ ان کے مومنوں کی ایسے الفاظ نکلے بھی ہیں یا نہیں لیکن اگر ہم ان بھی لیں۔ کہ واقعی انہوں نے ایسے الفاظ بیان فرمائے ہیں۔ تو پھر ایسے کلمات کا چشمہ عشق اور محبت ہی۔ مثلاً ایک عاشق جوشِ محبت اور محویت عشق میں یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تو شدم تو میں شدم تو جان شدمی بد تا کس نگویں بعد ازیں میں دیگر تو دیگر گی۔ یہ محویت اور فنا اس قسم اور رنگ کی ہے۔ جیسے ماں کو اپنے بچے کے ساتھ محبت کے رنگ میں ہوتی ہو یہاں تک کہ اگر تھوڑی دیر تک بچہ ماں کو نہ ملے۔ تو اس کا دل اندھ ہی اندھ بیٹھا جاتا ہے۔ اور ایک مضطر اور گھیرا ہٹے محسوس کرتی ہے۔ اور جوں جوں اس میں توقف اور دیر ہوتی جاتی ہے اسی قدر اس کا اضطراب بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اسے بے ہوش کر دیتا ہے۔ اب یہ اس کی فناء اسکے وجود سے بڑھ کر ہے۔ مگر وجودی نے فناء اس ایک وجود قائم کیا ہے۔ غرض ان بزرگانِ دین کے منہ سے جو الفاظ اس قسم کے نکلے ہیں جنکو موجودوں نے اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ وہ اسی قسم کی محویت اور عشق و محبت کے غلبہ نامہ کا نتیجہ ہیں جس میں کو ان لوگوں نے اپنی کم فہمی کے باعث کچھ کچھ بنا لیا ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جب عشق و محبت جوشِ مارتے ہیں۔ تو اس کے عجیب و غریب اثر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ اپنے آپ سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ اور استیلاءِ محبت میں اپنا وجود دکھائی دیتا ہی نہیں۔ اور یہی سمجھ میں آتا ہے۔ کہ میں کچھ بھی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ منہ انکڑے کی طرح ہو جائے۔ اس حالت میں ایک دیکھنے والا اسے لوہے کا ٹکڑہ قرار نہیں دے گا۔ بلکہ وہ اس کو لکڑی کا ایک انکا سمجھے گا۔ اور وہ بظاہر ہر ہتھکڑی آگ ہی ہے۔ اس سے کسی چیز کو جلا بھی سکتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت وہ لکڑی ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح پر آشوب محبت اپنے عجائبات دکھاتی ہے۔ نادان انسان ان عجائبات کو دیکھ کر بجائے اسکے کہ ان پر غور کرے اور ان سے کوئی مفید نتیجہ حاصل کرے ایک خیالی اثر اپنے دل پر قائم کر لیتا ہے۔ اور اسی لئے یہ مشکلات ہیں کہ ہر شخص جس مذہب

میں پانچ عمر کا ایک حصہ گزرتا ہے وہ اسکو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ مگر یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ چھوڑ
دوسری غلطیوں اور کمزوریوں کا مواخذہ ہوگا۔ وہ عمل اسکا بھی مواخذہ ضرور ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ
نے صلیح طہر پر فرما دیا ہے لا تقف ما لیس لك بلہ علم۔ پھر منم خدا کہنے والا کیونکر کہہ سکتا ہے
کہ اُسے واقعی یقین آگیا ہے۔ وہ اپنے اندر کوئی خواص ربانی اور صفات ربانی محسوس کرتا ہے جو
یہ فضول دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ جب قدم قدم پر ٹھوکرین کھاتا اور حوائج انسانی کی زنجیروں میں پابند اور
جکڑا ہوا ہے تو پھر اُسے کیا حقیقی پہنچتا ہے۔ کہ وہ منم خدا کہے۔ اور یہ کہے کہ اُسے اپنے خدا ہونے پر
یقین ہو گیا ہے۔ اگر وہ ایسا کہے تو اُسے دیکھنے والا دوسرا شخص کہہ سکتا ہے کہ تو کیوں فضول اتنی
شیخی مارتا ہے۔ اپنی عاجزی اور فرومایگی کو دیکھو۔ قرآن شریف میں خالق اور مخلوق میں صریح امتیاز رکھا
ہوا ہے۔ الحمد للہ سے قرآن شریف کو شروع کیا گیا ہے۔ اور پھر مرنے کے بعد بھی ایک مہلہ رکھا ہوا ہے
انسان جب خود اپنے حالات اور صفات کو ہی جان نہیں سکتا اور سمجھ نہیں سکتا۔ تو پھر
یہ خدا کیسے بن سکتا ہے۔ اس کے علم کا محدود اور ناقص مہنا ہی اس کے مخلوق اور بندہ ہونے کی دلیل ہے
اگر یہ غور کرے۔ غرض یہ بڑا گند ہے۔ اور لوگ جو اس مسئلہ وحدت وجود کو مانستے ہیں۔ بڑے کسب و کار اور
متکبر ہوتے ہیں۔ اپنی غلطیوں کو نہیں چھوڑتے۔ اور وہ غلطیوں کو چھوڑیں بھی کیونکر جبکہ وہ اپنے آپ کو
معاذ اللہ خدا سمجھتے ہیں اگر خدا اور بندہ میں فرق کریں تو انکو اپنی غلطیوں کی حقیقت پر اطلاع ملے۔
وہ اپنے طفلانہ خیالات پر خوش ہیں۔ اسلئے قرآن شریف کے حقائق سے انکو کوئی خبر نہیں ہو سکتی۔ یہ
بہت بڑی خرابی ہے۔ اور میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ خرابی کیسے پیدا ہوئی ہے۔ میرے نزدیک ساری
گمراہی نشینیوں میں کم ہی کوئی شخص ہوگا جس کا یہ مذہب نہ ہو۔ ان لوگوں نے بزرگان دین کے ان
اقوال کو جو انہوں نے استیلائے محبت اور جوش عشق میں فرمائے تھے۔ فلسفہ بنا دیا۔ اصل میں نظری
اور وجودی کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر فلسفہ نہیں لکھتا۔ وہ استیلائے عشق لکھتا ہے۔ اور
مخبر الذکر فیلسوف بتاتا ہے۔ اسلئے یہ خدا کا دشمن اور منکر ہے اساکو خدا سے کچھ محبت نہیں۔
کیونکہ جیسے فلسفی مردہ کو حیرتور سکتا ہے۔ لیکن اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مردہ کو کھلا بھی لے۔ اسطرح
پر وحدت وجود کا قائل خدا تو بتاتا ہے لیکن اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکو خدا سے محبت بھی ہے۔
جس کسی نے بندہ یا کتے کی تشریح دیکھ لی ہے۔ اس کے لئے کب لازم آتا ہے۔ کہ اُن سے تعلق بھی ہو ہی
قسم کے یہ مدعی فیلسوف بنے ہوئے ہیں۔ مگر انہوں نے یہ ثابت کر کے نہیں دکھایا۔ کہ خدا تعالیٰ سے
اُن کا تعلق بھی ہے۔ اکابر کا وہ طبقہ جس نے آگے قدم بڑھایا ہے وہ مقبول بھی ہو گیا ہے۔ اسلئے

کہا پھر خدا تعالیٰ کی محبت اور عشق غالب گیا تھا۔ وہ قرآن شریف پر ایمان لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دریا میں تیرتے تھے۔ اسلام ان کا مذہب تھا۔ اسلئے خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان سے بڑے بڑے کرشمے اور عجائبات ظاہر ہوئے۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ جب بندہ اپنی خالق کے ساتھ محبت و عشق میں ایک شدید تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اسوقت خدا تعالیٰ اُسے اپنی صفات میں سے ایک حظ عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ اسوقت وہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے۔

عزمن یہ غلطیاں تو ان لوگوں کی ہیں۔ جو خدا بنے ہوئے ہیں اور انہوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ مخالفین اسلام نے ان کے اقوال کو لیکر اسلام پر سخت سے سخت اعتراض کئے ہیں۔ اور پھر دوسرا مقدمہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے آپکو موجد کہتے ہیں۔ انہوں نے الفاظ پرستی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ لاکھوس میں ایک شخص عبدالحکیم سے ۸۹۲ھ میں میری بحث ہوئی۔ اُس نے صاف کہہ دیا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی محدث نہ تھے۔ اور محدث والی حدیث کے یہ معنی کئے۔ کہ اگر محدث ہوتا تو عمر ہوتا۔ گویا یہ ترجمہ کر کے اُس نے خدا تعالیٰ پر الزام لگایا۔ کہ گویا اُس نے اس اہمیت کے اُسو پونچھ دیئے۔ اور کچھ نہ کیا۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ کہ ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ کیا ایسی ہی اہمیت پر وہ اس امت کو خیر الائم قرار دیتے ہیں جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک شخص بھی ایسا پیدا نہ ہو۔ جبکہ خدا تعالیٰ سے کلام کرنے کا شرف ملا ہو۔ اور جو اسلام کی صداقت کے لئے ایک جزدہ نمود ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے علی طور پر گویا مان لیا ہے۔ کہ اب نہ کسی کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہے اور نہ کسی کو مکالمہ الہیہ کا شرف حاصل ہے۔ دعاؤں کی قبولیت کا کوئی انتظام موجود نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کی عورتوں تک کو بھی خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا

شرف ملتا تھا۔ لیکن کیا اسلام میں کوئی مرد بھی بنی اسرائیل کی عورتوں جیسا نہیں ہے؟۔ اے اسلام کے ناوان وہ مستوا فرماؤ تو کرو۔ کہ اس سے اسلام پر کیا حرج آتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نے اسی واسطے اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا تھا۔ کہ آئندہ قیامت تک کوئی نشان آپ کی صداقت پر قائم نہ ہوتا اور زندگی کے نشان مٹائے جاتے۔ مجھے بہت ہی افسوس ہوتا ہے۔ جب میں ان لوگوں کے عقائد پر نظر کرتا ہوں۔ ان میں بجز الفاظ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور جو کچھ انہوں نے مان رکھا ہے۔ اس سے مخالفین اسلام کو بڑے بڑے اعتراضات کرنے کا موقع ملا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح م کے متعلق ہی جو کچھ ان کے عقائد میں وہ پوشیدہ نہیں۔ یہ لوگ مانتے ہیں۔ کہ مسیح موعود

زندہ کرتا تھا۔ اور چڑیاں بھی بنایا کرتا تھا۔ اور جب تک وہ آسمان پر بغیر کسی قسم کے دمانہ کے اتر
ہونے کے بیٹھا ہوتا ہے۔ تو بتاؤ کہ اُسکے خدا بنانے میں انہوں نے کیا باقی رکھا۔ میں نے ایک ہوشیار
پوچھا۔ کہ تم جو کہتے ہو۔ کہ مسیح نے بھی کچھ جانور بنائے تھے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے پرندوں
میں بل جل گئے۔ اب نہیں کیونکر معلوم ہوگا کہ یہ جانور مسیح کا بنایا ہوا ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا۔
اُس نے کہا۔ کہ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ غرض اس قسم کے ان لوگوں کے عقائد میں۔ ڈال چالاکی سے ائمہ اربعہ کو
بڑا کہہ لیتے ہیں۔ مثلاً ایک امام کی نسبت وہ یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ وہ بڑے سالدار تھے اور زکوٰۃ
نہیں دیتے تھے۔ اور اخیر سال پر سال مال اپنی بیوی کو دیدیتے تھے۔ اور پھر بعد ازاں اپنی طرف منتقلی
کر لیتے تھے۔ اور اس طرح پر گویا اُسکو زکوٰۃ کے اثر سے بچا لیتے تھے۔ اور اسی قسم کے دوسرے بہت سے
افراد کرتے ہیں۔ انہیں نے بجز خشک لفاظی کے اور کوئی فائدہ اسلام کو نہیں پہنچایا۔ اپنے طریق
عمل سے اسلام کو مردہ مذہب ثابت کرنا چاہا ہے۔ جبکہ یہ کہہ دیا۔ کہ اسلام میں اب کوئی ایسا مرد
نہیں ہے جس کے ساتھ زندہ نشانات اسلام کی تائید میں ہوں۔ افسوس ان لوگوں کی عقل کی
کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیوں نہیں سمجھتے۔ کیا قرآن شریف میں جو اھدنا الصراط المستقیم
صراط الدین النعمت علیہم کہا گیا تھا۔ یہ یونہی ایک بے معنی اور بے مطلب بات تھی
اور بڑا ایک قصہ ہی قصہ ہے؟ کیا وہ انعام کچھ نہ تھا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے تراویح کا ہی ویسا ہے۔
اور وہ اپنے سچے طالبوں اور صادقوں کو بد نصیب ہی رکھنا چاہتا ہے؟ کہ بقدر ظلم ہے۔ اگر خدا
کی نسبت یہ قرار دیا جائے۔ کہ وہ تری لفاظی سے ہی کام لیتا ہے۔ حقیقی بات یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان
لوگوں کی اپنی خیالی باتیں ہیں۔ قرآن شریف و حقیقت انسان کو اُن اعلیٰ مراتب اور مدارج پر
پہنچانا چاہتا ہے۔ جو النعمت علیہم کے مصداق لوگوں کو دیئے گئے تھے۔ اور کوئی دمانہ ایسا
نہیں ہوتا۔ جبکہ خدا تعالیٰ کے کلام کے زندہ ثبوت موجود نہ ہوں۔ ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے
کہ آیوں کی طرح کوئی خدا کا پریمی اور جھگٹ گنتی ہی دُعا میں کرے۔ اور رو کر اپنی جان کھوٹے۔
اور اُس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ اسلام خشک مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اسلام ہر شے ایک زندہ مذہب ہی
اور اسکے نشانات اسکے ساتھ ہیں۔ پیچھے رہے ہوئے نہیں ہیں۔ غرض یہ بھی ایک بد نصیب کوہ
ہے۔ اسیہ لوگ اپنا اصل مذہب کسی کو نہیں بتاتے ہیں۔ امدان کے اصلی خیالات کی خبر مشکل سے
کسی کو ہوتی ہے۔

رہے حنفی۔ اُن میں بدقسمتی سے اقوال مردودہ اور بدعات نے بہت بڑا دخل پالیا ہے۔ حضرت

پر ایسے ایسے بہت سے فساد اور فتنے ہیں جنکے اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ اوبیر مونی فسادوں پر ایک شخص نظر ڈالے تو اور بھی حیران رہ جاتا ہے۔ صرف ایک پادریوں کے ہی فتنے کو دیکھا جائے تو انسان کھیرا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان سارے فسادوں کا اجتماع بالبداهت بتا دے ہے۔ کہ اس وقت ایک اسلامی سلسلہ کی سخت ضرورت ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ اس ضرورت کے وقت کوئی سلسلہ قائم نہ کرتا تو پھر خدا تعالیٰ پر اعتراض ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے۔ کہ اُس نے مین ضرورت کی وقت پر ہماری دستگیری کی اور اس سلسلہ کو اپنی خاص تائیدات کے ساتھ قائم کیا فالجہ للہ علی ذلک (الحکم جلد ۵ ص ۳۷۷)۔

۱۲۔ تیسری سیرۃ مولوی جان محمد صاحب مدرس دس دسک منلیع سہا لکھتے حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کی کہ آپ کی بیعت کرنے کے بعد پہلی بیعت اگر کسی بزرگ سے کی ہو۔ وہ قائم رہتی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: جب انسان میرے ہاتھ پر بیعت تو یہ کرتا ہے تو پہلی ساری بیعتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ انسان دو کشتیوں میں کبھی پاؤں نہیں رکھ سکتا۔ اگر کسی کامرشد اب دندہ بھی ہو۔ تب بھی وہ ایسے حقائق اور معارف ظاہر نہ کر سکا جو خدا تعالیٰ یہاں ظاہر کر رہا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ساری بیعتوں کو توڑ ڈالا ہے۔ صرف مسیح موعودؑ ہی کی بیعت کو قائم رکھا ہے جو خاتم الخلق ہو کر آیا ہے۔ ہندوستان میں جب قدر گدیاں اور مشائخ اور مرشد ہیں سب ہمارا اختلاف ہے۔ بیعت دینی سلسلوں میں ہوتی ہے۔ جو خدا تعالیٰ قائم کرتا ہے۔ ان لوگوں کا ہمارے مسائل میں اختلاف ہے۔ اگر ان میں سے کسی کو یقین ہو۔ کہ وہ حق پر ہیں۔ تو ہمارے ساتھ فیصلہ کر لیں۔ قرآن شریف کو حکم پھرائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس وقت سب گدیاں ایک مردہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور زندگی صرف اسی سلسلہ میں ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر قائم کیا ہے۔ اب کیسا نادان ہو گا وہ شخص جو دندوں کو چھو ڈکے مردوں میں زندگی طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی چاہا تھا۔ کہ ایک زمانہ فیج اعج کا ہو۔ اور اُس کے بعد ہدایت کا بہت بڑا زمانہ آوی۔ چنانچہ ہدایت کے دو ہی بڑے زمانے ہیں اور جو دراصل ایک ہی ہیں۔ مگر ان کے درمیان وقفہ ہے۔ اسلئے دو سہجے جاتے ہیں۔ اول زمانہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ اور دوسرا مسیح موعود کا زمانہ۔ اور مسیح موعود کے زمانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ اب غور کرو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی دوسرے کی بیعت کب جائز ہو سکتی ہے اور قائم رہ سکتی ہے۔ یہ اس شخص کا زمانہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

سلام کہا۔ اب اسکی بیعت کے سوا سب بیعتیں ٹوٹ گئیں۔

دوسرا سوال مولوی جان محمد صاحب نے کیا۔ کہ مخالف احباب و رشتہ داروں سے کیسا سلوک کریں اسکے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ نرمی اور نیکی تو انسان کفار سے بھی کر سکتا ہے اور کرنی چاہئے۔ ان جن غلطیوں میں رشتہ دار یا احباب مبتلا ہوں۔ ان میں انکا ساتھ ہرگز نہیں دینا چاہئے۔

وَعَلَّی کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ”عُعاؤں میں بڑا اثر ہے۔ اسلئے میں نیچری خیالات کا سخت مخالف ہوں۔ خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا انسان احاطہ نہیں کر سکتا۔ جس قدر انسان کا دل بزم۔ گداز اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا ہوگا۔ اسی قدر وعُعاؤں پر اُسے امید ہوگی۔ بدون اسکے توجہ امداد امید نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنے میں بڑا مزہ اور آسائش ہے جس قدر کوئی شخص خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لے۔ اور جس قدر اُس پر ایمان لاتا ہے۔ اسی قدر تاریکی اور مشکلات کے وقت خدا تعالیٰ اُس کا کفیل اور وکیل ہو جاتا ہے۔ بڑی بڑی مصیبتوں میں جہاں سے بچنے کی کوئی امید اور دستکاری کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ وہ بچ نکلتا ہے اور بری ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون دوست اور دشمن کے ساتھ یکساں نہیں بلکہ جس قدر کسی شخص کا خدا تعالیٰ پر یقین ہے۔ اسی قدر وہ راحت و آرام میں ہے۔ اور حقیقت مخلص مومن کا خدا ہی الگ ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اسباب پرست ہوتے ہیں اُن کا خدا الگ ہوتا ہے۔ مگر جو لوگ اپنی طرف سے اسباب کو توڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف آتے ہیں اُن پر وہ ایک نرالی تجلی سے جلو کرتا ہے۔ یہ یاد رکھو۔ کہ یقین کی قوت جس قدر بڑھتی ہے۔ اسی قدر استجاب دعا کا دروازہ زیادہ کھلتا جاتا ہے۔ یقین کے ساتھ انسان بڑے بڑے مراحل طے کرتا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق یقین ہی تھا۔ کہ جس نے آپ کو ہر مشکل کے وقت سچایا۔ مخالفین نے کس قدر منصوبے آپ کے خلاف کئے۔ یہاں تک کہ آپ کو ہلاک کرنا چاہا۔ اور آپ کے تعاقب میں غارتور تک بھی سرائے رساں جا پہنچے۔ مگر خدا تعالیٰ پر جو سچا یقین آپ کو تھا۔ اسی پوشیدہ ہاتھ نے آپ کو مدد بھی بچا لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا بھی کہ ہم ایسے موقع پر ہیں کہ اگر مخالف ذرا بھی نیچے نگاہ کریں۔ تو ہم کو دیکھ لیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ تَحَرَّتْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ پر کس قدر یقین اور بھروسہ تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ جو شخص اس رنگ کا ایمان خدا تعالیٰ پر نہیں لاتا۔ اُسے کوئی مزہ خدا تعالیٰ پر ایمان لانیکا آسکتا۔ خدا تعالیٰ پر کامل یقین طاق عادت امور کی قوت عطا کرتا ہے۔ انبیاء سے اسی لئے

مغزات صادر ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی شدید تکالیف کے وقت جبکہ دنیا دار اُن کی موت اور ہلاکت کی پیچیدگی کرتے ہیں وہ پکڑ لکھ جاتے ہیں۔ دیکھو ونگس کے سامنے جب کلا راک کا مقدر تھا۔ اس وقت سبکی پی رہے تھے۔ کہ اب میں پکڑا جاؤنگا۔ مگر میرا فدا مجھے تسلی دے چکا تھا۔ کہ میں عزت کے ساتھ بری ہونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ عقیدہ ہے خدا تعالیٰ پر کامل یقین اور کامل ایمان کا۔

دشمن کا وجود بھی عجیب چیز ہے۔ اس کے ذریعہ سے بہت سے حقائق اور حقیقتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی دشمنی میں حد سے بڑھ کر شرارتوں اور ایذا رسانیوں کی فکر اور منصوبے کرتے رہتے ہیں۔ اور صاف قول کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ اس وقت صافوں کو نہ مٹ بچا لیتا بلکہ اُن کی تائید میں فوق العادہ نشان ظاہر کرتا ہے۔ پس دشمنوں سے صاف کو کبھی گھبرانا نہیں چاہیو ہاں میرا ہتھیار کثرت سے کرنا چاہیے جس قدر مخالفت شدت سے ہو۔ اسی قدر خدا تعالیٰ کی نصرت قریب آتی ہے اور وہ اپنی تخلیق ظاہر کرتا ہے۔ جب یہ شناخت کر لیا۔ کہ حق کیا ہے۔ پھر اُس حق کا اگر کوئی شخص مخالفت ہو۔ تو اُسے قاتل رحم سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اہل حق کا مخالف نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کو اپنے مقابلہ کے لئے بلاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے جنگ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مستعمل نہیں۔ وہ جلدی نہیں پکڑتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سقدہ مخالفت کی گئی۔ اور تیرہ برس تک سقدہ کا لیاں آپ نے نہیں۔ اسی طرح پر اب تیرہ سو برس سے اُس سید المصومین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملے کئے جاتے رہے۔ اب خدا تعالیٰ نے اُن سب حملوں کا انتقام لے لیا یہ انسان کی کمزوری ہے جو جلد فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کا نام کشتی بھی رکھا ہے۔ چنانچہ بیت کے الہام میں اَضْمُ الْفُلْکِ ہی فرمایا ہے۔ صاف کہہ سکتا تھا۔ کہ بیت لے لو۔ مگر یہ الہام بتاتا ہے۔ کہ یہاں بھی حضرت نوحؑ کے زمانہ کی طرح کچھ ہو بنو الہا ہے۔ چنانچہ طاعون کے طوفان نے بتا دیا۔ کہ یہ ہی طوفان ہے۔ تصیلاً الہامیہ کے ایک شعر میں بھی ہے۔ واللہ کہ ہجو کشتی نوح ذکر دگار و بید ولت آنکہ وعبادہ زلزلہ گرم۔ میرے آنے کی اصل غرض اور مقصد یہی ہے کہ توحید۔ اخلاق اور روحانیت کو پھیلاؤں۔ توحید کا مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کو اپنا مطلوب۔ مقصد۔ محبوب اور مطیع یقین کر لیا جائے یعنی ہوئی بت پرستی اور شرک و لیکر اسباب پرستی کے شرک اور بار یک شرک اپنے نفس کو بھی کچھ سمجھ لینے تک کہ وہ کر دیا جائے جس میں کہ دنیا گرفتار ہے۔ اور اخلاق سے مراد یہ ہے۔ کہ جس قدر قوت انسان لیکر آیا ہے۔ اُن کو اپنے محل اس موقع پر خرچ کیا جائے۔ یہ نہیں کہ بعض کو بالکل بیکار چھوڑ دیا جائے

اور بعض پرہیز زدہ ہو جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ کو بالکل کاٹ دے تو کیا اس سے کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہے اور کامل اخلاق پی ہیں۔ کہ جو جو توفیق اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہیں انکو اپنے اپنے محل و موقع پر ایسے طور سے چمکایا جائے۔ کہ جس میں افراط اور تفریط پیدا نہ ہو۔ افراط یہ ہے کہ مثلاً جس شخص کو توفیق شامیہ میں افراط ہو۔ تو اسے حدت الحس کی مرض ہو جائیگی اور پھر اس سے اور امراض شدیدہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ تفریط یہ ہے کہ اس کی حس بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ اور اعتدال یہ ہے کہ وہ اپنے محل اور مقام پر رہیں۔ سو یہی وہ وجہ اور مقام ہے جہاں اخلاق اخلاق کہلاتے ہیں۔ اور اسی کو میں قائم کرنے آیا ہوں۔ سدو عاقبت مراد وہ آثار اور علامات ہیں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا ہونے پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ کیفیات ہیں جو جب تک پیدا نہ ہوں انسان سمجھ نہیں سکتا۔ مگر اصل غرض یہی ہیں۔

نئی جماعت کو زبان دانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ وہ اپنے حسن بیان سے ان حقائق و معارف کو جو وہ اپنے امام سے سیکھتی ہے دوسروں کو آگاہ کر سکے۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت صبح سے لیکر شام تک غمظفر یا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان عقائد کو جو اس نے اپنے امام سے سیکھے ہیں بیان کرنے کی قوت اور قدرت نہیں رکھتا۔ تو بسا اوقات وہ دوسروں کے سامنے خرمندہ ہو جاتا ہے اور اسے دہنا پڑتا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو اس سلسلہ میں شامل ہے۔ ان باتوں کو جو ضروری پڑتی۔ خوب یاد رکھے۔ اور دوسروں کے سامنے بیان کرنے کی عادت ڈالے۔ (الحکم جلد ۶ ص ۷۷)

۱۱۔ ستمبر ۱۹۱۷ء بعد نماز مغرب۔ سید امیر علی شاہ صاحب سیالکوٹی نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ انہیں اپنی رو بیا میں حضور سے مبتل کے معنی دریافت کرنے کا ارشاد ہوا ہے۔ اسلئے حضورؑ اسکی تشریح فرمادیں۔ اسپر اپنے فرمایا: میرے نزدیک رو بیا میں یہ بتانا کہ مبتل کے معنی مجھ سے دریافت کئے جاویں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جو میرا مذہب اس بارہ میں ہے وہ اختیار کیا جائے۔ منطقیوں یا نحویوں کی طرح معنی کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ حال کے موافق معنی کرنے چاہئیں۔ ہمارے نزدیک اسوقت کسی شخص کو مبتل کہنیگے۔ جب وہ علی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور اسکی رضا کو دینا اور اس کے تعلقات اور مکروہات پر مقدم کر لے۔ کوئی رسم و عادت اور کوئی قومی اصول اسکا رہزن نہ ہو سکے نہ تو نفس ہی راہزن ہو سکے نہ بھائی نہ جوہر اور نہ بیٹا اور نہ باپ۔ غرض کوئی شے اور کوئی متنفس اسکو خدا تعالیٰ کے احکام اور رضا کے مقابلہ

میں اپنے اثر کے نیچے نہ لاسکے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں اپنے آپ کو ایسا کھودے کہ اس پر فناء اتم طاری ہو جائے۔ اور اس کی ساری خواہشوں اور اراؤں پر ایک موت وارد ہو کر خدا ہی خدا رہ جائے۔ دُنیا کے تعلقات بسا اوقات خطرناک اور زہر ن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام امر ہے۔ کہ ایک سکر اور فناء انسان پر وارد ہو۔ مگر ایسی کہ وہ اس خدا سے گم کرے بلکہ ایسی کہ وہ خود خدا تعالیٰ میں گم ہو جائے۔ غرض عملی طور پر بتیل کی حقیقت تب ہی کھلتی ہے جبکہ ساری روکیں دور ہو جائیں۔ اور ہر ایک قسم کے حجاب موعود ہو کر محبت ذاتی تک انسان کا رابطہ پیونج جائے۔ اور فناء اتم حاصل ہو جائے۔ قیل وقال کے طور پر تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اور انسان الفاظ اور بیان میں بہت کچھ ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر مشکل ہے تو یہ عملی طور پر اسے دکھا بھی دے جو کچھ کہ وہ زبان سے کہتا ہے۔ یوں تو ہر ایک شخص جو خدا تعالیٰ کو ماننے والا ہے۔ پسند بھی کرتا ہے اور کہہ بھی دیتا ہے۔ کہ وہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو دیگر سب اشیاء پر مقدم کرے اور مقدم کرنے کا مدعی بھی بن سکتا ہے۔ لیکن اگر ان آثار اور علامات کا معائنہ کرنا چاہیں جو خدا تعالیٰ کو دیگر اشیاء پر مقدم کرنے کے ساتھ ہی عطا ہوتے ہیں تو ایک مشکل کا سامنا ہوگا۔ بات بات پر انسان ٹھوکر کھاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں جب اس کو مال اور جان دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس سے اس کی جان اور مال یا دیگر عزیز ترین اشیاء کی قربانی چاہتا ہو حالانکہ وہ اشیاء انسان کی اپنی بھی نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن تاہم وہ مضائقہ کرتا ہے۔ ابتدا میں بعض صحابہ رضاکو بھی اس قسم کا ابتلا پیش آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنائے مسجد کے لئے زمین کی ضرورت تھی آپ نے ایک صحابی سے زمین مانگی۔ تو اس نے کئی عذر کر کے بتا دیا۔ کہ وہ دین نہیں دے سکتا حالانکہ وہ شخص حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو سب اشیاء پر مقدم کر نیکا عہد کر چکا تھا۔ لیکن جب آزمائش اور امتحان کا وقت آیا تو اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ گو آخر کار اس نے وہ قطعہ زمین دیدیا۔ اس لئے بات اصل میں یہی ہے کہ کوئی امر محض باتوں سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ عمل اس کے ساتھ نہ ہو۔ اور وہ عملی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک کہ امتحان ساتھ نہ ہو۔

ہمارے ہاتھ پر بھی بیعت تو یہی کی جاتی ہے۔ کہ دین کو دُنیا پر مقدم کرونگا۔ اور ایک شخص کو دجسے خدا تعالیٰ نے اپنا امور کو کے دُنیا میں بھیجا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو جس کا نام حکم اور عدل رکھا گیا ہے (اپنا امام سمجھو) گا۔ اور اس کے فیصلے پر ٹھنڈے دل اور اشراج قلب

کی رہزن اس کی نبی حضرت خدا ہوئی۔ پس بتل نام کی صورت میں یہ ضروری

کے ساتھ رضا مند ہو جاؤں گا۔ لیکن لگ کر کوئی شخص یہ عہد اور اقرار کرنے کے بعد بھی پہلے کسی فیصلہ پر خوشی کے ساتھ رضا مند نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے سینے میں کوئی روک اور انگ پاتا ہے تو یقیناً کہنا پڑیگا کہ اُسے پورا متل حاصل نہیں کیا۔ اور وہ اُس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا جو متل کا مقام کہلاتا ہے۔ بلکہ اُسکی راہ میں ہوئے نفس اور دنیوی تعلقات کی روکیں اور ذخیریں باقی ہیں۔ اور ان جہاںوں سے وہ باہر نہیں نکلا جنکو پھانک کر انسان اس درجہ کو حاصل کرتا ہے۔ جب تک انسان دنیا کے درخت سے کاٹا جا کر الوہیت کے درخت کی شلخ کے ساتھ ایک پیوند حاصل نہیں کرتا۔ اُسکی سرسبزی اور شادابی محال ہے۔ دیکھو جب ایک درخت کی شلخ اُس سے کاٹ دی جاوے تو وہ پھل بھول ہرگز نہیں دے سکتی۔ خواہ اُسے پانی کے اندر ہی کیوں نہ رکھو۔ اور اُن تمام اسباب کو جو پہلی صورت میں اُسکے لئے مایہ حیات تھے استعمال کرو۔ لیکن وہ کبھی بھی بار آور نہ ہوگی۔ اسی طرح ہر انسان جب تک ایک صادق کے ساتھ پیوند قائم نہیں کرتا۔ وہ روحانیت کو جذب کرنے کی قوت نہیں پاسکتا جس طرح وہ شلخ تنہا اور الگ ہو کر پانی سے سرسبز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر بے تعلق اور الگ ہو کر انسان بار آور نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کو متبذل ہونے کے لئے ایک قطع کی ضرورت بھی ہے اور ایک پیوند کی بھی۔ دُنیا اور اُسکے تمام تعلقات اور جذبات سے الگ ہونا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ پیوند کرنا پڑیگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ انسان بالکل دُنیا سے الگ رہ کر خدا تعالیٰ سے تعلق اور پیوند حاصل کریگا۔ نہیں بلکہ دُنیا میں رہ کر پھر اُس سے الگ ہو۔ یہی تو مردانگی اور شجاعت ہے۔ اور دُنیا سے الگ ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ دُنیا کی تحریکیں اور جذبات اُسکو اپنا زیر اثر نہ کر لیں۔ کہ وہ اُنکو مقدم کر لے۔ بلکہ ہر حالت میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھے۔ اور دنیا کی کوئی تحریک اور روک اُسکی راہ میں نہ آوے اور نہ اُسے اپنی طرف جذب کر سکے۔

ابھی بٹے کہا تھا۔ کہ دنیا میں بہت سی روکیں انسان کے لئے ہیں۔ ایک جو رویا بیوی بھی بہت رہزن ہو سکتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اُسکا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے ایک نبی کی تعلیم دی تھی۔ اور اُسکا اثر پہلے عورت پر ہوا۔ پھر آدم پر ہوا۔ مغرض متل یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا ہی ہو کر دنیا اور مایہا سے انقطاع کرنا اور اُن کو محض مژدہ سمجھ لینا۔ بہت سے لوگ ہیں جو ہماری باتوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ بجا اور درست ہے۔ مگر جب اُن سے کہا جائے۔ کہ چہ تر اُسکو قبول کیوں نہیں کرتے۔ تو وہ یہی کہتے ہیں۔ کہ لوگ ہکو برا کہتے ہیں۔ پس یہ خیال کہ لوگ اُسکو برا کہتے ہیں۔ یہی ایک رگ ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے قطع کراتی ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا خوف دل میں ہو اور

اسکی غفلت اور جبروت کی حکومت کے ماتحت انسان ہو۔ پھر اسکو کسی دوسرے کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ کہ دوسرے کیا کہتے ہیں اور کیا نہیں؟ ایسا خیال رکھنے سے ظاہر ہے کہ ابھی تک اس کے دل میں لوگوں کی حکومت ہے نہ خدا تعالیٰ کی جب یہ مشترک نہ خیال دل سے دُور ہو جائیگا تب دوسری لوگ اور دنیاوی اشیاء سب کی سب مُردے اور کیڑے سے بھی کمتر اور کمزور نظر آئے لگینگے اور اگر ساری دنیا ملکر بھی مقابلہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں کہ ایسا شخص حق کو قبول کرنے سے رُک جائے۔

تبثّل تام کا پورا نمونہ ابنیام اور خدا تعالیٰ کے ماموروں میں مشاہدہ کرنا چاہئے۔ کہ وہ کس طرح دنیا و دُلوں کی مخالفتوں کے باوجود پوری بے کسی اور ناتوانی کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ لوگوں کو اُنکی رفتار اور حالات سے سبق لینا چاہیئے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ ایسے لوگ جو بُرا نہیں کہتے۔ مگر پورے طور پر اظہار بھی نہیں کرتے۔ محض اسوجہ سے کہ لوگ برا کہینگے۔ کیا اُن کے پیچھے ناز پڑھ لیں؟ میں کہتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اسلئے کہ ابھی تک اُن کے قبول حق کی راہ میں ایک ٹھوکرا کا پتھر ہے۔ اور وہ ابھی تک اُسی دشت کی شاخ ہیں جس کا پھل نہر بلا اور ہلاک کرنے والا ہے۔ اگر وہ دنیا داروں کو اپنا معبود اور قبیلہ نہ سمجھتے تو ان سارے عجابوں کو چیر کر باہر نکل آتے۔ اور کسی کے لعن طعن کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔ اور کوئی خوف شہادت کا انہیں دامنگیر نہ ہوتا۔ بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف دوڑتے۔

پس یاد رکھو۔ کہ تم ہر کام میں دیکھ لو۔ کہ انہیں خدا تعالیٰ راضی ہے یا مخلوق خدا۔ جب تک یہ حالت نہ ہو جائے۔ کہ خدا تعالیٰ کی رضا مقدم ہو۔ اور کوئی شیطان رہزن نہ ہو سکے۔ اسوقت تک کچھ کر کھانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن جب دنیا کی بُرائی بھلائی محسوس ہی نہ ہو۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضگی اس پر اثر کرنے والی ہو۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب انسان ہر قسم کے خوف و حزن کو مقامات سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہماری جماعت میں شامل ہو کر پھر اُس سے نکل بھی جاتا ہے تو اُسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اُسکا شیطان اس لباس میں مہنوز اُسکے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ عزم کر لے کہ آئندہ کسی دوسرے انداز کی بات کو سنوں گا ہی نہیں۔ تو خدا تعالیٰ اُسے بچا لیتا ہے۔ ٹھوکر لگنے کا عموماً یہی سبب ہوتا ہے۔ کہ غیر از خدا اور دوسرے تعلقات قائم تھے اُن کو پرورش کے لئے ضرورت پڑی۔ کہ اوپر سے سُست ہوں۔ سُستی سے اجنبیت پیدا ہوئی۔ پھر اس سے تکبر اور پھر انکار تک لوہٹ پہنچی۔

تبثّل کا علی نمونہ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نہ آپ کو کسی کی مع کی پرواہ نہ قوم کی کیا کیا کہنے کو نکالیف پیش آئیں مگر کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ کوئی لالچ اور طرح آپ کو اس کام سے روک نہ سکا جو آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے کرنے کا حکم ملا تھا۔ اسلئے جب تک انسان اس حالت کو اپنے اندر

مشابہ نہ کر لے اور امتحان میں پاس نہ ہو لے کبھی بھی ہفیکر نہ ہو۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص مبتل ہو گا وہ متوکل بھی ہو گا۔ گویا متوکل ہونے کے لئے مبتل ہونا شرط ہے۔ کیونکہ مبتل اور متوکل ساتھ تعلق ایسے ہیں کہ انہیں پھر دوسرہ اور تکیہ کرنا ہے۔ اس وقت تک خالصتہً اللہ پر توکل کب ہو سکتا ہے جب خدا تعالیٰ کی طرف انقطاع کرتا ہے۔ تو وہ دنیا کی طرف سے توڑتا ہے۔ اور خدا میں پیوند کرتا ہے۔ اور یہ تب ہی ہوتا ہے۔ جبکہ کامل توکل ہو۔ جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل مبتل تھے۔ ویسے ہی کامل متوکل بھی تھے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اتنے وجاہت والے اور قوم و قبائل کے سرداروں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی۔ اور ان کی مخالفت سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔ آپ میں ایک فوق العادہ یقین خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ اسی لئے اس قدر عظیم الشان رجحان کو آپ نے آسانی سے اٹھا لیا اور ساری دنیا کی مخالفت کی۔ اور ان کی کچھ بھی ہستی نہ سمجھی۔ یہ بڑا بھاری نمونہ ہے توکل کا۔ جسکی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ اس لئے کہ اس میں خدا تعالیٰ کو پسند کر کے دنیا کو مخالف بنا لیا جاتا ہے مگر یہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ جب تک کہ انسان گویا خدا کو نہ دیکھ لے۔ اور جب تک یہ اُمید نہ ہو۔ کہ اسکے بعد دوسرا درجہ ضرور کھٹنے والا ہے۔ جب یہ اُمید اور یقین ہو جاتا ہے تو وہ عزیزوں کو خدا کی راہ میں دشمن بنا لیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ دوسرے دوست بنا دیگا۔ جائداد کو کھودیتا ہے۔ کیونکہ اس سے بہتر ملنے کا یقین ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ہی کی رضا کو مقدم کرنا مبتل ہے اور پھر مبتل اور متوکل تو ہم ہیں۔ مبتل کا راز ہے۔ توکل اور متوکل کی شرط ہے مبتل۔ یہی ہمارا مذہب اس امر میں ہے (الحکم جلد ۵ ص ۳۷)۔

۱۴۔ ستمبر ۱۹۰۱ء بعد مغرب۔ ایک دوست نے حضرت مسیح موعودؑ کی قدرت میں عرض کی کہ اُم المؤمنین کا لفظ جو حضور کے اہل خانہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس پر بعض مخالف اعتراض کرتے ہیں۔ آپ نے اس پر فرمایا۔ اعتراض کر دیا لے بہت ہی کم غور کرتے ہیں اور اس قسم کے اعتراضات صاف بتاتے ہیں کہ یہ محض کینہ اور حسد کی بنا پر کئے جاتے ہیں۔ ورنہ مئیوں اور ان کے اطفال کی بیویاں اگر اُمیات المؤمنین نہیں ہوتی ہیں تو کیا ہوتی ہیں؟ خدا تعالیٰ کی سنت اور قانون قدرت کا اس تعالٰی سے بھی پتہ لگتا ہے کہ کبھی کسی نبی کی بیوی سے کسی دوسرے شخص نے کبھی شادی نہیں کی۔ ہر ان لوگوں سے جو یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ میرے اہل خانہ کو اُم المؤمنین کیوں کہتے ہو۔ پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ تم خود ہی انصاف سے جواب دو۔ کہ جو مسیح موعودؑ تمہارے ذہن میں ہے۔ اور جسے تم سمجھتے ہو۔ کہ وہ اگر نکاح بھی کر لگا۔ کیا اسکی بیوی کو تم اُم المؤمنین کہو گے یا نہیں؟۔

مسیح مسلم میں تو مسیح موعود کو نبی ہی کہا گیا ہے اور قرآن شریف میں انبیاء کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ یہ لوگ مہری مخالفت اور بغض میں ایسا تجاؤ کر جاتے ہیں کہ منہ سے بات نکالتے ہوئے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اس کا اثر اذیت دینا ہو گا۔ جن لوگوں میں مسیح موعود کو شہادت نہ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے موافق اس کی شان کو مان لیا ہے۔ ان کا ایمان تو خود بخود انہیں اس بات کے ماننے پر مجبور کر گیا۔ اور باقی رہے وہ لوگ جو آجکل اعتراض ہی کرتے رہتے ہیں وہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوتے تب بھی اعتراض کرنے سے باز نہ آتے۔ یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ کا مامور جو ہدایت کرتا ہے۔ اور انسان کی روحانی اصلاح کا موجب ہوتا ہے وہ درحقیقت باپ سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ افلاطون حکیم لکھتا ہے کہ باپ تو روح کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے۔ لیکن استاد انسان کو زمین پر سے پھر آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ باپ کا تعلق تو صرف مادی جسم ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن مرشد اور مرشد بھی وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے لئے مامور ہوا ہو۔ اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے جس کو فنا نہیں پھر جیہ روح کی تربیت کرتا ہے اور اس کی روحانی تولید کا باعث ہوتا ہے۔ تو وہ اگر باپ نہ کہلائیگا تو کیا کہلائیگا؟ اصل بات یہی ہے کہ یہ معترض لوگ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر بھی کچھ توجہ نہیں کرتے۔ ورنہ اگر ان پر غور کرتے اور سوچتے اور قرآن شریف کو دہرے پڑھتے۔ تو منکرین میں درجہ

(الحکم جلد ۵ ص ۳۵)

۱۴ ستمبر ۱۹۱۰ء بعد نماز مغرب۔ ایک معترض کا اعتراض حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ آپ نے اپنی تصویر محض تصویر کشی کی غرض سے کھینچوائی ہے۔ اسپر اپنے فرمایا ہے۔ یہ تو دوسرے کی نیت پر حملہ ہے۔ میں بہت مرتبہ بیان کیا ہے کہ تصویر کھینچوانے سے ہمارے غرض کیا تھی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ہمارے دیورپ خصوصاً لندن میں تبلیغ کرنی منظور تھی۔ مگر چونکہ وہ لوگ کسی دعوت یا تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جب تک کہ داعی کے حالات سے واقف نہ ہوں اور اسکے لئے ان کے دل علم تصور میں بڑی بھاری ترقی کیلگی ہے۔ اس لئے وہ لوگ کسی شخص کی تصویر اور اسکے خط و خال کو دیکھ کر رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اس میں راستبازی اور قوت قدسی کہاں تک ہے؟ اور ایسا ہی بہت سے دیگر امور کی نسبت انہیں اپنی رائے قائم کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پس اصل غرض اور نیت ہماری اس سے یہی تھی جسے ان لوگوں نے جو خواہ مخواہ ہر بات میں مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ بڑے بڑے سیراویں میں پیش کیا۔ اور دینا کو بہکا یا۔ میں کہتا ہوں کہ ہماری نیت تو تصویر

سموت اتنی ہی تھی۔ اگر یہ لوگ نفس تصور کو ہی بُرا سمجھتے ہیں تو پھر کوئی سیکہ جس پر تصویر ہونے سے پاس نہ رکھا کریں بلکہ بہتر ہے کہ اپنی آنکھیں بھی نکلو اور دیکھیں کہ ان میں بھی اشیاء کا ایک انعکاس ہوتا ہے۔ یہ نادان مختصر اتنا نہیں جانتے کہ افعال کی تین نیت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ ہمیشہ کا اعمال بالنیات پڑھتے ہیں۔ مگر تاہم سمجھتے نہیں بھلا اگر کوئی شخص محض ریاکاری کے لئے نماز پڑھے۔ تو کیا اُسے لوگ کوئی متخص امر قرار دینگے؟ سب جانتے ہیں۔ کہ ایسی نماز کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔ بلکہ یہ وبال جان بنتی ہے۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ دراصل نماز ہی بُری شے تھی؟ مگر گز نہیں۔ بلکہ اس کے بد استعمال نے اسے نتیجہ کو بُرا پیدا کیا۔ اسی طرح پر تصویر کھنوانے سے ہماری غرض تو اسلام کی دعوت میں مدد لینا تھا۔ جو اہل یورپ کے مذاق پر ہوسکتی تھی۔ مگر اُسے تصور شیخ بنانا اور کچھ سے کچھ کہنا نرا افتراء ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان کو اسپر ہرگز غصہ نہ آنا چاہئے تھا۔ جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ اگر مثل شیخ کا قول خدا اور رسول کے فرمودہ کے موافق نہیں تو سنا کالائے بدر بریش خاوند۔

تصور شیخ کے بارے میں پوچھو تو اُس کا شریعت اسلام میں بالکل تہ نہیں۔ اور اصل صالحین اور فائزین فی اللہ کی محبت ایک عمدہ شے ہے۔ لیکن اس بارہ میں حفظ مراتب ضروری ہے۔ مگر حفظ مراتب نہ کسی مذہبی۔ پس خدا کو خدا کی جگہ اور رسول کو رسول کی جگہ سمجھو اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کے کلام کو دستور العمل ٹھہراؤ۔ قرآن شریف میں چونکہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ کو فواصیح الصادقین۔ اسلئے صاف توں اور فنا فی اللہ لوگوں کی صحبت تو ضروری ہے مگر یہ کہیں نہیں فرمایا۔ کہ تم ان کو سب کچھ ہی سمجھ لو۔ اور پھر دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ۔ مگر اس آیت میں بھی یہ نہیں فرمایا۔ کہ رسول کی ہی خدا سمجھ لو۔ بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا۔ کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے محبوب بننا چاہئے ہو۔ تو اُس کی ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ یہاں اتباع کا حکم تو دیا ہے۔ مگر تصور شیخ کا حکم قرآن شریف میں کسی جگہ نہیں پایا جاتا۔

اس پر حضرت مسیح موعود کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ کہ جو لوگ تصور شیخ کرتے ہیں وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ شیخ کو خدا نہیں سمجھتے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا :- مانا کہ وہ ایسا کہتے ہیں لیکن بُت پرستی کا شروع تو تصور سے ہی ہوتا ہے۔ بُت پرست بھی بڑھنے بڑھتے ہی اس وجہ تک پہنچا ہے۔ پہلے تو اس نے محض تصو ہی کیا ہوگا۔ اس کے بعد سمجھ لیا ہوگا۔ کہ تصور قائم رکھنے کے لئے بہتر ہے کہ تصویر

ہی بنالیں اور پھر اس طرح اسے ترقی دیتے دیتے پتھر اور دھاتوں کے ثبت بنانے شروع کر دیئے اور ان کو تصویر کا قلم مقام بنالیا۔ آخر یہاں تک ترقی کی کہ ان کی روحانیت کو ذرا زیادہ وسیع کر کے انہیں خدا ہی مان لیا۔ اور اب نر و پتھر ہی پوجا کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ امداد قرار کرتے ہیں۔ کہ مشترکے ساتھ ان کو درست کر لیتے ہیں۔ اور پرمیشور کا حلول ان پتھروں میں ہو جاتا ہے۔ اس مشترک نام انہوں نے اواہن رکھا ہوا ہے۔ مینے ایک مرتبہ رویا میں دیکھا۔ کہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے جسے مینے ایک شخص کو دیا۔ کہ اُسے پڑھئے تو اُسے کہا۔ کہ اسپر اوہن لکھا ہوا ہے اسپر نیچے اس سے کراہت آئی۔ تو مینے اُسے کہا۔ کہ تو مجھے دکھا۔ جب مینے پھر ہاتھ میں لیا اُسے دیکھا تو اسپر لکھا ہوا تھا۔ اددت ان استخلف خلفت ادم۔ اصل بات بھی یہی ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے وہ دعائے الہی کے نیچے ہوتا ہے۔ اسی لئے آدم کے بارہ میں فرمایا۔ نفخت فیہ من روحی۔ ایسے ہی طور سے غلطیاں پیدا ہوتی گئیں۔ موصول کو نہ سمجھا اوسے بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنالیا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ شرک اور بت پرستی نے اُسکی جگہ لے لی۔ اپنی تصویر کھنچوانے سے ہماری اصل غرض وہی تھی جو ہم نے بیان کر دی ہے کہ لندن کے لوگوں کو اطلاع ہو اور اس طرح ہر ایک اشتہار ہو جائے (الحکم جلد ۵ ص ۳۴)۔

غرض تصور شیخ کا مسئلہ منہدوں کی ایجاد اور ان سے ہی لیا گیا ہے۔ چنانچہ قلب جاری ہونیکا مسئلہ بھی منہدوں سے لیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں اسکا کہیں ذکر نہیں اگر خدا تعالیٰ کی اصل غرض انسان کی پیدائش سے یہ ہوتی۔ تو پھر اتنی بڑی تعلیم کی کیا ضرورت تھی۔ صرف اجرائے قلب کا مسئلہ بنا کر اسکے طریقے بتا دیئے جاتے۔ مجھے ایک شخص نے معتبر روایت کی بنا پر بتایا۔ کہ ایک منہد کا قلب رام رام پر جاری تھا۔ ایک مسلمان اُسکے پاس گیا۔ تو اُسکا قلب بھی رام رام پر جاری ہو گیا۔ یہ دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ کہ رام خدا کا نام ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ رام خدا کا نام ہرگز نہیں ہے۔ پنڈت ویانند صاحب نے بھی اسپر گواہی دی ہے کہ یہ خدا کا نام نہیں ہے۔ قلب جاری ہونیکا مسئلہ راصل ایک کھیل ہے۔ جو سادہ لوح جاہل لوگوں کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اگر لوٹاؤ تاکہ جاے۔ تو اسپر بھی قلب جاری ہو سکتا ہے۔ اور اگر اللہ کے ساتھ کیا جاری کیا جاے تو وہی ہو سکتا ہے۔ تعلیم قرآن شریف نے ہرگز نہیں دی۔ بلکہ اس سے بہت بہتر تعلیم دی ہے۔ الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے۔ کہ سارا وجود ہی قلب ہو جائے۔ ورنہ اگر سارا وجود سے خدا تعالیٰ کا ذکر جاری نہیں ہوتا۔ تو ایسا قلب قلب نہیں بلکہ کلب ہے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے

کہ اس میں فنا ہو جاوے اور اس کے مدد و شرائط کی غفلت کرو۔ قرآن شریف فنا و نظری کی تعلیم دیتا ہے
 عینے آزمائش کو کچھ ہے کہ قلب جاسی ہو نیکی مرت ایک مشق ہے جس کا انحصار صلاح و تقویٰ پر نہیں ہے
 ایک شخص منکر گری یا ملتان کے ضلع کا کچھ چھین کو رٹ میں ملا کرتا تھا جسے اجرائے قلب کی خوب مشق
 تھی۔ اسلئے میرے نزدیک یہ کوئی قابل وقعت بات نہیں اور نہ ہی خدا تعالیٰ نے اسے کوئی عزت اور
 وقعت دی ہے۔ خدا تعالیٰ کا منشا اور قرآن شریف کی تعلیم کا مقصد مرت بہ تھا۔ کہ قد افلم
 من ذکرها۔ کہ رجب تک سارے گلزارانہ دھویا جائے۔ وہ پاک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پر انسان
 کے سامنے جو لوح اس قابل ہیں کہ وہ دھوئے جائیں کسی ایک کے دھونے سے کچھ نہیں بنتا۔ علامہ
 ابنیہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا کا سنوارا ہوا بگڑتا نہیں۔ مگر انسان کی جی ہوئی چیز بگڑ جاتی
 ہے ہم گواہی دیتے ہیں اور اپنے صحیح تجربہ کی بنا پر گواہی دیتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے اندر خدا تعالیٰ
 کی مرضی اور سنت نبوی کے موافق تبدیلی نہیں کرتا۔ اور پاکیزگی کی راہ اختیار نہیں کرتا۔ تو خواہ اس کے
 قلب ہی اللہ اللہ کی آواز آتی ہو۔ وہ قابل قبول نہیں۔ وہ نہ ہر جو انسان کی روحانیت کو ہلاک کر دیتی
 ہے وہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ پاکیزگی کی راہ اختیار نہ کی جائے۔ روحانیت کے نشوونما اور زندگی
 کے لئے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک ہی ذریعہ رکھا ہے۔ اور وہ اتباع رسول ہے۔ جو لوگ قلب جاری
 ہونے کے شعبہ سے لئے پھر رہے ہیں انہوں نے سنت نبوی کی سخت توہین کی ہے۔ کہہا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی انسان ہو گا اسے پھر کیا آپ صلیم غار حرا میں بھیج کر قلب جاری کو نیکی
 مشق کیا کرتے تھے۔ یا فناء کا طریق آپ نے اختیار کیا ہوا تھا؟ آپ کی ساری زندگی میں کہیں اس
 امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ کہ آپ نے صحابہ رض کو یہ تعلیم دی ہو۔ کہ وہ قلب جاری کرنے کی مشق کیا کریں
 پھر کوئی شخص بھی ان قلب جاری کرنے والوں میں سے پتہ نہیں دیتا اور یہ نہیں کہتا۔ کہ حضرت بنی
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب بھی جاری تھا۔ اسلئے یہ تمام طریق جن کا قرآن شریف میں کہیں کوئی
 ذکر نہیں۔ محض انسانی اختراع اور خیالات ہیں جن کا کچھ بھی نتیجہ نہیں ہے۔ قرآن شریف اگر کچھ فرماتا
 ہے۔ تو یہ کہ اللہ تعالیٰ سے استمداد جہاں اللہ جیسی محبت کرو اور فاتبعونی یحببکم اللہ پر عمل کرو
 اور ایسی فنا و اتم تم پر آ جائے کہ بتل الیہ تبئیلہ کے رنگ سے تم رنگین ہو جاوے اور خدا تعالیٰ
 کو سب چیزوں پر مقدم کرلو۔ یہ امور ہیں جنکے حصول کی انسان کو ضرورت ہے۔ نا وہ ان انسان اپنی عقل
 اور خیال کے پیمانہ سے خدا تعالیٰ کو ناپنا چاہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اپنے اختراعی طریقوں سے
 خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے۔ مگر یہ ناممکن محض ہے۔ پس میری نصیحت یہی ہے کہ ایسے ایسے خیالات

بالکل الگ ہے۔ بلکہ صرف وہ طریق اختیار کرو۔ جو خدا تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اپنے اسوہ حسنہ سے ثابت کر کے دکھا دیا۔ کہ صرف اسی طریق پر چلکر انسان دنیا اور آخرت میں فلاح اور فوز حاصل کر سکتا ہے اور اسی کی تعلیم صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی گئی۔ اور پھر وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ کے دیگر برگزیدوں سنت جاریہ کی طرح اپنے اعمال سے اسے ثابت کر کے دکھا دیا۔ اور آج بھی اللہ تعالیٰ نے اسی کو پسند کیا۔ اگر خدا تعالیٰ کا اصل منشاء قلب وغیرہ جاری کرنے کے طریقوں کا اجرا نہ ہوتا۔ تو ضرور تھا۔ کہ آج بھی جبکہ اس نے ایک سلسلہ گم شدہ صداقتوں اور حقائق کے زندہ کرنے کے لئے قائم کیا یہی تعلیم دیتا۔ اور ہمارے تعلیم کا منتہا یہی ہوتا۔ مگر تم دیکھتے ہو۔ کہ خدا تعالیٰ نے ایسی کوئی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ وہ تو صرف قلب سلیم چاہتا ہے اور محسنوں اور متقیوں سے پیار کرتا ہے۔ اور ان کا ولی بننا ہے۔ کیا سارے قرآن شریف میں کہیں ایک جگہ بھی یہ لکھا ہوا ہے۔ کہ وہ ان لوگوں سے پیار کرتا ہے کہ جن کے قلب جاری ہوں۔ یقیناً سمجھو۔ کہ یہ محض خیالی باتیں اور کھیل ہیں۔ جن کا اصلاح نفس اور روحانی امور سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ایسے کھیل خدا تعالیٰ سے بُعد اور دوری کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اور انسان کے عملی حصہ میں مضر ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے تم لوگ تقویٰ اختیار کرو۔ سنت نبوی کی عزت کرو۔ اور اس پر قائم ہو کر دکھا دو۔ جو قرآن شریف کی تعلیم کا اصل غور یہی ہے۔

پھر حضرت مسیح موعودؑ سے سوال کیا گیا۔ کہ پھر صوفیوں کو کیا غلطی لگی۔ جس پر کہنے فرمایا :- کہ ان کو حوالہ بخدا کرو۔ معلوم نہیں انہوں نے کیا سمجھا۔ اور کہاں سے سمجھا۔ تلافی املہ قد خلت لہا مالک سببت بعض وقت لوگوں کو دھوکا لگتا ہے کہ وہ ابتدائی حالت کو انتہائی سمجھ لیتے ہیں۔ کیا معلوم شاید انہوں نے ابتدا میں ایسا کیا ہو مگر بعد ازاں اُسے ترک کر دیا ہو۔ یا کسی اور شخص نے ہی انکی باتوں میں التماس کر دیا ہو۔ اور اپنے خیالات ملا دیئے ہوں۔ بعینہ جیسے کہ توریت اور انجیل میں تحریف ہو گئی۔ کہوشنہ مشائخ کا اسمیں نام بھی نہیں لینا چاہئے۔ بلکہ ان کا تو ذکر خیر چاہئے۔ انسان کو لازم ہے۔ کہ جس غلطی پر خدا تعالیٰ اُسے مطلع کر دے خود اسیں نہ پڑے۔ اور خدا تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ کہ شرک نہ کرو۔ اور تمام عقل اور طاقت کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ہو جاؤ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔

من کان لله کان الله له۔

پھر حضرت مسیح موعودؑ سے جس دم کے بارہ میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا :- یہ بھی سندہ جو گیوں کا مسئلہ ہے۔ اسلام میں اسکی کوئی اصل موجود نہیں ہے (الحکم جلدہ ۱۷۷)۔

۲۱۔ ستمبر ۱۹۰۷ء بعد نماز مغرب ایک شخص منشی عبدالحق صاحب پٹیالوی نے حضرت

مسیح موعودؑ کی خدمت میں اولاد زینہ ہونے کے لئے درخواست کی جس پر آپ نے فرمایا :- انسان کو
 سوچنا چاہیے۔ کہ اُسے اولاد کی خواہش کیوں ہوتی ہے؟ کیونکہ ایسی خواہش کو محض طبعی خواہشات ہی
 تک محدود نہ کروینا چاہئے۔ مثلاً جیسا کہ انسان کو پیاس یا بھوک لگتی ہے تو جب وہ ایک خاص اندازہ
 سے گزر جائے تو ضرور اسکی اصلاح کی فکر کرنی پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے
 پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔ اب اگر انسان خود
 مومن اور عہد نہیں بنتا اور اپنی زندگی کے اصل منشاء کو پورا نہیں کرتا۔ اور نہ پورا حق عبادت ادا کرتا
 ہے بلکہ اپنی زندگی فسق و فجور میں بسر کرتا اور گناہ پر گناہ کئے جاتا ہے۔ تو ایسے آدمی کی خواہش اولاد
 کیا نتیجہ رکھیں گی؟۔ صرف یہی کہ گناہ کرنے کے لئے وہ اپنا ایک اور غلیظہ چھوڑنا چاہتا ہے۔ گناہوں
 میں خود کو نسی کمی کی ہے۔ کہ اولاد کی خواہش کرتا ہے۔ پس ہمارے نزدیک جب تک اولاد کی خواہش
 محض اس غرض کے لئے نہ ہو کہ وہ دیندار و متقی۔ اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے دین پاک
 کی خادم بنے۔ بالکل فضول بلکہ ایک قسم کی مصیبت اور گناہ ہے۔ اور بات بات صالحات کی بجائی
 اس کا نام باقیات سیئات رکھنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ وہ صلح و خداترس
 اور خادم دین اولاد کی خواہش کرتا ہے۔ تو اُس کا ایسا کہنا بھی نہ ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا۔ جب تک
 کہ وہ خود اپنی حالت میں ایک اصلاح نہ کرے۔ لیکن اگر خود فسق و فجور کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور منہ
 سے کہتا ہے کہ وہ صلح اور متقی اولاد کی خواہش رکھتا ہے۔ تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کذاب ہے۔ صلح
 اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے یہ ضروری ہے۔ کہ انسان خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ
 زندگی بنائے۔ تب ہی اسکی یہ خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہوگی۔ اور پھر ایسی اولاد بھی حقیقت میں اس
 قابل ہوگی۔ کہ اُسے باقیات صالحات کا مصداق کہا جائے۔ لیکن اسکے خلاف اگر اولاد کی خواہش
 صرف اسلئے ہو کہ اُس کا نام باقی رہے اور وہ اُسکے املاک و اسباب کی وارث ہو یا بڑی نامور
 اور مشہور ہو۔ تو اس قسم کی خواہش میرے نزدیک شرک ہے۔ یہ خوب یاد رکھو۔ کہ کسی بھی نیکی کو اس لئے
 نہیں کرنا چاہئے۔ کہ اُس نیکی کے کرنے پر ثواب یا اجر ملیگا۔ کیونکہ اگر محض اس خیال سے نیکی کی جائے۔
 تو وہ ابتغاء لمرصات اللہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ صرف اُس ثواب یا اجر کی خاطر ہوگی۔ اور اس سے
 انبلیشہ ہو سکتا ہے۔ کہ انسان کسی وقت ایسی نیکی کو چھوڑ دے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ہر روز ہم سے ملنے
 کے لئے آوے اور ہم اُسے ہر روز ایک روپیہ دیدیا کریں۔ تو وہ اپنی جگہ ہی سمجھیں گے۔ کہ اُسکا ہمارے
 پاس آنا صرف روپیہ کے لئے ہے جس دن اُسے روپیہ نہ ملا۔ اُسی دن سے وہ آنا ترک کر دیگا عرض

دنیا کی خواہشات اور بقائے نام و نمود کے لئے اولاد کی خواہش کرنا ہمارے نزدیک ایک فہم کا ہائیک
 شرک ہو جس سے بچنا چاہئے۔ اور نیکی کو محض اسلئے کرتا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور صرف
 اُسی کی رضا حاصل ہو اور اُسکے احکام کی تعمیل ہو۔ قطع نظر اسکے کہ اسپر کوئی ثواب ہو یا نہ ہو۔ ایمان
 تب ہی کامل ہوتا ہے جبکہ اس قسم کے وسوسے اور وہم و رہبان سے اُٹھ جائیں۔ گو یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کسی شخص کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ لیکن نیکی کرنے والے کو اجر نہ نظر
 نہیں رکھنا چاہئے۔ مثلاً دیکھو۔ کہ اگر کوئی مہمان یہاں محض اسلئے آتا ہے۔ کہ یہاں اُسے آرام ملیگا۔
 ٹھنڈا شراب پینے کو ملیگا۔ اور مکلف کھانے کھانے کے لئے ملینگے۔ تو گویا وہ صرف ان چیزوں کے
 لئے آتا ہے۔ حالانکہ یہ فرض خود میران کا ہوتا ہے۔ کہ وہ خنے المقدور اپنے مہمان کی مہمان نوازی کرے
 اور اُسے ہر قسم کا آرام پہنچائے۔ سادہ اُسے پہنچانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ لیکن خود مہمان کا ان
 باتوں کو ہی مد نظر رکھ کر کسی کے ہاں جانا خود اُسکے لئے موجب نقصان ہے۔ غرض اصل مطلب یہ ہے
 کہ اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصول پر مبنی چاہئے۔ اسکے علاوہ اور کوئی خیال نہ ہو۔ کیونکہ اگر کوئی اور
 خیال ہوگا تو گویا وہ ایک گناہ کا خلیفہ مانگنے کی التجا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے کبھی اولاد کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے پندہ یا رسولہ
 برس کی عمر کے درمیان ہی اولاد دیدی تھی۔ یہ سلطان احمد اور فضل احمد قریباً اُسی عمر میں پیدا ہو گئے
 تھے۔ اور پھر نہ کبھی مجھے یہ خواہش ہوئی۔ کہ وہ بڑے بڑے دنیا دار بنیں اور اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوں۔
 غرض اولاد محض نیکی کے لئے طلب کرنی چاہئے۔ کیونکہ جو اولاد معصیت اور فسق کی زندگی بسر کرے وہی ہو
 اُسکے ماں میں تو شیخ سعدی کا یہ فتوہ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ پیش از پدر مرمودہ بنا خلف۔ پھر
 دوسری بات یہ ہے کہ لوگ اولاد کی خواہش تو بڑی کرتے ہیں۔ اور اولاد ہوتی بھی ہے۔ لیکن یہ شافو و ناوار
 دیکھا گیا ہے۔ کہ یہ لوگ اولاد کی تربیت اور ان کو صلح اور نیک چلن بنانے اور اللہ تعالیٰ کا فرما ہر وار
 بنانے کی سعی اور فکر کریں۔ اور نہ کبھی ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور نہ مراتب تربیت کو مد نظر رکھتے
 ہیں۔ میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہوتی ہے جس میں میں اپنے اور اپنے
 دوستوں اور انکی اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہوتے ہیں۔ جو اپنی
 اولاد کو بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ اور شروع میں جب بچہ کوئی بُرا کام کرتا ہے یا بد عادت سیکھنے
 لگتا ہے۔ تو اسے تنبیہ نہیں کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ دن بدن ولید اور بیباک ہوتا جاتا ہے۔
 ایک حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک لڑکا اپنے جرائم کی وجہ سے پھانسی پر لٹکا یا گیا۔ اور اس آخری وقت

میں اُسے خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جب اُسکی ماں آئی۔ تو اُس نے اپنی ماں کے پاس جا کر اُسے کہا کہ میں تمہاری زبان کو چوسنا چاہتا ہوں۔ لیکن جب ماں نے زبان نکالی تو اُس نے اُسے کاٹ کھایا۔ اس پر اُس سے اس حرکت کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو اُس نے کہا کہ اسی میری ماں نے مجھے پھانسی پر چڑھایا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بچے پہلے ہی بدی سے روک دیتی۔ تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں۔ لیکن نہ اس لئے کہ وہ خادمین ہو۔ بلکہ محض اسلئے کہ دنیا میں اُن کا کوئی وارث ہو۔ اور پھر جب امتحانِ اولاد دیر تیا ہے۔ تو اُسکی تربیت کا کوئی فکر نہیں کیا جاتا۔ اور نہ اُسکے عقاید و اعمال کی اصلاح کی جاتی ہے۔ اور نہ اُسکی اخلاقی حالت کو درست کیا جاتا ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ اُس شخص کا ایمان کبھی درست نہیں ہو سکتا۔ جو اقرب تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ ایسے اقرب تعلقات کے فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ تو اور نیکیوں کی اُس سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اولاد کی خواہش کو اس طرح پر بیان فرمایا ہے ربنا ہب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین ولجعلنا للمتقین امہات۔ یعنی خدا تعالیٰ ہمارے بیویوں اور بچوں سے اُنکھ کی مانند عطا فرمائے۔ اور یہ تب ہی میسر آ سکتا ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی نہ بسر کرتے ہوں۔ بلکہ عباد الرحمن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک شے پر مقدم کر دیے ہوں۔ اور آیت کے اخیر میں کھول کر بیان فرمایا۔ واجعلنا للمتقین امہات۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو یہ اُن کا امام ہوگا۔ اس سے گویا اپنے اور اولاد کے متقی ہونے کی بھی دعا ہے (الحکم جلد ۵ ص ۳۵)۔

۱۹۰۱ء ستمبر ۱۰ء۔ سید امیر علی شاہ صاحب ملہم سیالکوٹی سیر کے وقت اپنی روزانہ ڈائری سنایا کرتے تھے اُن کے کثوت اور رویا کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دن فرمایا کہ شاہ صاحب کو تو ایسے ہماری تصدیق کے بیخوڑے ہوئے ہیں اور خدا کرے کہ اس قسم کے زنجیر سیکو پڑیں۔ ہم حلفاً کہہ سکتے ہیں کہ اُن کا خاتمہ اسی ایمان پر ہوگا (الحکم جلد ۵ ص ۳۵)۔

۱۹۰۱ء ستمبر ۱۸ء۔ بعد نماز ظہر۔ میاں سراج الدین صاحب تحصیلدار دیپال پور ضلع منٹگری اور میاں جمال الدین صاحب آنیری محکمہ باغبان پورہ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں شرف نیاز حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے اول الذکر صاحب علاج کے لئے حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب کے پاس آئے تھے حضرت مسیح موعودؑ نے بعد استفسار حالات مرض فرمایا: ساگر عقلتہ انسان ہو۔ اور غور کرے۔ تو یہ بیماریاں بھی دراصل تنبیہات ہی ہیں۔ بہت سے لوگ مر چکے ہیں جنکو پہنے

اپنے ماتھے سے دفن کیا ہے اور بعض لوگ ایسے مرتے دیکھے ہیں۔ کہ جنکی موت کا کوئی نشان و گمان
 بھی نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کو جب امراض لاقی ہو جاتے ہیں تو اسے سمجھ لینا چاہیے
 اب زمینہ قریب آگیا ہے اور موت کا کوئی پتہ نہیں کہ کس گھڑی آجائے۔ اس لئے ایک عالم شہد
 انسان کو لازم ہے کہ ہر وقت موت کو یاد رکھے۔ اگرچہ بہت سے دوسرے اور جملے امراض کے ایسے
 بھی ہوتے ہیں۔ کہ انسان اُن سے بچ جاتا ہے اور اچھا ہو جاتا ہے۔ لیکن آخر موت اُنہی میں سے
 نکل آتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ طیبہ لکھنے میں غلطی کر جاتا ہے اور وقت موعود
 آجاتا ہے۔ غرض مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی موت کو یاد رکھیں۔ کیونکہ دوسری
 توام تو پہلے ہی بت پرست ہیں اور اسی بت پرستی میں مبتلا و مہلاک ہو رہی ہیں لیکن مسلمان
 جو کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے ہیں انکو تو موت کا خیال ہونا چاہیے۔ جنکو مکہ ہے ولا عقوب الا
 وانتم مسلمون موت کا کیا ہے۔ بعض وقت یہ بھی اچانک آ جاتی ہے۔ مرزا اعظم بیگ صاحب
 کے لڑکے کو زہر کرنے کا ٹاؤ دہی اُسکے لئے موت کا موجب ثابت ہوا۔ موت کے مقدمہ میں
 انسان کو خطرناک شکست ہوتی ہے جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ باوجود
 اس علم کے کہ موت ایک بڑی یقینی چیز ہے۔ تاہم اسے ایک قصہ کہانی کے رنگ میں سمجھا جاتا ہے۔
 اداس خیال کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ سے توفیق نہ ملے۔ اداس کا مرت ایک
 ہی فدیہ ہے اور وہ یہ کہ انسان سچے دل سے توبہ النصوح کرے اور اپنا صدق اور استقلال نکالے
 اور اللہ تعالیٰ کے واسطے اور لوہا ہی کی عزت کرے اور اُسکے حدود کو نہ توڑے۔ صوم و صلوة کا پابند
 ہو جائے اور سخی اللہ و حقوق العباد میں رعایت اور احتیاط کرے۔ یہی خلاصہ ہے اسلام کا۔ اور
 اس پر اگر قائم ہو جائے۔ تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسکے لئے تمام گناہوں کو بخار کی بڑی بیماری ضرورت
 ہے۔ اور خصوصاً بیماری کی حالت میں تو اور بھی بڑھ کر ہے۔ وہ تو جس کے لئے طبیعت بولتی ہے اور
 روح کو اسی دیتی ہے۔ وہ اور ہے۔ کیونکہ وہ راستی اور صدق نیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی
 نافع بھی ہے۔ محض زبان سے تو یہ کر لینا بڑی بات نہیں ہے اور مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ
 کی طرف رجوع کرنا بھی آسان امر نہیں ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جب انسان سیرای اور خود روی
 اختیار کر لے تو اسے کوئی نصیحت کا مرکز نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک دل میں
 واعظ پیدا نہ ہو کچھ نہیں بنتا۔ اس لئے انسان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ کوشش کرے۔ کہ اُس کے
 دل میں واعظ پیدا ہو۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق سے ملتا ہے (الحکم جلد ۳)

۱۹ ستمبر ۱۹۷۱ء - رات کے بارہ بجے حضرت ام المؤمنین نے رویا میں دیکھا۔ عیسیٰ کا مسئلہ حل ہو گیا۔ خدا کہتا ہے جس جب عیسیٰ کو اتارتا ہوں تو پوڑی کھینچ لیتا ہوں، اُسکے معنے آپکے دل میں بیڈلے گئے۔ کہ عیسیٰ کی حیات و ممات میں انسان کا دخل نہیں۔ یہ یوں اُسی وقت حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں سنائی گئی۔ تو اپنے فرمایا۔ کہ اسپرینے توجہ کی۔ تو یہ القابہوا۔ کہ حقیقت میں ہزار سالہ موت کے بعد جواب اچھا ہوا ہے۔ اس میں انسانی ذمہ کا دخل نہیں ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ نے مسیح کو بن باپ پیدا کیا۔ یہاں مسیح موعود کو بلا واسطہ کسی استاد یا مرشد روحانی کے دندگی عطا فرمائی۔ استاد بھی حقیقت میں باپ ہی ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقی باپ استاد ہی ہوتا ہے۔ افلاطون کہتا ہے۔ کہ باپ تو روح کو زمین پر لاتا ہے۔ اور استاد زمین سے آسمان پر پہنچاتا ہے۔ غرض جیسے مسیح بن باپ پیدا ہوا اور اُسکی اس حیات میں کسی انسان کا دخل نہ تھا۔ ویسے ہی یہاں بدون کسی استاد یا مرشد کے خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور فیض سے روحانی زندگی عطا کی۔ پھرینے موت کے متعلق جب توجہ کی۔ تو ذرا سی غنودگی کے بعد الہام ہوا۔ فری سین مسلط نہیں کئے جائینگے۔ کہ اسکو ہلا کریں۔ غریبین کے متعلق میرے عمل میں گدرا کہ جسکے ارادے غنی ہوں۔ پوڑی کے متعلق یہ نفہیم ہوئی کہ ارواح کا نزول آسمان سے ہی ہوتا ہے۔ اور موعود بھی آسمان ہی پر ہوتا ہے۔ غرض یہ کیسی لطیف بات ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس میں عظیم الشان بشارت اور پیشگوئی رکھ دی ہے۔ کہ لوگ ہمارے قتل کے ارادے کریں گے مگر خدا تعالیٰ انکو ہر مسلط نہیں کرے گا (الحکم جلد ۵ ص ۳۷)۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء - صبح کی سیر سے واپسی پر کسی تقریب پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ اللہ جل شانہ ہمیں برکات اعجازی مرحمت فرمائی ہے۔ کہ علامہ وقت باوجود ہماری کم علمی بلکہ جہالت طبع کر اگر شبہ کو اپنے کے ہمارے مقابلہ میں فصیح و بلیغ عربی نویسی میں جو ایسے حقائق و معارف قرآنی اور معنایہ عانی سے مملو ہو۔ جن سے تفاہیر متداولہ قوم خالی ہیں عاجز و بے طاقت ہیں۔ بلکہ اب تو یہ کہتا ہوں۔ کہ ہمارے چھوڑو۔ اب صرف آٹھ آیات کلام اللہ کی کہیں سے بطور قرعہ لیکر ہمارے زانو پر زو بیٹھ کر کم سے کم آٹھ فرقے یاہین کے اوراق کے برابر سوائے پہلے حصہ براہین کے ایک دن میں صبح سے شام تک تفسیر موصوف لکھیں تو حجب بھی ہم اپنے دعوے سے دست بردار ہو جائینگے۔ ہم تو ایک فرقہ جدیدہ ہونے کے سبب باہر نہیں جاسکتے۔ لیکن ہمارے مخالفین کا گروہ تو یہاں بھی بکثرت موجود ہے خصوصاً ہمارے براہد نظام الدین و امام الدین دیوبند و اراک کے معاون ہیں۔ اور ہم خود اسی خطرات اور خراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں جو صاحب تشریف لاریں ہیں اظہار حق منظور ہو۔ کسی

مذہبیں چاہتے ہیں کسی نے کبھی عداوت بھی کی ہو۔ (الحکم جلد ۵ صفحہ ۷۰)۔

۳۱۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء قبل شام۔ اٹلے سے تشریف لاتے ہی فرمایا:۔ آج میں ایک مضمون لکھنا شروع کیا ہے۔ حضرت مسیح کی نسبت بہت بڑا خطر کیا گیا ہے اور ان کی شان میں آسا غلو کیا گیا ہے کہ معاذ اللہ انہیں خدا ہی بنا دیا گیا ہے۔ ہم ان کی ایسی ہی عزت کرتے ہیں جیسے اور نبیوں کی۔ اور ان کو خدا کا راستہ ازبنی مانتے ہیں مگر اس غلو اور خطر کو توڑنے کے لئے میں تجویز کیا ہے کہ ان کی وہ ساری سوانح کچھائی طور پر پیش کی جائے جو عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ جب تک وہ ساری باتیں جو ان کی انسانیت کے اثبات پر گواہ نامقد ہیں پیش نہ کی جائیں۔ تب تک خیالی طور پر جو کچھ ان کے مراتب میں غلو کیا گیا ہے۔ اسکا استیصال ہوگا۔ اور یہ جو شمس اللہ تعالیٰ نے مجھے محض اسلئے دیلئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ اس خطر کا نتیجہ بہت بُرا ہوا ہے۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت قہر میں لگی گئی اور خدا تعالیٰ کے جلال و جبروت کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی گئی۔ اسلئے میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ سلسلہ بہت مہینہ ثابت ہوگا۔ چونکہ حسب فرمان اِنْعَالِ الْعَمَالِ بِالْإِيتِيَاتِ ہماری نیت نیک ہو۔ اسلئے وہ واقعات جو ہم اس میں درج کرینگے۔ اسلئے نہیں ہونگے۔ کہ خدا خواستہ ہم ان کی قہر میں کرتے ہیں بلکہ صرف اسلئے کہ ان کی انسانیت ان کو دی جائے۔ نیز ہم ان اعتراضوں کو جو یہودیوں اور ذی تحکروں نے اُپنر کئے ہیں۔ درج کر کے خود ان کا جواب دینگے (الحکم جلد ۵ صفحہ ۷۰)۔

۳۲۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ بعد نماز مذکورہ بالا سلسلہ میں فرمایا:۔ یہ کتاب جو میں لکھ رہا ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نشان ہوگی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہوئی ہے کہ انجیل کا کُلُّ دُعَائِكَ الْإِنْفِ شکر کا ثواب اسلئے مجھے پورا بھروسہ اور یقین ہے۔ کہ میری دعائیں کل دنیا سے زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ اور اسی لئے یہ کتاب ایک نشان ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکیگا۔ اور ہماری محنت کے ہاتھیں یہ ایک زبردست نشان ہوگائیں عربوں کے دعویٰ ادب و فصاحت و بلاغت کو با کھل کر توڑنا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ جو اجنبی لوگ ہیں اور چند سطریں لکھ کر اپنے آپ کو اہل زبان اور ادیب قرار دیتے ہیں۔ وہ اس اعجاز کے مقابلہ میں علم ٹھاکر دیکھ لیں ان کے علم توڑ دیئے جائینگے۔ اور اگر ان میں کچھ طاقت اور قوت ہو تو وہ اکیلے اکیلے یا سب کے سب مگر اس کا مقابلہ کریں۔ پھر انہیں معلوم ہو جائیگا۔ اور نیز یہ راجحی کھل جائیگا۔ جو نادانوں کو کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ عربوں کو ہزار روپے کے نوٹ دیکر عربی کتابیں لکھائی جاتی ہیں۔ اب معلوم ہو جائیگا۔ کہ کون عرب ہو جو ایسی فصیح اور بلیغ اور ایسے حقائق اور معارف سے پر کتاب لکھ سکتا ہے۔ جو کتابیں یہ ادب و انشاء کا دعویٰ کرنے والے

تھیں ان کی مثال تہوں کی سی ہے کہ سخت نرم۔ سیاہ۔ سفید پتھر حج کو کے اکٹھے رکھ دیئے جائیں گے ہماری کتاب ایک لذیذ اور شیریں چیز ہوگی۔ جس میں حقائق اور معارف قرآنی کے اجزاء ترکیب دیئے گئے ہیں۔ جو بات روح القدس کی تائید سے لکھی جائے اور جو الفاظ اُس کے القاد سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ ایک حلاوت رکھتے ہیں اور اس حلاوت میں ملی ہوئی شوکت اور قوت ہوتی ہے۔ جو دوسروں کو اُس پر قادر نہیں ہونے دیتی۔ غرض یہ کتاب بہت بڑا نشان ہوگا۔

حضرت مسیح مہکے بارہ میں جو ہم یہودیوں اور فری تھنکروں کی گنتہ جنہوں کے جوابات دینا چاہتے ہیں اس طرز کے اختیار کرنے سے ہماری مدد ہوگی۔ کہ حضرت مسیح کی خدائی باطل کی جائے۔ مسیح کی خدائی کا عقیدہ ایک ظلم عظیم ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔ کہ شروع سے ہی جیکہ میں ایک طالب علم تھا۔ اس عقیدہ کی ترمیم کا ایک جوش مجھے خدا تعالیٰ نے مجھے رکھا تھا۔ گویا میری سرشت میں ہی یہ بات رکھ دی گئی تھی۔ چنانچہ پادری فنڈ صاحب نے اپنی کتابیں رد اسلام میں شامل کیں تو ۱۸۵۹ء کو یہاں کا ذکر ہے۔ کہ مولوی گل علی شاہ صاحب کے پاس جو ہمارے والد صاحب نے خاص ہمارے لئے استاد رکھے ہوئے تھے پڑھاتا تھا۔ اور اس وقت میری عمر سولہ سترہ برس کی ہو گئی جب یضاس کی کتاب میزان الحق دیکھی۔ ایک منہدونے جو میرا ہم کتب تھا اُسکی فارسی کو دیکھ کر اُسکی بڑی تریف کی مگر میں نے اُسکو بہت ملزوم کیا۔ اور بتایا۔ کہ اس کتاب میں سچر بجا ست کے اور کچھ نہیں ہے۔ تو نری زبان پر جانا ہے۔ اس وقت سے خدا تعالیٰ نے اس جوش میں ترقی دی ہے۔ اور میرے لئے یہ عقیدہ میں یہ بات بڑی ہوئی ہے کہ اس فقر کے لئے کو تباہ کیا جائے۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہو۔ کہ آجکل جو غازیں جمع کر کے پڑھی جاتی ہیں وہ بھی میری سخت مصروفیت دینی کے باعث سے ہیں۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے ہی فرمایا ہوا تھا۔ کہ مسیح موعود کے لئے غازیں جمع کی جائیں گی۔ اس لئے اس طرح یہ عظیم الشان پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دنیا ریوں میں ہمیشہ سے ہنگام رہتا ہوں۔ تاہم آجکل کی مصروفیت کا یہ حال ہے۔ کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں۔ حالانکہ زیادہ جاگنے سے مورق کی بیماری ترقی کرتی ہے اور دھڑان سر کا دورہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ تاہم میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کام کو کئے جاتا ہوں۔ چونکہ دن چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم بھی نہیں ہوتا۔ کہ وقت کہہ جاتا ہے۔ اسی وقت خبر ہوتی ہے۔ جب شام کی غازیں کے وضو کے لئے پانی کا لوبہ رکھ دیا جاتا ہے۔ تو اس وقت مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کاش اتنا لمبا دن اور ہو جاتا۔ باوجودیکہ مجھے اس حال

کی میاں ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتھیں۔ مگر جو وقت پاخانہ کی بھی حاجت ہوتی ہے۔ تو مجھے افسوس ہی ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حاجت ہوئی۔ اسی طرح جب روٹی کھانے کے لئے کئی مرتبہ کہتے ہیں تو بڑا جبر کر کے جلد جلد چند تھکے کھا لیتا ہوں۔ بظاہر تو میں روٹی کھاتا ہوں کھاتی جیتا ہوں۔ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں جاتی ہے اور کیا کھاتا ہوں۔ میری توجہ اور خیال اُسی طرف لگا ہوا ہوتا ہے۔

پس یہ تصنیف جو میں کر رہا ہوں بڑی ضروری چیز ہے۔ اور خدا نے چاہا تو یہ ایک نشان ہو گا جسکی نظیر لانے پر کوئی قادر نہ ہو گا۔ اگرچہ یہ کتاب بظاہر کوئی عجیب اور اعجاز نظر نہ آئی ہو۔ مگر اسکی اشاعت پر دنیا کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ کسی لاجواب ہی جیسے ہم نے ہوتو کے لئے مضمون لکھنا شروع کیا۔ تو پہلے ایک دور سننے اپنے خیال کے موافق کچھ خوشی ظاہر نہ کی۔ مگر خدا تعالیٰ نے الہاماً خود بخود ہی دی۔ کہ وہ مضمون ہلارہ۔ چنانچہ یہ اشتہار علیہ سے پہلے ہی شائع کر دیا گیا۔ آخر جب وہ علیہ میں پڑ گیا تو اسکی عظمت اور اسکی صفات کو سب نے تسلیم کیا۔ یہاں تک کہ لاہور کے انگریزی اردو اخبارات نے اسے ہلارہنے کا اعتراف کیا۔ اسی طرح پر جب یہ کتاب شائع ہو کر باہر نکلی گی تب پتہ لگیگا۔ کہ ایک ہار ایک شخص کو دہلی سے عطر لانے کے لئے کہا۔ وہ کہنے لگا۔ جب میں عطر کی دکان پر گیا۔ تو جو عطر وہ دکھاتا تھا میں اسے ہی واپس کر دیتا تھا۔ آخر عطر نے کہا۔ کہ میں تم یہاں دکان میں بیٹھے ہو۔ سو نہیں پتہ نہیں لگتا۔ جب دکان سے باہر لیکر جاؤ گے تب اس عطر کی قیمت معلوم ہوگی۔ چنانچہ جب وہ عطر لیکر آیا۔ تو اسنے بیان کیا۔ کہ جو گاڑیاں ہے پیچھے آتی تھیں ان کے سوار کہتے تھے۔ کہ کس کے پاس عطر ہے۔ گویا اسکی اتنی خوشبو تھی (الحکم جلد ۵ صفحہ ۷۷)۔

۳۱۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ صبح کی سیر میں فوٹو گراف کی ایجاد اور اسیں اپنی ایک تقریر عربی بند کرنے کی تجویز کی گئی جس کے ذریعہ سے عربی مالک میں تبلیغ ہو سکے۔ سیر سے واپسی پر قاضی یوسف علی صاحب نعمانی کی بیار پرسی کی اور اندر تشریف لے گئے۔ ظہر کے وقت باہر تشریف لا کر نماز ظہر و عصر جمع کر کے ادا فرمائیں۔ آج حکیم محمد اجل خاں صاحب دہلی کا خط مہ کاغذات متعلقہ حا ذق الملک یحییٰ بن محمد آپکو ملا۔ جسپر آپ نے ایک تبلیغی خط بطور جواب کے روانہ کر دیا (ادارہ ظہر و عصر) (الحکم جلد ۵ صفحہ ۷۷)۔

۳۲۔ نومبر ۱۹۰۱ء۔ بوجہ حجتہ المبارک آپ صبح کی سیر کے لئے تشریف نہ لے گئے۔ بعد از مغرب آپ کے سختہ دن کے سلسلہ تقریریں فرمایا۔ کہ صبح کی شان میں جس قدر اطر کیا گیا ہے۔ اور پھر

جس نے اپنے چلے کر کے اُنکو گرایا گیا ہے۔ میں اُن دونوں پہلوؤں کو صاف کر کے حضرت مسیح م کی شان کو اعتدال پر لانا چاہتا ہوں۔ اور جو کچھ وہ حقیقت میں تھے اُس سے دُنیا کو اطلاع دینا بھی میرا کام ہے۔ آج میں اس پر بہت غور کرتا رہا۔ کہ عیسائیوں نے باوجود حضرت مسیح کو خدا بنانے کے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ علاوہ دوسری باتوں کے یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔ کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس یوسف کے ساتھ حضرت مریم کی شادی ہوئی تھی۔ اُسکی ایک بیوی پہلے بھی موجود تھی۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی شرارت ہی اور حد سے بڑھی ہوئی شونجی کے باعث حضرت مسیح کی پیدائش کو ناجائز قرار دیا۔ اور پھر ظلم پر ظلم کیا۔ کہ ایک تارکہ اور زبردی گئی لڑکی کا اپنی شریعت کے خلاف نکل کر دیا۔ اور نکل بھی حل کی حالت میں کیا اور اس طرح پر موصوفی شریعت کی توہین کی۔ اور اب اس حضرت مسیح کی پاک پیدائش پر نکتہ چینی کی۔ اور ایسی سخت نکتہ چینی کہ جسے ہم سن بھی نہیں سکتے۔ اس کے مقابلہ پر عیسائیوں نے کیا کیا؟ انہوں نے اس میں تو شک نہیں اعتقاد ہی طور پر حضرت مسیح کی پیدائش کو روح القدس کی پیدائش تسلیم کر لیا۔ اور خود خدا کو ہی حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا کیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے بعد از دل کو ناجائز قرار دے کر وہی اعتراض دوسری شکل میں حضرت مریم کی اولاد پر کر دیا۔ اور اس طرح بطور ایک نادان دوست کے خود حضرت مسیح م اور اُن کے دوسرے بھائیوں بہنوں کی پیدائش پر حملہ کر دیا۔ میرا ارادہ ہے کہ یہ سارے اعتراض جمع کر کے خود حضرت مسیح کی طرف سے جواب دہ نکا۔ اور ساتھ کے ساتھ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ بھی حضرت مسیح سے کرنا جائز نکا (الحکم جلد ۵ ص ۷۱)۔

۲۔ نومبر ۱۹۱۷ء۔ حضرت مسیح موعود م صیر کے لئے تشریف لے گئے اور مختلف دینی امور کا تذکرہ ہوتا رہا۔ نماز ظہر عصر جمع کر کے ادا فرمائیں۔ بعد نماز مغرب بیٹھ احمد الدین صاحب کتبہ جہلم نے تجویر بیعت کی اور چند دوسرے آدمیوں نے بیعت کی اور مختلف دینی امور کا ذکر ہوتا رہا۔ جس کے بعد مرزا خدا بخش صاحب نے کتاب غسل مصطفیٰ سنائی۔ وصال کے بیان میں حضرت ابن صیاد رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی آگیا۔ جس کے متعلق حضرت مسیح موعود م نے فرمایا۔ مجھے تعجب ہے کہ کیوں بیچارہ ابن صیاد پر یہ ظلم کیا جاتا ہے کہ خواہ مخواہ اُسے دجال بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ ساری عمر میں اُس سے کوئی شرارت ظاہر نہیں ہوئی۔ بلکہ اُسے مسلمان ہو کر جہاد میں اپنی جان دی۔ اور شہید ہوا۔ اور حج کیا۔ مجھے تو یہ مظلوم نظر آتا ہے۔ اور اس لئے وہ اس قابل ہے کہ اُسکی نسبت رضی اللہ عنہ کہا جائے۔ یہ صرف بلا سوچے سمجھے مورد اعتراض ٹھہرایا گیا ہے۔ آپر حضرت مولوی نور الدین صاحب نے فرمایا۔ کہ حضور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام یہود کو مدینہ سے نکال بھی دیا اور بعض کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن ابن مسیاد کو اپنے مدینہ سے نہ نکالنا قتل کیا۔ اگر وہ ایسا ہی وجہ تھا جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟

پھر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: حقیقت میں یہ اعتراض بہت صحیح ہے اور اسکا جواب مخالف کو پاس کچھ نہیں ہے۔ میری تو یہی رائے ہے۔ کہ وہ ایک سچا مسلمان تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بنی الامتین کہہ کر کی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اسکی والدہ بھی مسلمان تھی۔ یہ فی الحقیقت مظلوم ہیں (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

۳۔ نو مہر ۱۹۰۱ء حضرت مسیح موعودؑ مسیح کی سیر کو تشریف لے گئے۔ سیٹھ احمد الدین صاحب بھی ہمراہ تھے۔ راستہ میں مولوی برہن الدین صاحب جہلمی نے عرض کی کہ سیٹھ احمد الدین صاحب کا ایک لڑکا ہوا تھا جو فوت ہو چکا ہے حضور اُن کے لئے دعا فرمادیں۔ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا: ہاں میں دعا کروں گا مگر ساری باتیں ایمان پر منحصر ہیں۔ ایمان جو بقدر قوی ہو۔ اُسی قدر خدا تعالیٰ کے فضلوں سے حصہ لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے پاس کیا جہیں؟ اگر ایمان قوی نہ ہو۔ تو انسان خدا تعالیٰ سے بظن ہو جاتا ہے اور پھر تعویذ گنڈے کرنے کرانی میں لگ جاتا ہے۔ اور بغیر اسکی طرف جھک جاتا ہے۔ پس انسان کو چاہئے۔ کہ مومن بنے۔ دعا کے نتیجے بھی اصول ہیں۔ مینے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی اپنی منشا نہیں۔ اور کبھی مومن کی منشا ہے۔ علامہ ادیب چونکہ ہم علیم و خیر نہیں ہیں۔ اور نہ اپنی حاجات کے نتائج سے آگاہ ہیں۔ اسلئے بعض وقت ہم ایسی چیزوں کے لئے دعا مانگ لیتے ہیں۔ جو کابلجہ ہمارے لئے مضر ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ دعا کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن اسکے نتیجے میں وہ چیز عطا کر دیتا ہے۔ جو دعا مانگنے والے کے لئے مفید ہوتی ہے۔ مثلاً جیسے ایک زمیندار کسی بادشاہ سے ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا مانگے۔ اور بادشاہ اسکی اصلی ضرورت کو سمجھ کر اسے ایک عمدہ بیل عطا کر دے تو بیل ایک زمیندار کے لئے بہت مفید اور کارآمد ہوتا ہے۔ اور وہی اسکی ضرورت کے مناسب حال ہے۔ یا مثلاً جیسا ماں بھی اپنے بچے کی ہر خواہش کو پورا نہیں کرتی۔ اور اگر وہ سانپ یا آگ یا اور کسی مضر چیز کو لینا چاہے۔ تو اسے ہرگز نہ دیگی۔ بلکہ اسکے بدلے مٹھائی یا کھلوٹا اسکے ہاتھ میں بیگی اسی طرح خدا تعالیٰ اسے کبھی بلاوس نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ تقویٰ اور ایمان میں ترقی کرنی چاہو۔

ریا کا ذکر جانے پر فرمایا:۔ ریا کی رفتار بہت دھیمی ہوتی ہے۔ اور وہ چوٹی سے بھی باریک چلتا ہے۔ ہر تحسین اور توہین میں ریا کا ایک شعبہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک مومن کو کسی کی طرف سے کوئی

لگی اور فائدہ پہنچے۔ تو اگر وہ اسکی تحسین سے پہلے خدا تعالیٰ کی تعریف نہ کرے تو یہ بھی ریائیوں
و اہل چہرہ ایسا ہی کسی تکلیف یا بدی پہنچنے کے وقت ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو
مذ نظر رکھے۔ مومن کا کمال تو یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے اُن تعلقات کے بارہ میں جو وہ خدا تعالیٰ کے
ساتھ رکھتا ہے کبھی پسند نہیں کرتا۔ کہ دوسرے لوگوں کو اُس کا علم ہو۔ بلکہ بعض صوفیاء نے تو یہ لکھا
ہے کہ جب مومن خدا تعالیٰ کے ساتھ شدت ارتباط اور محبت کی وجہ سے کوشش تنہائی میں اپنی
مناجات کر رہا ہو۔ تو اسوقت اگر کوئی اند شخص اُسے دیکھ لے۔ تو وہ اُس سے بہت زیادہ غم مند
ہو جاتا ہے جیسا کہ کوئی زنا کار عین زنا کاری کے وقت پکڑا جائے۔ پس ریاسے بچنا چاہیے اور اپنی
ہر قول و فعل کو اس سے محفوظ رکھنا چاہیے (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

بعد از مغرب حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر شروع ہو گیا۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب نے عرض کیا
کہ عیسیٰ اور یسوع میں فرق ہے۔ عیسائی لوگ کبھی حضرت مسیح کو عیسیٰ ابن مریم کر کے نہیں بولتے۔ بلکہ
بعض تو اُسے برا سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں مسیح کو یسوع کہتے ہیں۔ عبرانی میں ع نہیں بولتے۔ اسلئے بجاؤ
یسوع کے یسو کہتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف نے کسی جگہ یتو کا ذکر نہیں فرمایا۔ انجیل کی نسبت
کہیں کتاب کا لفظ قرآن میں نہیں بولا گیا۔ اس پر ایک دوست نے یہ آیت پیش کی۔ کہ حضرت
مسیح کے بارہ میں ہے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اَنَا نَا نَا اِنِّکَ شَہِیْدٌ تَوَجَّہْ دِیَا کہ اَنَا نَا اِنِّکَ شَہِیْدٌ سے مراد
مہم کتاب ہے (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

۱۹۔ نو مہر صبح کی سیر میں حضرت مسیح موعودؑ نے انگریزی رسالہ کا ذکر فرمایا۔ اور اسی
سلسلہ میں فرمایا: کہ میں یقین کرتا ہوں کہ میرا جس قدر بھی وقت صرف ہوتا ہے وہ سب عبادت ہی
میں شمار ہوتا ہے۔ اسلئے کہ اگر کوئی شخص دو چار رکعت نماز پڑھتا ہے تو اس میں بھی کچھ دیر کے لئے
اُس کا دل حاضر ہوتا ہے اور کچھ دیر کے لئے غیر حاضر۔ لیکن جس کام میں میں مصروف ہوں۔ اس کا
اصل مقصد خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو قائم کرنا ہے۔ اور اُس سائے وقت میں حضورِ قطب
میسر ہوتا ہے۔ اور کوئی دن نہیں جاتا۔ کہ میں ہر روز شام تک دو چار لطیف باتیں حاصل نہ کروں گذشتہ
رات بہت دیر ہو چکی تھی۔ کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیغمبری کی
طرت جو تو رات میں مذکور ہے توجہ دلائی جس کی طرف آج تک کسی شخص نے توجہ نہ کی تھی۔ میں نے
اس وقت تو رات کو نکال کر دیکھا۔ اس میں اُن لوگوں کو جو علوم الہیہ اور اُسکے استعارات سے دلچسپی
رکھتے ہیں ضرور حظ آئیگا۔ لیکن جو لوگ حقایق و معارف سے کچھ حصہ نہیں رکھتے وہ اس پر

استہزاء کر چکے۔ اور وہ پیشگوئی اس طرح پر ہے۔ تورات (کتاب پیدائش باب ۳۱-آیت ۲۱ تا ۲۹) میں لکھا ہے کہ جب حضرت ہجرہ ۴ اور حضرت اسماعیل ۴ کو حضرت ابراہیم ۴ عرب میں صرف ایک پانی کی مشک و بجز اکیسے چھوڑ گئے۔ توجہ وہ پانی ختم ہو گیا۔ اور حضرت اسماعیل ۴ شدت پیاس سے تڑپنے لگے یہاں تک کہ قریب المرگ ہو گئے۔ تو حضرت ہجرہ ۴ اُن کی احوال کو نہ دیکھ سکیں اور کچھ فاصلہ پر جا بیٹھیں۔ وہاں تورات میں لکھا ہے کہ تیر کے پٹے پر اُسوقت ہجرہ چلائی اور خدا کے فرشتے نے اُسکو پکارا اور کہا کہ اے ہجرہ مت ڈر۔ اٹھ لڑکے کو اٹھا۔ الغرض حضرت ہجرہ کو ایک کنواں نظر آیا جس سے آپ نے پانی کی مشک بھری۔ اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ فرشتہ نے جو حضرت ہجرہ کو کنواں دکھایا تھا۔ اُس میں ایک پیشگوئی تھی۔ اسپر میرے دل میں فوراً قرآن شریف کی یہ آیت گدھی۔ وَ كُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (حضرت ابراہیم ۴ کا پانی جب ختم ہو چکا تو حضرت اسماعیل ۴ قریب المرگ ہو گئے۔ اُسوقت خدا تعالیٰ نے ایک اور کنوئیں کا پانی دیکر اُن کو بچا لیا۔ اہل عرب بھی اولاد اسماعیل ہونے کے سبب گویا اسماعیل ہی تھے۔ جب گذشتہ ہدایت اور شریعت کا اُن میں خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ قریب المرگ ہو گئے۔ تو خدا تعالیٰ نے اُن پر ایک نئی شریعت و ہدایت نازل کی جس کا آیت مدبرہ بالا میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس پیشگوئی کی طرف پہلے کسی نے توجہ نہیں کی۔

پھر جو تورات میں پیشگوئی ہے کہ خدا سینا سے آیا اور سب سے طلوع کیا اور فاران پر چمکا اسکی بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ یہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے۔ قرآن شریف میں جو یہ آیت ہے۔ کہ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِينِ۔ یہ اُسی پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فاران پر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد آباد نہیں ہوئی۔ تو یہ اُسکی غلطی ہے۔ اسلئے کہ یہہ امر خود تورات سے ثابت ہے (پیدائش باب ۲۱-آیت ۲۱) (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

تجدد نماز منرب مرزا خدا بخش صاحب نے عصل مصنف کتاب سے دجال کی بحث حضرت مسیح موعودؑ کے حصہ برسنائی اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: اہل بات یہ ہو۔ کہ دجال بھی مسیح موعودؑ کی طرح ایک موعود ہے اور اُس کا نام المسیح الدجال ہے۔ سورہ تحریم میں جس طرح مسیح موعود کے لئے بشارت اور نص موجود ہے۔ اسی نص سے بطور اشارۃ النص کے دجال کے وجود پر ایک لطیف دلیل قائم ہوتی ہے۔ یعنی جیسی حضرت مریمؑ میں نفخ موح سے ایک مسیح موعود پیدا ہوا۔ اسی طرح اُسکے بالمقابل ایک

جسیت وجود کا ہونا ضروری ہے جس میں روح القدس کی بجائے طبیعت روح کا لفع ہو۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے بعض عورتوں کو تیجا کی بیماری ہوتی ہے اور وہ خیالی طور پر اُسے حمل ہی سمجھتی ہیں۔ یہاں تک کہ حاملہ عورتوں کی طرح سائے لازم اُن کو پیش آتے ہیں اور چوتھے ماہ حرکت بھی محسوس ہوتی ہے۔ مگر آخر کار کچھ بھی نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہر مسیح الدجال کے متعلق خیالات کا ایک بُت بنایا گیا ہے اور قوت و اہم نے اُس کا ایک وجود خلق کر لیا۔ جو آخر کار ان لوگوں کے اعتقاد میں ایک غائبی وجود کی صورت میں نظر آیا۔ مسیح الدجال کی حقیقت تو یہ ہے (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء صبح کی سیر میں نشانات کے بارہ میں یہ ذکر تھا کہ کھائے اور کھائے لکھنؤ والی آیت پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے نشانات حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غیر مہینہ تھے۔

اسی کے متعلق شام کی نماز کے بعد فرمایا۔ کہ آؤ لکھنؤ کا لفظ صاف بتاتا ہے۔ کہ اب زمانہ ترقی کر گیا ہے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سانپ بنا کر دکھاتے۔ تو وہ بھلا ایک موثر ہو سکتا تھا۔ ایسے نشانات تو ابتدائی زمانہ میں کام آئیے اُسے تھے جس طرح ایک چھوٹے بچہ کا پا جامہ جو اُسکے کچن کے زمانہ کے لئے سیا گیا ہو۔ وہ اُسکے بالغ ہو جانے پر کسی کام نہیں آ سکتا۔ اسی طرح پر وہ زمانہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا ابتدائی زمانہ دنیا کے نشانات کا محتاج نہ تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں نہایت ہی نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے خوارق کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اپنے اندر ایک علمی سلسلہ رکھتے ہیں (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

۱۲۔ نومبر ۱۹۰۱ء حضرت مسیح موعود و مہدی کی سیر کو تشریف لے گئے تو راستہ میں بہشت و موعود کے بارہ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ایمان بڑی دولت ہے۔ اور ایمان کی تعریف یہ ہے کہ اُس حالت میں مان لیا جائے جبکہ علم بھی کمال کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ اور ابھی شکوک و شبہات سے ایک جنگ جاری ہو۔ ایسی حالت میں جو شخص تصدیق قلبی اور تصدیق لسانی سے کام لیتا ہے وہ مومن ہوتا ہے۔ اور حضرت امدیت میں اُسکا نام راستباز اور صادق رکھا جاتا ہے اور اُس کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہبت کے طور پر معرفت تامہ کے مراتب کھولے جاتے ہیں۔ اور اہل بہشت اسی ایمان سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں جہاں بہشت کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں پہلے ایمان کا تذکرہ کیا ہے اور اُس کے بعد اعمال صالحہ کا۔ اور ایمان و اعمال ہر دو کی جزا جنت ہے تجریدی میں سمجھنا آگاہ ہونا فرمائی ہے۔ یعنی ایمان کی جزا جنت ہے۔ اور جنت کو ہمیشہ سرسبز رکھنے کے لئے

چونکہ نہروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلئے جنت کی نہروں کو اعمال صالحہ کا نتیجہ فرمایا ہے۔ اونی الحقیقت اس زندگی کے اعمال صالحہ آئندہ زندگی میں انہار جاریہ کے رنگ میں تمثیل ہو جائیں گے۔ اس دُنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں انسان اعمال صالحہ میں ترقی کرتا جاتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتا اور سرکشی اور مردود اللہ سے اعتدا کرنے کو چھوڑتا جاتا ہے اُسی قدر اسکا ایمان ترقی کرتا ہے۔ اور ہر نئے عمل صالح پر اُسکے ایمان میں ایک زیادتی اور دل میں ایک قوت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی معرفت میں اُسے ایک لذت آنے لگتی ہے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ کہ اُسکے دل میں ایک ایسی کیفیت محبت اور عشق الہی کی اللہ تعالیٰ کی محبت اور فیض سے پیدا ہوتی ہے کہ اُس کا سارا وجود اُس محبت اور سرور سے جواس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پیالہ کی طرح لبالب بھر جاتا ہے اور انوار الہی اُس کے دل پر بکلی احاطہ کر لیتے ہیں۔ اور ہر قسم کی ظلمت۔ تنگی اور قبض دور کر دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمام مصائب اور مشکلات بھی جو مومن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آتے ہیں۔ ایک لحظہ کے لئے بھی اُسکے دل کو پر آگندہ اور منقبض نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ بجائے خود محسوس اللذت ہوتے ہیں۔ اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہوتا ہے۔

ایمان کے انواع اولیہ سافہ ہیں اور اُسکے بعد آخری درجہ مہبت الہی سے عطا ہوتا ہے۔ اسی لئے بہشت کے بھی سات دروازے ہیں اور آٹھواں دروازہ فضل الہی سے کھولا جاتا ہے۔ مغض یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ دوسرے جہان میں جو بہشت اور دوزخ ہوگی۔ وہ کوئی نئی بہشت و دوزخ نہ ہوگی۔ بلکہ وہ انسان کے اس ذہن گانی کے ایمان و اعمال کا ایک نفل ہوگی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انسان کو باہر سے آکر ملیگی۔ بلکہ وہ خود انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور یہی بہشت و دوزخ کی سچی فلاسفی ہے۔ مومن کے لئے ہر حال میں اسی دنیا میں بہشت موجود ہے۔ اور اس عالم کا بہشت موجود دوسرے عالم میں اُس کے لئے بہشت موعود کا حکم رکھتا ہے۔ پس کیسی سچی اور صاف بات ہے کہ ہر ایک مومن کا بہشت اُسکا ایمان اور اعمال صالحہ میں۔ جسکی لذت اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور اسی دنیا کا ایمان و اعمال صالحہ دوسرے رنگ میں باغ اور انہار دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ہیں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ مومن کو اپنے ایمان و اعمال صالحہ کے باغات و انہار اسی دنیا میں نظر آ جاتی ہیں جو دوسرے عالم میں اُسے کھلے طور پر محسوس ہوگی۔

اسی طرح پر جہنم بھی انسان کی بے ایمانی اور بد اعمالی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس طرح جنت میں انگور اتار وغیرہ پاک میوہ جات کی مثال دی ہے۔ اسی طرح جہنم میں زقوم کے درخت کا وجود فرمایا ہے۔ اور جس طرح

جنت میں سبیل سنجیدگی اور کافری نہیں ہوگی۔ اسی طرح جہنم میں گرم پانی اور پیپ کی نہیں بتائی
ہیں۔ اسپر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح ایمان انسان کی تسکیر المزاجی اور خود رانی چھوڑ دینے
سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح بے ایمانی تکبر اور انایت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اسکے نتیجہ میں رُقوم
کا درخت دوزخ میں ہوا۔ اور وہ بد اعمالیاں اور شوخیاں جو اس تکبر اور انایت سے پیدا ہوتی ہیں وہ
کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہوگی جو دوزخیوں کو ٹپے گی۔

کیسی صاف بات ہو کہ جس طرح ہمیشہ زندگی ہسی دنیا سے شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح پروردگار کی زندگی
بھی یہاں سے ہی شروع ہوتی ہے۔ دوزخ کے بارہ میں فرمایا ہے۔ فَادُّ اللّٰہُ الْمَوْقِدَ الَّذِیْ تَطْلُعُ عَلَیْ
الْاَفْئِدَۃِ یعنی دوزخ وہ آگ ہو جس کا منہ خدا تعالیٰ کا غضب ہو۔ اور وہ گناہ سے پیدا ہوتی ہے
اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا۔ کہ اس آگ کی جڑ وہ ہوم و غوم اور
حسرتیں ہیں جو انسان کو اس دین میں گھیرے رہتی ہیں۔ کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی
شروع ہوتے ہیں جس طرح تمام روحانی سروروں کا منہ بھی دل ہے اور دل ہی سے شروع بھی ہونی چاہیئے۔
کیونکہ وہی ایمان یا بے ایمانی کا منہ ہے۔ اسی طرح ایمان یا بے ایمانی کا شگ و فہ بھی پہلے دل ہی سے نکلتا ہے
اور پھر تمام بدن اور اعضا پر اس کا عمل ہوتا ہے اور آخر سارے جسم پر محیط ہو جاتا ہے پس خوب یاد رکھو
کہ انسان اپنا بہشت یا دوزخ اسی دین سے ساتھ لیجاتا ہے۔ اور یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے۔ کہ
بہشت اور دوزخ اس جسمانی دنیا کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ ان ہر دو کا مہد اور منہ روحانی امور ہیں۔ ہاں
یہ سچ ہے کہ عالم معاد میں یہ روحانی امور جسمانی شکل پر ضرور متشکل ہو کر نظر آئیں گے۔ اس ضروری امر میں
ساری قوموں نے دھوکا کھایا ہے۔ اور اسکی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کئی لوگ تو خدا کے منکر ہی
ہو گئے اور کئی تسامخ کے قائل ہو گئے۔ الغرض کسی نے اسکی حقیقت کو کچھ سمجھا اور کسی نے کچھ سنا اگر اللہ تم
نے ہیں کوئی موقعہ دیا۔ تو ہمارا رادہ ہے۔ کہ اس صفوں پر فوراً ربط سے بحث کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی
مرضی اور توفیق پر موقوف ہو ورنہ ہم تو ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے۔ (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

۱۳۔ نومبر ۱۹۰۱ء۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صبح کی میسر میں روح کے بارہ میں فرمایا۔ تین
قسم کی ارواح مانی گئی ہیں۔ یعنی بنائاتی۔ حیوانی اور انسانی۔ بعض حکماء نباتات میں شعور اور
حس کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ اکثر اس قسم کے درخت اور پودے پائے گئے ہیں جس پر مختلف
امور اثر کرتے ہیں۔ جیسے شمشادھوئی مٹی کے پودے کو جب انسان ہاتھ لگاتا ہے تو وہ فوراً مڑ جھکا جاتا
ہے۔ اسی قسم کے اور بھی کئی پودے اور درخت ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک چیز میں اللہ

نے ایک برنخ رکھا ہے۔ نباتات اور حیوانات کے درمیان وہ نباتات جن میں حس و شعور ہی برنخ
ہیں جو انسانی عقل کا بھی حصہ رکھتے ہیں۔ اسی برنخ کے نہ سمجھنے کے باعث بعض لوگوں کو یہ دھوکا
لگ گیا ہے کہ انسان بندہ سے ترقی کر کے موجودہ حالت کو پہنچا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط بات
ہے۔ تمام قسم کے برنخ جو مخلوقات میں موجود ہیں وہ وحدتِ خلقی کی دلیل ہونے کی وجہ سے اس قدر
کی ہستی پر ایک دروست دلیل ہیں مگر افسوس کہ واقف اور نااہل لوگ اس سے کوئی فائدہ اور
لطف نہیں اٹھا سکتے جس وقت بچہ بنے لگتا ہے تو اسکی ساری چیزیں اکٹھی ہی بنتی جاتی ہیں
جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔ بعض لوگوں کو جب اس حقیقت کی سمجھ نہ آئی تو اسپر اعتراض
کر دیا۔ حالانکہ شاہدہ سے بھی یہ بات سچی ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ سینے ایک دفعہ ایک انڈی کو توڑ کر
ایک برتن میں ڈال دیا۔ اُسکے وسط میں ایک نقطہ سا نظر آتا تھا۔ جو دل کی طرح ایک حرکت کرتا تھا
خوب غور کے ساتھ دیکھنے سے معلوم ہوا۔ کہ اس نقطہ سے کچھ خطوط مختلف جہات کو گئے ہوئے تھے
کوئی دماغ کی طرف گیا ہوا تھا اور کوئی جگر وغیرہ کی طرف۔ کئی منٹ تک میں یہ تماشا دیکھتا رہا
اور بعض مستورات نے بھی یہ نظارہ دیکھا۔ غرض قرآن کریم نے جو کچھ پیدائش انسان کی حقیقت بیان
فرمائی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اور یہ برنخ وغیرہ وحدتِ خلقی پر دلائل ہیں۔ اسی طرح انسان اور اللہ تعالیٰ
کے درمیان بھی ایک برنخ ہے اور وہ وہ تجلیات ہیں جنکے مقام اور مرتبہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے
آیت **لَّمَّا دَنَىٰ نَتَدَلَّىٰ وَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ** میں اشارہ فرمایا ہے۔ اس میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مرتبہ کا بیان ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ صرف اُسی انسان کا مل کو
مل سکتا ہے جو عبودیت اور الوہیت کی دونوں قوسوں کے درمیان ہو کر ایسا شدید اور قوی تعلق
پکڑتا ہے۔ کہ گویا ان دونوں کا عین ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس کو درمیان سے اٹھا کر ایک مصطفیٰ آئینہ
کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ اور اس تعلق کی وجہتیں ہوتی ہیں۔ ایک جہت یعنی اوپر سے وہ تمام انوار
و فیوض الہیہ کو جذب کرتا ہے اور دوسری طرف وہ ان انوار و فیوض الہیہ کو بنی نفع انسان کو حسب
استعداد ان کے پہنچاتا ہے۔ پس ایک تعلق اُسکا الوہیت سے اور دوسرا بنی نفع انسان سے
ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ ترجمہ آیت یہ ہے۔ پھر نزدیک سے (یعنی
اللہ تعالیٰ سے) پھر نیچے کی طرف اُترا (یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے نزول کیا)۔ پس وہ
ان تعلقات قرب کے مرتبہ عام کی وجہ سے دونوں قوسوں کے ذریعہ کی طرح ہو گیا۔ بلکہ توس الوہیت
اور عبودیت کی طرف اس سے بھی زیادہ اُس کا قرب ہو گیا۔ چونکہ لفظ **دَنَىٰ** قرب کے لفظ کی

نسبت الیخ تر ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس لفظ کو استعمال فرمایا۔ اویہ لفظہ برنج جو بین المذا اور
بین العباد ہے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظہ نفسی ہے۔ اور چونکہ حضرت
نبی کریم صلعم جلہ فیض اللہ تعالیٰ سے حامل کر کے بندوں کو پہنچاتے ہیں۔ اس لئے آپ کا ام مبارک
قاسم بھی ہے۔

بعد اس فکر کے مجلس مبارک حضرت مسیح موعود ؑ میں توحید کا ذکر شروع ہو گیا۔ جس پر آپ نے فرمایا۔ وضع
عالم میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ثبوت رکھ دیا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وضع عالم میں کروت
ہے۔ آگ پانی۔ ستارے۔ سورج۔ چاند وغیرہ اشیاء گول ہیں۔ چونکہ گرہ میں وحدت ہوتی ہے یعنی اسپین
جہات نہیں ہوتیں۔ اس لئے اس قسم کی وضع عالم سے توحید الہی کا ثبوت ملتا ہے۔ پانی کے ایک
قطرہ کو دیکھو۔ وہ گول ہوتا ہے۔ ایسا ہی دیگر اجرام بھی گول ہیں۔ اور یہی حال آگ کا ہے۔ گو آگ کی ظاہری
حالت دیکھ کر ایک شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ گول نہیں۔ مگر یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ آگ کا شعاعہ راسل
گول ہوتا ہے۔ لیکن ہوا اُسے منتشر کئے رکھتی ہے۔ عیسائی علماء نے بھی اس امر کو مان لیا ہے کہ جن
مقامات میں تنکیٹ کی تبلیغ نہیں پہنچی۔ وہاں کے لوگوں سے توحید کی باز پرس ہوگی۔ کیونکہ وضع عالم میں
توحید کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر بالفرض خدا تین ہوتے۔ تو ضرور تھا۔ کہ سب اشیاء عالم شملت نما ہوتیں۔
دوسرا امر وضع عالم کی کروت سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ سلسلہ بنی آدم حضرت آدم ؑ سے شروع ہو کر
آدم پر ہی ختم ہو۔ کیونکہ محیطہ اثرہ کا خد جس نقطہ سے چلتا ہے وہیں پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی کو یحییٰ موعود
جو خاتم الخلفا ہے۔ اُس کا نام بھی خدا تعالیٰ نے آدم ہی رکھا ہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں یہ الہام
درج ہے اَزْدَتْ اَنْ اَسْتَخْلَفَ فَخَلَقْتُ اَدَمَ۔ چونکہ مسیح موعود ایک نئی طرز کا آدم ہے۔ اس لئے
اُس کا مخالف شیطان بھی نئی طرز کا ہی ہے۔ رالحکم جلد ۵ ص ۷۷۔

۱۴۔ نومبر ۱۹۰۷ء۔ بعد نماز مغرب ایک شخص حضرت مسیح موعود ؑ کی خدمت میں پیش ہوا۔ جو
دل سے تو مسلمان ہو چکا تھا مگر بعض وجوہات کے سبب بظاہر حالت کفر میں رہتا تھا۔ اس کا حال
سُکر حضرت مسیح موعود ؑ نے فرمایا: دُنیا چند روزہ ہے۔ شہادت کو چھپانا اچھا نہیں۔ دیکھو
اگر ایک شخص بادشاہ کے پاس ایک سیب ہی بطور تحفہ لیجائے اور وہ سیب بھی ایک طرف سے
دعا رہے۔ تو وہ شخص اس ناقص تحفہ پر کیا حاصل کر سیکتا۔ مخفی ایمان رکھنے میں بہت سے حقوق تلف
ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نماز باجماعت۔ بیہار مسلمان کی عیادت۔ جنازہ کی نماز۔ عیدین کی نماز وغیرہ۔ یہ
سب حقوق مخفی رہ کر کس طرح ادا کئے جاسکتے ہیں۔ مخفی رہنے میں ایمان کی کمزوری پائی جاتی ہے۔ گو

انسان اس میں اپنے ظاہری فوائد کو دیکھتا ہے۔ لیکن وہ بڑی غلطی کرتا ہے۔ کیا تم اس بات سے ڈرتے ہو۔ کچھ شہادت کے ادا کر دینے سے تمہاری زندگی جاتی رہے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ذُنُوبَكُمْ فِي السَّمَاءِ وَمَا يُوشِكُ وَرَاؤَ الْغَمَامِ﴾ (تمہارا رزق آسمان میں ہے) ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے۔ یہ سچ ہے۔ زمین پر خدا کے سوا کون ہے جو اس رزق کو بند کر سکے یا کھل سکے پھر فرماتا ہے: ﴿هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾ (نیکوں کا وہ آپ والی بخاتا ہے۔ پس دنیا میں کون شخص ہے جو مرد صالح کو ضروری سکے۔ اور اگر کوئی مصیبت یا تکلیف انسان پر آپڑے تو فرماتا ہے: ﴿مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ (یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے آگے تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اس کے لئے ہر ایک تنگی اور تکلیف سے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَيُؤْزِقْهُ مِنْ حَيْثُ يَلَايَحْتَسِبُ﴾ (یعنی وہ تقویٰ کو ایسی راہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے رزق آنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں اور وعدوں کو پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون شخص ہو سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اس سے ڈرنے والے ہرگز ضائع نہیں ہوتے۔ - ﴿يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ ایک بڑی بشارت ہے۔ تم تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا کفیل ہو گا۔ اس کا جو وعدہ ہے وہ ضرور سب پورا کرے گا۔ محض رہنا ایمان میں ایک نقص ہے۔ انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اس کی اپنی کمزوری سے ہی آتی ہے۔ دیکھو آگ دوسرے لوگوں کو جلا دیتی ہے۔ لیکن وہ حضرت ابراہیمؑ کو نہ جلا سکی۔ اس لئے یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ بغیر تقویٰ کے نہیں کھلتی۔ معجزات دیکھنے ہیں۔ تو تقویٰ اختیار کرو۔ ایک وہ لوگ ہیں جو ہر وقت معجزات دیکھتے رہتے ہیں۔ دیکھو آج کل میں عربی کتاب اور اشتہار لکھ رہا ہوں۔ اور ان کے لکھنے میں ہر ہر سطر میں معجزات دیکھنا ہوں۔ جب لکھتے لکھتے کسی جگہ اُٹک جاتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاً مناسب موقعہ فصیح اور بلیغ پیر معانی و معارف فقرات و الفاظ الہام ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح بعض وقت عبارتوں کی عبارات الہاماً لکھی جاتی ہیں۔ اگرچہ میں اسے لوگوں کی تسلی کے لئے پیش نہیں کر سکتا۔ تاہم میرے لئے یہ ایک کافی معجزہ ہے۔ اگر میں اس بات پر قسم بھی کھا کر کہوں کہ مجھ سے سچاس ہزار معجزہ خدا تعالیٰ نے ظاہر کر یا تب بھی یہ ہرگز جھوٹ نہ ہو گا۔ ہم پر ہر ایک پہلو سے اللہ تعالیٰ کی نایب بات کی بارش ہو رہی ہے۔ عجب تر ان لوگوں کے دل ہیں۔ جو ہر کمزوری کہتے ہیں۔ مگر وہ بیچارے کیا کریں۔ مجبور ہیں۔ ولی را ولی می شناسد۔ کوئی شخص تقویٰ کے بغیر کچھ کیونکر چھان سکتا ہے۔ مثلاً اگر ایک چور رات کے وقت چوری کے ارادہ سے نکلے۔ تو اگر راستہ میں کسی ولی کو بھی گوشہ میں بیٹھا ہوا۔ عبادت کرتا دیکھیں گا۔ تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ بھی اس کی

طح جو رہی ہے۔ خدا تعالیٰ عیسیٰ و یحییٰ کو پیدا ہوا ہے۔ اور ایسا ہی وہ ظاہر و ظاہر ہے۔ یہاں تک کہ اس کا
 ظہور اتنا ہو گیا کہ وہ مخفی ہو گیا جس طرح سورج کے تیز چمکنے کے باعث کوئی شخص اس کی طرف دیکھ نہیں سکتا
 باوجودیکہ وہ ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پتہ صرف حق الیقین سے نہیں پاسکتے۔ جب تک کہ تقویٰ کی راہیں
 قدم ذرا میں صرف دلائل کے ساتھ ایمان قوی نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کی آیات کے دیکھنے کے ایمان
 تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ یہ بات اچھی نہیں۔ کہ انسان کچھ خدا کا ہوا اور کچھ شیطان کا۔ صحابہ رضی کو
 دیکھو۔ کس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جائیں نہا کر دیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب
 ایمان لائے۔ تو انہوں نے کونسا دنیاوی مفاد دیکھا تھا۔ بلکہ اس وقت جان کا بھی خطرہ تھا اور ابتلا ہر وقت
 جاتا تھا۔ مگر باوجود اسکے صحابہ رضی نے خوب صدق دکھایا۔ ایک صحابی رضی کا ذکر ہے کہ وہ کلی اوڑھے
 بیٹھا تھا۔ کسی دوسرے شخص نے اس سے کچھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریب ہی دیکھ رہے تھے۔ اپنے
 فرمایا۔ کہ اس شخص کی عزت کرو۔ کیونکہ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ کسی زمانہ میں وہ گھوڑے پر سوار ہوتا
 تھا اور اسکے دائیں بائیں آگے پیچھے خدا کا رکھتا چلتے تھے۔ مگر اسے صرف دین کی خاطر سب اشیاء سے
 ہجرت اختیار کر لی۔ دراصل یہ سب حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا اثر تھا۔ جو
 صحابہ رضی میں داخل ہو چکا تھا۔ جسے کوئی بھی ٹھٹھا نہیں سکتا۔ ہر امر میں ایک کشش ہوتی ہے۔
 مثلاً دیکھو دیوار کی اینٹوں میں بھی ایک کشش ہے۔ ورنہ ایک اینٹ دوسری سے جدا ہو جائے
 ایسا ہی جماعت میں کشش ہوتی ہے۔ یہ ہوتا آیا ہے۔ کہ ہر نبی کی جماعت میں سے کچھ لوگ مرتد بھی
 ہو جایا کرتے ہیں۔ اور یہی معاملہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت
 کے ساتھ ہوا۔ ایسے مرتد لوگوں کا مادہ ضیعت ہوتا ہے اور ان کا حصہ شیطان کے ساتھ ہوتا ہے
 مگر جو لوگ صداقت کے وارث ہوتے ہیں وہ اسی پر قائم رہتے ہیں۔ سفر فی اللہ تعالیٰ کی راہ میں شجاع
 بنو۔ انسان کو اپنی زندگی پر کبھی ایک مات کا بھی بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ دنیاوی زندگی پر بھروسہ کرنا والا
 ایک شیطان ہوتا ہے۔ انسان کو بہاد بننا چاہیے۔ اور یہ بات زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی۔
 انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے بہت دعا میں کرے اور کراوے۔ صداوقوں کی صحبت اختیار کرے
 اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ سارے کے سارے اس کے ہو جاؤ۔ دیکھو اگر ایک شخص کسی کی دعوت کرے
 اور جنس برتن میں روٹی لی جائے۔ تو اسے کون کھا بیگا۔ ایسا شخص تو لٹا بے عزت ہوگا۔ اور مار
 کھا بیگا۔ باطن بھی سنوارو۔ اور ظاہر بھی درست کرو۔ انسان محض اعمال سے ترقی نہیں کر سکتا۔
 بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تہہ سمجھنے سے ترقی کر سکتا ہے (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

۱۶۔ نومبر ۱۹۰۱ء۔ بعد نماز مغرب حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں مولوی عبدالکریم صاحب نے شیخ عبدالمد صاحب بنی اسے پیڈر علی گڑھ کا ایک خط جو حضرت مولوی نور الدین صاحب کے نام آیا تھا سنایا۔ اس خط میں ایک جہی کے جلسہ کا ذکر تھا جس کے اثنائے میں معجزات پر ہتھڑا کیا ہوا تھا۔ خط کا طرز بیان تسخیرانہ تھا۔ اور معجزات مکالمات الہیہ اور پیشگوئیوں کو اسلام کے لئے ایک دلغ قرار دیا گیا تھا۔ اس خط کو سنکر حضرت صاحب نے فرمایا :- افسوس ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کو بدنام کر دیا ہے جس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس میں پورپ کے فلاسفوں کی چند بڑی مغیبتاں پڑھ کر خواہ مخواہ دخل دیدیتے ہیں۔ معجزات اور مکالمات الہیہ ہی ایسی چیزیں ہیں۔ کہ جب کلمہ ملتوں میں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ معجزہ تو اسلام کی پہلی امینٹ ہے۔ اور غیب پر ایمان لازماً سب سے اول ضروری ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات دہریت کا نتیجہ ہیں۔ جو خطرناک طور پر مسلمانوں میں پھیلی جا رہی ہیں۔ سرسید احمد صاحب نے وحی کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھی۔ اس کی بیان کردہ دل سے چھوٹنے والی وحی شاعرانہ کی مضمون آفرینی سے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب (مولوی نور الدین صاحب) نے رویہ صرف کیا اور کوشش بھی کی۔ مگر نتیجہ یہ نکلا۔ مولوی صاحب اس کا ضرور خط لکھیں۔ اور اسے بتائیں۔ کہ معجزات اور مکالمات اور پیشگوئیاں ہی ہیں جنہوں نے اسلام کو زندہ نہ رہا ہے۔ اور دیا ہے۔ بعد ازاں مفتی محمد صادق صاحب نے شکاگو کے مشرڈونی کے ایک لکچر کا خلاصہ سنایا۔ جس میں اُسے فریمینوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور ارتکاب قتل کرنے والے فریمینوں کو بچا لیتے ہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :- ہلکے بچے کی خیال پیدا ہوتا تھا۔ کہ فریمین کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ لیکن کبھی توجہ کر لیا موقع نہیں ملا۔ ان حالات کو سنکر جوڈونی فریمینوں کے بارے میں اپنے لکچر میں بیان کرتا ہے۔ مجھے اس الہام کی جو مجھے ہوا تھا ایک عظمت معلوم ہوتی ہے۔ اس الہام کا مضمون یہ تھا۔ کہ فریمین اُس کے قتل پر مسلط نہیں کئے جائیں گے۔ اس الہام میں بھی گویا فریمین کی حقیقت کی طرف شاید کوئی اشارہ ہو۔ کہ وہ بعض ایسے امور میں جہاں کئی دن سے کام نہ چلتا ہو۔ اپنی سوسائٹی کے اثر سے کام لیتے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ فریمینوں کی مجلس میں ضرور بعض بڑے بڑے اہلکار اور عمائد سلطنت یہاں تک کہ بعض بڑے بڑے شاہزادے بھی داخل ہونگے۔ اور ان کا رعب و اب ہی ملنے ہوتا ہوگا۔ کہ کوئی اُس کے اسرار کھول سکے۔ ورنہ یہ کوئی معجزہ یا کرامت تو ہے نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصالح سلطنت کے لئے کوئی ایسا معجز

ہونا ہو گا۔ اس تذکرہ کے بعد اپنے فرمایا کہ آج ایک مندر الہام ہوا ہے۔ اور اُسکے ساتھ ایک خوشنک
رویابھی ہے اور وہ الہام یہ ہے۔ محموم پھر نظرت الی المحموم پھر دیکھا کہ بکرے کی
مان کا نگرہ چھت سے لٹکایا ہوا ہے (الحکم جلد ۵ ص ۷۲)۔

۱۹۰۱ء صبح کی سیر کو جاتے ہوئے راستہ میں میزنا صر نواب صاحب نے ایک خط تبلیغی
جو انہوں نے اپنے کسی عزیز کے نام لکھا تھا سنا شروع کیا۔ چونکہ خط طویل تھا اور درمیان
میں حضرت مسیح موعودؑ بعض مقامات پر اُسکی اصلاح یا بعض امور تشریح مزید کی غرض سے بیان
فرماتے تھے۔ اسلئے واپس مکان تک پہنچنے پر بھی وہ خط ختم نہ ہوا۔ اسلئے آپ نے مناسب
سمجھا کہ اُسے تمام سن لیا جائے۔ چنانچہ آپ اُسے مولوی ذوالدین صاحب کے مطب میں بیٹھ کر سننے
رہے۔ اور مختلف مقامات پر ذیل کے ارشادات فرمائے۔ آؤ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ
ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکا نام آبت رکھا ہے۔ اس قسم کے انقلاب دنیا میں ہوتے آئے ہیں۔
کبھی باپ صلح ہوتا ہے۔ بیٹا صلح ہوتا ہے۔ اور کبھی بیٹا صلح ہوتا ہے اور باپ صلح ہوتا ہے۔
ہمارے پڑوادا صاحب بڑے محیر اور باخدا بزرگ تھے۔ چنانچہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ اپنر بندہ کی گولی
کا اثر نہیں ہوا کرتا تھا۔ ایک وقت میں اُن کے دسترخوان پر پانچ آدمی کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور
اکثر اظہار قرآن اور علماء اُن کے پاس رہا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں قاضیاں کے ارد گرد ایک فیصل ہوا
کرتی تھی جسپر تین یا چار چھٹکے برابر برابر چل سکتے تھے۔ خدا کی قدرت سکھوں کی تعدی اور لوٹ
گھسوٹ میں وہ سب سلسلہ جاتا رہا۔ اور ہماری بزرگ قادیان سے چلے گئے اور پھر جب
امن ہوا۔ تو واپس آئے۔

اسی کے ضمن میں سادات کا ذکر آیا۔ تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: کہ سید باعتبار اولاد یعنی شے کے
نہیں کہلاتے۔ بلکہ وہ حضرت فاطمہؑ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے سید کہلاتے ہیں۔
میزنا صر نواب صاحب کے ایک عزیز نے اپنے ایک خط میں ترکوں کی برائی لکھی تھی جس کا جواب میسر
نے معقول طور پر دیا تھا جو وہ مجلس میں سن رہے تھے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک
إِنْ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاكُمْ ہی صبح ہے۔ اور میں خواہ مخواہ صر دی نہیں۔ کہ ترکوں کی تعریف
کریں یا کسی اور کی۔ لیکن سچی اور حقیقی بات کے اظہار سے ہم ترک نہیں سکتے۔ ترکوں کے ذریعہ ہی اسلام
کو بہت بڑی قوت حاصل ہوئی ہے۔ یہ کہنا کہ وہ پہلے کا فرقہ ہے یہ طعن درست نہیں۔ کوئی قوم دوسو برس
پہلے کا فرقہ تو کوئی چار سو برس پہلے۔ یہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔ کہ جو لوگ آج سید کہلاتے ہیں کیا

اُن کے آباد و اجداد پر کوئی وقت کفر کی حالت کا نہیں گذرا؟ پھر ایسے اعتراضات کرنا دانشمندی نہیں۔
 ہندوستان میں جب یسٹل لوگ آئے۔ تو انہوں نے مسجدیں بنوائیں۔ اور اپنا قیام کیا الناس علی
 دین ملو کہم کے اثر سے اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اور اب تک بھی حرمین شریفین ترکوں ہی کی حفاظت
 کے نیچے خدا تعالیٰ نے رکھے ہوئے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں خدا تعالیٰ نے اسلام
 کے دو ہی کردہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اول ترک دوم سادات۔ ترک ظاہری حکومت اور ریاست
 کے حقدار ہوئے۔ اور سادات کو فقر کا مبداء قرار دیا گیا۔ چنانچہ صوفیائے فقر اور روحانی فیوض کا
 مبداء سادات ہی کو ٹھہرایا ہے۔ اور عینے بھی اپنے کثوف میں ایسا ہی پایا ہے۔ دنیا کا عروج ترکوں
 کو ملا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ مذکورہ بالا ذکر فرما رہے تھے۔ کہ مسٹر ڈی ڈکسن صاحب سیلح مکان میں داخل ہوئے
 اور ٹوپی اتار کر السلام علیکم کہا۔ اور بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد خاں صاحب نواب خاں صاحب تحصیلدار
 گجرات نے اُن سے دریافت کیا۔ کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟۔ اُس نے جواب دیا کہ میں سیلح
 ہوں۔ جب خاں صاحب نے اُن کا وطن دریافت کیا۔ تو پہلے اُس نے کہا۔ کہ وہ اتنی اُدھ نہیں جانتے۔ مگر بعد
 ازاں کچھ سوچ کر کہا۔ او۔ ہاں۔ انگلینڈ۔ اتنے میں مفتی محمد صادق صاحب آگئے۔ جنہیں حضرت
 مسیح موعودؑ بطور نزع جہان مقر فرمایا۔ اور مسٹر ڈکسن کے ساتھ ذیل کی گفتگو فرمائی:-

مسیح موعودؑ۔ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟۔

مسٹر ڈکسن۔ میں کشمیر سے کھو گیا تھا۔ اور وہاں سے ہو کر اب یہاں آیا ہوں۔

مسیح موعودؑ۔ آپ کا اصلی وطن کہاں ہے؟۔

مسٹر ڈکسن۔ انگلینڈ۔ میں سیلح ہوں۔ اور عرب و کربلا میں بھی گیا تھا۔ اب یہاں سے مصر۔
 الجیریا۔ کاتھج اور سوڈان وغیرہ جاؤنگا۔

مسیح موعودؑ۔ آپ کے اس سفر کا کیا مقصد ہے؟۔

مسٹر ڈکسن۔ صفت۔ دید۔ شنید۔ سیاحت وغیرہ۔

مسیح موعودؑ۔ کیا آپ بحیثیت کسی پادری کے سفر کرتے ہیں؟۔

مسٹر ڈکسن۔ ہرگز نہیں۔

مسیح موعودؑ۔ آپ کی دلچسپی زیادہ تر کس امر کے ساتھ ہے۔ کیا مذہب کے ساتھ یا علمی امور کی
 طرف اور یا پولیٹیکل امور کے ساتھ؟

مسٹر ڈکسن۔ میں صرف نظائری علم دیکھتا چاہتا ہوں۔ تاکہ کسی طرح دل مضطر کو قرار ہو۔

مسیح موعود۔ آخر آپ کے سفر کی کوئی غرض بھی ہے؟

مسٹر ڈکسن۔ کوئی مدعا نہیں۔

مسیح موعود۔ کیا آپ فرمیں ہیں؟

مسٹر ڈکسن۔ میں ان میں یقین نہیں رکھتا۔ بلکہ میں اپنا آپ ہی بادشاہ ہوں۔ اور آپ ہی اپنا لاج ہوں۔ میں سب کا دوست ہوں۔ اور کسی کا دشمن نہیں۔

مسیح موعود ۲۔ آپ کا نام کیا ہے؟

مسٹر ڈکسن۔ ڈی۔ ڈی۔ ڈکسن۔

مسیح موعود۔ عیسائی فرقوں میں سے آپ کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

مسٹر ڈکسن۔ میں کسی فرقہ سے وابستہ نہیں ہوں۔ میرا اپنا مذہب خاص ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس میں صداقتیں نہ ہوں۔ میں ان سب مذاہب میں سے صداقتوں کو اپنا الگ مذہب بناتا ہوں۔

مسیح موعود ۳۔ اگر آپ کا کوئی مذہب نہیں۔ تو یہ مجموعہ انتخاب بھی تو ایک مذہب ہی ہونا چاہئے؟

مسٹر ڈکسن۔ ہاں۔ اگر اسے مذہب کہنا چاہیے۔ تو میرا یہی مذہب ہے۔ کہ مختلف صداقتیں لیتا ہوں۔

مسیح موعود ۴۔ اچھا جو مذہب آپ نے مختلف مذاہب کی صداقتوں کو لیکر جمع کیا ہے۔ کیا وہ غلطیوں سے بالکل سترہ ہے۔ یا اور کوئی مذہب بھی آپ کے نزدیک ایسا ہے۔ جو غلطیوں سے بالکل مبرا ہو؟

مسٹر ڈکسن۔ جو مذہب میں نے جمع کیا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے اچھا ہے۔ اور وہ صرف مسیح کی اس تثیل کے اصول پر ہے۔ جو اس نے کسی والد ار آدمی کی بیان کی ہے۔ کہ اُس نے اپنے نوکروں کو کچھ روپیہ دیا۔ ان میں سے ایک نے تو اس روپے کو کسی مصرت میں لگا دیا۔ اور اس سے کچھ بنایا۔ مگر دوسرے نے کچھ نہ کیا۔ پس خدا تعالیٰ نے جو کچھ سکو دیا ہے۔ اگر ہم اس سے کچھ بنائیں۔ تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو شخص کچھ نہیں بناتا وہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

مسیح موعود ۵۔ اچھا کیا آپ کچھ روز یہاں قیام کریں گے۔ تاکہ آپ ہمارے مذہب سے جوہم پیش

کرتے ہیں۔ فائدہ اٹھائیں۔

مسٹر ڈکسن۔ میں ایک دن کے بعد واپس جانا چاہتا ہوں۔ اور زیادہ سے کل تک ٹھہر سکتا ہوں۔

مسیح موعود۔ کیا آپ ایک ہفتہ یہاں نہیں ٹھہر سکتے؟

مسٹر ڈکسن۔ نہیں۔ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ مسٹر کنیڈی ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو واپس بٹال میں میرے منتظر ہونگے۔ میں انہیں آج ہی واپس آجانے کے لئے کہہ آیا تھا۔ مگر خیر کل چلا چاؤنگا۔ مسیح موعود۔ جب آپ کسی کے نوکر نہیں اس اپنے آپ ہی بادشاہ ہیں۔ صرف نظارہ عالم کے لئے آپ اپنے وطن سے نکلے ہیں۔ تو پھر آپ کیوں ایک ہفتہ تک نہیں ٹھہر سکتے؟

مسٹر ڈکسن۔ یہ سچ ہے۔ مگر میں اپنے پیش نظر کل دینا کا دیکھنا رکھا ہے۔ اگر میں اس طرح پر ٹھہرنے لگوں۔ تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سی دلچسپیاں مجھے ٹھہراتی جائیں گی۔

مسیح موعود۔ آپ کے چہرے سے اچھے آثار نظر آتے ہیں اور آپ سمجھ دار اور دیرک معلوم دیتے ہیں۔ کیا اچھا ہو۔ کہ آپ ایک ہفتہ یہاں ٹھہر جائیں اور ہماری باتوں کو سمجھ لیں۔ اگر آپ کا ارادہ ہو اور آپ پسند کریں تو کنیڈی صاحب کو ایک چٹھی لکھ دی جائے۔

مسٹر ڈکسن۔ میں آپ کا بہت ہی مشکور ہوں اور مجھے افسوس ہے کہ میں ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔

بعد اسکے حضرت مسیح موعودؑ نے ذمہ کو حکم دیا۔ کہ مسٹر ڈکسن کے لئے شیخ مسیح احمد صاحب خانساں سے جو کھانا یہ پسند کریں۔ تیار کرایا جائے۔ اور گول کمر میں ان کی رہائش کا انتظام کیا جائے۔ جبکہ بعد حضرت مسیح موعودؑ اندر تشریف لے گئے۔ اور مسٹر ڈکسن کو مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے موعودؑ دیگر احباب کے مدرسہ ولائیں پیری دکھانے کے لئے لے گئے۔ لائیں پیری میں مدنی سیلج ناٹویج کی کتاب ”مسیح کی نامعلوم زندگی کے حالات“ دیکھ کر مسٹر موصوف نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جو انہیں مطالعہ کے لئے دیکھی۔ اور بعد ازاں گول کمر میں ٹھہرایا گیا۔ جہاں ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ان سے کچھ گفتگو کی۔ اور پھر مولوی محمد علی صاحب مدنی محمد صادق صاحب مختلف اوقات میں ان سے مذہبی معاملات پر گفتگو کرتے رہے جس کے اثناء میں قبر مسیح و کثیرہ عربی زبان کے اہم الاسماء ہونے اور دیگر مسلمانوں کی نسبت احدیوں کا اخلاق و روحانیت میں تنمیز ہونا وغیرہ امور کا تذکرہ ہوتا رہا۔ اور صاحب موصوف نے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا۔ کہ کس طرح ایک چھوٹے سے گاؤں میں جہاں

دیکھی کا کوئی سامان نہیں کس طرح ایک شخص نے اپنے گرد اہل کمال و ذریک انسانوں کو جمع کر رکھا ہے۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ یہاں عربی، عبری، انگریزی، فارسی زبانوں کے عالم و ڈاکٹر وغیرہ موجود ہیں۔ تو اُس پر خاص اثر ہوا۔ مسیح کی تشریح کے بیان کے سلسلہ میں اُس نے بتایا کہ اُس نے ایک سکہ دیکھا ہے۔ جس پر لکھا تھا کہ میں شہنشاہ اور بخت دستہ ہوں۔ نیز اُس نے یہ بھی کہا کہ کشمیر کے ایک پنڈت نے اُس کے سامنے بیان کیا تھا کہ اُس کے پاس سنسکرت زبان میں ایک کتاب ہے۔ جس میں مسیح کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔ پھر اُس نے کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونے کے ذکر میں کہا کہ بدھوں کی زبان لی ہے۔ اور یہودیہ کو پالستان یا پالستان کہتے ہیں۔

بعد ازاں حضرت مسیح موعودؑ کے قوٹے۔ دو فوٹو سوجہ احباب موجودہ اور ایک صرف آپکا (الحکجلد ۵ ص ۷۷)۔

۱۹۰۱ء عروجت شام۔ بابو محمد صاحب میڈیکل کلرک نہر سر متھ (جو حضرت مسیح موعودؑ کے مخلص ہیں) کے اور منشی الہی بخش صاحب ملہم لاہوری و حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری کے درمیان منشی الہی بخش صاحب کے ایک الہام کے بارہ میں جس کی بنا پر اُس نے دعوائے کیا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ چند روزیں ذلیل رہ جائیں گے۔ خط و کتابت ہوئی تھی۔ کہ چونکہ الہام غلط نکلا ہے۔ اور خود ملہم اسی پر ہوا صاف آتا ہے۔ اس لئے منشی نوصوت نے اُسے اپنی کتاب میں محض اپنی ذلت چھپانے کے لئے مہج نہیں کیا۔ اس خط و کتابت کا حال شکر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :-

ہمارا دعویٰ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا آدمی پیش کرو۔ کہ جس کے اس قدر نشانات جتنے کروڑوں آدمی گواہ ہوں۔ پورے ہوئے ہوں۔ ایک سو سے زیادہ عظیم الشان پیشگوئیاں کتاب تریاق القلوب میں مہج کو دی گئی ہیں۔ مگر جب یہ لوگ کسی ایسے شخص کو پیش نہیں کر سکتے۔ تو کہہ دیتے ہیں۔ کہ گویا ہمیں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی فضیلت کا دعویٰ ہے۔ لیکن ان کو اتنی خبر نہیں۔ کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے فضیلت ہوئی۔ بلکہ یہ بزرگی اور عظمت تو آپ ہی کی ہوئی۔ کیونکہ آپ سے باہر تو کوئی چیز نہیں۔ بلکہ آپ ہی کے رنگ اور آپ کی ہی چادر میں سے یہ ظہور نشانات ہو رہے ہیں۔ اور آپ ہی کے ہاتھ پر صاف صاف ہو رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو اسباب اور سامان تبلیغ و اشاعت ہمیں میسر آئے ہیں۔ اور اس زمانہ میں جمع ہو گئے ہیں۔ وہ پہلے کبھی نہیں ہوئے۔ اور نہ کسی زمانہ میں مذاہب کا اس قدر زور رہا۔ اس لئے یہ نشانات اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ پھر الہی بخش کی پیشگوئیاں کیا حقیقت رکھ سکتی ہیں۔

بعد ازاں مختلف باتوں کا تذکرہ ہوتا رہا جس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :- جو توفیٰ خدا تعالیٰ

نے انسان کو دیئے ہیں۔ اُن سبے بچے موعود کے کوئی دوسرا شخص پورے طور پر کام نہیں لے سکتا۔ شیعہ لوگ اس لئے ترقی نہیں کر سکتے۔ کہ وہ اپنی ساری کوششوں کا منتہا امام حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور صرف اُن کے لئے رولینا اور ماتم کر لینا کافی سمجھ لیا ہے۔ ہمارے ایک استاد گل علی شاہ نام شیعہ تھے جو کبھی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جتنے کہ اُنھ تک نہ دھوئے تھے۔

اس پر ذاب محمد علی صاحب نے آپ کی تائید میں بیان کیا کہ وہ اُن کے والد کے بھی استاد تھے اور اُن کے پاس جایا کرتے تھے۔ اور یہ واقعی سچی بات ہے۔ کہ ان لوگوں کی مسجدیں غیر آباد ہوتی ہیں اور یہی حال ہماری مسجد کا تھا۔ جو اب خدا کے فضل سے آباد ہو گئی ہے۔ اور دوسرے لوگ اسپس نماز پڑھنے شروع ہو گئے ہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے ذاب صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا :-

وہ (یعنی گل علی شاہ صاحب) کبھی کبھی آپ کے والد صاحب کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور یہاں سے تین تین کی رخصت حاصل کر کے مالیر کو لے جایا کرتے تھے۔ بیٹے غائبانہ بھی کئی مرتبہ ذکر کیا ہے۔ اور میری فراسنت مجھے یہی بتاتی ہے۔ کہ راستی کو قبول کرنا اور پھر خدا تعالیٰ عظمت اور جلال سے ڈر جانا اور اُس کی طرف رجوع کرنا۔ آپ کے والد آپ کی اولاد کے اقبال کی نشانی ہے۔ بجز اُس شخص کے جو سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف آئے۔ خدا کسی کی پرواہ نہیں کرتا خواہ وہ کوئی ہو۔ مبارک دن ہمیشہ نیک بخت کو مل سکتے ہیں۔ یہ آثار صلاحیت۔ تقویٰ اور خدا ترسی کے جو آپ میں پیدا ہو گئے ہیں آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے بہت ہی مفید ہیں۔

اسکے بعد مولوی عبد الکریم صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ سے طاعون کے بارہ میں دریافت کیا۔ کہ آج آپ نے اخبار میں اسکے بارہ میں کیا پڑھا ہے۔ جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :-

مجل طور پر لکھا ہے۔ کہ طاعون ترقی پر ہے۔ میرا ارادہ ہے اور مولوی صاحب (مولانا مولوی ذوالدین صاحب) نے بھی کہا ہے۔ کہ ایک بار پھر طاعون کے متعلق اشتہار دیدیا جائے۔ تاکہ لوگ رجوع کریں۔ اور بھی پاکیزگی اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔

پھر اسی کے ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا :-

کہ دیکھا گیا ہے۔ کہ اور سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جس قدر زور مخالفت ہوا ہے۔ پھر بھی کے مقابلہ پر ہوا ہے۔ اُنکی مخالفت میں ساری طاقتیں بیچ کی گئیں۔ دیکھو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کتنا زور لگایا گیا۔ مگر اسکے خلاف میلہ کذاب کو فی الفور مان لیا گیا۔ ایسی ہی مخالفت حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوئی۔ اور اب ہمارے وقت میں بھی یہی حال ہے۔ بھوٹوں کو کوئی

پوچھنا تک نہیں لیکن راستباز پر حلوہ در حلوہ کرتے ہیں۔ امد اُس کے مقابلے پر سب متفق ہو گئے ہیں۔
اس کے بعد مرزا خداجن صاحب اپنی کتاب اصل مصطفیٰ اُتاتے رہے۔ اور بعد نماز عشاء حضرت مسیح موعودؑ
اندرون خانہ تشریف لے گئے۔

۱۸ نومبر ۱۹۰۱ء صبح۔ آج چونکہ مشرڈکسن نے قادیان سے وواع ہونا تھا۔ اسلئے آج حضرت
مسیح موعودؑ صبح کی سیر کے لئے بنالہ ہی کی طرف ۸ بجے تشریف لے گئے۔ اور نہر کے پل تک اُس کے
ہمراہ گئے۔ آپ کے سن و سال پر نگاہ کر کے اور اتنی دُور پیدل جاتے دیکھ کر سے بہت تعجب ہوا۔ جس پر اُسے
بتایا گیا۔ کہ یہ آپ کا معمول ہے۔ بشر موصوف آپ کے حسن اخلاق۔ بہاداری اور جوش تبلیغ سے بہت
عظوظ ہوا۔ اور ان باتوں کے لئے آپ کا شکریہ ادا کیا۔ جو یہی کہ آپ سیر کی روانگی کے لئے بالافانہ سو
نیچے تشریف لائے اُسی وقت اپنے مولیٰ محمد علی صاحب کے ذریعہ سے مشرڈکسن سے ذیل کی گفتگو
شروع کی:-

حضرت مسیح موعودؑ۔ ہماری دلی آرزو یہی ہے۔ کہ آپ چند روز اور ہمارے پاس ٹھہریں۔ تاکہ ہم
اسلام کی وہ روحانی فلاسفی جو اس زمانہ میں مخفی تھی اور جو خدا تعالیٰ نے ہمیں عنایت فرمائی ہے۔ آپ کو
سمجھ سکیں۔

مشرڈکسن۔ میں آپ کا از بس ممنون ہوں۔ مگر مجھے آج ہی جانا چاہئے۔ میں نے کچھ کچھ سُن لیا ہے۔
حضرت مسیح موعودؑ۔ چونکہ آپ نے اب چل ہی جانا ہے۔ اسلئے میں چاہتا ہوں۔ کہ کچھ تو اپنے
مقاصد آپ کے سامنے بیان کر دوں۔ انبیاء کے اس دنیا میں آنے کی سبب بڑی غرض اور اُن کی تعلیم اور تبلیغ
کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کو شناخت کریں اور اس زندگی سے جو انہیں جہنم
اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور جس کو گناہ آلود زندگی کہتے ہیں نجات حاصل کریں۔ حقیقت میں
یہی بڑا ہماری مقصد اُن کے زیر نظر ہوتا ہے۔ پس اسوقت بھی جو خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا
ہے۔ اور مجھے اُسے نبوت فرمایا ہے۔ تو میرے آنے کی غرض بھی وہی مشترک غرض ہے۔ جو سب
انبیاء کی تھی۔ یعنی میں دُنیا کو بُتنا چاہتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ کی بات ہے؟ بلکہ اُس خدا کو دکھانا چاہتا ہوں
اور نیز گناہ سے بچنے کی راہ کی طرف ہر بیری کرتا ہوں۔ دُنیا میں لوگوں نے جس قدر طریقے اور حیلے گناہ
سے بچنے کے لئے نکلے ہیں اور خدا تعالیٰ کی شناخت کے جو اصول تجویز کئے ہیں وہ انسانی خیالات
پر نہ کی وجہ سے بالکل غلط اور محض خیالی باتیں ہیں۔ جنہیں سچائی کی کوئی روح نہیں ہے۔ میں آپ کو ابھی
بتاؤں گا اور دلائل سے واضح کر دوں گا کہ گناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ

انسان کو اس بات پر کامل یقین ہو جائے کہ خدا تعالیٰ موجود ہے اور وہ ہر فعل کی جزا و سزا دیتا ہے۔ جب تک اس اصول پر یقین کامل نہ ہو۔ تب تک گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں ہو سکتی۔ **در اصل خدا ہے اور ہونا چاہیے** یہ دو فقرے ہیں جنہیں بہت بڑے فکر اور غور کی ضرورت ہے۔ پہلی بات یہ کہ **خدا ہے**۔ یہ صرف علم الیقین بلکہ حق الیقین کی تہ سے نکلتی ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ **خدا ہونا چاہیے** محض قیاسی اور ظنی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو فلاسفر اور حکیم ہو۔ وہ صرف نظام شمسی اور دیگر اجرام و مصنوعات عالم پر نظر کر کے صرف اتنا ہی کہہ دے کہ اس ترتیبِ حکم اور بالغ نظام کو دیکھ کر وہ کہتا ہے کہ ایک مدبر اور حکیم و علیم صالح کی ضرورت ہے۔ تو اس کہہ دینے سے انسان یقین کے اس درجہ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا جس تک وہ شخص جو خود خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہو کر اور اس کی تائیدات کے چمکتے ہوئے نشان اپنے ساتھ رکھ کر کہتا ہے کہ واقعی ایک قادر مطلق خدا ہے۔ ایسا شخص معرفت اور بصیرت کی آنکھ سے اُسے دیکھتا ہے۔ اس لئے ان ہر دو اشخاص میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک حکیم یا فلاسفر جو صرف قیاسی طور پر خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے۔ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی کے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ صرف ضرورت کا علم کبھی بھی اپنے اندر وہ قوت اور طاقت نہیں رکھتا کہ خدا تعالیٰ کا رعب پیدا کر کے اُسے گناہ کی طرف دوڑنے سے بچالے۔ اور اس تباہی کی سے بچات ویدے جو گناہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن وہ شخص جو براہِ راست خدا تعالیٰ کا جلال آسمان سے مشاہدہ کرتا ہے وہ نیک کاموں اور وفاداری اور اخلاص کے لئے اس الہی حلال کے ساتھ ہی ایک قوت اور روشنی حاصل کرتا ہے۔ جو اُسے ہیروں سے بچالیتی اور تباہی کی سے بچات بخشتی ہے۔ اور اس کی بدی کی قوتوں اور نفسانی جذبات پر خدا تعالیٰ کے مکالمات اور پُر رعب مکاشفات سے ایک موت وارد ہو جاتی ہے۔ اور وہ شیطانی زندگی سے نکال کر ملائکہ جیسی زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ اور صرف خدا تعالیٰ ہی کے راز سے اور اشائے پر چلنے لگتا ہے اور جس طرح کوئی شخص آتش سوزندہ کے نیچے بدکاری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سے جو شخص خدا تعالیٰ کی حلائی تجلیات کے نیچے آتا ہے۔ اُس کی شیطنت مرجاتی ہے۔ اور اُس کے نفسانی سانپ کا سر کھل جاتا ہے۔ پس یہی وہ یقین اور معرفت ہوتی ہے جس کو انبیاء عم اکرو دنیا کو عطا کرتے ہیں اور جس کے ذریعہ سے لوگ گناہ کی زندگی سے بچات حاصل کر کے پاک زندگی پالیتے ہیں۔ اسی طریق پر خدا تعالیٰ نے مجھے مہر کیا ہے اور میرے آنے کی یہی غرض ہے کہ میں دنیا کو دکھا دوں کہ خدا موجود ہے اور وہ جزا و سزا دیتا ہے۔

یہاں تک محض اس یقین ہی کے ذریعہ سے انسان پاک زندگی بسر کر سکتا اور گناہ کی موت سے بچ سکتا ہے

ایسی برہمی ہے۔ کہ جس کے لئے ہمیں کسی منطقی دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود انسان کی فطرت اور روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ اس کے لئے زبردست گواہ ہیں۔ کہ جب تک یہ یقین کامل نہ ہوگا۔ کہ خدا ہو اور وہ گناہوں سے نفرت کرتا ہے اور انہی سزا دیتا ہے۔ تب تک کوئی دوسرا جیکہ کسی صورت میں بھی کارگر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ہمارا روزانہ مشاہدہ ہے۔ کہ جن اشیاء کی تاثیرات کی عمدگی کا ہمیں علم ہو۔ ان کی طرف ہم کس طرح دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں۔ اور جن چیزوں کو ہم اپنے وجود کے لئے خطرناک نہ خیال کرتے ہیں۔ ان سے کیسے بھاگتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو۔ اس بھاڑی میں (ایک بھاڑی کی طرف اشارہ کر کے) اگر ہمیں یقین ہو۔ کہ سانپ بیٹھا ہے۔ تو کیا کوئی شخص ہم میں سے ایسا ہوگا۔ جو اس میں اپنا ماتھ ڈالے یا اُس کے نزدیک قدم رکھے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر کسی سوراخ میں سانپ کی موجودگی کا معمولی سا بھی دہم ہو تو انسان کو اس کے نزدیک سے گزرنے میں بھی ہر وقت مصائقہ ہوگا۔ اور طبیعت خود بخود اُس طرف جانے سے رکیگی۔ اسی طرح نہروں کی بابت مثلاً اسٹرکینیا جب ہمیں علم ہوتا ہے کہ اُس کے کھانے سے انسان مر جاتا ہے۔ تو کس طرح اُس سے بچتے اور ڈرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کاؤں کے ایک حملہ میں طاعون ہو تو اُس حملہ کے نزدیک ہم نہیں جلتے۔ اور دور بھاگتے ہیں۔ اور اُس حملہ میں قدم رکھنا آتشیں توڑیں گرنے سے بچتے ہیں۔ اب اگر غور کیا جائے۔ کہ وہ کیا بات ہے جس نے ہمارے دل میں اتنا خوف اور ہراس پیدا کیا ہے کہ کسی صورت سے بھی دل اس طرف جانے کا ارادہ نہیں کرتا۔ تو صاف پتہ لگ جائیگا۔ کہ وہ صرف یقین کامل ہی ہے۔ جو ان کی ہلک اور مضر تاثیرات پر ہو چکا ہے۔ اسی قسم کی اور بیشمار نظریں ہم دے سکتے ہیں۔ جو ہمیں روزمرہ زندگی میں پیش آتی ہیں۔ اب یہ بحث کہ گناہوں سے بچنے کا صرف یہی ذریعہ ہے یا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ بالکل بے سود اور بے معنی ہے۔ کیونکہ جب تک ایسی تجلیات کے رعب اور گناہوں کے زہر اور ان کے خطرناک نتائج کا ایسا پورا علم نہ ہو۔ جو یقین کامل تک پہنچ چکا ہو۔ تب تک گناہ سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ بات صرف خیالی اور بالکل بے معنی ہے۔ کہ کسی شخص کا خون انسان کو گناہ سے پاک کر سکتا ہے۔ خون یا خود کشی کا گناہ سے پاکیزگی دینے کا کیا تعلق۔ یہ گناہ کے دھوکہ دہی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اُس سے گناہ ضرور پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تجربہ نے ایسا ہی شہادت دیدی ہے کہ اس مسئلہ کو مان کر لوگوں کی کہاں سے کہاں نوبت پہنچ گئی ہے۔

میں ہمیشہ یہی کہتا ہوں۔ کہ گناہ سے بچنے کی سچی فلاسفی یہی ہے کہ ایسی ضروریات والی تاثیرات کو پہچان لیا جائے۔ اور ایسا ہی یقین کر لیا جائے۔ کہ ایک زبردست بہتی ہے جو گناہوں سے نفرت کرتی اور گناہ کرنے والے کو سزا دینے پر قادر ہے۔ دیکھو اگر ایک شخص کسی حاکم کے روبرو کھڑا ہو۔ اور وہ اُس

اُس حاکم کا کچھ قیمتی اسباب ادھر ادھر پڑا ہوا۔ تو وہ شخص اس بات کی کبھی بُرائی نہیں کرے گا کہ اُس اسباب میں سے کچھ چُرالے۔ خواہ چوری کرنے کے کیسے ہی قوی محرکات ہوں۔ اور وہ کہتا ہی اس بد عادت میں گرفتار ہو۔ لیکن اُس وقت اُسکی ساری قوتوں اور طاقتوں پر ایک موت وارد ہو جائیگی۔ اور اُس سے ہرگز بُرائی نہ ہو سکیگی کہ چوری کرے۔ اور اس طرح پر وہ اس بد عادت سے بچ جائیگا۔ بعینہ اسی طرح ہر قسم کے خطا کاروں اور شرابیوں کا حال ہے۔ کہ جب اُن کو ایک بہتی کپڑا پورا عالم ہو جاتا ہے جو اُن کی شرارتوں اور گناہوں کی سزا دینے پر قادر ہے۔ تو اُن کے وہ جذبات دب جاتے ہیں۔ پس یہی سچا طریقہ گناہوں سے بچنے کا ہے۔ کہ انسان خدا تعالیٰ پر یقین کامل پیدا کرے اور اُسکی جزا و سزا دینے کی طاقت پر معرفت حاصل کرے۔ گناہ سے بچنے کا یہ طریق خدا تعالیٰ نے ہماری فطرت میں رکھا ہوا ہے۔ اسی لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس اصول کو اُنکے سامنے پیش کروں کیا عجیب کما پکواندہ پہنچے۔ اور چونکہ آپ اکثر سفر کرتے رہتے ہیں اور مختلف قسم کے آدمیوں سے آپ کو ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اسلئے آپ ان سے اسکا ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ طریق گناہوں سے بچنے کا جو میں پیش کرتا ہوں۔ آپ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ تو میں آپکو اجازت دیتا ہوں کہ آپ جب قہر چاہیں اس پر مرج کریں۔ یہ میری طرف سے تحفہ ہے اور میں ایسے ہی تحفے دے سکتا ہوں۔ ہر شخص جو اس دُنیا میں آتا ہے اسکا فرض ہونا چاہیے کہ دھوکے اور خطرہ سے بچے۔ پس گناہ کے نیچے ایک خطرناک بلکہ تمام دوسرے خطرہ اور دھوکوں سے بڑھ کر ایک دھوکا ہے جس سے میں آگاہ کرنا ہوں۔ کہ اُس سے بچنا چاہئے۔ نیز میں یہ بھی بتاتا ہوں کہ اُس سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اگرچہ اس پہلے ایک اور مسئلہ بھی ہے یعنی ہستی باری تعالیٰ کا۔ لیکن میں سرودست اسکو چھوڑتا ہوں۔ اور صرف اس دوسرے مقصد کو لیتا ہوں جس کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ ہر ایک شخص بجائے خود نیک بننا چاہتا ہے اور نیکی کو اچھا سمجھتا ہے۔ اختلاف اگر ہے تو نیکی کے حصول کے طریقوں اور حیلوں میں ہر نفس نیکی کو مشترک طور پر پسند کرے اور نیک بننا چاہتے ہیں اور جھوٹ اور بُرائی کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ جذبات نفسانی سے بچنے کو سب لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ باوجودِ بدی کو بُرا سمجھنے کے ایک دُنیا اسیں گرفتار ہے۔ اور گناہ کے سیلاب میں بہتی جا رہی ہے۔

میں مثال کے طور پر کہتا ہوں۔ کہ عیسائیوں نے انسان کی گنہگار زندگی کو ہلاک کر کے نیکی اور پاکیزگی کی زندگی کے حصول کے لئے یہ راہ بتائی ہے۔ کہ مسیح ہمارے لئے مر گیا اور ہمارے گناہوں کا بوجھ اُس نے اٹھا لیا اور اُسکے خون سے ہم پاک ہو گئے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں اور آپکو بھی اس امر کا اقرار کرنا پڑے گا

کہ سچ کے خون نے یورپ کی حالت پر کوئی نمایاں اثر اور تبدیلی پیدا نہیں کی۔ بلکہ اسکی اخلاقی اور روحانی حالت پر نظر کر کے سخت افسوس ہوتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کی زندگی مرتاضانہ زندگی نہیں ہے بلکہ ایک آزادی اور اباحت کی زندگی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو سرے سے خدا تعالیٰ کی ہی کو منکر ہیں۔ اور بہت سے ہیں جو خدا کو مان کر اور سچ کے خون پر ایمان رکھتے ہوئے بھی سخت گرسے ہوئے ہیں۔ شراب کی ایسی کثرت ہو کہ کئی سیلوں تک شراب کی دوکانیں چلی جاتی ہیں۔ ناجائز عورتوں کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھنا تو ایک طرف رہا۔ ان کے دوسرے اعضا بھی نہ بچ سکے۔ یہیں عیسائیوں تک ہی اس گناہ کے سبب کو محدود نہیں کرتا۔ بلکہ صاف کہتا ہوں کہ اسوقت دنیا کی ساری قومیں اس دہر کو کھامی ہیں اور ہلاک ہو رہی ہیں۔ مسلمان باوجودیکہ ان کے پاس ایک روشن کتاب تھی اور اس میں کسی کے خون کے ذریعہ سے گناہوں سے پاک کر دینا وعدہ دیکر انکو آزاد نہیں کیا گیا تھا وہ بھی خطرناک طور پر اس بلا میں مبتلا ہیں۔ ہسٹوئل کی طرف دیکھو ان میں بھی یہی بلا موجود ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض قوموں نے جیسے آریہ ہیں یوگ جیسے شرمناک مسئلہ کو اپنے ایمانیات اور معتقدات میں داخل کر لیا ہے کہ جس کے رو سے ایک مرد جبکہ وہ اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تو وہ اپنی بیامنتا بیوی کو کسی دوسرے مرد سے اولاد پیدا کرانے کی اجازت دیدے۔ غرض اس قسم کی ناپاک زندگی جو حقیقت میں گناہ کی لعنت ہے وہ عام ہو رہی ہے۔ اور وہ پاک زندگی جو گناہ سے بچنے سے ملتی ہے اور جو ایک نعلِ تاباں ہے وہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے وہ نعلِ تاباں مجھ دیا ہے۔ اور اُس نے مجھے مامور کیا ہے۔ کہ میں دنیا کو اس نعلِ تاباں کے حصول کی راہ بتا دوں۔ جس راہ پر چلکر میرا دعویٰ ہے کہ ہر ایک شخص یقیناً اُسے حاصل کر لے گا۔ اور وہ ذریعہ اور وہ راہ جس سے یہ ملتا ہے ایک ہی ہے جسے خدا تعالیٰ کی سچی معرفت کہتے ہیں۔ حقیقت یہ مسئلہ بڑا مشکل اور نازک ہے۔ کیونکہ یہ ایک مشکل امر پر موقوف ہے۔ جیسے کہ میں نے پہلے کہا ہے۔ ایک فلاسفہ آسمان اور زمین کو دیکھ کر اور دوسرے مصنوعات کی ترتیب و بلندی پر نظر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے کہ کوئی صانع ہوتا چاہیے۔ لیکن میں اس سے بلند تر مقام پر بجاتا ہوں۔ اور اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر کہتا ہوں۔ کہ خدا ہے۔ اب ان فعلی باتوں میں صریح فرق ہے مگر یہ فرق تب ہی نظر آسکتا ہے۔ جب آنکھ صاف ہو۔ ایسی صاف آنکھ کے عطا ہونے پر انسان ہی نفع کے حقوق اور خدا تعالیٰ کے حقوق میں تمیز کر کے انہیں محفوظ کر لیتا ہے۔ اور یہہوسی آنکھ ہوتی ہے جس کو خدا بینی کی آنکھ کہتے ہیں۔ اس آنکھ کے ملنے پر ایک پاک زندگی شروع

ہو جاتی ہے۔ گناہوں سے بچنے کا یہ ذریعہ تو کسی صورت میں بھی صیح نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسرے شخص کو سزا ملے اور ہمارے گناہ معاف ہو جائیں۔ زید کو پھانسی ملے اور پھر کچ جلے۔ کیونکہ اس اصول کے ابطال پر یہی دلیل کافی ہے کہ ہم اسکی کوئی نظیہ خارجی امور میں ہرگز نہیں پاتے۔ اور اس طریق سے گناہوں سے بچ نہیں سکتے بلکہ گناہوں پر اور دیر ہو جاتے ہیں۔ (ایک کتے کی طرف جو سویا ہوا تھا اشارہ کر کے، مثلاً یہ کتا ہے، بھیڑیا نہیں ہے۔ اور اگر یہ فی الحقیقت بھیڑیا ہی ہو۔ لیکن ہم اسے کتا سمجھیں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ ہم اس سے ڈریں۔ اور اس قدر خوف کریں جتنا کہ ایک خونخوار بھیڑیہ سے کرتے ہیں۔ کیوں؟ محض اسلئے کہ ہمیں علم نہیں ہے کہ یہ فی الحقیقت بھیڑیا ہے۔ کیونکہ ہمارے علم میں وہ ایک کتا ہے۔ لیکن اگر بحکام اس کے ہمیں یہ علم ہو۔ کہ یہ کتا نہیں بلکہ بھیڑیا ہے۔ تو ہم اس سے فوراً بھاگیں گے اور اس سے بچنے کی تیاری کرینگے۔ اور اگر یہ علم اور بھی وسیع ہو جائے۔ کہ یہ بھیڑیا نہیں بلکہ شیر ہے تو اس سے بھی بڑھ کر حفظہ پیدا ہو جائیگا۔ اور پھر اس سے بچنے کے لئے ہم اور بھی بڑھ کر تیاری کرینگے۔ غرض کسی چیز کی ہیبت اور تاثیر کا علم ہو جانے پر انسان کے حیلہ و تدبیر پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ پس یہ کیسی صاف صداقت ہے جسے ہر شخص سچ سکتا ہے۔ اور معلوم کر سکتا ہے۔ کہ گناہوں سے بچنے کی کیا راہ ہو سکتی ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ اور مجھے اسی صداقت پر قائم کیا گیا ہے۔ اور یہی بات حق ہے۔ کہ جب تک خدا نے قہار کی معرفت نام نہ ہو۔ اور اوسکی قوتوں اور طاقتوں کی ایک برہنہ شمشیر نظر نہ آوے تب تک انسان بدی سے نہیں بچ سکتا (الحکم جلد ۵ ص ۷۷)۔

بدی ایک ایسا ملک ہے جو انسان کو مہاکت کی طرف لیجاتا ہے اور دل بے اختیار ہو ہو کر قابو سے نکل جاتا ہے۔ خواہ کوئی شخص یہ کہے کہ شیطان حملہ کرتا ہے۔ اور خواہ اسے کسی اور طرز پر بیان کیا جائے یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اچھل بدی کا بہت زور ہے۔ اور شیطان اپنی حکومت اور سلطنت کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ بدکاری اور بے حیائی کے دریا کا بند ٹوٹ پڑا ہے۔ اور وہ ہر طرف طوفانی رنگ میں جو شرن ہے۔ پس یہ کس قدر ضروری بات تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ جو انسان کا برصیبت اور شکل میں دستگیر رہا ہے۔ قوت اسے ہر بلا سے نجات دے۔ چنانچہ اسے محض اپنے فضل سے اس ضرورت کی وقت اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ دُنیا کے لوگوں نے اس سیلاب گناہ سے بچنے کے لئے مختلف حیلے والے نکال رکھے ہیں اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ عیسائیوں نے جو کچھ گناہ سے بچنے کا علاج پیش کیا ہے۔ وہ ایک ایسی بات ہے۔ کہ جس کے بیان کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ اس کا اصلی علاج وہی ہو سکتا ہے جو

خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ انسان مفید اور نفع رسا اشیاء کی طرف رغبت کرتا ہے۔ اور مضر اور نقصان رسا اشیاء سے دور بھاگتا اور نفرت کرتا ہے۔ دیکھو انسان سونے اور چاندی کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے تو ان کی طرف کیسی رغبت کرتا ہے۔ اور کن کن محنتوں اور مشکلات سے ان کو ہم پہنچاتا ہے اور کس طرح ان کو حفاظت سے رکھتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سونے اور چاندی کو تو بھینک دے اور ان کی بجائے مٹی کے ڈھیلے صندوقوں میں جمع کر کے ان کی حفاظت کرنے لگے۔ تو کیا ڈاکٹر اسکی دیوانگی کا فتویٰ نہ دینگے؟ ضرور دینگے اسی طرح چوب ہمیں یہ محسوس ہو جائے۔ کہ خدا ہے اور وہ بدی سے نفرت کرتا اور نیکی سے پیار کرتا ہے۔ اور نیکیوں کو عزیز رکھتا ہے تو ہم ضرور ہی بدی سے بچینگے اور بدو اور وار نیکیوں کی طرف دوڑینگے۔ اور گناہ کی زندگی سے دور بھاگینگے۔ یہ ایک اصول ہے جو نیکی کی قوت کو طاقت بخشتا اور نیکی کے قوائے کو تحریک دیتا ہے اور بدی کی قوتوں کو ہلاک کرتا اور شیطان کی ذریت کو شکست دیتا ہے۔ جب واقعی طور پر اس فتاب کی طرح جو دنیا پر چمکتا ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ پر یقین حاصل ہو جائے اور گویا ہم خدا تعالیٰ کو دیکھ لیں تو ہینٹا ہمارسی سفلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ اور اسکی بجائے ایک آسمانی زندگی مل جاتی ہے جیسا کہ انبیاء اور دیگر راستبازوں کی زندگیاں تھیں میں آپکو یقین دلانا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی رحمت فرماں برداروں اور راستبازوں پر ہوتی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حضور نیکی اور پاکیزگی کا تحفہ لیکر جاتے ہیں اور شرارتوں اور بدکاریوں سے اسلئے بچے رہتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ سے بعد اور حرمان کا موجب ہیں۔ ایسے لوگ ایک پاک چشمہ سے دھوئے جاتے ہیں جس کا دھویا ہوا پھر بھی میلا اور ناپاک نہیں ہوتا۔ اور انہیں وہ شربت پلایا جاتا ہے جس کے پینے والا کبھی پیاسا نہیں ہوتا۔ اور انہیں وہ زندگی عطا ہوتی ہے جسے کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ اور انہیں وہ جنت دیا جاتا ہے جس سے کبھی نکلنا نہیں ہوتا۔ برخلاف اسکے جو لوگ اس چشمہ سے سیراب نہیں ہوتے اور خدا تعالیٰ کے پاک کھٹوں سے جن کا مسح نہیں ہوتا۔ وہ خدا تعالیٰ سے دور جاتے اور شیطان کے قریب ہو جاتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی طرف آنا چھوڑ دیا ہے۔ اسی وجہ سے نہ ان میں تسکین اور راحت ملیں پائی جاتی ہے اور نہ ان کے پاس دلائل اور ثبوتات ہیں۔ ایک عیسائی سے اگر پوچھا جائے۔ کہ تم جو دعویٰ کرتے ہو۔ کہ مسیح کے خون سے تمہارے گناہ صاف ہو گئے ہیں۔ تمہارے پاس اسکا کیا ثبوت ہے؟ اور کون سے فوق العادہ امور تم میں پیدا ہو گئے ہیں۔ جنکے ذریعہ سے تم میں ایک غیر معمولی خدا ترسی اور نیکیوکاری کی روح بھونگی گئی ہے؟ تو وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکیگا۔ لیکن اسکے خلاف اگر

کوئی شخص مجھ سے پہچھے۔ تو میں اسے اُن خارق عادت امور کا زبردست ثبوت دے سکتا ہوں۔ اور اگر کوئی شخص طالب صادق ہو اور اس میں شتا بکاسی اور بطنی کی قوت ڈھکی ہوئی نہ ہو تو میں اسے مشاہدہ کرا سکتا ہوں۔ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کے دلائل نہ بھی ملیں۔ تو اُن کی تاثیرات بجائے خود انسان کو قائل کر دیتی ہیں۔ اور وہی تاثیرات دلائل کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ اگر عیسائیوں کے پاس کفارہ کے حق ہونے کے دلائل نہیں ہیں۔ جیسا کہ وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ ایک راز سر بستہ ہے۔ تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ چلو اُن تاثیرات کو ہی پیش کرو۔ جو کفارہ کے اعتقاد نے پیدا کی ہیں۔ یورپ کی اباحتی زندگی میں دُور سے اُن تاثیرات کا نمونہ دکھا رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ کیا پیش کر سکیں گے۔ اور یہ نمونہ ایک عقلمند کے سمجھ لینے کے لئے کافی ہے۔ کہ کفارہ کا عیسائیوں پر کیا اثر ہوا۔

ایک اور بات ہو۔ جو یاد رکھنے کے لائق ہے۔ اور جس پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض آدمیوں کو بڑے بڑے دھوکے لگے ہیں اور وہ جاؤ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہر ایک انسان کی پیدائش ایک ہی قسم کی نہیں ہے۔ جس طرح ہزاروں قسم کی نباتات اور حیوانات ہیں۔ مثلاً کوئی چاندی کی کان ہے۔ کوئی سونے کی۔ کوئی پتیل اور لوہے کی۔ اسی طرح ہر انسانی فطرتیں مختلف قسم کی ہیں۔ بعض انسان اس قسم کی فطرت رکھتے ہیں کہ وہ ایک قسم کے گناہ سے نفرت کرتے ہیں۔ اور بعض کسی دوسرے قسم کے گناہ سے۔ مثلاً ایک آدمی ہے کہ وہ چوری تو کبھی نہیں کرتا۔ لیکن زنا کاری اور نیز دیگر قسم کی بے حیائی اور بیباکی کرتا ہے۔ یا ایک شخص زنا سے تو بچا رہتا ہے۔ لیکن کسی کا مال مار لینے یا خون کر دینے کو گناہ نہیں سمجھتا۔ اور بڑی دلیری کے ساتھ ایسی سیہودہ اور بقیع بات اور افعال کا ترکیب ہوتا ہے۔ غرض اگر ہم بغور دیکھیں۔ تو ہر انسان کو کسی نہ کسی گناہ یا کمزوری میں مبتلا پاتے ہیں حالانکہ وہ بعض دوسری قسم کے گناہوں سے بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ پس جب قدر انسانوں کے افراد پائے جاتے ہیں انکی بابت ہم کبھی بھی قطعی اور یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ سب کے سب ایک ہی قسم کے گناہ کو کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ کوئی کسی گناہ یا کمزوری میں گرفتار ہے۔ کوئی کسی دوسرے گناہ یا کمزوری میں۔ کسی قوم کی نسبت خواہ وہ مشرق کی ہو یا مغرب کی۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ ہیئت مجموعی بالکل گناہوں کی ہوئی ہے۔ ہاں اس قدر تو مان لینگے۔ کہ وہ فلان گناہ نہیں کرتی۔ لیکن یہ کبھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ بالکل کوئی بھی گناہ نہیں کرتی۔ یہ فطرت اور نفوت کہ انسان کو گناہوں سے قطعاً بیزاری اور نفرت پیدا ہو جائے۔ سچی تبدیلی کے بغیر کسی شخص کو نہیں مل سکتی۔

اور اسی بنیدنی کو پیدا کرنا ہمارا کام ہے۔ جو لوگ صدقِ دل اور اخلاص کے ساتھ صحتِ نیت سے پاک ارادہ اور سچی تلاش کے ساتھ ایک مدت تک ہماری صحبت میں ہیں۔ تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ اپنی تجلیات کی چمکار سے ان کی اندرونی تارکیوں کو فوراً کر دیگا اور انہیں ایک نئی معرفت اور نیا یقین خدا تعالیٰ پر پیدا ہو جائیگا۔ اور یہی وہ ذرائع ہیں جو انسان کو گناہ کے زہر کے اثر سے بچا لیتے ہیں۔ اور اُسکے لئے تریاقی قوت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی وہ خدمت ہے جو ہمارے سپرد ہوئی ہو اور اسی ایک ضرورت کو میں پورا کرنا چاہتا ہوں۔ اور جو انسان اس زنجیر اور قید گناہوں سے نجات پائیگی ضرورت محسوس کرتا ہے اُسے اس طریق پر نجات میں سر ہوگی پس اگر کوئی شخص قصوں اور کہانیوں کو لکھتے ہے پھینک کر اور ان وہمی حیلوں اور خیالی ذریعوں کو چھوڑ کر کسی شخص کی خودکشی بھی گناہ سے نجات دے سکتی ہے۔ صدق اور اخلاص لیکر ہماری پاس یہاں رہے تو وہ خدا کو دیکھ لیگا۔ اور خدا کو دیکھ لینا ہی گناہ پر موت واد کرنا ہے۔ ورنہ اتنی ہی بات پر خوش ہو جانا کہ فلاں گناہ مجھ میں نہیں ہے۔ یا فلاں عیب کے میں بچا ہوا ہوں حقیقی نجات کا وارث نہیں بنا سکتا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے۔ کہ ایک شخص نے اسٹرکینا کھا کر موت حاصل کر لی تو دوسرے نے سم الفاریا با دام کے زہر سے جان دیدی۔ ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ عیسائیوں یا کسی مذاہب کے پیش کردہ طریق نجات پر لمبی چوڑی بحث کریں ان کے جھٹلانے کے لئے بجز اور مشاہدہ و گواہ ہے۔ بلکہ ہم تو صرف وہی طریق گناہوں سے نجات حاصل کریں گے جو خدا تعالیٰ نے ہمیں سمجھایا ہے۔ اور جس طریق پر ہمیں اطلاع بخشنی ہے پس گناہوں سے بچنے کا سچا طریق جو مجھے بتایا گیا ہے۔ اور جسے جملہ انبیاء کی پاک جماعت نے اپنے اپنے وقت پر دینا کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ جذبات نفسانی پر انسان کو اُسی وقت کامل فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ اور شیطان اور اُسکی ذریت کی شکست کا وہی وقت ہو سکتا ہے جبکہ انسان کے دل پر ایک درخشاں یقین نازل ہو۔ کہ خدا ہے۔ اور یہ امر اُسکی پاک صفات کے صریح خلاف ہے۔ کہ کوئی شخص گناہ کرے کیونکہ گناہ کا روں پر اس کا غضب بھڑکتا ہے۔ اور پاکبازوں کو پاک و افضل اور رحمت ہر بلا سے نجات بخشنے ہیں۔ اور یہ معرفت اور یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ انسان اُن لوگوں کی صحبت میں ایک عرصہ تک نہ رہے جو خدا تعالیٰ سے ایک شدید تعلق رکھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا فیضان اُس سے حاصل کر کے مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ پس یہی ہماری غرض ہے۔ جسے لیکر ہم دنیا میں آئے ہیں۔ اور یہی ہم نے آپ کو سنا دی ہے۔ اب آپ اس پر غور کریں۔ اور جو اعتراض اس کے بارے میں آپ کے دل میں اُٹھے وہ بلا شک آپ بیان کر دیں۔“

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی تقریر کا ایک حصہ میں ختم کر دیا۔ اور مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا۔ کہ وہ اس تقریر کا مقصد ان کے ذہن نشین کر دیں۔ چنانچہ مولوی صاحب نے ایک نہایت اہسن طریق پر مضمون کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے مسٹروڈکشن کے ذہن نشین کر دیا۔ گو اس انگریزی کا اصل بلف تو وہی لوگ اٹھا سکتے تھے جو انگریزی زبان کو سمجھ سکتے تھے۔ تاہم یہ اعتراض کرنا پڑتا ہے۔ کہ مضمون کی اس عمدگی سے ادانگی بدون ربانی تائید کے ممکن تھی تقسیم مضامین کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے جس طرح مولوی صاحب نے مسٹروڈکشن کے ذہن نشین کیا۔ (اول) آپ کے مہمان ہونے کی صورت میں ہم آپ کو ایک تحفہ دینا چاہتے ہیں اور وہ تحفہ یہ تقریر ہے۔ کہ گناہ بچنے کا طریق آپ کو بتاؤں اسلئے بھی کہ انبیاء کی بڑی غرض یہی امر ہوتا ہے اسلئے بھی یہ مضمون آپ کو سنانا چاہتا ہوں (دوم) گناہ سے نجات پانے کی ضرورت عالمگیر ضرورت ہے۔ اور ہر قوم و ملت کے لوگوں اسکو محسوس کیا ہے۔ اور اسکے لئے مختلف طریقے تجویز کئے ہیں ان طریقوں کا تجویز کرنا اور اس ضرورت کو محسوس کرنا بتاتا ہے۔ کہ گناہ سے بچنے کی ضرورت انسانی فطرت کا تقاضا ہے (سوم) جو طریقے گناہ سے بچنے کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں وہ ناکافی ثابت ہوئے ہیں مثال کے طور پر عیسائی مذہب کے کفارہ کا طریق کوئی مفید اثر پیدا نہیں کر سکا (چہاد م) جب گناہ سے بچنے کی ضرورت فطرتی طور پر محسوس ہوتی ہے پھر اس کا اصل علاج کیا ہے (پنجم) اصل علاج گناہ سے بچنے کا بھی انسانی فطرت میں ایک اصول اور نمونہ رکھتا ہے (ہشتم) وہ نمونہ یہ ہے۔ کہ انسان مفید چیزوں کی رغبت کرتا ہے اور مفید اشیاء سے دور بھاگتا ہے۔ پس گناہ کے مصداق کا علم اور نیکی کے مفاد کی معرفت ضروری ہے جو خدا پر سچے یقین سے پیدا ہوتی ہے (ہفتم) یہ معرفت کیونکر ہو اور خدا تعالیٰ پر سچا یقین کیسے پیدا ہو؟ یہ خدا تعالیٰ کے ماموروں و برگزیدوں کی صحبت میں رہنے سے ملتی ہے (ہشتم) اسوقت بھی خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا ہے جو اب بھی گناہ سے نجات پانے کی راہ بتاتا ہے (نہم) وہ سلسلہ میرا سلسلہ ہے اور خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔

مولوی صاحب جب یہ تقریر ختم کر چکے تو مسٹروڈکشن نے اپنا سلسلہ کلام اس طرح شروع کیا:-

مسٹروڈکشن = کیا خدا اس جہان میں سزا دیتا ہے یا دوسرے جہان میں؟ (الحکم جلد ۲)۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ میں نے آپ کے سوال کو سمجھ لیا ہے۔ جو کچھ خدا تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت ہمیں بتایا ہے اور واقعات مجھ نے جس کی شہادت دی ہے۔ اس سے صاف معلوم

ہوتا ہے۔ کہ سزا و جزا کا قانون خدا تعالیٰ نے ایسا مقرر کیا ہے کہ اسکا سلسلہ اسی دنیائے شروع ہو جاتا ہے اور جو شوخیاں اور شرارتیں انسان کرتا ہے۔ وہ بجائے خود انہیں محسوس کرنا ہے یا نہیں کرتا۔ انکی سزا اور پاداش جو یہاں ملتی ہے اُسکی غرض تنبیہ ہوتی ہے۔ تاکہ توبہ اور رجوع سے شوخ انسان اپنی حالت میں نمایاں تبدیلی پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ عبودیت کا جو رشتہ ہے اُسکو قائم کرنے میں جو غفلت اُسنے کی ہے۔ اُسپر اطلاع پاکر اُسے مستحکم کر لے۔ اُلفت یا تو انسان اس تنبیہ سے فائدہ اٹھا کر اپنی کمزوری کا علاج اللہ تعالیٰ کی مدد سے چاہتا ہے۔ اور یا اپنی شقاوت سے اس میں دلیر ہو جاتا ہے اور اپنی سرکشی اور شرارت میں ترقی کو کہے جنم کا وارث ٹھہر جاتا ہے۔ اُس دنیا میں جو سزائیں بطور تنبیہ دیا جاتی ہیں انکی مثال کتب کی مانند ہے اور جس طرح کتب میں کچھ خفیف سی سزایوں کو انکی غفلت اور سستی کے لئے دی جاتی ہے۔ اور اُس سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ اُستاد اُن کو علوم سے بے بہرہ رکھنا چاہتا ہے۔ بلکہ اُسکی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنی اصلی غرض پر اطلاع دیکر آئندہ کملے اُن کو زیادہ محتاط اور ہوشیار بنائے ایسا ہی اللہ تعالیٰ جو انسان کو اسی دنیا میں اُسکی شرارتوں اور شوخیوں کی کچھ سزا دیتا ہے۔ تو اُسکا بھی اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ نادان انسان جو اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے۔ اپنی شرارت اور اُسکے بڑے ناچ پر مطلع ہو کر اللہ تعالیٰ کی غفلت اور جبروت سے ڈر جائے۔ اور اُسکی طرف رجوع کرے۔ میں نے اپنی جماعت کے روبرو بارہ اس امر کو بیان کو بیان کیا ہے۔ اور اب کہ کوبھی بتاتا ہوں کہ جب انسان ایک فعل کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی نتیجہ کے طور پر ایک فعل اُسپر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم زہر کی کافی مقدار کھا لینگے۔ تو اُسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ اب اس میں زہر کھانا ہمارا اپنا فعل تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسپر یہ فعل ظاہر ہوا کہ اُسنے یہیں ہلاک کر دیا۔ یا مثلاً اگر ہم اپنے گھر کی کٹھڑی کی کھرکیاں بند کر لیں تو یہ ہمارا فعل ہے اب اُسپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فعل صادر ہوگا کہ کٹھڑی میں اندھیرا ہو جائیگا۔ بعینہ اسی طرح پر انسانی افعال اور اُن پر بطور نتائج اللہ تعالیٰ کے افعال کے صدور کا قانون دنیا میں جاری ہے۔ اور یہ انتظام جیسا کہ ظاہر سے تعلق رکھتا ہے جس کی نظیریں ہم ہر روز حجابی نظام میں دیکھتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ باطن سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ اور یہی ایک اصول ہے جو قانون جزا و سزا کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمارا ہر ایک فعل خواہ وہ نیک ہو یا بد اپنے نتیجہ کے طور پر ایک اثر رکھتا ہے۔ جس کا ظہور ہمارے فعل کے صدور کے بعد ہوتا ہے۔ اسکے بعد ہم عذاب و راحت کو جو گناہوں کی پاداش یا نیکیوں کی جزا میں

دیا جاتا ہے بہت عمدہ طرح پر سمجھ سکتے ہیں احیوں پوری بصیرت اور سمجھ کھٹا کہتا ہوں کہ اس غلامی کو بیان کر نہیں دیکھو عذاب اللہ کل
 عاری اور تہی ہیں ہر ایک شخص جو خدا کا مانتا ہے۔ اس کا انکار ہی ہو کہ انسان خدا کی بنیاد پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی ساری شیونگی
 انتہا اور ساری رخصتی غایت اسی میں ہو سکتی ہے کہ وہ سار کا سارا خدا تعالیٰ کی ہو جائے۔ اور جو تعلق الوہیت اور عبودیت میں
 چاہے وہ کچھ اور طوطا پر قائم کرے۔ یا یوں کہو کہ جب تک انسان اس تعلق کو مستحکم نہیں کرتا اور اسی خیر مغل میں نہیں لاتا وہ بھی خوشحالی
 کو ہرگز نہیں پاسکتا۔ انبیاء کو انہی اہل غرض ہی ہوتی ہے۔ اور وہ اسی ہم مقصد کو لیکر آتے ہیں کہ انسان اس متاعِ گمشدہ کو
 واپس لے لے۔ جو الوہیت اور عبودیت کے تعلق میں ہوتی ہے۔ لیکن حریفانِ خدا تعالیٰ سے دوسری اختیار کر لیتا ہے۔ اور اپنے
 آپ کو اس محبت کی بخیر سزا لگ کر لیتا ہے۔ جو خدا اور بندہ کے درمیان ہونی چاہئے تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے فعل صادر ہوتا ہے کہ وہ
 بھی اہل انسان کو وہ ہو جاتا ہے اور اس بعد اور وعدی کے سبب انسانی قلب پر نیکی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اقبال کی طرف
 سے دروازہ بند کر دینے پر ظلمت اور تاریکی ہی کہہ کر جاتا ہے۔ اس طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے منبہیر لینے کی وجہ سے انسان کا غلبہ
 سے بھر جاتا ہے۔ اور جتنی دوری اور بعد خدا تعالیٰ سے کرتا ہے اس کی مطابق ظلمت بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آخر کار
 انسان کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس ظلمت کا دوسرا نام جہنم ہے۔ اور اسی ہی ایک عذاب پیدا ہوتا ہے۔
 اب اگر انسان اس عذابِ جہنم کے لئے سعی کرے اور ان اسباب کو جو خدا تعالیٰ نے سببِ درد و رنج کا موجب ہوئے تھے
 چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس پر رجوع و رحمت ہوتا ہے۔ اور جس طرح کھڑکی کے کھول دینے سے گم شدہ
 روشنی واپس آکر تاریکی کو دور کر دیتی ہے۔ اسی طرح پر سعادت کا نور جو گم ہو گیا تھا وہ رجوع کرے تو انسان کو واپس
 دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے پورا پورا مستفید ہو لگتا ہے۔ تو یہ سب کی سب حقیقت ہے جس کے نظائر ہم قانونِ قدرت میں
 مشاہدہ کرتے ہیں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انبیاء کے وقتوں میں جو عذاب اقوام پر آتے تھے وہی
 جیسے خدا حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر ایسا ہی دیکھتے تھے اور طیسن و می کے ذریعہ سے۔ تو ان عذابوں کا سبب محض اخلاقی
 عقائد یا خیالات نہیں ہوتے۔ بلکہ ان عذابوں کا باعث ان اقوام کی وہ شرارتیں و شوخیاں اور نکالیف ہوتی ہیں۔
 جو وہ انبیاء کے ساتھ کرتے اور انکو پہنچاتے ہیں جس کے نتیجہ میں انکی شرارتیں ان پر ہی لوٹ کر پڑتی ہیں۔ اور انہیں
 ہلاک تباہ کر دیتی ہیں انکی مثال جینہ طرح ہے کہ اصول سیاست و ملکہ داری میں یہ قاعدہ ہے کہ امن عام میں مل انداز ہو جاتا
 ہے جو رٹو کو۔ باغی یا کوئی اور مجرم کرے تو انکو محض اسلئے سزا دی جاتی ہے کہ تا آئندہ کے لئے امن ہو اور دوسرے لوگ اس سختی سے
 پھر خدا تعالیٰ نے یہ قانون مقرر کر رکھا ہے کہ وہ شریر مل اور سرکشوں کو جو اس کے حدود و ادوار کی پرواہ نہیں کرتے سزا دیتا ہے
 تاکہ وہ خدا کے بڑے جائیں اور جن لوگوں کو خدا بڑھتا چلائے خدا تعالیٰ نے انہیں وہیں تنبیہ کی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ
 سزا اور تنبیہ اس شخص کے لئے بھی ہے جسے دی جاتی ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو اسے عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بطور رحمت کے
 ہے کیونکہ ایسی صورتیں اگر سزا نہ دی جاتی۔ تو امن اٹھ جاتا۔ اور انجام کار اس کا نتیجہ بہت برا ہوتا۔ قانونِ قدرت

پر بھی نظر فرمائیے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت انسانی میں یہ بات لکھی ہوئی ہے اور اسی فطرتی نقش کی بنا پر ہی قرآن شریف نے فرمایا وَلَكِنَّ فِي الْإِنْسَانِ إِفْصَارًا خَلَقَهُ يَافًوًا اَلْاَلْبَابُ يَعْنِي تَهَاوُنًا كَمَا قِيَامُ كَيْفَ تَقَامُ صَاحِبًا بِمَوَاضِعِهِ هِيَ اِذَا فَعَالٍ كَچھ نتائج ہی نہ ہو تو وہ انفعال کیلئے ہو اور اس کی غرض متفقہ ہوتی ہے غرض جو سزاؤں میں نیامیں سبکیا جاتی ہیں اس سزاؤں کا جو دوسرے عالم میں سبکیا جاتی ہیں ایک ظن ہیں۔ اور ان کا مقصد صرف بستر ہے۔ دوسرے عالم کے مقاصد اور ہیں اور وہ بہت بالاتر ہیں۔ وہاں تو مَنْ يَفْعَلْ مَثْقَلًا ذَرَّةً يَنْشَأَنَّ لَهُ كَالْعِصْیٰ كَالْعِصْیٰ كَالْعِصْیٰ كَالْعِصْیٰ اور انسان کو اپنی غفنی و درغفی گناہوں اور غفنی گناہوں سے بھگتنی پڑیگی۔ دنیا اور آخرت کی سزاؤں میں ایک جواز فرق یہ ہے کہ دنیا کی سزاؤں میں اس قائم کرنے اور عبرت دینے کے لئے ہیں اور آخرت کی سزاؤں میں انفعال انسانی کے آخری اور انتہائی نتائج میں وہاں سے ضرور سزا ملنی ٹھہری کیونکہ اُسے گناہ کی نہ رکھائی ہوئی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ بدون تریاق وہ اس لہر کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ عاقبت کی سزا پھر اندر ایک ظن بظاہر حقیقت کھتی ہے۔ جسے کوئی بھی مذہب بغیر اسلام کے کامل طور پر بیان نہیں کر سکا۔ قرآن شریف میں اَللّٰهُ تَعَالٰی وَفَا تَا هُوَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهِ اَنْعَمٰی كَذٰلِكَ فِی الْاٰخِرَةِ اَنْعَمٰی وَاصْلٌ سَبِيْلًا یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہو وہ اس دوسرے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ بلکہ اندھوں کی بھی بدر اس ہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو دیکھنے کی آنکھیں اُس کے دریافت کرنے کے حوالے ہی جہان سے انسان اپنے ساتھ لیجاتا ہے۔ اور جو شخص یہاں ان حوالے کو نہیں پاتا وہ دوسرے جہان میں ان حوالے سے نہیں ہوگا۔ یہ ایک دقیق راز ہے جس کو عام لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ مادہ اگر اس بات کو یہ معنی نہیں ہیں تو پھر یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ اس جہان میں جو لوگ کھونک اڑے ہیں وہ اس جہان میں بھی نابینا ہو گئے۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو بغیر کسی غلطی کے پہچانا اور اسی دنیا میں صبح طور پر اسکی صفات و اسماء کی معرفت حاصل کرنا آئندہ کی تمام راحتوں اور روشنیوں کی کلید ہے۔ اور یہ آیت اس امر کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہے کہ اسی دنیا سے ہم عذاب اپنی ساتھ لیجاتے ہیں اور اس دنیا کی کو رازداریست اور ناپاک افعال ہی اس دوسرے عالم میں عذاب جہنم کی صورت میں نمودار ہو جائیں گے اور وہ کوئی نئی بات نہ ہوگی جس طرح ایک شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر لے اور روشنی سے محروم ہو جاتا ہے اور تازہ اور زنگی بخش ہوا اُسے بہتیں مل سکتی ہیں یا کسی قسم کا نہ رکھا لینے سے اُسکی روشنی باقی نہیں رہ سکتی اسی طرح اگر جب ایک آدمی خدا کی طرف سے ہمتا ہے اور گناہ کرنا ہو تو وہ ایک غفلت کے نیچے آکر عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

گناہ اہل میں جنہ تھا جس کے لئے مل کرنے اور اہل مرکز سے ہٹ جائے ہیں پس جب انسان خدا تعالیٰ سے اعراض کرتا ہے اور اُس کے لئے مقابل سے ہٹ جاتا ہے اور اُس روشنی سے دور ہو جاتا ہے۔ جو صرف خدا تعالیٰ کی طرف ہی تڑپتی اور دلورن زانل ہوتی ہے تو وہ ایک تاریکی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو اُس کے لئے عذاب کا موجب ہو جاتی ہے۔ پھر جس قسم کا انعام ہو اسی قسم کا عذاب اُس کو دیتا ہے۔ لیکن اگر انسان پھر اُس مرکز کی طرف آنا چاہے اور اپنے آپ کو اُس مقام پر پہنچا دے جو اُسکی روشنی کے پڑنے کا

مقام پر تودہ پھر اس گم نشدہ کو کو پا لیتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ہم دنیا میں کھتے ہیں کچھ کمزور میں ہم روشنی کو ایسے وقت میں پاسکتے ہیں جبکہ اسکی کھڑکیاں کھول دیں اس طرح پر روحانی نظام میں مرکز اصلی کی طرف بازگشت کرنا ہی راحت کا موجب بنتا ہے اور اُس کچھ درد سے بچنا ہے جو اس مرکز کو چھوڑ کر سے پیدا ہوتا تھا۔ اسکی کام تو بد ہے اور طبیعت جو اس طرح پر پیدا ہوتی ہے ضلالت اور جہنم کہلاتی ہے اور مرکز اصلی کی طرف رجوع کرنا جو راحت پیدا کرتا ہے۔ وہی جنت ہے تعبیر تو یہاں ہو کر گناہ و ہلکے پھر نیکی کی طرف آنا جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے اُس پر ہی کا کفار ہو کر اُس کو مدد کرتا ہے اور اُس کے بدلے کچھ سلب کر لیتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ یعنی نیکیاں برے نیکیوں کو مٹاتی ہیں چونکہ بری میں پاکت کی نہ رہے۔ ایسی نیکی میں رنگی کا تریاق۔ جسے بری نہ ہو کہ وہ کر نیکیاں اور نیکیاں ہی ہو یا اسی کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ عذاب راحت کی نفی کا نام ہے۔ اور نجات راحت اور خوشحالی کے حصول کا نام ہے اسی طرح پر طبیعت یا ساری اہل حالت کا نام ہے۔ جو طبعاتیں حری طبیعت پر نہ رہی۔ اور صحت وہ حالت ہے کہ وہ طبیعت اپنی اصلی حالت پر قائم رہے اور جس طرح کھنڈ یا پوں یا کسی اور عضو کا اپنے خاص مقام سے دور اور دھڑلہ ہٹ جائے وہ شروع ہو جاتا ہے اور وہ عضو نکلتا ہو جاتا ہے۔ اور اگر چند ہی اسی حالت پر رہی۔ تو پھر نہ مرنے خود ہی بالکل بیکار ہو جاتا ہے بلکہ دوسرے اعضا پر بھی اپنا اثر ڈالنے لگتا ہے۔ یعنی یہی حالت روحانی امور کی ہے کہ جب انسان غلام کے سامنے سے جو اسکی زندگی کا اصل موجب یا یہ حیات ہے ہٹ جاتا ہے۔ اور فطرتی دین کو چھوڑ دیتا ہے تو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ اور اگر قلب مُردہ نہ ہو گیا ہو اور اس میں احساس کا مادہ باقی ہو تو وہ اس عذاب کو خوب محسوس کرتا ہے اور پھر اگر اس کی گڑی ہوئی حالت کی اصلاح نہ کی جائے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ پھر ساری روحانی قوتیں رفتہ رفتہ نکلی اور بیکار ہو جائیں اور ایک شدید عذاب شروع ہو جائے۔ پس ایک ہی حالت کی گھسیا یہ امر سمجھیں کہ جانا ہے۔ کہ کوئی عذاب باہر سے نہیں آتا بلکہ خود انسان کے اندر ہی نکلتا ہے۔ بلکہ اس امر سے انکا وہ نہیں کہ عذاب خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ بیشک اسی کا فعل ہے۔ مگر اسی طرح جیسے کوئی شخص دہر کھلے تو خدا تعالیٰ اسے ہلاک کر دے پس خدا تعالیٰ کا فعل انسان کے اپنے فعل کے بعد ہوتا ہے اور اسی کی طرف اصلاح کرنے نے ارشاد فرمایا ہے تَاذِرُ اللّٰهُ الْمُوَفَّقَةُ اَلَّذِيْ كُتِلِعَ عَلٰی الْاَقْمِدَةِ یعنی خدا کا عذاب آگ ہے جسکو خدا چھڑکا ہے اور اسکا شعلہ انسان کے دل ہی سے اُٹھتا ہے۔ اسکا مطلب صاف الفاظ میں یہی ہے۔ کہ عذاب کا اصل منبع انسان کے اپنی جو وہی کی ناپاکی ہے جو عذاب کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح پر بہشت کی راحت کا اصل سرچشمہ بھی انسان کے اپنے افعال ہی میں۔ اگر انسان فطرتی دین کو نہیں چھوڑتا اور مرکز اعتدال سے ابھر کر نہیں ہٹتا اور اسکی عبودیت الہیت کے محاذ میں پڑی ہوئی خدا تعالیٰ کے اوار سے حصہ لے رہی ہو تو پھر یہ اُس عضو جمع کی طرح ہے جو اپنے تمام محسوسات سے نہیں گیا۔ اور ٹھیک طور پر اُس کام کو ادا کر رہے ہے جسکے لئے خدا تعالیٰ نے اُسے پیدا کیا ہے اور اُسے کچھ بھی درد نہیں بلکہ راحت ہے مگر ان شریف

میں اللہ تعالیٰ سے فرمایا ہے وَتَشِيرَ الْإِذْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّ كَلِمَ جَبَّتِ تَحْيَىٰ مِنْ تَحْتِهَا
 الْآتِهَا دَلِيلِي جَوَ لُك اِيْمَان لائے اور چھپے عمل کرنے ہیں اُنکو تو شجرِی مہرہ و کہہ اُن باغوں کے وارث ہیں جتنے
 نیچے نیاں یہ رہی ہیں اس امت میں ایمان کی اللہ تعالیٰ نے بلوغ سے مثال دی ہے۔ اور اعمال صالحہ کو نہروں سے
 اور جو رشتہ اور تعلق نہر جا رہا ہے اور باغیں ہے وہی رشتہ اور تعلق اعمال صالحہ کو ایمان کے ہے پس جرح سے ممکن نہیں کہ کوئی
 بالغ بغیر باغی کے سرسبز اور نمودار ہو سکے۔ یہ طرح پر کوئی ایمان جس کے ساتھ کوئی ایمان صالحہ نہ ہوں مفید اور کارآمد نہیں ہوتا
 پس ثابت کیا ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ ہی کے مجتم نظر سے ہیں وہ بھی دوزخ کی طرح کوئی خارجی چیز نہیں ہے۔ بلکہ
 انسان کا بہشت بھی اسکے اندر ہی سے نکلتا ہے۔ یاد رکھو کہ دوسرے عالم میں جو راحتیں ملتی ہیں وہی پاک نفس ہوتا ہے
 جو دنیا میں بنایا جاتا ہے۔ پاکہ بان کو دیکھنا ملتا رکھتا ہے اور نیک اعمال اور اخلاق فاضلہ یہ اس پردہ کی آبپاشی کے لئے بطور
 نہروں کے ہیں جو اس کی سرسبزی اور نشادانی کو بحال رکھتے ہیں اس دنیا میں تو انکی مثال ایسی ہے جیسا کہ خواب میں اُنکو دیکھا
 جاتا لیکن دوسرے عالم میں محسوس اور مشاہد ہونے لگتا ہے وہ ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جب بہشتی لوگ ان الغامات
 ہو رہے ہوں گے۔ ذَٰلِكَ يَوْمَ الَّذِي دُرِّقَتَا مِنْ قَبْلُ وَاتُّوا بِهٖ مُنْشَاۡتَا۔ اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ
 دنیا میں جو دور دورہ شہد۔ انگور یا انار وغیرہ اشیاء ہم کھاتے پیتے ہیں وہی وہاں لینگے۔ نہیں بلکہ وہ چیزیں اپنی نوعیت
 اور حالت کے لحاظ سے بالکل اور کی اور ہونگی ہاں صرف نام بگڑ کر پایا جاتا ہے۔ اور اگرچہ ان تمام نعمتوں کا نقشہ جسمانی طور پر دیکھا
 گیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ دوسرے جہان کی چیزیں روح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت پیدا کر دی ہیں
 اُنکا سرچشمہ روح اور راستی ہے۔ دُرِّقَتَا مِنْ قَبْلُ سب سے پہلے دیکھا کہ دنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں بالکل غلط ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا
 منشأ امت یہ ہے کہ بہن مومنہ اعمال صالحہ کئے انہوں نے اپنے ہاتھوں ایک بہشت بنایا جس کا پھل وہ اس دوسری
 زندگی میں بھی کھائیں گے۔ اور وہ پھل چڑ کر وہاں پر دنیا میں بھی کھا چکے ہونگے اسلئے اس علم میں اُنکو پہچان لینگے۔
 اور کہیں گے یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں اور یہ وہی روحانی ترقیاں ہوتی ہیں جو دنیا میں کی ہوتی ہیں اسلئے وہ عابد
 و عارف لوگ اُنکو پہچان لینگے۔ جس پھر فنا کر کے کہنا چاہتا ہوں کہ بہشت میں ایک فلسفہ جو حکما رابطہ باہم
 اُسی طرح قائم ہوتا ہے جرح سے بھی بنے بنایا ہے۔ مگر اس بات کو کبھی بھی نہ بھولنا چاہئے۔ کہ دنیا کی سرائیں تنبیہ اور عبرت
 کے لئے انتظامی رنگ کی حیثیت رکھتی ہیں سیاست اور رحمت و دوز باہم ایک رشتہ رکھتی ہیں۔ اور اسی رشتہ کے
 اظلال یہ سرائیں اور جزائیں ہیں انسانی افعال و اعمال اسی طرح محفوظ اور بند ہوتے جاتے ہیں جس طرح فوٹو گراف
 میل واز بند کی جاتی ہے جب تک انسان عارف نہ ہو اس روحانی سلسلہ پر غور کر کے کوئی لذت اور فائدہ نہیں حاصل
 کر سکتا۔ معرفت کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اول انسان خدا شناس ہو اور خدا شناسی حاصل نہیں ہوتی عین تک کہ
 انسان کسی خدا انما انسان کی مجلس میں صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ ایک کافی مدت تک رہے۔ پھر اس کے بعد

وہ اس خبر اور تراس اور تیا و عقبی کے سلسلہ و تعلق کوڑی سہولیت کیسے سمجھ لیکھا۔ مگر بیان پر غور کرنے سے
صفا طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن شریف نے جو فلاسفہ بہشت اور دوزخ کی بیان فرمائی ہے وہ کسی مدسری کی کتاب
یا مذہب سے نہیں بتلائی۔ اور قرآن شریف ہی کے مطالعہ سے یہ امر بھی اصرع ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسوہ نذیر کا بیان
فرمایا ہے۔ لیکن یہ راز ان لوگوں پر ہی کھل سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور پاک نفس لیکر سوچتے ہیں۔ کیونکہ
کبھی عہدہ اور مفید بات بغیر تکلیف کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ ہر ایک شخص کیوں اس راز پر اطلاع نہیں پاتا
اسکی مثال ایسی ہو جیسا کہ مثلاً دیکھو ہمارے اس کے کام الگ۔ الگ مقرر ہیں۔ انکے صرف کچھ سکتی ہے۔ زبان چکھ
سکتی اور بول سکتی ہے۔ کان سن سکتے ہیں گویا کہ ہر ایک کو اس اپنے اپنے فرائض اور قوت کا ذمہ دار ہے۔ کبھی
نہیں کہتا۔ کہ کان کے پاس مصری کی ایک ٹلی رکھ دیجائو اور توقع کی جائے کہ وہ اسکا ذائقہ بتائے۔ یا آنکھ
خارجی آوازیں سن لے۔ یا زبان دیکھ سکے پس اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی معرفت کے دقیق ہر ایک کو معلوم کرنے کے لئے
خاص قوی میں وہی پیر اطلاع دیتے ہیں اور گویہ قوی سب انسانوں کو دیکھ گئے ہیں لیکن فائدہ وہی شخص اٹھا سکتا ہے
جو ان قوی سے کام لے۔ لیکن کوئی قوی آخر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ کی ایمانی حالت بہت ہی کمزور ہوتی
ہے۔ اور وہ ظنیات سے آگے نہیں بڑھتے۔ افلاطون جو بڑا مدبر اور دانشمند سمجھا جاتا تھا۔ جب مرے لگا تو اُس نے ہی کہا
کہ غلامیت پر اُس کے لئے ایک مرغ چڑھا دیا جا۔ اسی معلوم ہوا ہے کہ اسکا ایمان کیسا کمزور تھا۔ توحید پر قائم نہ ہوا۔
پس عظیم الشان بلوہ جسے ایک چمکتا ہوا یقین حاصل ہو۔ اور خدا تعالیٰ پر علی وجہ البصیرہ ایمان قائم ہو۔ ایک ہی ہے
کہ انسان ان کو کوئی محبت اختیار کرے جو خدا تعالیٰ کے وجود پر زندہ شہادت دیجو والے ہوں۔ اور خود جنہوں نے اس سے
سن لیا ہو۔ کہ وہ ایک قادر مطلق اور عالم الغیبات صفات حسنہ و کاملہ سے موصوف ہذا ہے۔ ابتدا میں جب انسان ایسے
لوگوں کی صحبت میں جاتا ہے تو اسے ان کی باتیں بالکل انوکھی اور زالی معلوم ہوتی ہیں اور اسی لئے اُنکے دل پر بہت کم اثر کرتی ہیں۔ گو
دل انکی حالت کھینچا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اندرونی گندگیوں اور زہا پاکیزگیوں کی باتوں کی ایک جنگ شروع ہو جاتی ہے
اور جو کچھ کرد و عبادت پر چٹھا ہوا تھا۔ جو صادق کی باتیں اور ہر کے جلا دیتا چاہتی ہیں کہ تا اسیں یقین کی قوت پیدا
ہو جو صراطِ کبریٰ کی انسان کو سہل دیا جاتا ہے تو دوست اور دو آتی پیٹ میں جا کر ایک گڑ گڑاہٹ سے پیدا کرتی ہے اور
حمام مو اور دیہ اور فارسی کو حرکت اور جوش دیکر بار نکال دیتی ہے اسی طرح ہر صادق ان ظنیات کو دھڑکنا چاہتا ہے اور سچے
علوم اور اعتقاد صحیح کی معرفت کو لانی چاہتا ہو۔ اسلئے اُس کی معرفت کی باتیں اُس کو جیسے ایک عرصہ راز ایک اور
ہی دنیا میں بسر کیا ہوا ہوتا ہے ناگوار اور ناقابلِ عمل معلوم ہوتی ہیں لیکن آخر کار سچائی غالب آ جاتی ہے اور باطل پرستی
کی قوتیں بالکل مرجاتی ہیں اور حق پرستی کی قوتیں نشوونما پانے لگتی ہیں۔ پس میں اس دور کو لیکر آیا ہوں اور دنیا میں
قوت یقین کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس قوت کا پیہ اہم ناصرف الفاظ اور باتوں سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ

اُن نشانات سے نشوونما پاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مقتدرانہ طاقت سے صادر ہو کر کائنات پر ظہور پاتے ہیں۔ میرا مدعا یہی ہوتا ہے کہ دوسری کلام نہ کروں۔ جب تک کہ ایک امر سننے والے کے ذہن میں قائم نہ کروں اور سننے والا فیصلہ نہ کرے کہ اس بات کو اسنو بخوبی سمجھ لیا ہے یا اس پر کوئی اعتراض کرے (الحکم جلد ۲۷، ص ۷۱) کیونکہ سوال کرنا بھی ایک قسم کا علم پیدا کرنا ہوتا ہے۔ سوال نصف العلم مشہور ہے۔ پس میں اس بات کو بھی شیعیت سمجھتا ہوں کہ کسی شخص کے دل میں امر حق کے متعلق سوال کرنا بھی تحریک پیدا ہو جائے۔ یقیناً یا درگھو۔ کہ سچی معرفت ہر ایک طالب حق کو مستقل مزاجی سے اس راہ میں قدم رکھتا ہی مل سکتی ہے۔ یہ کسی شخص کے لئے خاص نہیں ہے۔ ہاں یہ بات بھی سچ ہے۔ کہ جو شخص غفلت کرتا ہے اور صدق نیت سے اس کی جستجو نہیں کرتا اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو ہر ایک انسان کو اپنی معرفت کے رنگ سے رنگین کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اور اسی لمحوں میں دیا ہے والذین جاہدوا فینا لہم دین ہم سبلسنا۔ جن لوگوں نے ایک عورت کے بچے کو یا یوں کہو کہ انسان کو خدا بنا رکھا ہے اسنو خدا کو سمجھا ہے اور نہ انسان کی ہی حقیقت پر غور کی ہے۔ انسان کیا ہے؟ وہ گویا کل مخلوقات الہیہ کی ایک مجموعی صورت ہے جو بقدر مخلوق دنیا میں موجود ہے جیسا کہ بحیرہ کبریٰ وغیرہ سب انسانی قوتوں کی انفرادی صورتیں ہیں جس طرح کہ جب ایک مصنف کوئی کتاب لکھنا چاہتا ہے تو پہلے اسکے پاس تفریق نوٹ ہوتے ہیں پھر انکو ترتیب دیکر ایک کتاب کی صورت میں لے آتا ہے اسی طرح ہر کل مخلوقات انسانی قوتوں کے خاتمے میں سکویا یہ علمی صورت بتاتی ہے کہ انسان اعلیٰ قوی لیکر آیا ہے۔ پس عیسائی مذہب انسانی قوی کی تہ میں کرتا ہے اور انکی تکمیل اور نشوونما کے لئے ایک خطرناک رک پیدا کر دیتا ہے جبکہ وہ انسان کو خدا بنا کر اسکے خون پر جنت کا احصاء رکھ دیتا ہے۔ پس جو بات میں آپکو پہنچا چاہتا تھا وہ یہی ہے۔ کہ میں انسان کو گناہ سے بچنے کا حقیقی ذریعہ بتاتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا کرنے کی راہ دکھاتا ہوں۔ یہی میرا مقصد ہے جس کو لیکر میں دنیا میں آیا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ اسکو سمجھ لیں اور غور سے سمجھ لیں۔ تاکہ جہاں کہیں آپ جائیں۔ اور دوستوں میں بھیجے کر اپنے سفر کے عجائبات سنائیں وہاں انکو یہ باتیں بھی بتائیں جو میں نے آپکو سنائی ہیں۔ (یہ ساری تقریر مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے فصیح انگریزی میں بیان کر کے مسٹوڈ کسن کے ذہن نشین کیں۔ بعد اسکے خانمہ کے مسٹوڈ کسن نے کہا)۔

(باقی)

کتاب مؤلفہا خاکسار محمد منظور الہی

البشرے حصہ اول - الہامات حضرت
مسیح موعود قبل از دعویٰ مسیحیت قیمت ۴-
ایضاً حصہ دوم - الہامات حضرت مسیح موعود
از ابتدائے دعویٰ تا وفات - قیمت ۴-
مکاشفات - روپا و کشوف حضرت مسیح موعود ۴-
مکمل قیمت ۴-
نماز با ترجمہ اُردو قیمت ۱۰-
نماز ترجمہ انگریزی قیمت ۲-
مسیح قرآن میں اُردو قیمت ۱-
واقعات صلیب اُردو قیمت ۱-
واقعات صلیب عربی
قیمت ۲-